03[illegible]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا (الحجرات ٦)

اے ایمان والو ! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اِس کی تحقیق کر لیا کرو۔

شب برات

ایک تحقیقی جائزہ

محقق و نقّاد

علاّمہ حافظ قاری حبیب الرحمان صدیقی کاندھلوی

ماہرِ تاریخ، شیخ القرآن و امام الحدیث

شائع کردہ

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

۳۔۷۔ اے۔ بلاک نمبر ا۔ ناظم آباد۔ کراچی ۷۴۶۰۰

فون : ۶۲۱۴۴۹

Marfat.com

DATA ENTERED

جملہ حقوق محفوظ

سلسلہ اشاعت نمبر (۷)

۲۹۷۱۴
۲۷۳ شب
۳۴۵۵۹

اشاعت سوم

شعبان ۱۴۱۴ھ ——— فروری ۱۹۹۴ء
○ نام کتاب ——— شب برأت، ایک تحقیقی جائزہ
○ مصنّف ——— علامہ حبیب الرحمٰن صدّیقی کاندھلوی
○ اشاعت اوّل ——— جنوری ۱۹۸۸ء
○ اشاعت سوم ——— فروری ۱۹۹۴ء
○ صفحات ——— ۵۷۶
○ تعداد کتب ——— چھ سو (۶۰۰)
○ قیمت ——— اسّی (۸۰) روپے
○ طابع ——— احمد پرنٹرز، ناظم آباد

ناشر

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
۳ ـ ۷ ـ اے ـ بلاک نمبر ۱ ـ ناظم آباد ـ کراچی ۷۴۶۰۰
فون نمبر: ۶۲۱۴۴۹

Marfat.com

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	حرفِ اوّل	۹
۲	چند اصطلاحاتِ حدیث	۱۱
۳	مقدمہ	۱۹
۴	اسوۂ حسنہ	۲۴
۵	حقیقت بدعت	۲۹
۶	اقسامِ سنّت	۳۳
۷	صحابہ کا قول و عمل بھی سنت ہے	۳۵
۸	بدعت کی مذمت	۴۰
۹	اہل بدعت کے ساتھ صحابہ کا طرزِ عمل	۵۳
۱۰	حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کا طرزِ عمل	〃
۱۱	حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کا فتویٰ	۵۹
۱۲	حضرت عثمان رضؓ بن ابی العاص کا فیصلہ	۶۰
۱۳	حضرت ابو مالک رضؓ اشجعی کا فیصلہ	〃
۱۴	حضرت عبداللہ رضؓ بن مغفل کا حکم	۶۱
۱۵	حضرت عمر رضؓ کا فرمان	۶۲
۱۶	حضرت سالم بن عبید کا طرزِ عمل	۶۳
۱۷	حضرت علی رضؓ کا فیصلہ	〃
۱۸	حضرت عمارہ رضؓ بن رویبہ کا طرزِ عمل	۶۵

Marfat.com

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱۹	حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے فیصلے	۶۵
۲۰	حضرت عائشہؓ کا فیصلہ	۶۸
۲۱	امام سعید بن المسیب کا فتویٰ	۶۹
۲۲	امام ابراہیم نخعی کا خیال	۶۹
۲۳	تفسیر لیلۃ مبارکہ	۷۲
۲۴	قرآن کی لغوی تحریف	۷۳
۲۵	عکرمہ کا چہرہ	۹۹
۲۶	شب برات سے متعلق روایات	۱۰۵
۲۷	مرویات ام المومنین عائشہؓ	۱۰۵
۲۸	روایت ترمذی	۱۰۶
۲۹	حجاج بن ارطات	۱۰۸
۳۰	حدیث ضعیف کا مقام	۱۱۸
۳۱	مستحب پر اصرار	۱۲۷
۳۲	اختلافی صورت	۱۳۰
۳۳	روایت عائشہؓ کی معنوی حیثیت	۱۳۳
۳۴	ابن ماجہ کی روایت	۱۳۷
۳۵	غنیہ کی روایت	۱۴۰
۳۶	برات کے معنی کی تحقیق	۱۵۲
۳۷	کتب احادیث کے مختلف طبقات	۱۶۱

Marfat.com

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۳۸	کتب تصوّف کی حیثیت	۱۷۹
۳۹	کتب تفاسیر کا حال	۱۹۰
۴۰	غنیہ کی ایک اور کہانی	۱۱۵
۴۱	معنوی حیثیت	۱۹۸
۴۲	سندی حیثیت	۲۰۵
۴۳	مکحول کی ایک روایت پر تبصرہ	۲۰۸
۴۴	علا دبن حارث کی روایت	۲۱۷
۴۵	واقعۂ بقیع کی حقیقت	۲۲۳
۴۶	حضرت عائشہؓ کی ایک اور روایت	۲۳۱
۴۷	آخری دوشنبہ کا روزہ	۲۳۹
۴۸	شعبان کے روزوں کی حقیقت	۲۴۳
۴۹	چار راتیں	۲۵۸
۵۰	مرویات حضرت علیؓ	۲۶۵
۵۱	ابن ماجہ کی ایک روایت پر بحث	۲۶۵
۵۲	سنن ابن ماجہ کی حیثیت	۲۶۶
۵۳	ابن ابی سبرہ	۲۷۸
۵۴	عبدالرزاق بن ہمام	۲۸۰
۵۵	جھوٹوں کا اکھاڑا	۲۸۸
۵۶	واقدی کا چہرہ	۲۹۲
۵۷	اسمٰعیل بن عمرو البجلی	۲۹۵
۵۸	عمر بن موسیٰ الوجہی	۲۹۶
۵۹	جہالت کا ایک اعلیٰ نمونہ	۲۹۷

Marfat.com

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۶۰	عربیت پر بحث	۳۰۶
۶۱	معنوی حیثیت	۳۰۸
۶۲	سندی حیثیت	۳۲۳
۶۳	ہبۃ اللہ السقطی (غنیہ کا ہیرو)	۳۲۳
۶۴	صلوٰۃ الفیہ	۲۲۷
۶۵	شیخ عبدالقادر جیلانی کا فیصلہ	۳۳۱
۶۶	محدثین کرام کے فیصلے	۳۳۲
۶۷	صوفیاء کے بارے میں مجدد الف ثانی کا فیصلہ	۳۴۳
۶۸	مرسلات حسن بصریؒ	۳۴۴
۶۹	موضوع حدیث بیان کرنا حرام ہے	۳۴۴
۷۰	جوزقانی کی روایت	۳۴۸
۷۱	باقر کی روایت	۳۵۳
۷۲	فرضی نمازوں کی معنوی حیثیت	۳۵۴
۷۳	حضرت علیؓ کی ایک دعا	۳۶۶
۷۴	گمنام علماء کا فتویٰ	۳۷۴
۷۵	عمر بن عبدالعزیز پر افتراء	۳۷۹
۷۶	ایک نیا شگوفہ	۳۸۳
۷۷	ابراہیم بن ابی نجیح کا قول	۳۸۴
۷۸	امام شافعی کے قول کی تحقیق	۳۸۷
۷۹	روایت حضرت ام سلمہؓ	۳۹۰
۸۰	روایت عطاء بن یسار	۳۹۲
۸۱	حضرت سہلؓ بن سعد کی روایت	۳۹۵

Marfat.com

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۸۲	حضرت انسؓ کی مرویات	۳۹۶
۸۳	حضرت انسؓ کی ایک اور روایت	۳۹۹
۸۴	حضرت انسؓ پر ایک نیا بہتان	۴۰۳
۸۵	صلوٰۃ الرغائب	۴۰۸
۸۶	شعبان کی وجہ تسمیہ	۴۲۶
۸۷	ایک دُعا	۴۳۰
۸۸	صحابہ کرام کا دستور شیخ عبدالقادر کی زبانی	۴۳۰
۸۹	عثمانؓ بن مغیرہ کی روایت	۴۳۸
۹۰	حضرت ابوسعیدؓ خدری کی روایت	۴۴۳
۹۱	روایات حضرت ابوہریرہؓ	۴۶۲
۹۲	حضرت ابوہریرہؓ کی ایک اور روایت	۴۶۸
۹۳	رجب و شعبان کے روزے	۴۷۳
۹۴	حضرت ابیؓ بن کعب کی روایت	۴۷۸
۹۵	قبر پرستی کی بنیاد	۴۸۵
۹۶	سندی حیثیت	۴۹۰
۹۷	مرویات حضرت عبداللہ بن عمرؓ	۴۹۲
۹۸	معنوی حیثیت	۴۹۵
۹۹	حضرت ابوبکرؓ صدیق کی روایت	۵۰۲
۱۰۰	روایت حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ	۵۰۶
۱۰۱	ابن لہیعہ	۵۱۰
۱۰۲	روایت حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص	۵۱۵
۱۰۳	روایت حضرت ابوثعلبہ خشنی	۵۱۷

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱۰۴	کثیر بن مرہ کی روایت	۵۱۸
۱۰۵	روایت حضرت اسامہ بن زید رضؓ	۵۱۹
۱۰۶	حضرت عمرانؓ بن حصین کی روایت	۵۲۸
۱۰۷	کردوس کی روایت	۵۳۴
۱۰۸	شب برات یا نفس پرستی	۵۴۱
۱۰۹	آتش بازی یا آتش پرستی	۵۵۱
۱۱۰	حلوا خوری	۵۵۷
۱۱۱	ماخذ علمی التفاسیر	۵۶۶
۱۱۲	〃 〃 الاحادیث ومتعلقات الاحادیث	۵۶۷
۱۱۳	〃 〃 التاریخ	۵۷۱
۱۱۴	〃 〃 الفقہ ومتفرعات	۵۷۳

Marfat.com

حرفِ اول

" شب براءت' ایک تحقیقی جائزہ " کی یہ تیسری اشاعت ہے اس اشاعت کو " ادارہ " نے کچھ تبدیلیوں کے ساتھ شائع کیا ہے، یعنی چند ایسے عنوانات حذف کر دیئے گئے ہیں جو مصنفؒ کی دوسری کتابوں میں آچکے ہیں مثلاً " حالاتِ زندگی " "موضوع حدیث کی معرفت کے اصول " وغیرہ اور بعض ایسی احادیث جو مکرّر آگئی تھیں انھیں بھی کتاب میں سے نکال دیا گیا ہے تاکہ قارئین کو تکرار کی زحمت سے بچایا جاسکے۔ مزید برآں کتاب کی دوبارہ ورق گردانی کر کے جو اغلاط کتاب میں نظر آئیں انھیں اب درست کر دیا ہے اور کتاب کے آخر میں چند صفحات غلط جڑ گئے تھے ان کی بھی درستگی کر دی ہے۔ یہ کتاب اب عمدہ سفید کاغذ پر شائع کی جارہی ہے جو پڑھنے والوں کی دیرینہ خواہش تھی۔ الغرض کتاب کو صوری اور معنوی حیثیت سے ایک نئی زندگی بخشی ہے اور اب یہ کتاب زیادہ افادیت کے قابل ہوگئی ہے۔ اس کے باوجود قارئین سے اب بھی ہماری یہ گزارش ہے کہ اگر آپ اس میں کوئی فروگذاشت پائیں تو فوراً ادارہ کو تحریر کریں تاکہ آئندہ اشاعت میں اس کی اصلاح و تلافی کر دی جائے۔

شب برأت کے موضوع پر اس ادارہ نے دو کتابیں شائع کی ہیں ایک چھوٹی کتاب " شبِ برأت کیا ہے؟ " اور دوسری یہی " شب برأت، ایک تحقیقی جائزہ " الحمدللہ کہ اس موضوع پر ان کتابوں کو عامۃ المسلمین نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے اور اکثر علماء نے ہمارے اس موقف سے اتفاق کیا ہے۔ کتاب کی افادیت اس حد تک محسوس کی گئی ہے کہ اب شعبان کی ان راتوں میں وہ بدعات اور نفلی عبادات میں گرم جوشی جو گذشتہ برسوں میں نظر آتی تھی ردبہ انحطاط ہے۔

علامہ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلویؒ نے موضوعات پر بڑا بھرپور قلم اٹھایا تھا۔ یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ ان کی مساعی جمیلہ سے ہمیں صحیح اور غلط کی تمیز ہوئی اور بہت سی روایات جو عام طور پر مشہور ہیں انھیں صحیح تناظر میں پیش کر کے دشمنانِ اسلام کی برسوں کی کاوشوں کے تار و پود بکھیر دیئے، افسوس کہ وہ اب ہم میں نہیں رہے۔ بروز پیر بتاریخ ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ مطابق ۸ اپریل ۱۹۹۱ء کو وہ اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ان کی خدمات کا اچھا صلہ دے۔ آمین

والسلام

نظام الدین خان

Marfat.com

چند اصطلاحات حدیث

اس کتاب میں روایات واحادیث کی سند اور متن پر فنّی بحث کی گئی ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کے استفادے کے لیے چند ضروری اصطلاحات کی توضیح بھی کر دی جائے۔

سند:۔

روایت کا وہ سلسلہ جو راوی حدیث سے حضورؐ تک بالتسلسل قائم ہو۔ یاد رکھیے کہ کوئی حدیث بلا سند ہرگز قابل قبول نہیں ہوتی خواہ اسے بیان کرنے والا کوئی پیر و ہو یا امام زمانہ۔ اِس اصول سے غزّالی، حکیم ترمذی اور شعرانی اور کتب تصوف اور تفاسیر کی عام روایات باطل ہیں۔

صحیح:۔

جس حدیث کو کسی ایسے راوی نے جو عادل وضابطہ ہو تسلسل سند کے ساتھ نقل کیا ہو اور اس کے تمام روات عادل وضابط ہوں اور وہ روایت نہ شاذ ہو نہ معلول ہو۔

ضعیف:۔

جس میں صحیح کی شرائط نہ پائی جاتی ہوں۔

مرسل:۔

اگر راوی تابعی ہے اور اس نے روایت میں صحابی کو ترک کر دیا ہے اور صحابی کا ذکر کیے بغیر اس حدیث کو حضورؐ کی جانب منسوب کر دیا تو وہ روایت مرسل کہلائے گی۔ چند حضرات مثلاً ابراہیم نخعی، سعید بن المسیب اور مالک وغیرہ کو چھوڑ کر بقیہ تمام لوگوں کی مرسل ناقابل قبول ہے۔

منقطع:۔ اگر راوی درمیان سے چھوٹ گیا ہو۔ یا مختلف مقامات

Marfat.com

سے کئی راوی چھوٹ گئے ہوں، لیکن صحابی کا ذکر ہو تو اسے منقطع کہتے ہیں۔ یہ روایت مرسل سے بدتر ہوتی ہے اور کسی صورت میں قابل قبول نہیں ہوتی۔ بعض اوقات منقطع کے لیے بھی مرسل کا لفظ استعمال کر لیا جاتا ہے۔

معضل :۔

جس حدیث کے دو یا دو سے زیادہ راوی ایک مقام سے چھوٹ جائیں۔ یہ بدترین قسم کی ضعیف ہے۔ غنیہ کی اکثر روایات معضل ہیں یا منقطع۔ دیگر عیوب اس کے علاوہ ہیں۔

معلق :۔

جس روایت کی کوئی سند نہ ہو۔ بلکہ بلا سند اسے حضورؐ یا صحابی کی جانب منسوب کر دیا جائے۔ ایسی روایت بلا لگام کی سواری ہے اور انتہائی بدترین قسم کی ضعیف ہے۔ احیاء العلوم، کیمائے سعادت، قوت القلوب اور ابن عربی، ابو عبدالرحمان سلمی، حکیم ترمذی اور دیگر صوفیاء کی تمام کتابوں کا یہی حال ہے اور غنیہ کا ایک بڑا حصہ بھی اسی قسم کا ہے۔

غریب :۔

جس حدیث کو صرف ایک راوی روایت کرتا ہو اور وہ ثقہ ہو۔ کیوں کہ غیر ثقہ ہونے کی صورت میں وہ غریب بھی ہوگی اور ضعیف بھی۔ بالفاظ دیگر خبرِ واحد کو غریب کہا جاتا ہے۔

منکر :۔

وہ ضعیف حدیث ہے جس کا صرف ایک راوی ہو اور یہ راوی حافظ و ضابط نہ ہو اور حدیث کو صحیح یاد نہ رکھ سکتا ہو۔

متروک :۔

جس حدیث کو ایسا شخص روایت کرے جس پر کذب کی تہمت ہو یا حدیث کے علاوہ دیگر دُنیاوی معاملات میں اس کا جھوٹ مشہور ہو یا فاسق

ہو یا کثرت سے غلطیاں کرتا ہو۔ یا اس میں غفلت کا مادّہ زیادہ ہو۔ یا اس کی حدیث قواعدِ معلومہ کے خلاف ہو۔

مقلوب:۔

وہ حدیث ہے جس کی سند کے کسی راوی کی جگہ دوسرا راوی لاکر رکھ دیا جائے اور وہ دوسرا راوی اسی کے طبقے کا ہو۔ مثلاً یحییٰ بن کثیر کی جگہ یحییٰ بن سعید کر دیا جائے۔ جیسا کہ غنیہ میں حدیث عائشہؓ میں کیا گیا ہے۔

مُدلِّس:۔

وہ راوی ہے جو اپنے اوپر کے راوی کو گرا کر اس سے اُوپر کے راوی کی طرف حدیث منسوب کر دے۔ اِس طرح درمیان سے ایک راوی چھوٹ جاتا ہے اور حدیث منقطع ہو جاتی ہے اور معلوم نہیں ہوتا کہ وہ چھوٹنے والا راوی ثقہ ہے یا غیر ثقہ، تنہا ہے یا متعدّد۔ اس طرح مدلِّس سننے والے کو دھوکہ دینا چاہتا ہے اور جس روایت میں وہ تدلیس کرتا ہے اسے مدلَّس کہتے ہیں۔ یعنی لام کے زبر کے ساتھ۔

اگر مُدلِّس کے بارے میں یہ تحقیق ہو کہ وہ صرف ثقہ راوی سے روایت کرتا ہے اور غیر ثقہ کی روایت قبول نہیں کرتا تو اس کی روایت قابلِ قبول ہے مثلاً ابراہیم نخعی، سعید بن المسیب، امام مالک اور اگر ثقہ اور غیر ثقہ ہر ایک سے روایت کرتا ہو تو پھر اس کی روایت ناقابلِ قبول ہے۔ ممکن ہے وہ چھوٹنے والا راوی غیر ثقہ ہو۔ چند روایات کو چھوڑ کر تمام مدلسین کی روایات ناقابلِ قبول ہیں اور ان سب میں بدترین مدلِّس حسن بصری ہیں۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ ہمیشہ تدلیس لفظ عن سے ہوتی ہے۔ لیکن اگر مدلِّس یہ کہے کہ سَمِعْتُ فُلَانًا۔ میں نے فلاں سے سُنا تو یہ ہرگز تدلیس نہیں۔ اِسی طرح حَدَّثَنَا فُلَانٌ یا اَخْبَرَنَا فُلَانٌ ہم سے فلاں نے حدیث بیان کی یا ہمیں فلاں نے خبر دی تو اس صورت میں بھی تدلیس نہ ہوگی لیکن اگر حسن بصری

یہ الفاظ استعمال کریں تو وہ ان الفاظ میں بھی تدلیس کر جاتے ہیں۔ مثلاً جب وُہ یہ کہیں حَدَّثَنَا اَبُوْھُرَیْرَۃَ یا خَطَبَنَا اِبْنُ عَبَّاسَ۔ ہم سے ابُوہریرہؓ نے حدیث بیان کی یا ابنِ عباسؓ نے ہمیں خطبہ دیا۔ یہ سب تدلیس ہے۔ کیوں کہ حسن نے ان صحابہ کو نہیں دیکھا۔

مجہول :۔

محدثین کے نزدیک وہ راوی مجہول ہے جسے عُلماء نہ جانتے ہوں اور نہ وہ علم حدیث میں مشہور ہو اور صرف ایک راوی کی روایت سے اس کی حدیث منقول ہو یا سرے سے اس راوی کا نام ونسب ہی معلوم نہ ہو۔ ایسے شخص کی روایت قطعاً ناقابلِ قبول ہوتی ہے۔

موضوع :۔

بناوٹی اور جھوٹی حدیث جس کا شمار حدیث کے سلسلہ میں کرنا ایک قبیح امر ہے۔ کیونکہ موضوع اس روایت کو کہتے ہیں جسے راوی نے اپنے دل سے گھڑ کر حضورؐ کی جانب منسوب کر دیا ہو۔ اگر اس بات کا علم ہو جائے کہ فلاں روایت موضوع ہے۔ ایسی حالت میں اسکا بیان کرنا حرام ہے۔ بجز اس کے کہ اُس کا رد مقصود ہو۔ خواہ وہ روایت کسی مضمون سے تعلق رکھتی ہو۔

شاذ :۔

وہ روایت ہے جس میں ایک راوی نے دیگر ثقہ رواۃ کے خلاف حدیث روایت کی ہو۔ اگر راوی ثقہ بھی ہو تب بھی اس پر عمل جائز نہیں۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ تابعین، تبع تابعین اور تمام متقدمین کا اِس پر اتفاق ہے کہ سند کے بغیر کوئی روایت قابل قبول نہیں۔ بلکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اتہام ہے اور سند کی موجودگی میں ہر راوی کی تحقیق لازمی ہے۔ امام محمد بن سیرین المتوفی سنہ ۱۱۰ھ فرماتے ہیں۔

ھذا الاسناد دین فانظروا عمن تاخذون دینکم مسلم ج۔۱ ص۱۱

یہ سند بھی دِین ہے۔ تم اِس پر غور کر لیا کرو کہ اپنا دین کِس شخص سے حاصِل کر رہے ہو۔

اِسی لیئے محدثین کرام نے ایک ایک قریہ کا دَورہ کر کے ایک ایک راوی کے تفصیلی حالات معلوم کیئے اور ان پر سینکڑوں کتابیں تصنیف فرمائیں۔ حتیٰ کہ یہ ایک باقاعدہ فن بن گیا جسے اسماء الرجال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ افسوس کہ ہند و پاکستان کے علماء نے اس فن کی جانب کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ حالانکہ اس فن کے بغیر صحیح وضعیف اور مردود مقبول کی معرفت ناممکن ہے۔ یہ ایک ایسا فن ہے جسے آج تک دنیا کی کوئی اور قوم جاری نہ کر سکی۔ اس فن کی بدولت ائمہ محدثین نے پانچ لاکھ سے زیادہ راویوں کے حالات جمع کر دیئے ہیں۔ بعض ائمہ نے صرف ضعیف راویوں کے حالات اپنی کتابوں میں جمع کیئے اور ہر ایک راوی کی منکر و موضوع روایات بیان کیں۔ جیسے ابن ابی عدی نے کامل، عقیلی، ابن حبان، ازدی، نسائی، مسلم اور ذہبی وغیرہ نے کتاب الضعفاء تحریر کیں۔ ان مصنفین نے ہر راوی کے ساتھ اس کی منکرات بھی بیان کیں۔

ہمارے دور کے بعض علماء ان کتابوں سے روایت نقل کرتے ہیں اور مصنف نے جو بحث کی ہے اسے نظر انداز کر جاتے ہیں۔ یہ ایک صریح دھوکہ ہے۔ جس پر قیامت کے روز ان سے ضرور مُواخذہ ہوگا۔ یاد رکھیئے ان کتابوں کی ہر روایت ناقابل قبول ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ حضرات اِن کتابوں میں ناقابلِ قبول روایات پیش کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ فلاں راوی کذاب یا ضعیف ہے کیونکہ وہ ایسی منکر و مردود روایات نقل کرتا ہے۔ اس کی کوئی روایت قبول نہ کی جائے۔ ذہبی نے میزان الاعتدال میں نسائی نے کتاب الضعفاء میں، عقیلی نے کتاب الضعفاء میں، ابن حبان نے کتاب الضعفاء میں، ابن عدی نے کامل میں اور ابن ابی حاتم نے کتاب العلل اور کتاب الجرح والتعدیل میں یہی کام

Marfat.com

انجام دیا ہے۔ جسے روایت کے ساتھ یہ نظر آتے کہ اسے ابن ابی عدی یا ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔ تو یہ یقین کر لیجیے کہ یہ روایت ان حضرات کے نزدیک منکر و مردود ہے۔ ورنہ وہ اس روایت کا کبھی تذکرہ نہ کرتے۔

ایک امر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ بعض محدثین نے ان تمام روایات کو جو ان کی نظر میں موضوع اور منکر تھیں۔ اپنی اپنی کتابوں میں یکجا جمع کر دیا ہے۔ اس پر بھی محدثین نے لاتعداد کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں سے چند مشہور کتابیں یہ ہیں۔ موضوعات ابن جوزی۔ موضوعات مقدسی، موضوعات شوکانی، اللآلی المصنوعہ فی احادیث الموضوعہ، التنزیہ الشریعہ فی احادیث الموضوعہ المقاصد الحسنہ، تذکرۃ الموضوعات، موضوعات کبیر، ان کتابوں میں جتنی روایات پائی جائیں گی وہ سب موضوع ہوں گی۔ انھیں کبھی مسئلہ کی دلیل میں پیش کرنا صریح تحریف فی الدین ہے اور مصنف کو بدنام کرنا ہے۔ افسوس کہ ہمارے علماء ان کتابوں سے بھی روایات نقل کر کے مصنف کی تمام جرح حذف کر جاتے ہیں۔ یہ صریح اتہام، جھوٹ اور بددیانتی ہے۔

مضطرب

وہ حدیث ہے، جس کے الفاظ یا سند میں ایسا اختلاف ہو کہ اس کا رفع کرنا ممکن نہ ہو۔ ایسی حدیث شدید قسم کی ضعیف ہوتی ہے۔

یہ نکتہ بھی ذہن میں رہے کہ کوئی حدیث اس وقت تک صحیح تسلیم نہیں کی جاتی، جب تک ناقدین حدیث اور ماہرین رجال اسے صحیح تسلیم نہ کر لیں۔ مثلاً یحییٰ بن سعید القطان، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، عبدالرحمٰن بن المہدی، بخاری، نسائی، ابن خزیمہ، ابن عدی، ابن حبان، دارقطنی، ابو حاتم رازی اور ابوزرعہ رازی۔ یہ وہ ماہرین فن ہیں کہ جب تک یہ حضرات کسی حدیث کو صحیح تسلیم نہ کریں۔ اس وقت تک اسے صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا اور اگر یہ حضرات کسی روایت کو منکر، موضوع یا ضعیف قرار دیدیں تو اگر بعد کے تمام علماء بھی

Marfat.com

اِس روایت کو قبول کرلیں۔ تب بھی محدثین کی نظر میں وہ روایت منکر و مردود ہو گی۔

یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ یہ حضرات ہر ہر روایت پر تفصیلی بحث کریں بلکہ کسی روایت کے ایک راوی پر بھی انھوں نے جرح کر دی تو وہ روایت مجروح ہو جائے گی۔ پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے جرح سے محفوظ نہیں رکھ سکتی ہم نے حتی الامکان سند پہ بحث کرتے ہوئے انہی حضرات کی آراء کو پیشِ نظر رکھا ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی متعدد ماہرین فن ہیں جیسے امام احمد بن حنبل، ابو داؤد، شعبہ، ابن دارہ، ابو خثیمہ، عبدالرحمن بن ابی حاتم۔ یہ حضرات متقدمین کے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن متاخرین میں اس مقام پر بہت کم افراد پہنچے ہیں مثلاً ذہبی، ابن جوزی، ابن تیمیہ، ابن حزم، عراقی، نسری، عقیلی، مقدسی اور محمد بن طاہر پٹنی۔ ان سب حضرات کی حیثیت ایک صراف کی ہے جو پرکھ کر کھرا اور کھوٹا سونا علیحدہ کرتے ہیں۔ بقیہ حضرات تو صرف ناقلین ہیں۔ ان کی حیثیت بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شخص زیور خریدتا ہے اور وہ سونا پرکھنا بھی نہیں جانتا اور نہ اس کے پاس اسماء الرجال کی کسوٹی ہے جس پر وہ روایت کو پرکھ کر دیکھ لے۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ عام مفسرین مؤرخین صوفیاء اور فقہاء اس فن سے واقف نہیں۔ شاذ و نادر ہی ان میں کوئی اس فن سے واقف نکلتا ہے۔ لہٰذا ان حضرات کے کسی روایت کو نقل کرتے یا اسے صحیح قرار دینے سے وہ روایت صحیح قرار نہیں پاتی۔ ہمارے ہندو پاکستان کے اکثر علماء نے انھی کتابوں پر اعتماد کیا ہے۔ جو ایک صریح غلطی ہے۔

نوٹ: "موضوع حدیث کو پرکھنے کے اصول" سے متعلق مضمون جو بارہ صفحات پر مشتمل ہے "مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت" حصہ اوّل میں ملاحظہ فرمائیں۔

ما خاب من رضيك قدوة
وهل أتى فلم تزل تناله أيدي الرجاء مذ أتى
ما هلك امرؤ عرف قدره
هـ ١٣٩٦ هـ بمبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کے بعد جتنی مذمت بدعت اور اہلِ بدعت کی فرمائی ہے۔ اتنی مذمت کسی اور شئے کی نہیں فرمائی۔ کیونکہ بدعت ایک ایسی شئے ہے جس سے دین کی اصل صورت اور مذہب کا اصل نقشہ تبدیل ہو کر رہ جاتا ہے اور اس ملمع کاری میں اصل کا پہچاننا بھی دشوار بلکہ ایک ناممکن عمل بن جاتا ہے۔ صحیح و سقیم باہم اس طرح خلط ملط ہو جاتے ہیں کہ ان میں حق و باطل کی تمیز بھی دشوار ہو جاتی۔ ہے اور پھر ایک دَور وُہ بھی آجاتا ہے کہ نبی کی اصل تعلیم کو معلوم کرنا ناممکن بن جاتا ہے۔

قرآن مجید نے یہ بات وضاحتاً بیان فرمائی ہے کہ تحریفِ دین کے دو اسباب ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان کے اصل موجد یہود ہیں لیکن ہر اُمت کے گمراہوں نے انھی دو وجوہات کے سبب دین میں تحریف کی ہے۔ اور آج بھی وہی دو وجوہات ہیں جو ہر طرف کارفرما نظر آتی ہیں۔

۱۔ کتمانِ حق

۲۔ تلبیس حق و باطل۔

ان دونوں برائیوں کی بھی دو ہی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ حرصِ دنیا یا کسی قسم کا خوف و خطر۔

ظاہر ہے کہ کتمان حق اور تلبیس حق و باطل کی وجہ سے دین اور مذہب

Marfat.com

لوگوں کی خواہشات کا ایک کھلونا بن کر رہ جاتا ہے۔ لوگ اپنے اپنے خیالات توہمات اور رسومات کو مذہب کا لبادہ پہنا کر اسے دین کے نام سے موسوم کر دیتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ علماء کی دین فروشی، جاہ طلبی، ہوس مال اور خاموشی کے سبب ہوتا ہے۔ کچھ زمانہ بعد ایک دور وہ بھی آتا ہے کہ لوگ ان تخیلات اور رسومات کے عادی ہو جاتے ہیں اور انھیں اصل دین تصور کرنے لگتے ہیں۔ اور علماء کو بھی ان کی خواہشات کے سامنے سر جھکانا پڑتا ہے۔ اور وہ بھی اپنے دنیاوی عزت و اقتدار اور مال و جاہ کی خاطر کتمانِ حق پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ان کے لیے رائے عامہ کا مقابلہ دشوار ہوتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اپنی ساکھ اور ظاہری ٹیپ ٹاپ کو بھی ہاتھ سے گنوانا نہیں چاہتے۔ چونکہ ان کا بہ تمام جاہ و جلال عوام ہی کی رضا پر موقوف ہوتا ہے اور اسی لیے وہ عوام الناس کی ہاں میں ہاں ملانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اگرچہ بعض اوقات اپنی اس کوتاہی کا اقرار بھی کرتے ہیں۔ لیکن اسے عملی جامہ پہنانے پر قادر نہیں ہوتے۔ کیونکہ ایک تو اپنی کم علمی کے باعث کوئی دوسرا ذریعہ معاش تلاش کرنے پر قدرت نہیں رکھتے اور دوسرے ان میں اتنی علمیت بھی نہیں ہوتی کہ وہ لوگوں کے دلوں میں حق بات اتار سکیں۔ اور انھیں راہِ ہدایت دکھا سکیں۔

— پھر ایک دور وہ بھی آتا ہے کہ علماء کو بھی علم کی جانب کوئی توجہ نہیں رہتی۔ وہ صرف اتنا علم حاصل کرتے ہیں جس سے لوگوں کو بے وقوف بنا کر اپنا مقصد حاصل کیا جا سکے۔

یہی صورت یہود میں پائی جاتی تھی اور بعینہٖ یہی صورت آج اُمتِ مسلمہ میں پائی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ یہودانِ مدینہ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ۝ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

(بقرہ ۴۲)

Marfat.com

"اور میری آیات کو تھوڑی سی قیمت کے بدلہ فروخت نہ کرو۔ اور مجھ ہی سے ڈرو۔ اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو۔ اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ۔"

غور فرمائیے۔ اس سے زیادہ اور کیا معمولی قیمت ہو گی کہ دینِ اسلام جیسی عظیم شئے کو مسجد و مدرسہ کی ادنیٰ ملازمت یا تذرو نیاز کے طعام و نذرانے کی خاطر قربان کر دیا جائے اور اس سے زیادہ کیا حقیر حرکت ہو گی کہ آخرت کے اجر کو مسجد کی چند روٹیوں کی خاطر فدا کر دیا جائے اور اس کا نتیجہ جو کچھ ظاہر ہو رہا ہے وہ ہر شخص اپنی نگاہوں سے دیکھ رہا ہے کہ عوام کے دِل سے علمِ دین اور علماء کی منزلت قطعاً جاتی رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کوئی ان کے اقتدار کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ کیونکہ عوام ان کی علمی و عملی کوتاہیوں سے خوب واقف ہو چکے ہیں اور وُہ خوب جانتے ہیں کہ یہ علماء ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے ہم جنس کو برداشت نہیں کر سکتے اور اس سے بڑھ کر وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ آج کل کے علماء سے تو اہلِ دنیا بہتر ہیں۔ کیونکہ وُہ نہ تو اپنی دینداری کے مدعی ہیں اور نہ دین فروشی ان کا شیوہ ہے۔

یہ علماء ایک جانب تو آخرت کے مدعی ہیں۔ لیکن دوسری جانب دُنیا طلبی ان کے دل و دماغ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ دوسروں کے لیے کچھ کہتے ہیں اور ان کا اپنا عمل اس کے خلاف ہوتا ہے۔ یہ بہت سے ناجائز اور حرام اُمور پر صرف اس لیے خاموشی اختیار کرتے ہیں کہ رؤساء کے دلوں میں ان کی عظمت قائم رہے اور ان کی مصنوعی عزت میں کوئی فرق نہ آئے اور اس طرح اس آیت کا مصداق بنتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی مِنْ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰہُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰہُ وَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝ (بقرہ ۱۵۹)

Marfat.com

"یقیناً وہ لوگ جو ان امور کو چھپاتے ہیں جو ہم نے دلائل اور ہدایت کے بارے میں نازل کئے ہیں۔ باوجودیکہ ہم انھیں کتاب میں لوگوں کے لیے بیان کر چکے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ بھی لعنت بھیجتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی لعنت بھیجتے ہیں۔"

ترمذی، احمد، ابو داؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من سئل عن علم علمه ثم کتمه الجم یوم القیمة بلجام من نار۔ (ترمذی۔ ج۔۲ ص۱۰۴، مشکوٰۃ ص۳۴)

"جس سے کسی ایسی علمی بات کا سوال کیا جائے جسے وہ جانتا ہو اور پھر وہ اسے چھپائے تو اس کو قیامت کے روز آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔"

کتمانِ حق کی صرف دو وجوہات ہوتی ہیں۔ خوف یا رجاء یعنی کسی سے جان و مال کا اندیشہ۔ تکلیف و مصائب یا لوگوں کی مخالفت کا خوف، یا مالی فوائد اور عزت و جاہ کی اُمید۔ اِس قسم کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ لوگوں کو اپنا مخالف بنانے کی کیا ضرورت پیش آئے۔ یہ کہتے ہیں کہ اظہارِ حق سے فتنہ برپا ہوگا۔ بہ طریقۂ کار وہ لوگ اختیار کرتے ہیں جو دُنیا کو دنیاوی طریقہ سے حاصل نہیں کر سکتے اور نہ ان میں اِتنی علمی قابلیت ہوتی ہے کہ وہ عوام کو حق بات صحیح طور پر سمجھا سکیں اور لوگوں کو علمی دلائل سے مطمئن کر دیں۔ لہٰذا وہ لوگوں کی غلط رسومات کو حق کہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ یہی طبقہ ہے جو حق کی سب سے زیادہ مخالفت کرتا ہے اور اہلِ حق کو طرح طرح کے خطابات سے نوازتا ہے۔ یہ لوگ اس آیتِ کریمہ کا صحیح مصداق ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا یُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَکِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ

۳۲۵۵۹

فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝ (بقرہ ۱۷۴-۱۷۵)

"یقیناً وہ لوگ جو اِن امور کو چھپاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے کتاب میں نازل فرمائیں اور انھیں تھوڑی سی قیمت کے بدلہ فروخت کر دیتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے سینوں میں آگ بھر رہے ہیں۔ قیامت کے روز نہ تو اللہ تعالیٰ اُن سے کلام فرمائے گا اور نہ انھیں پاک صاف کرے گا۔ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلہ گمراہی اور جنت کے بدلہ آگ خرید لی ہے یہ لوگ آگ پر کتنے صابر ہیں۔"

یہ طبقہ لوگوں کو خوش کرنے کے لیے حلال کو حرام، اور حرام کو حلال بناتا رہتا ہے اپنے خیالات و توہمات کو اللہ کا حکم بتاتا ہے۔ حالانکہ حلت و حرمت کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ط اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ (نحل ۱۱۶)

"وہ باتیں نہ کہو جو تمہاری زبانیں جھوٹ گھڑتی رہتی ہیں۔ کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔ تاکہ اللہ پر جھوٹ افترا کرو۔ بے شک وہ لوگ جو اللہ پر جھوٹ افترا کرتے ہیں وہ فلاح نہ پائیں گے۔"

اپنی مرضی و منشاء سے کسی شئے کو حلال و حرام کرنا اللہ تعالیٰ پر اختراع اور شرک فی الحکم ہے۔ گویا یہ شخص دَبے الفاظ میں اپنے لیے الوہیت کا دعویدار ہے۔

Marfat.com

اُسوۂ حسنہ

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ایک کامل نمونہ بنا کر مبعوث فرمایا۔ اور ہمیں آپؐ کے طریقۂ کار پر چلنے کا حکم دیا۔ ارشاد باری ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ احزاب ۲۱

"تمہارے لیے رسُول اللہ کی ذات میں بھلا طریقہ (بہترین نمونہ) موجود ہے۔ اس شخص کے لیے جو اللہ اور آخرت کی اُمید رکھتا ہو اور اللہ کو کثرت سے ذکر کرتا ہو۔

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو بہترین نمونہ قرار دے کر ہم سے مطالبہ کیا ہے کہ ہم ہر معاملہ میں خواہ نشست و برخواست ہو، خواہ رہن سہن ہو۔ معاملات ہوں یا عبادات، معاشیات ہوں یا کہ نفسیات، خوشی ہو یا غمی۔ الغرض ہر معاملہ میں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے نقشِ قدم پر چلیں اور اُس سے از سر مو انحراف نہ کریں۔ ارشادِ الٰہی ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝ احزاب ۳۶

"جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ فرما دیں۔ تو کسی مؤمن مرد و عورت کو ان کے کسی کام کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا اور جو

Marfat.com

شخص اللہ اور اس کے رسُول کی نافرمانی کرے۔ اُس نے کھُلی
گمراہی اختیار کی۔"

الغرض جس معاملہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فیصلہ صادر فرما دیا ہو اس میں کسی امتی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے حق رائے دہی کو استعمال کر سکے۔ کیونکہ حق رائے دہی تو اسی وقت ختم ہو چکا۔ جب اس نے حضورؐ کی رسالت کا اقرار کیا۔ اور آپ کی اتباع کا اعلان کیا تھا۔ ایک فوجی کو ہرگز یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کمانڈر انچیف کے حکم سے سرتابی کر سکے۔ ورنہ از روئے قانون وہ فوجی کورٹ مارشل کا مستحق ہوتا ہے۔ اِسی طرح حضورؐ کے فیصلے سے انکار یا انحراف بھی کورٹ مارشل کا سبب ہوتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ نساء ۶۵

"آپؐ کے پروردگار کی قسم ایسا نہیں ہے۔ یہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپس کے جھگڑوں میں بھی آپؐ کے فیصلے کو قبول نہ کریں۔ پھر آپ کے فیصلے کے خلاف دِل میں تنگی بھی پیدا نہ ہو اور پورے طور پر تابعدار بن جائیں۔"

گویا ہر وہ شخص جو حکم رسُول کے سامنے سرِ تسلیم خم نہیں کرتا۔ بلکہ اس فیصلہ کے خلاف دِل میں ذرّہ برابر بھی شک و شبہ رکھتا ہو تو اس کا دعوٰی ایمان باطل ہے۔ خواہ وہ زبان سے ہزار بار کیوں نہ دعوٰی کرے۔ کیونکہ جب اس کا عمل اس کے خلاف ہُوا تو اس کا یہ دعوٰی قطعاً غلط ہے۔ بلکہ اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے دِل میں خباثت بھری ہوئی ہے اور وہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے یا اپنے کسی ذاتی مفاد کی خاطر یہ دعوٰی کر رہا ہے۔ ورنہ دِل سے اُس نے اس حکم کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ وہ چیف مارشل لاء یا کمانڈر انچیف کو اس قابل تصوّر نہیں کرتا کہ

وہ اُسے کوئی حکم دے سکیں اور یہ سراسر بغاوت ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ النور-۵۲

"جب اللہ اور اس کا رسول مؤمنین کو ان کے درمیان فیصلے کے لیے بلائیں تو ان کا قول تو یہ ہونا چاہیئے کہ ہم نے سُن لیا اور اطاعت کی۔ ایسے لوگ کامیاب ہیں۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اور اللہ سے ڈرے گا اور تقویٰ اختیار کرے گا تو ایسے لوگ کامیاب ہیں۔"

آپؐ کی اس اتباع اور پیروی کا نام سنّت اور اسوۂ حسنہ ہے۔ آپؐ کے ان احکامات اور طریقۂ کار میں تبدیلی کا حق کسی کو نہیں پہنچتا اور جو شخص اِن احکامات میں ترمیم کرتا ہے۔ شریعت کی زبان میں اُسے مُحدِث یا بدعتی کہتے ہیں۔ کافر و مشرک کے بعد سب سے بڑا باغی اور سب سے بڑا اسلام کا دشمن یہی ہے۔ کیونکہ یہ شخص چیف مارشل لاء اور کمانڈر انچیف کو چیلنج کر رہا ہے اور ایک لحاظ سے یہ کافر و مشرک سے بھی بڑھ کر ہے۔ کیونکہ کافر نے قانون کو قبول کرنے کا اقرار ہی نہیں کیا اور یہ اقرار کر کے مملکت اسلامیہ کے وفادار سپاہیوں کو دھوکہ دے رہا ہے۔ بلکہ وہ اختیارات جو افسر بالا کو حاصل ہیں انھیں چھین کر خود استعمال کرنا چاہتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس چیز کو ان الفاظ میں ادا فرمایا ہے۔

کل امتی یدخلون الجنۃ الا من ابی قیل ومن ابی قال من اطاعنی دخل الجنۃ ومن عصانی فقد ابی۔ بخاری، ج-۲ ص۱۰۸۱،

Marfat.com

مشکوٰۃ ص۲۷ (عن ابی ہریرۃ)

"میرا ہر امتی جنت میں داخل ہوگا۔ سوائے اس کے جس نے انکار کیا عرض کیا گیا کہ انکار سے آپ کی کیا مراد ہے۔ آپؐ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی جنّت میں داخل ہوا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے۔

لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش اس دین کی تابع نہ ہو جائے جو میں لے کر آیا ہوں۔" بخاری

اور جو شخص حاکمِ اعلیٰ اور اس کے نائب کے حکم کو تسلیم نہ کرے۔ "قانوناً" اُسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ احکم الحاکمین کی حکومت میں رہے اور اگر اسی کی حکومت میں اس کو رہنا ہے تو اس کے قانون کو بھی تسلیم کرنا ہوگا۔ اور عدمِ تعمیل کی صورت میں اس پر فردِ جرم بھی عائد ہوگی۔ اور ایسا شخص سزا کا بھی ضرور مستحق ہوگا۔

امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ما من نبی بعثہ اللہ فی امتہ قبلی الا کان لہ فی امتہ حواریون و اصحاب یاخذون بسنتہ ویقتدون باصرہ ثم انہا تخلف من بعدھم خلوف یقولون مالا یفعلون ویفعلون ما لا یؤمرون فمن جاھدھم بیدہ فھو مؤمن ومن جاھدھم بلسانہ فھو مؤمن ومن جاھدھم بقلبہ فھو مؤمن ولیس وراء ذلک من الایمان حبۃ خردل۔ مسلم ج-۱ ص۵۲ ۔ مشکوٰۃ ص۲۹

مجھ سے قبل اللہ نے جس نبی کو بھی اس کی اُمّت میں بھیجا ہے۔ اس

کے لیے اس کی امت میں سے کچھ حواری اور کچھ ساتھی پیدا ہوئے جنھوں نے اس نبی کی سنت کو اخذ کیا اور اس نبی کے حکم کی اقتدا کی۔ پھر ان کے بعد وہ لوگ آئے جو ایسی باتیں کہتے تھے جو کرتے نہ تھے۔ اور وہ کام کرتے تھے جن کا انہیں حکم نہ دیا گیا تھا۔ تو ایسے لوگوں سے جو ہاتھ سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے اور جو ان سے زبان سے جہاد کرے وہ بھی مؤمن ہے اور جو ان سے دل سے جہاد (بُرا سمجھے) کرے وہ بھی مؤمن ہے اور اس کے بعد رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں۔"

اِس حدیثِ رسولؐ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو گئی کہ جو شخص سنّتِ رسولؐ کو ترک کر کے اپنی مرضی و منشاء سے کسی اور فعل کو اختیار کرتا ہے۔ اس کے خِلاف جہاد واجب ہے۔ خواہ یہ جہاد ہاتھ سے ہو، زبان سے، قلم سے ہو یا دل سے اور جو شخص ایسے باغی کو بُرا تصوّر نہیں کرتا اور اس بُرائی کو مِٹانے کی کوشش نہیں کرتا وہ خود دائرہِ ایمان سے خارج ہے۔ بلکہ ایک مسلم و مؤمن ہونے کی حیثیت سے اس کا فریضہ ہے کہ وہ خلاف سنّت فعل کو مٹا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت کو زندہ کرے اور خود اس پر سختی سے کاربند ہو جائے۔ حضورؐ کا ارشادِ گرامی ہے۔

من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شہید۔ مشکوٰۃ ص ۳۰

"جس نے میری امت کے فساد کے وقت میری سنّت کو لازم پکڑا تو اس کے لیے سو شہیدوں کا اجر ہے۔"

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو سُنت پر چلنے، اس کی تلقین کرنے اور اُس میں جو کچھ رخنہ اندازی کی جائے اسے مِٹانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین، یارب العالمین

Marfat.com

حقیقتِ بدعت

لُغت میں ہر نئے کام اور نئی ایجادات کو بدعت کہتے ہیں۔ اِسی سے لفظ بدیع بنا ہے جو اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔ لیکن اصطلاحِ شریعت میں بدعت ہر اُس شئے کو کہا جاتا ہے جسے دین سمجھ کر یا ثواب سمجھ کر اختیار کیا جائے اور وہ کتاب و سنّت اور اسوۂ صحابہ سے ثابت نہ ہو۔ دنیاوی ایجادات و اختراعات کو نہ شریعت میں بدعت کہتے ہیں اور نہ شریعت اِس سے منع کرتی ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔

من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو ردٌّ

بخاری ج۔۱ ص۳۷۱، مسلم ج۔۲ ص۷۷، ابوداؤد ج۔۲ ص۲۷۹ ابن ماجہ ص۳

"جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات ایجاد کی جو اس دین میں نہ ہو تو وُہ رَدّ ہے۔"

یہ نکتہ بھی ذہن نشین رکھیے کہ جس طرح حضورؐ کا قول و فعل سنّت ہے اسی طرح جس فعل کو حضورؐ نے اختیار نہ فرمایا ہو اس کا ترک کرنا بھی سنت ہے اور اسے اختیار کرنا بدعت ہے۔ کیونکہ اگر اس فعل میں کوئی خوبی ہوتی اور اس فعل سے کچھ ثواب حاصل ہوتا۔ یا اس کا کرنے والا اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی اَجر کا مستحق ہوتا تو حضورؐ اس پر ضرور عمل فرماتے اور ہرگز ترک نہ فرماتے کیونکہ یہ تو ناممکن ہے کہ اس فعل میں کوئی خیر و خوبی پائی جاتی ہو اور پھر حضورؐ اسے ترک فرما دیں۔ اس لیے کہ اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ حضورؐ نے نعوذ باللہ یا تو اخفاءِ دین سے کام لیا اور

Marfat.com

یا بصورتِ ثانیہ اسلام ایک نامکمل دین ہے اور یہ دونوں اَمر محال ہیں۔ کیوں کہ اخفاء کی صورت میں رسالت ہی باطل ہو جاتی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۝ مائدۃ۔ ۶۷

"اے رسول آپ کی جانب آپ کے پروردگار کی طرف سے جو کچھ نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا دیجئے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنی رسالت کو نہیں پہنچایا۔"

اور دوسری صورت میں دین کامل نہیں رہتا اور اس سے قرآن کا انکار لازم آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط مائدۃ۔ ۳

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو پسند کیا۔

اس اعلانِ خداوندی کا منشا یہی ہے کہ اب اس دین میں تا قیامت کسی ترمیم و تنسیخ یا حذف و اضافہ کی نہ کوئی ضرورت باقی ہے اور نہ اس دین میں اس کی کوئی گنجائش ہے۔ کیوں کہ ہدایت اور نجات کے لیے جن جن احکامات کی ضرورت تھی وہ اصولاً سب نازل کر دیئے گئے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح و تفسیر فرما دی ہے۔ اب جو شخص دین میں کسی ایسے اَمر کا اضافہ کرتا ہے جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے نہ دی ہو تو گویا وہ اس بات کا مدعی ہے کہ مذہب اسلام ایک نامکمل دین ہے اور میری ترمیم و اضافہ کا محتاج ہے۔ اس طرح وہ قانونِ الٰہی میں دخل اندازی کر کے اپنی خدائیت کا مدعی ہے اور اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا انکار کرتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے جو احکامات نازل فرمائے ہیں وہ ناکافی ہیں۔ بالفاظِ دیگر اللہ تعالیٰ کو چاہیئے تھا کہ وہ یہ احکامات

Marfat.com

نازل کرتے وقت اس سے مشورہ لیتا اور اُس شخص سے مشورہ کئے بغیر اللہ تعالیٰ کو کسی شئے کے حلال یا حرام کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ عیاذاً باللہ۔

یہ تو بدعت سے پیدا ہونے والے وہ اتہامات ہیں جو اللہ تعالیٰ پر قائم ہوتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اتہامات لازم آتے ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں۔ جس میں سے پہلا الزام یہ ہے کہ حضورؐ نے دین میں اخفاء سے کام لے کر رسالت میں خیانت کی۔ اِس الزام کی حقیقت امام مالک بن انس مدنی المتوفی ۱۷۹ھ کی زبانی سُنیے۔

من ابتدع فی الاسلام بدعۃ یراھا حسنۃ فقد زعم ان محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم خان الرسالۃ لان اللہ تعالیٰ یقول اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (الآیہ) فما لم یکن یومئذ دینا فلا یکون الیوم دینا۔

الاعتصام، ج۔ ۱ ص ۴۷، ج۔ ۲ ص ۱۵۰

"جس نے اسلام میں کوئی بدعت جاری کی، اور وہ اسے اچھے کام تصوّر کرتا ہو تو گویا وہ دعویٰ کر رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے رسالت کی ادائیگی میں خیانت کی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" میں نے آج تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا" تو جو شئے اس روز دین نہ تھی وہ آج کے دن بھی دین نہیں ہو سکتی"۔

علامہ حسامُ الدین علی المتقی الحنفی المتوفی ۹۷۹ھ رقم طراز ہیں۔

بل فیہ طعن ومذمۃ وملامۃ علی السلف حیث لم یبینوا بل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیث ترک بل علی اللہ سبحانہ وتعالیٰ حیث لم یکمل الشریعۃ وقد قال اللہ تعالیٰ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔ تفہیم المسائل ص ۱۷۲

Marfat.com

"بلکہ اس میں اسلاف پر ایک قسم کا طعن، اور ان کی ملامت و مذمت ہے۔ کہ انھوں نے احکاماتِ دین بیان نہیں کئے۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اعتراض ہے کہ آپ نے دین کو ناقص چھوڑ دیا بلکہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ پر بھی اعتراض ہے کہ اس نے شریعت کی تکمیل نہیں کی، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "آج میں نے تمہارے لیئے تمہارا دین کامل کر دیا۔"

ملا علی قاری حنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ فرماتے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً فلا نحتاج الیٰ تکمیلہ الیٰ امر خارج عن الکتاب والسنۃ کما قال اللہ تعالیٰ اَوَلَمْ یَکْفِہِمْ اَنَّا اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ یُتْلیٰ عَلَیْہِمْ ! وقال تعالیٰ وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَہٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَہُوْا ط۔ شرح فقہ اکبر ص ۱۱

"اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے دینِ اسلام کو پسند کیا۔" تو اب ہم اس کی تکمیل کے لیے کسی ایسے امر کے محتاج نہیں جو کتاب و سنت سے خارج ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یہ لوگوں کے لیے پہنچائی گئی۔ نیز ارشاد فرمایا: کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل کی جو اُن پر تلاوت کی جاتی ہے اور ارشاد فرمایا۔ "رسول تمہیں جو حکم دیں اُسے لازم پکڑو اور جس کام سے تمہیں منع کر دیں اُس سے رُک جاؤ۔"

Marfat.com

اقسامِ سُنّت

اس حدیث میں یہ بات بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمادی کہ گمراہی اور بدعت کی صرف یہی ایک صورت نہیں کہ دین میں کوئی نئی شئے اپنی جانب سے ایجاد کرلی جائے۔ بلکہ ایک مشروع اور مسنون فعل کو اس کی حدود سے بڑھانا بھی بدعت و گمراہی ہے۔

یہ نکتہ بھی اس سے واضح ہوگیا کہ دین ترکِ دنیا کا نام نہیں۔ جیسا کہ صوفیاً کو دھوکہ ہوا ہے اور نہ چلّہ کشی کا نام دین ہے۔

اور تیسری بات یہ بھی واضح ہوگئی کہ جس طرح اُس کام کا کرنا سنت ہے۔ جسے حضورؐ نے انجام دیا ہو۔ اسی طرح اُس شئے کا ترک کرنا بھی سنّت ہے جسے حضورؐ نے ترک فرمایا ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص نمازِ عیدین سے قبل نفل نماز پڑھنے لگے جسے حضورؐ نے ترک کیا ہے تو یہ نماز پڑھنے والا بدعتی سمجھا جائے گا اور اسے ترک کرنے والا پابندِ سنّت۔ یا مثلاً حضورؐ نے نمازِ تہجد انفرادی طور پر ادا فرمائی انفرادی طور پر یہ نماز ادا کرنے والا پابندِ سنّت ہوگا۔ لیکن جماعت کے ساتھ ادا کرنے والا سنّت کا مخالف ہوگا۔ سیّد جمال الدین محدّث فرماتے ہیں۔

ترکه صلی الله علیه وسلم سنة کما ان فعله سنة ط

لجنہ ص ۱۴۳

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا کسی فعل کو ترک کرنا اسی طرح سنّت ہے جس طرح آپ کا کسی فعل کو انجام دینا سنّت ہے۔"

Marfat.com

شرح مسند ابی حنیفہ میں ہے۔

والاتباع کما یکون فی الفعل یکون فی الترک فمن واظب علی ما لم یفعل الشارع صلی اللہ علیہ وسلم فھو مبتدع لشمول قولہ صلی اللہ علیہ وسلم من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد ط

"جس طرح اتباع کسی فعل میں ہوتی ہے۔ اسی طرح ترک میں بھی اتباع ہوتی ہے تو جس شخص نے کسی ایسے فعل پر مواظبت کی جو شارع علیہ السلام نے انجام نہیں دیا تو وہ بدعتی ہے۔ کیوں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جس نے کوئی ایسا کام کیا جس پر ہمارا حکم موجود نہیں ہے وہ ردّ ہے۔"

امام مسلم المتوفی ۲۶۴ھ نے اپنی صحیح میں حضرت حذیفہ بن ایمان رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

تکون بعدی ائمۃ لا یھتدون بھدیی ولا یستنون بسنتی وسیقوم فیھم رجال قلوبھم قلوب الشیاطین فی جثمان انس ط مسلم ج-۲ ص ۱۲۷

"میرے بعد ایسے ائمہ ہوں گے جو میری ہدایت پر نہ چلیں گے اور نہ میری سنّت کو اختیار کریں گے۔ ان میں ایسے آدمی کھڑے ہوں گے (برسرِ اقتدار یا برسرِ منبر آئیں گے) جن کے دل تو شیطانوں کے دل ہوں گے اور جسم انسانوں کے۔"

امام نووی رحمہ اللہ المتوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

قال العلماء ھؤلاء من کان من الامراء یدعو الی بدعۃ او ضلالۃ مسلم ج-۲ ص ۱۲۷

علماء فرماتے ہیں امراء میں سے یہ وہ لوگ ہیں جو بدعت اور گمراہی کی دعوت دیتے ہیں۔

صحابہؓ کا قول و عمل بھی سُنّت ہے

سطورِ بالا سے یہ بات تو روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو گئی کہ جس کام کو حضورؐ نے سرانجام نہ دیا یا اس کی ترغیب بیان نہ فرمائی ہو وہ بدعت و گمراہی ہے۔ کیونکہ اگر اس کام میں کوئی بھلائی ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس فعل کو یا تو خود انجام دیتے یا صحابہ کرامؓ کو اس کی ترغیب دیتے اور جب آپ نے وہ کام نہ خود فرمایا اور نہ اوروں کو ترغیب دی تو اس میں کوئی بھلائی نہیں تو اور ایسا کام بدعت و ضلالت ہے۔ خواہ وہ بظاہر عبادت ہی کیوں نہ ہو۔ اس کا کرنا حرام ہے اور اس کا مرتکب گمراہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

تفترق امتی علی ثلاث وسبعین ملۃ کلھم
فی النار الا ملۃ واحدۃ قالوا من ھی یا رسول
اللہ قال ما انا علیہ واصحابی ترمذی ج۔۲ ص۸۹
مستدرک للحاکم ج۔ ۱ ص۱۲۹، مشکوٰۃ ص۳۰

"میری امت تہتر ملتوں پر تقسیم ہو جائے گی۔ سوائے ایک ملت کے سب جہنم میں جائیں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ ایک ملت کون سی ہے۔ آپؐ نے فرمایا جس پر میں اور میرے صحابہؓ ہیں۔"

اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے وہاں صحابہ کرامؓ کی اقتدا بھی لازمی ہے

Marfat.com

جس طرح حضورؐ کی سنّت کا تارک گمراہ ہے۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ کے طریقۂ کار کو چھوڑنے والا بھی دین سے خارج ہے۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے۔

اصحابی کا لنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم۔ مشکوٰۃ ص ۵۵۴

"میرے صحابہؓ ستاروں کی طرح ہیں جس کی بھی اقتدا کروگے۔ ہدایت پا جاؤ گے۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے۔

من کان مستنا فلیستن بمن قد مات فان الحی لا تؤمن علیہ الفتنۃ اولئک اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کانوا افضل ھذہ الامۃ ابرھا قلوبا واعمقھا علما واقلھا تکلفا اختارھم اللہ بصحبۃ نبیہ ولاقامۃ دینہ فاعرفوا لھم فضلھم واتبعوھم علی اثرھم وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقھم وسیرھم فانھم کانوا علی الھدی المستقیم۔ مشکوٰۃ ص ۳۲

"جو شخص کسی کا طریقہ اختیار کرنا چاہتا ہے تو وہ ان لوگوں کا طریقہ اختیار کرے جو مر چکے۔ کیونکہ زندوں کے بارے میں یہ اطمینان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ فتنوں میں مبتلا نہ ہوں گے۔ یہ رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ہیں۔ جو اس امّت کے افضل ترین انسان ہیں۔ جن کے دل نیک، جن کا علم گہرا اور جو تکلّف میں سب سے کم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے نبیؐ کی صحبت اور اپنا دین قائم کرنے کے لیے پسند فرمایا۔ ان کی فضیلت کو پہچانو، ان کے نقشِ قدم کی پیروی کرو اور جہاں تک ہو سکے ان کے اخلاق اور ان کی سیرت کو لازم پکڑ لو۔ کیونکہ یہ لوگ سیدھے

Marfat.com

راستے پر ہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک خاص موقعہ پر ارشاد فرمایا۔

تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی دوسرا نبی آنیوالا نہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر جو کتاب نازل فرمائی ہے وہ کامل ہے۔ اس کے بعد کوئی دوسری کتاب آنے والی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو شئے حلال فرمادی وہ تا قیامت حلال رہے گی، اور جو حرام فرمادی وہ تا قیامت حرام رہے گی۔ میں اپنی جانب سے کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں۔ بلکہ میں صرف احکامِ الٰہی نافذ کرنے والا ہوں۔ اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔

الا وانی لست بمبتدع ولکنی متبع

الاعتصام ج۔ ۱ ص۱۰۱، سیرت ابن جوزی ص۱۰۸

"خبردار میں کوئی بدعتی نہیں، میں تو متبع ہوں۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابہ کرامؓ کی اتباع اور بدعت کی مذمت ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔

التبعوا اثارنا ولاتبتدعوا فقد کفیتم۔

الاعتصام ج۔ ۱ ص۵۴

ہمارے نقوشِ قدم کی پیروی کرو۔ اور بدعت اختیار نہ کرو۔ کیوں کہ تمہارے لیے ہمارا طریقہ کافی ہے۔"

امام ابوداؤد طیاسی المتوفی ۲۰۴ھ نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔

ان اللہ عزوجل نظر فی قلوب العباد فاختار محمدا فبعثہ برسالتہ وانتخبہ بعلمہ ثم نظر فی قلوب الناس بعدہ فاختار لہ اصحابہ فجعلہم انصار دینہ ووزراء نبیہ صلی

اللہ علیہ وسلم فمارأہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ
حسن وّمارأہ قبیحا فھو عند اللہ قبیح۔

مسند ابی داؤد طیاسی ص۳۳

"اللہ عزّوجل نے بندوں کے دِلوں پر نظر ڈالی۔ تو محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اپنی رسالت اور اپنے علم کے لیے منتخب فرمایا۔ پھر آپؐ کے بعد لوگوں کے دِلوں پر نگاہ ڈالی تو آپؐ کے لیے آپؐ کے صحابہؓ کو پسند فرمایا۔ تو انھیں اپنے نبیؐ کے دین کا مددگار اور اپنے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کا وزیر بنایا۔ تو جسے یہ صحابہؓ اچھا سمجھیں وُہ اللہ کے نزدیک بھی اچھّی ہے اور جسے یہ صحابہ بُرا سمجھیں وُہ اللہ کے نزدیک بھی بُری ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں مختلف مقامات پر صحابہ کرامؓ کی اتباع کا حکم دیا ہے اور جن آیات میں ان کے فضائل بیان فرمائے ہیں وہ تو لاتعداد ہیں۔ ہم چند آیات بطور نمونہ ذیل میں پیش کرتے ہیں۔ ارشاد ہے۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى
وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ
جَهَنَّمَ ط وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ نساء۔ ۱۱۵

"جس شخص نے رسُول کی مخالفت کی اس کے باوجود کہ اس کے لیے ہدایت واضح ہو چکی اور مُومنین کی راہ کو چھوڑ کر کسی اور راہ کی پیروی کی۔ ہم بھی اس سے روگردانی کریں گے جو روگردانی کرے گا ہم اسے جہنم میں ڈالیں گے جو بہت بُرا ٹھکانا ہے۔"

اِس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جہنّمی قرار دیا ہے جو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ہدایت پر کاربند نہیں ہوتے اور صحابہؓ کرام کے طریقۂ کار اور ان کے اسوہ کو چھوڑ کر غیروں کی نقّالی کرتے پھرتے ہیں۔

Marfat.com

ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۝ بقرۃ - ۱۳۷

"یہ لوگ بھی اگر ایسے ہی ایمان لے آئیں جیسے تم لوگ حضورؐ پر ایمان لائے ہو تو ہدایت پا جائیں گے اور اگر یہ روگردانی کریں تو یہ خود اختلاف میں پڑے ہیں۔"

اِس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے ایمان کو نمونہ قرار دے کر لوگوں سے انھی جیسے ایمان کا مطالبہ کیا ہے۔ اور آخری جملہ میں یہ بھی اشارہ فرما دیا ہے کہ ان کی اقتدا کے بغیر اختلاف دُور ہونا ناممکن ہے۔ کیونکہ ان کی اقتدا ہدایت اور اتحاد کے لیے شرط ہے۔

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ عزّوجل اِن صحابہؓ سے اپنی رضامندی کا اظہار اِن الفاظ میں فرماتا ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ توبہ - ۱۰۰

"مہاجرین و انصار میں سے سبقت کرنے والے اور وہ لوگ جنہوں نے نیکی میں ان کی پیروی کی ہے۔ ان سے اللہ راضی ہے۔ اور وُہ اللہ سے راضی ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے جنتیں تیار کی ہیں۔ جن کے اندر نہریں بہتی ہوں گی اور جس میں یہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔ توبہ - ۱۰۰

اِس آیت میں جہاں اللہ تعالیٰ نے تمام سابقین اولین مہاجرین و انصار کے لیے اپنی رضا اور جنّت کا اعلان فرمایا ہے۔ وہاں ان کے ساتھ ساتھ اُن کے

پیروکاروں کو بھی اپنی رضا اور جنّت کی بشارت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اُن کی اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔

حافظ ابن کثیر المتوفی ۶۷۶ھ نے کیا خوب تجزیہ فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

واما اھل السنۃ والجماعۃ یقولون کل فعل وقول لم یثبت عن الصحابۃ فھو بدعۃ لانہٗ لو کان خیرا لسبقونا الیہ لانھم لم یترکوا خصلۃ من خصال الخیر الا وقد بادروا الیھا۔ الاعتصام ج۔۱ ص۱۸۸

اہل سنت والجماعت کہتے ہیں ہر وہ قول و فعل جو صحابہ سے ثابت نہ ہو وُہ بدعت ہے۔ کیونکہ اگر اس میں بھلائی ہوتی تو وہ اس کی طرف ہم سے پہلے سبقت کرتے۔ کیونکہ نیک کاموں میں سے کوئی کام ایسا نہیں ہے۔ جسے انہوں نے ترک کر دیا ہو۔ بلکہ انہوں نے اس کی طرف پہلے سبقت کی۔"

بدعت کی مذمت

اگرچہ سطورِ بالا سے بدعت کی مذمت بخوبی واضح ہو چکی ہے لیکن چونکہ یہ مرض اتنا عام اور اتنا پرانا، ہو چکا ہے کہ چند خوراکوں سے اس کا ازالہ ممکن نہیں اس لیے ہم ذیل میں چند ایسی احادیث پیش کرتے ہیں کہ جن میں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان اقدس سے بدعت کی مذمت فرمائی ہے۔

بخاری و مسلم نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے۔ وُہ فرماتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا۔

من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو ردٌّ۔

بخاری ج۔ ۱ ص۳۷۱، مسلم ج۔۲ ص۷۷، ابوداؤد ج۔۲ ص۲۷۹، ابنِ ماجہ۔ ج۔۱ ص۶

Marfat.com

"جس شخص نے ہمارے اس کام میں کوئی ایسی نئی بات ایجاد کی جو اس دین میں نہ ہو تو وہ ردّ ہے۔"

امام مسلمؒ، نسائی اور ابنِ ماجہ نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اما بعد فان خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الھدی ھدی محمد وشر الامور محدثاتھا وکل بدعۃ ضلالۃ۔

مسلم ج۔۱ ص ۲۸۵ ۔ نسائی ۔ ج۔۱ ص ۱۷۹

"اس کے بعد سب سے بہترین بات کتاب اللہ ہے۔ اور سب سے بہترین ہدایت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہدایت ہے اور سب سے بدترین کام نئی باتیں ہیں اور ہر نئی بات گمراہی ہے۔"

اور ابنِ ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

وکل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار۔ ابنِ ماجہ ص

"ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہ دوزخ میں جائے گا۔"

بخاری و مسلم نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ تین صحابہ ازواج مطہراتؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے ازواجِ مطہرات سے حضورؐ کی عبادت کی کیفیت دریافت کی۔ جب ازواجِ مطہرات نے حضورؐ کی عبادت کا حال بیان کیا تو ان حضرات نے اُسے قلیل تصوّر کرتے ہوئے اپنے خیالات کا اِن الفاظ میں اظہار کیا۔

این نحن من النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقد غفر اللہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر فقال احدھم اما انا فاصلی اللیل ابدا وقال الاخر انا اصوم النھار

Marfat.com

ابدا ولا افطر وقال الاخر انا اعتزل النساء فلا اتزوج ابدًا۔

"ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کہاں ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ میں ہمیشہ تمام رات نماز پڑھوں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور کبھی افطار نہ کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں عورتوں سے جُدا رہوں گا اور کبھی نکاح نہ کروں گا۔"

اِتنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور آپؐ نے اُن حضرات کے یہ بظاہر نیک تصورات سُن کر فرمایا۔

انتم الذین قلتم کذا وکذا اما واللہ انی لاخشاکم للہ واتقاکم لہ لکنی اصوم وافطر واصلی وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔ بخاری ج۔۲ ص۷۵۷ مشکوٰۃ ص۲۷

"تم لوگوں نے ایسی ایسی بات کہی۔ خدا کی قسم میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تم سے زیادہ متقی ہوں۔ لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور نکاح بھی کرتا ہوں تو جس نے میری سنّت سے اعراض کیا وہ میری اُمّت سے نہیں۔"

قارئین کرام غور فرمائیں کہ ان صحابہؓ نے دین میں کسی نئی عبادت یا ایجاد کا خیال نہیں کیا تھا۔ بلکہ ان اعمال میں جو شریعت سے ثابت تھے اور بعض صورتوں میں فرض اور بعض میں مسنون تھے۔ ان میں انفرادی طور پر اضافہ کا تصوّر کیا تھا لیکن حضورؐ نے اسے اپنی سنت کے منافی تصوّر کیا اور اس کی ممانعت فرمائی اور

ایسے افراد کو بھی اپنی ملّت سے خارج فرمایا۔

بخاری و مسلم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک کام کیا۔ اور لوگوں کو اجازت دی۔ لیکن کچھ لوگوں نے اسے خلاف دینداری تصوّر کرتے ہوئے اس سے گریز فرمایا۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو جب اس کی اطلاع ملی۔ تو آپؐ نے خطبہ دیا اور اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

مابال اقوام یتنزھون عن الشیئ اصنعہ فواللہ انی لاعلمھم باللہ واشدھم لہ خشیۃ۔

مسلم ج۔۲ ص ۲۶۱ ، بخاری ج۔۲ ص ۱۰۸۴

"لوگوں کو کیا ہو گیا کہ وہ ایک ایسی شئے سے احتراز کرتے ہیں۔ جسے میں کرتا ہوں۔ خدا کی قسم میں ان سے زیادہ اللہ کو جاننے والا اور ان سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔"

یہاں بھی کسی اضافہ کا تصوّر نہیں۔ بلکہ ایک قسم کی کمی کا تصوّر ہے۔ اِن دونوں احادیث سے یہ اَمر ثابت ہے کہ سنتِ رسُول میں کسی قسم کی کمی بیشی دونوں حرام ہیں اور اس کی منطقی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی سنّت میں انفرادی طور پر کسی کو اضافہ کی اجازت دے دی جائے تو تھوڑے ہی عرصہ میں وہ عام ہو جائے گی اور جب لوگوں کی عادات پختہ ہو جائیں گی تو اسی کو دین تصوّر کیا جانے لگے گا اور اس کے خلاف عمل کو گناہ تصوّر کیا جائے گا۔ اس طرح سنّت ختم ہو جائے گی بلکہ وہ ایک گناہ متصوّر ہونے لگے گی اور یہی صورت کسی شئے سے گریز کی ہو گی کہ کچھ عرصہ بعد اُسے حرام تصوّر کیا جانے لگے گا۔ موجودہ دَور میں تمام بدعات کی یہی صورت ہے کہ ان کے ترک کو ایک گناہ تصوّر کیا جاتا ہے اور جو ان بدعات پر نکیر کرتا ہے اسے دین سے خارج قرار دیا جاتا ہے۔ حالانکہ جس شئے کو وہ دین تصوّر کر رہے ہیں سِرے سے وہ دین ہی نہیں۔

Marfat.com

یہ اَمر بھی ذہن نشین رہے کہ ہمیشہ بدعات کو اچھا ہی سمجھ کر اختیار کیا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ انسانی طبیعت اسے ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی۔

مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

یکون فی اخر الزمان دجّالون کذابون یأتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا اباؤکم فایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم۔ مسلم ج۔۱ ص۱

"آخر زمانہ میں جھوٹے دجّال پیدا ہوں گے جو تمہارے پاس وہ احادیث لے کر آئیں گے جو نہ تم نے سُنی ہوں گی اور نہ تمہارے آباء نے۔ تم اُن سے بچو۔ کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور تمہیں فتنہ میں مبتلا نہ کر دیں

یعنی ایسی احادیث بیان کریں گے جو صحابہ کرام نے کبھی نہ سُنی ہوں گی اور نہ ان کے زمانہ میں ان کا وجود ہوگا۔ تاریخ شاہد ہے کہ صحابہ کے بعد جس شدّ و مد سے احادیث وضع کی گئیں ان کی تعداد اصل تعداد سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ اور مختلف طبقوں نے یہ کام انجام دیا۔ روافض اور صوفیاء نے اتنی احادیث وضع کیں جن کی تعداد لاکھوں سے بھی زیادہ ہے۔ اِس طرح اُمتِ مسلمہ کے عقائد اور اعمال کی ہیئت اور صورت ہی بدل کر رہ گئی اور روز بروز اِن میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور تعجب تو اُن علماء پر ہے جنہیں دنیا شیخ الحدیث تصوّر کرتی ہے اور جو اِن روایات کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ اِس قسم کی خرافات ان کی کتابوں کی زینت بنی ہوئی ہیں، ان میں سے بعض حضرات تو اُن کتابوں سے بھی اِن خرافات کو نقل کر لیتے ہیں جو محدثین کرام نے ان خرافات کے رد میں لکھی ہیں اور محدثین نے جو ان روایات پر اعتراضات کئے تھے انھیں شیرِ مادر سمجھ کر پی جاتے ہیں۔ فیا للعجب

بخاری و مسلم نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ آل عمران - ۷

"اللہ وہ ذات ہے جس نے آپ پہ کتاب نازل فرمائی۔ اس میں سے کچھ آیات محکم ہیں اور کچھ متشابہہ ہیں تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہوتی ہے تو وہ اس قرآن میں سے متشابہہ کی پیروی کرتے ہیں۔ فتنہ پیدا کرنے اور تاویل تلاش کرنے کے لیے۔ حالانکہ ان کی تاویل اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اور جو علم میں راسخ ہیں وہ کہتے ہیں۔ ہم اس پہ ایمان لائے۔ ہر شئے ہمارے پروردگار کی جانب سے ہے اور اہلِ عقل کے علاوہ کوئی نصیحت حاصل نہیں کرتا۔"

اس کے بعد آپؐ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

فاذا رایتم الذین یبتغون ما تشابه منه فاولئک الذین سماهم الله فاحذروهم

مسلم ج - ۲ ص ۳۲۹ ، ابوداؤد ج - ۲ ص ۲۸۴

"جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو قرآن میں سے متشابہ تلاش کرتے ہیں تو یہ وہی لوگ ہیں جن کا اللہ نے ذکر کیا ہے۔ ان سے بچو۔"

حضرت عرباضؓ بن ساریہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی۔ پھر ہمیں ایک خطبہ دیا جس سے ہمارے دل دہل گئے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ کسی نے عرض کیا

Marfat.com

یارسول اللہ آپ نے تو آج ہمیں اس طرح نصیحت فرمائی ہے جیسے کوئی کسی کو رخصت کرتے وقت نصیحت کرتا ہے۔ آپ ہمیں کچھ اور مزید نصیحت فرمائیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

اوصیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعۃ وان کان عبدا حبشیا فانہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار۔ نسائی ج۔۱ ص۱۷۹، ابوداؤد ج۔۲ ص۲۷۹، ترمذی ج۔۲ ص۱۰۸ مسند احمد ج۔۴ ص۱۲۶ مستدرک ج۔۱ ص۹۵ دارمی ص۳۶، ابنِ ماجہ ص۵

"میں تمہیں اللہ سے ڈرنے، بات سُننے اور اطاعت کرنے کی وصیّت کرتا ہوں۔ خواہ حبشی غلام ہی کیوں نہ حکم دے۔ کیونکہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ زبردست اختلاف دیکھے گا تو تم میری سنت اور ان خلفاء کی سنت کو لازم پکڑو جو خود بھی ہدایت یافتہ ہوں اور دوسروں کو ہدایت کرتے ہوں۔ ان دونوں طریقوں کو کچلیوں (ڈاڑھ) کے ساتھ مضبوط پکڑ لو اور نئی باتوں سے احتراز کرو۔ کیوں کہ ہر نئی بات بدعت اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر ایک گمراہ آگ میں جائے گا۔"

ترمذی نے حضرت بلالؓ بن حارث مزنی سے اور ابنِ ماجہ نے عمروؓ بن عوف بن مالک الاشجعی سے روایت کیا ہے۔ یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من احیا سنۃ من سنتی قد امیتت بعدی فان

Marfat.com

له من الاجر مثل اجور من عمل بها من غير ان ينقص
من اجورهم شيئا ومن ابتدع بدعة ضلالة لا
يرضاها الله ورسوله كان عليه من الاثم مثل
اثام من عمل بها لا ينقص ذالك من اوزارهم شيئا۔

ترمذی ج-۲ ص۱۰۸ ، ابوداؤد عن ابی ہریرۃ ج-۲ ص۲۸۷

جس شخص نے میری اس سنت کو زندہ کیا جو میرے بعد مرچکی ہو تو
اس شخص کے لیے ان لوگوں کا اجر ہے جو اس پر عمل پیرا ہوں اُن
کے اجر میں کوئی کمی کئے بغیر۔ اور جس نے کوئی گمراہ بدعت جاری
کی جسے اللہ اور اس کا رسُول پسند نہ فرماتا ہو تو اس شخص پر اُن
لوگوں کا بھی گناہ ہوگا جو اس پر عمل پیرا ہوں گے اور ان کے گناہوں
میں بھی کوئی کمی نہ کی جائے گی۔"

امام احمد بن محمد بن حنبل اور ابوداؤد نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت
کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

سيخرج فى امتى اقوام تتجارى بهم تلك الاهواء
كما يتجارى الكلب بصاحبه لا يبقى منه عرق
ولا مفصل الا دخله ۔ مشکوٰۃ ص۳۰ ، ابوداؤد ج-۲ ص۲۸۳

میری امت میں ایسی قومیں پیدا ہوں گی جنھیں خواہشاتِ نفس
اپنے پیچھے پیچھے اسی طرح چلائیں گی جس طرح کتا اپنے مالک کے
پیچھے چلتا ہے۔ ان کی کوئی رگ اور کوئی جوڑ ایسا باقی نہ رہے گا جس
میں یہ خواہشِ نفس داخل نہ ہو جائے۔

ابوداؤد نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا۔

Marfat.com

لاتشددوا علیٰ انفسکم فیشدد اللہ علیکم فان
قوما شددوا علی انفسھم فشدد اللہ علیھم
فتلک بقایاھم فی الصوامع والدیار رَھْبَانِیَّۃَ
نِ ابْتَدَعُوْھَا مَا کَتَبْنَاھَا عَلَیْھِمْ۔ مشکوٰۃ ص۳۷

"اپنی جانوں پر سختی نہ کرو، ورنہ اللہ بھی تم پر سختی فرمائے گا۔ ایک
قوم نے اپنی جانوں پر خود سختی کی تھی۔ یہ گرجاؤں اور دیروں میں
ان ہی کے باقی ماندہ لوگ موجود ہیں۔" ترکِ دُنیا کو انہوں نے خود
اختیار کیا تھا۔ ہم نے ان پر فرض نہ کی تھی۔"

امام احمد بن حنبل نے اپنی "مسند" میں عفیفؓ بن حارث الثمالیؓ سے
روایت کیا ہے۔ وُہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ما احدث قوم بدعۃ الا رفع مثلھا من السنۃ
فتمسک بسنۃ خیر من احداث بدعۃ۔

مسند احمد۔ ج ۔۴ ص۱۰۵

"جب کوئی قوم کوئی بدعت پیدا کرتی ہے تو اسی جیسی سنت
اٹھالی جاتی ہے۔ پس سنت کو لازم پکڑنا بدعت جاری کرنے
سے بہتر ہے۔"

بیہقی نے شعب الایمان میں ابراہیم بن میسرہ سے مرسلاً روایت کیا ہے
حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

من وقر صاحب بدعۃ فقد اعان علی ھدم
الاسلام۔ مشکوٰۃ ص۳۱

"جس شخص نے کسی بدعتی کی عزت کی اس نے اسلام کے ڈھانے میں
اس کی مدد کی۔"

بخاری و مسلم نے حضرت سہلؓ بن سعد الساعدی سے روایت کیا ہے۔ کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انی فرطکم علی الحوض من مر علی شرب ومن شرب لم یظما ابدا لیردن علی اقوام اعرفھم ویعرفوننی ثم یحال بینی وبینھم فاقول انھم منی فیقال انک لاتدری ما احدثوا بعدک فاقول سحقا سحقا لمن غیر بعدی ۔ مشکوٰۃ ص۴۸۷، بخاری ج۔۲ ص۹۷۴، نسائی ج۔۱ ص۹۱

میں حوض پر تمہارا پیش رو ہوں گا۔ جو شخص میرے پاس سے گذرے گا۔ وہ حوض سے ضرور پیئے گا۔ اور جو اس سے پیئے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ مجھ پر ایسی قوموں کا گذر بھی ہوگا۔ جنہیں میں پہچانتا ہونگا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے۔ پھر میرے اور اُن کے درمیان کوئی شئے حائل کر دی جائے گی۔ میں کہوں گا۔ یہ تو میری امت کے لوگ تھے۔ تو جواب دیا جائے گا تمہیں کیا معلوم کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعتیں جاری کی تھیں۔ تو میں کہونگا انھیں دُور کر دو، دُور کر دو۔"

نیز بخاری نے حضرت انس سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔

لیردن علی ناس من اصحابی الحوض حتی عرفتھم اختلجوا دونی فاقول اصحابی فیقال لاتدری ما احدثوا بعدک ۔ بخاری ج۔۲ ص۹۷۴

"کچھ لوگ میرے ساتھیوں میں سے کچھ لوگوں کا گذر ہوگا۔ حتی کہ میں انھیں پہچان لوں گا۔ پھر میرے اور ان کے درمیان پردہ کر دیا جائے گا۔ تو میں کہونگا یہ تو میرے ساتھی ہیں تو جواب دیا جائے گا تمہیں کیا معلوم کہ انھوں نے تمہارے بعد کیا بدعات جاری کی تھیں"۔

Marfat.com

ابوہریرہ اور سعید بن المسیب کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

یرد علی یوم القیٰمۃ رھط من اصحابی فیحلؤن
من الحوض فاقول یارب اصحابی فیقال انک لا
علم لک بما احدثوا بعدک انھم ارتدوا علی
ادبارھم القھقریٰ ۔ بخاری ج۔۲ ص۹۷۴

"قیامت کے روز میرے ساتھیوں کی ایک جماعت کا مجھ پر گذر ہوگا۔ پھر وہ حوض سے ہٹا دیئے جائیں گے تو میں کہوں گا۔ اے میرے پروردگار یہ تو میرے ساتھی ہیں۔ تو جواب دیا جائے گا تمہیں کچھ معلوم نہیں کہ انھوں نے تمہارے بعد کیا بدعت جاری کی تھی۔ یہ اپنی ایڑیوں کے بل واپس لوٹ گئے تھے (یعنی مرتد ہو گئے تھے یا زمانۂ جاہلیت کا طریقہ اختیار کر لیا تھا۔

بخاری و مسلم نے حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

المدینۃ حرام مابین عیر الی ثورٍ فمن احدث فیھا
حدثا فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین
لایقبل اللہ منہ صرفاً ولا عدلا ۔ بخاری ج۔۲ ص۱۰۸۴

مسلم ج۔۱ ص۴۴۷ ، ابوداؤد ج۔۱ ص۲۸۵

مدینہ عیر سے ثور تک حرم ہے۔ تو جس نے مدینہ میں کوئی بدعت جاری کی اس پر اللہ اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اللہ تعالیٰ اس سے نہ تو انفاق قبول فرمائے گا اور نہ انصاف"۔

نیز بخاری نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

المدینۃ حرم ..... من احدث فیھا حدثا او اوی
محدثا فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین

بخاری ج۔۲ ص۱۰۸۶

Marfat.com

"مدینہ حرم ہے ..... جس نے اس میں کوئی بدعت جاری کی یا بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔"

اِس حدیث میں حرم مدینہ کی شرط نہ برید مذمت کے لیے ہے اس کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ بدعت کی حرمت مدینہ کے ساتھ مخصوص ہے اور مدینہ کے علاوہ ہر جگہ جائز ہے بلکہ اس کا مقصد یہی ہے جو ان جملوں کا ہوتا ہے کہ مسجدوں میں گالیاں نہ دیا کرو۔ روزے میں لڑنا نہیں چاہیئے یعنی یہ افعال بالذات بھی بُرے ہیں، لیکن متذکرہ صورت میں ان کی برائی میں اضافہ ہو جائے گا۔ اِسی طرح اگر بدعت کو مدینہ میں اِختیار کیا جائے گا تو یہ انتہائی بے دینی اور الحاد کا سبب ہوگا کہ جس مقام سے بدعات کا قلع قمع کیا گیا ہو اسی سے بدعت کی ابتدا کی جائے۔

اِس حدیث سے جہاں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مبتدعین پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے اور اس کی کوئی فرضی اور نفلی عبادت قابل قبول نہیں ہوتی۔ اسی طرح یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ بدعتی کو پناہ دینے والا بھی اسی لعنت کا مستحق ہے اور قیامت کے روز اُسے حوضِ کوثر سے دھکّے مِل جائیں گے اور جو لوگ ان سے مَیل جول رکھتے اور ان سے محبت کرتے ہیں ان کا کیا انجام ہوگا اِس پہ قارئین خود غور فرمالیں؛

ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عبّاس سے روایت کیا ہے۔ کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ابی اللہ ان یقبل عمل صاحب بدعۃ حتی یدع البدعۃ ۔ ابن ماجہ مصری ج-۱ ص۶

"اللہ تعالیٰ بدعتی کا کوئی عمل قبول کرنے سے اس وقت تک کے لیے انکار فرماتا ہے۔ جب تک وہ بدعت کو نہ چھوڑ دے۔"

Marfat.com

طبرانی نے حضرت انس بن مالکؓ کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔

ان اللہ حجب التوبۃ عن کل صاحب بدعۃ مجمع الزوائد ج-۱۰ ص ۱۸۹

"اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب بدعت سے توبہ کا دروازہ بند فرما دیا ہے"۔

شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ چونکہ بدعتی اپنی بدعت کو ایک کارِ خیر تصور کرتا ہے اس لیے اس کے ترک کا سوال پیدا نہیں ہوتا کجا کہ اس سے توبہ کرنا۔ یہی مقصد ہے اس حدیث کا۔ نیز فرماتے ہیں کہ ایک بدعت سے ہزار زنا بہتر ہیں۔ کیونکہ زانی زنا کو گناہ تصور کرتا ہے۔ اس لیے اس سے کسی نہ کسی وقت توبہ کی اُمید بھی کی جا سکتی ہے اور زنا تحریف فی الدین کے گناہ سے ہر صورت میں کم ہے اس لیے کہ تحریف فی الدین سے پوری امت گمراہی میں مبتلا ہوتی ہے۔

ابن ماجہ نے حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔

لا یقبل اللہ لصاحب بدعۃ صوما ولا صلوٰۃ ولا صدقۃ ولا حجا ولا عمرۃ ولا جہادا ولا صرفا ولا عدلا یخرج من الاسلام کما تخرج الشعرۃ من العجین ۔ ابنِ ماجہ۔ مروجہ ج-۱ ص ۶

"اللہ تعالیٰ کسی بدعتی کا نہ روزہ قبول فرماتا ہے، نہ نماز، نہ صدقہ، نہ حج، نہ عمرہ، نہ جہاد، نہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور نہ انصاف کرنا۔ وہ اسلام سے اسی طرح نکل جاتا ہے جیسے بال آٹے سے نکل جاتا ہے۔"

حضرت عبداللہ بن سلامؓ پہلے ایک یہودی عالم تھے جب اسلام سے مشرف ہوئے تو سوچنے لگے کہ اسلام نے اونٹ کا گوشت فرض نہیں کیا اور مذہب یہودیت میں اونٹ کا گوشت حرام ہے کیوں نہ اس سے اجتناب کیا جائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ط اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ بقرہ ۲۰۸

اے ایمان والو اسلام میں پورے طور پر داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو۔ کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اگر تم دلائل آجانے کے بعد بھی اپنے مقام سے پھسل جاؤ گے تو جان لو کہ اللہ غالب، صاحبِ حکمت ہے۔

اِن احادیث سے بدعت کی مذمت بخوبی واضح ہو گئی ہے اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ایسا لوگوں کا اِسلام ایک فریب ہے۔ اعاذنا اللہ من ذٰلک

اہلِ بدعت کے ساتھ صحابہؓ کا طرزِ عمل

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا طرزِ عمل

امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کیا ہے انھوں نے فرمایا۔

ان احسن الحدیث کتاب اللہ واحسن الھدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وشر الامور محدثاتھا وان ما توعدون لاٰتٍ وما انتم بمعجزین۔

بخاری ج۔۲ ص۱۰۸۰

"سب سے بہترین بات کتاب اللہ اور سب سے بہترین ہدایت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے اور سب سے بدترین امور بدعات ہیں اور تم سے جن باتوں کا وعدہ کیا گیا ہے وہ پیش

Marfat.com

آنے والے ہیں اور تم خدا کو عاجز نہیں کر سکتے۔"

عبدالرحمان بن یزید کا بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ غنی نے منیٰ میں جا کر چار رکعت نماز پڑھائی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس پر فرمایا۔

صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمنیٰ رکعتین وصلیت مع ابی بکر الصدیق بمنی رکعتین وصلیت مع عمر بن الخطاب بمنی رکعتین فلیت حظی من اربع رکعات رکعتان متقبلتان۔ بخاری ج۔۱ ص۱۴۷ مسلم ج۔۱ ص۲۴۳، ابوداؤد ج۔۱ ص۲۷۷، نسائی ج۔۱ ص۱۴۷

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ میں دو رکعت پڑھیں۔ ابوبکرؓ کے ساتھ بھی منیٰ میں دو رکعت پڑھیں اور عمرؓ کے ساتھ بھی منیٰ میں دو رکعت پڑھیں۔ کاش چار رکعتوں کے بدلے میرے حصہ میں دو مقبول رکعتیں آجاتیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس دو رکعت نماز کے اضافہ پر جو سنت رسولؐ سے ثابت نہ تھا افسوس فرمایا اور چار رکعت نماز کو خلاف سنت ہونے کے باعث غیر مقبول قرار دیا۔

ان ہی عبدالرحمان بن یزید کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حج کے موقعہ پر بطن وادی سے رمی فرمائی۔ میں نے عرض کیا اے ابوعبدالرحمٰن لوگ تو اوپر کی جانب سے رمی کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا۔

والذی لا الہ غیرہ ھذا مقام الذی انزلت علیہ سورۃ البقرۃ۔

قسم ہے اس ذات کی جس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں۔ یہ اس شخص کے قیام کی جگہ ہے جس پر سورۂ بقرہ نازل کی گئی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے موجودہ دور کے ائمہ کی طرح اپنے دور کے

Marfat.com

اماموں کو دیکھا کہ وہ نماز کا سلام پھیر کر داہنی طرف مُڑتے ہیں اور بائیں طرف قطعاً نہیں مُڑتے۔ آپؓ نے فرمایا۔

لا یجعلن احدکم للشیطان من نفسہ جزء الا یری الا ان حق علیہ ان لا ینصرف الا عن یمینہ اکثر مارایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینصرف عن شمالہ۔ مسلم ج۔ا ص۲۴۷، نسائی ج۔ا ص۱۳۸، بخاری ج۔ا ص۱۱۸

"تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا ایک حصّہ متعین نہ کرلے کہ وہ یہ سمجھے کہ سلام پھیر کر داہنی طرف سے مُڑنا ضروری ہے۔ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکثر بائیں طرف مڑتے دیکھا ہے۔"

عمارہ راوی کا بیان ہے جو اِس حدیث کے راوی ہیں۔

اتیت المدینۃ بعد فرایت منازل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن یسارہ۔ ابوداؤد۔ ج۔ا ص۱۵۶

"میں اس کے بعد مدینہ آیا۔ تو میں نے بائیں طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مڑنے کی جگہیں دیکھیں۔"

ان ہی عبداللہ بن مسعودؓ کا گذر ایک بار مسجد میں ذاکرین کی ایک جماعت پر ہوا جو حلقہ بنائے بیٹھے تھے۔ انھیں ایک شخص تلقین کرتا جاتا کہ سَو مرتبہ اللہ اکبر پڑھو وہ کنکریوں پر سَو مرتبہ اللہ اکبر پڑھتے۔ پھر وہ کہتا سَو بار لا الہ الا اللہ پڑھو۔ وہ سَو بار لا الہ الا اللہ پڑھتے۔ پھر وہ کہتا سَو بار سبحان اللہ پڑھو۔ یہ سَو بار سبحان اللہ پڑھتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے دریافت کیا تم اِن کنکریوں پر کیا پڑھتے ہو وہ کہنے لگے ہم تکبیر و تہلیل اور تسبیح پڑھتے ہیں۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا۔

فعدوا من سیاتکم فانا ضامن ان لا یضیع من حسناتکم شیئی ویحکم یا امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ما اسرع ھلکتکم ھؤلاء صحابۃ نبیکم متوافرون وھذا ثیابہ

لم تبل وانیتہ لم تکسر الی ان قال او مفتتحی باب ضلالۃ

سنن دارمی ص۳۸

"تم اپنی برائیوں کو شمار کرو۔ میں اس کا ضامن ہوں کہ تمہاری نیکیوں میں سے کوئی شے ضائع نہ ہوگی۔ اے امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر افسوس تم کتنی جلدی ہلاک ہوگئے۔ ابھی تو تم میں بکثرت صحابہ موجود ہیں۔ یہ حضورؐ کے کپڑے موجود ہیں جو ابھی پرانے نہیں ہوئے۔ آپؐ کے برتن موجود ہیں جو ابھی ٹوٹے نہیں کیا تم گمراہی کا دروازہ کھولنا چاہتے ہو۔"

شیخ الاسلام ابن دقیق العید المتوفی ۷۰۲ھ نے یہ واقعہ اس طرح نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سامنے ایک ایسی جماعت کا تذکرہ کیا گیا۔ انھوں نے فرمایا جب تم اس جماعت کو ذکر کرتے دیکھو تو مجھے مطلع کرنا جب یہ جماعت ذکر کے لیے مسجد میں حلقہ بنا کر بیٹھی تو لوگوں نے ابن مسعودؓ کو آکر مطلع کیا۔ ابن مسعودؓ چادر اوڑھ کر مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا۔

من عرفنی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فانا عبداللہ بن مسعود تعلمون انکم لو هدی من محمد صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی ان قال لقد جئتم ببدعۃ عظمی او لقد فضلتم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم علما۔

احکام الاحکام ج۔۱ ص۵۲

"جس نے مجھے پہچان لیا اس نے تو مجھے پہچان ہی لیا اور جو نہیں پہچانتا تو میں عبداللہ بن مسعودؓ ہوں۔ کیا تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ سے بھی زیادہ ہدایت یافتہ ہو؟ پھر آخر میں آپؓ نے فرمایا تم نے ایک بڑی بدعت پیدا کی۔ یا تم علم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر بھی فضیلت حاصل

Marfat.com

کر چکے ہو؟"

"قاضی ابراہیم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس روایت کو ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں۔

انا عبداللہ بن مسعود فوالذی لا الہ غیرہ لقد جئتم ببدعۃ ظلماء او لقد فقتم علی اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ مجالس الابرار ص۱۳۳

"میں عبداللہ بن مسعودؓ ہوں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے علاوہ کوئی الہ نہیں۔ تم نے ایک تاریک بدعت جاری کی ہے یا تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر فوقیت حاصل کر چکے ہو"۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اس سے مطلب صرف یہ تھا کہ اگرچہ تکبیر و تہلیل اور تسبیح و تحمید کے بہت کچھ فضائل ثابت ہیں۔ لیکن اس کا یہ مخصوص طریقہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا بتایا ہوا نہیں ہے بلکہ یہ خود تمہارا ایجاد کردہ ہے۔ اس لیے یہ بدعت بھی ہے ضلالت بھی۔ گمراہی بھی ہے اور بدعتِ ظلمی بھی۔

امام دارمی المتوفی ۲۵۵ھ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

فوقف علیہم فقال ما ھذا الذی اراکم إتصنعون قالوا یا ابا عبد الرحمٰن حصا نعد بہ التکبیر والتہلیل والتسبیح قال فعدوا سیاتکم۔

دارمی ص۳۸

ابن مسعودؓ ان کے پاس جا کر ٹھہرے اور سوال فرمایا۔ میں تمہیں یہ کیا کرتے دیکھ رہا ہوں۔ انھوں نے جواب دیا۔ ہم کنکریوں پر تکبیر و تہلیل اور تسبیح شمار کر رہے ہیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا تو تم اپنی برائیاں شمار کرو۔

ظاہر ہے کہ تسبیحات وغیرہ ایک انفرادی فعل ہے۔ اسے اجتماعی صورت میں حلقے بنا کر یا جہری طور پر پڑھنا خلافِ سنّت ہے۔ اسی لئے ابن مسعودؓ اس پر نکیر فرما رہے ہیں۔

چنانچہ مشہور علامہ محمد بن محمد الخوارزمی المشہور بالبزازی الحنفی المتوفی ۸۲۷ھ جن کی کتاب فتاوٰی بزازیہ مشہور ہے۔ اپنے فتاوٰی میں جہر بالذکر کا مسئلہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

عن فتاوٰی القاضی ـــــ انہ حرام لما صح عن ابن مسعود انہ اخرج جماعۃ من المسجد یہللون ویصلون علی النبی صلّی اللہ علیہ وسلم جہرا وقال لھم ما اراکم الا مبتدعین۔ شامی ج۔۵ ص۳۵۰

فتاوٰی قاضی خاں میں ہے کہ ذکر بالجہر حرام ہے۔ کیوں کہ ابن مسعودؓ سے ثابت ہے کہ انھوں نے ایک ایسی جماعت کو مسجد میں سے نکال دیا تھا جو کلمہ اور حضور پر بلند آواز سے درود پڑھ رہی تھی اور فرمایا میں تو تمہیں بدعتی خیال کرتا ہوں۔

انقلابِ زمانہ دیکھیے کہ آج جو شخص بلند آواز کے ساتھ جماعت کے ساتھ مل کر درود و سلام نہیں پڑھتا۔ اسے اہلِ بدعت وہابی کے نام سے بدنام کرتے ہیں۔ مگر عبداللہ بن مسعودؓ ایسے لوگوں کو گمراہ اور بدعتی قرار دے کر مسجد سے نکال دیتے ہیں اور پھر علماءِ احناف بھی اس ذکر بالجہر کو حرام کہتے ہیں۔

حموی اور فتاوٰی قاضی خاں میں ذکر بالجہر کی تصریح میں ہے۔

الجھر بالذکر حرام وقد صح عن ابن مسعود انہ سمع قوما اجتمعوا فی مسجد یہللون ویصلون علیہ الصلوٰۃ والسلام جھرا فراح الیھم وقال ما عھدوا ذلک علی عھدہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

Marfat.com

وما اراکم مبتدعین تمازال یذکر ذلک حتی اخوجلم من المسجد۔

ذِکر بالجہر حرام ہے۔ کیوں کہ ابنِ مسعودؓ سے صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ انھوں نے سُنا کہ ایک جماعت مسجد میں جمع ہو کر کلمہ اور دُرود بلند آواز سے پڑھتی ہے۔ ابنِ مسعودؓ ان کے پاس گئے اور فرمایا صحابۂ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کوئی ایسی حرکت نہ کی تھی۔ مَیں تو تمہیں بدعتی خیال کرتا ہوں۔ ابن مسعودؓ اسی قسم کے الفاظ بار بار دُہراتے رہے پھر انھیں مسجد سے نکال دیا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا فتوٰے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہٗ اِس آیت

فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ

"ان کے ساتھ نہ بیٹھو"

کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

دخل فی ھذہ الایۃ کل محدث فی الدین وکل مبتدع الی یوم القیمۃ معالم برخازن ج-۱ ص۵۰۹

اِس آیت میں قیامت تک کے لیے ہر بدعتی اور ہر نئی چیز پیدا کرنے والا داخل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے طاؤس بن کیسان تابعی کو عصر کے بعد نماز پڑھتے دیکھا تو انھوں نے طاؤس کو منع فرمایا۔ طاؤس نے ان احادیث کی تاویل پیش کی جن میں عصر کے بعد نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔ ابن عباسؓ نے سخت لہجہ میں فرمایا۔

Marfat.com

ما ادری ایعذب ام یوجر لان اللہ تعالی یقول وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهٗٓ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ۔

میں نہیں جانتا کہ اسے عذاب دیا جائے گا یا اجر دیا جائے گا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "کسی مؤمن مرد و عورت کو جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ فرما دے اپنے کسی کام کا اختیار باقی نہیں رہتا۔"

آپ حضرات نے ملاحظہ فرمایا کہ ابنِ عباسؓ نے طاؤس کو خلافِ سنت نماز پڑھنے پر عذاب کا مستحق سمجھا۔ امام حاکم اس حدیث کو روایت کر کے فرماتے ہیں۔

صحیح علی شرط البخاری ومسلم

بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

اور امام ذہبی نے اس کی تصدیق کی ہے۔

حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کا فیصلہ

حضرت عثمان بن ابی العاص المتوفی ۵۵ھ کو ایک ختنہ میں دعوت دی گئی۔ انھوں نے شرکت سے انکار کر دیا اور فرمایا۔

انا کنا لا نأتی الختان علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا ندعیٰ له۔ مسند احمد ج۔۴ ص۲۱۷

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تو ختنوں میں شریک ہوتے اور نہ اس میں شرکت کی دعوت دی جاتی۔

حضرت عثمانؓ بن ابی العاص نے اس قاعدہ سے کام لیا ہے۔ کہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ختنوں میں بلائے جانے

کا دستور نہ تھا اور نہ لوگوں کو دعوتیں دی جاتی تھیں اور جو کام حضورؐ کے عہد میں نہ ہو وہ بدعت ہے اور میں بدعت میں شرکت کے لیے تیار نہیں۔

ابو مالک اشجعیؓ کا فیصلہ

ابو مالک اشجعی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے عرض کیا کہ آپ نے رسول اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر، عمر، عثمان اور علی کے پیچھے پانچ سال تک کوفہ میں نمازیں پڑھی ہیں۔ کیا یہ حضرات صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے انھوں نے فرمایا۔

ای بنی محدث ترمذی ج۔۱ص۷۹، نسائی ج۔۱ص۱۰۸

اے میرے بیٹے یہ بدعت ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن مغفل کا حکم

حضرت عبداللہؓ بن مغفل کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ میں نے نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند آواز سے پڑھی۔ میرے والد نے سُن کر فرمایا۔

ای بنی محدث ایاك والحدث قال ولم ار احدا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ابغض الیہ الحدث فی الاسلام یعنی منہ وقال وقد صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان فلما سمع احدا منھم یقولھا فلا تقلھا۔

ترمذی ج۔۱ص۵۶ ، نسائی ج۔۱ص۹۲

"اے میرے بیٹے یہ بدعت ہے اور بدعت سے احتراز کر۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو اسلام

میں بدعت سے زیادہ کسی اور شئے سے نفرت کرتے نہیں دیکھا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔ میں نے ان میں سے کسی کو بسم اللہ پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔ تو بھی اسے نہ پڑھ۔"

غور فرمائیے کہ حضرت عبداللہؓ بن مغفل اور ابو مالک اشجعی کے والد نے اس شئے کو بدعت قرار دیا جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء راشدین نے نہیں کیا تھا۔ بلکہ اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو بسم اللہ کا نماز میں پڑھنا سب کے نزدیک سنت ہے۔ لیکن کیونکہ اس میں جہر نہیں ہے اس لیے عبداللہؓ بن مغفل نے اس ترمیم کو بھی کہ وہ بلند آواز سے پڑھی جائے بدعت فرمایا۔ (کاش غیر مقلدین اس بدعت سے احتراز کرتے)

اسی طرح قنوت فی الصبح مصیبت کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ لیکن چونکہ یہ ایک وقتی فعل تھا اسے دوامی سمجھ کر اس پر دوامًا عمل کرنا یہ اضافہ فی الدین ہے۔ اسی لئے ابو مالک اشجعیؒ کے والد نے اسے بدعت فرمایا۔

حضرت عمرؓ کا فرمان

ابن ابی شیبہ نے اپنی "مصنف" میں مجاہد سے روایت کیا ہے کہ ایک مؤذن نے اذان کے بعد الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہہ کر لوگوں کو نماز کی دعوت دی۔ حضرت عمرؓ نے سن کر فرمایا۔ کیا تو پاگل ہے؟ تیری اذان میں جو دعوت تھی کیا وہ لوگوں کو بلانے کے لیے کافی نہ تھی؟

Marfat.com

حضرت سالمؓ بن عبید کا طرزِ عمل

حضرت سالمؓ بن عبید کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا اسے چھینک آئی تو اس نے کہا السلام علیکم۔ حضرت سالمؓ نے فرمایا۔

وعلیك وعلی امك

"تجھ پر بھی سلام ہو اور تیری ماں پر بھی"

یہ بات اس شخص کو ناگوار گزری تو حضرت سالمؓ نے فرمایا۔

اما انی لم اقل الا ما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم عطس رجل عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال السلام علیکم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیك وعلی امك اذا عطس احدکم فلیقل الحمد للہ رب العلمین - ترمذی ج-۲ص۱۱۶، ابوداؤد ج-۲ص۷۰۶

"میں نے صرف وہی بات کہی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ آپؐ کے پاس ایک شخص کو چھینک آئی۔ تو اس نے السلام علیکم کہا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ تجھ پر بھی سلام ہو اور تیری ماں پر بھی۔ تم میں سے جب کسی کو چھینک آئے تو کہے الحمد للہ رب العلمین۔

حضرت علیؓ کا فیصلہ

حضرت علیؓ نے عید کے روز نماز سے قبل ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نفل نماز پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ حضرت علیؓ نے اس کو منع فرمایا۔ اس شخص نے عرض کیا میں نماز پڑھ رہا ہوں اور وہ عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ کسی عبادت پر عذاب نہیں دیتا۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا۔

Marfat.com

وانی اعلم ان اللہ تعالیٰ لا یثیب علی فعل حتی
یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او
یحث علیہ فتکون صلاتک عبثاً والعبث حرام
فلعلہ تعالیٰ یعذبک بہ لمخالفتک لرسولہ صلی
اللہ علیہ وسلم۔ نظم البیان ص۷۳، لجنہ ص۱۶۵

"میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسے فعل پر ثواب نہیں دیتا۔ جب تک اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انجام نہ دے لیں یا اس کی ترغیب نہ فرمالیں۔ اس صورت میں تیری یہ نماز بے کار ہوئی اور بے کار شئے پر عمل کرنا حرام ہے۔ تو شاید اللہ تعالیٰ تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی وجہ سے عذاب دے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فرمان سے ثابت ہوتا ہے کہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عید سے قبل نوافل ادا نہ فرمائے تھے اور نہ ان کے پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ اس لیے یہ نماز بھی عبث اور بے کار فعل ثابت ہوئی اور فعل عبث حرام ہے اور حرام کے مرتکب کو ثواب نہیں ملتا بلکہ عذاب دیا جاتا ہے اور جب یہ فعل حضور سے ثابت نہیں تو یہ نماز حضور کی مخالفت کا ذریعہ ہوئی۔ اور حضور کی مخالفت پہ ضرور عذاب ملے گا اس لیے یہ نماز بھی عذاب کا ذریعہ ہوئی۔

اگر آج کل کے بدعتی یا صوفیاء اس وقت موجود ہوتے تو نہ معلوم حضرت علیؓ پر کس قسم کے فتوی صادر کرتے اور انہیں کس کس طرح بدنام کرتے اور پروپیگنڈہ کرتے پھرتے کہ وہ تو نماز سے بھی منع کرتے ہیں۔

نووی المتوفی ۶۷۶ھ نے شرح مہذب میں نقل کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ عشار کی اذان میں تثویب کر رہا ہے۔ یعنی

Marfat.com

حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَلِ کہہ رہا ہے۔ انھوں نے یہ سُن کر فرمایا۔

اخرجوا ھذا المبتدع من المسجد۔ بحرالرائق ج۔۱ ص۲۶۱

اِس بدعتی کو مسجد سے نکال دو۔

حضرت عمارہؓ بن رویبہ کا طرزِ عمل

حضرت عمارہؓ بن رویبہ نے بشر بن مروان کو خطبہ کے دوران منبر پر دونوں ہاتھ اٹھاتے دیکھا تو سخت لہجہ میں فرمایا۔

قبح اللہ ھاتین الیدین لقد رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما یزید علی ان یقول ھکذا بیدہ واشار باصبعہ المسبحۃ ۔ مسلم ج۔۱ ص۲۸۷ ، نسائی ج۔۱ ص۱۷۳ ، ابوداؤد ج۔۱ ص۱۶۴

اللہ تعالیٰ یہ دونوں ہاتھ توڑ دے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اس سے زیادہ نہ کرتے اور پھر انھوں نے اپنی انگشت شہادت کی جانب اشارہ کیا۔ یعنی اس سے زیادہ نہ اُٹھاتے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے فیصلے

ابوداؤد اور ترمذی نے امام مجاہد المتوفی ۱۰۲ھ سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ ایک مسجد میں گیا۔ وہاں اذان ہو چکی تھی۔ ابھی ہم نماز کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ مؤذن نے الصلوٰۃ الصلوٰۃ کے الفاظ سے "ثویب" شروع کی۔ ابن عمرؓ نے مجاہد سے فرمایا۔

اخرج بنا من عند ھذا المبتدع

ہمیں اِس بدعتی کے پاس سے باہر لے چلو۔

اور ابن عمرؓ نے اس مسجد میں نماز نہیں پڑھی۔ مجاہد کا بیان ہے۔

انما کرہ عبد اللہ بن عمر التثریب الذی احدثہ الناس بعد ۔ ترمذی ج۔۱ ص۷۹

گویا عبداللہ بن عمرؓ نے اس مکرر اعلان کو جو لوگوں نے بعد میں جاری کیا تھا بُرا سمجھا۔

ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

اخرج بنا فان ھذہ بدعۃ ابوداؤد ج۔۱ ص۷۹

ہمیں یہاں سے لے چلو۔ کیونکہ یہ تو بدعت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی آخر میں آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ اسی لئے آپ نے اپنے شاگرد سے فرمایا مجھے یہاں سے لے چلو۔ آپ نے عذر فرمایا کہ ابن عمر اہلِ بدعت سے کتنی نفرت کا اظہار فرماتے ہیں۔ اور صرف ایک بدعت کے باعث جماعت سے نماز چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اس مسجد میں نماز پڑھنا بھی گوارا نہیں فرماتے۔

موجودہ دور ہوتا تو لوگ یہی کہتے کہ اس میں حرج ہی کیا ہے۔ مؤذن نماز ہی کی تو دعوت دے رہا ہے۔ لیکن ابن عمرؓ خوب جانتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ نماز کا جو طریقہ جاری فرمایا ہے اس پر تو عمل ہو چکا اور اب اپنی جانب سے جو ایک نئی قسم کی دعوت دی جا رہی ہے وہ بدعت ہے۔ اور جب بدعت حرام ہے تو بدعت میں شرکت کیسے حرام نہ ہوگی۔ اور بدعتیوں کے پیچھے نماز پڑھنا بدعت میں شرکت نہ ہوگی تو اور کیا ہوگی۔ اس طرح بدعت میں خود بخود شرکت لازم آئے گی اور جب ہر بدعتی گمراہ ہے تو گمراہوں کے پیچھے نماز کیسے ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ابن عمرؓ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے کہ انھوں نے اس عقدہ کو ایک ہی جملہ میں حل فرما دیا۔

Marfat.com

نافع المتوفی ۱۱۷ھ کا بیان ہے کہ ایک شخص ابن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہلوایا ہے۔ آپ نے فرمایا۔

بلغنی انہ قد احدث فان کان قد احدث فلا تقرئہ منی السلام۔ ترمذی ج۔۲ ص۱۱۷

مجھے اطلاع ملی ہے کہ اس نے بدعت جاری کی ہے۔ اگر واقعتاً اس نے بدعت جاری کی ہے تو اسے میرا سلام نہ کہنا

انھیں نافع کا بیان ہے کہ ایک شخص کو جو ابن عمرؓ کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا چھینک آئی۔ اس شخص نے کہا۔

الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ۔

ہر تعریف اللہ کے لیے ہے اور رسول اللہ پر سلام ہو۔

یہ سُن کر ابن عمرؓ نے فرمایا۔

وانا اقول الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ ولیس ھکذا علمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علمنا ان نقول الحمد للہ علی کل حال۔ ترمذی ج۔۲ ص۱۱۶

میں بھی کہتا ہوں الحمد للہ، اور السلام علی رسول اللہ لیکن ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح تعلیم نہیں دی بلکہ ہمیں تو یہ تعلیم دی ہے کہ ہم ہر حال میں الحمد للہ کہیں۔

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ جسے چھینک آئے وہ الحمد للہ کہے مگر اس موقعہ پر والسلام علی رسول اللہ کے الفاظ کی حضورؐ نے کوئی تعلیم نہ فرمائی تھی۔ اسی لیے ابن عمرؓ نے اس پر انکار کیا۔

اب کوئی سلامیہ ابنِ عمرؓ سے جاکر پوچھے کہ انھوں نے حضور پر سلام بھیجنے سے کیوں روکا؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجنا گناہ تھا؟ آخر

ابن عمرؓ وہابی کیوں بن گئے ؟ لیکن چوں کہ ابن عمرؓ پابند سنت تھے وہ حمد وسلام کے مواقع سے خوب واقف تھے اس لیے انھوں نے اس پر انکار کیا۔

انہی ابن عمرؓ نے لوگوں کو سفر میں فرائض کے بعد سنتیں پڑھتے دیکھا تو فرمایا۔

سافرت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر و عمر وعثمان فکانوا یصلون الظھر والعصر رکعتین رکعتین لا یصلون قبلھا ولا بعدھا وقال عبداللہ لو کنت مصلیا قبلھا وبعدھا لاتممت۔

ترمذی ج-۱ ص۹۸ ، مسلم ج-۱ ص۲۴۲ ، بخاری ج-۱ ص۱۴۹ ، نسائیؒ ج-۱ ص۱۴۷ ، ابوداؤدؒ ج-۱ ص۱۷۹

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، ابوبکرؓ وعمرؓ اور عثمانؓ کے ساتھ سفر کیا۔ وہ ظہر و عصر کی دو دو رکعت پڑھتے اور ان فرضوں سے قبل یا بعد میں کوئی سنت ادا نہ کرتے۔ پھر عبداللہ نے فرمایا۔ اگر مجھے ان فرضوں سے پہلے یا بعد میں سنتیں پڑھنی ہوتیں تو میں نماز ہی پوری پڑھ لیتا۔

یہ حدیث بخاری ، مسلم ، ابوداؤد ، نسائیؒ اور تمام کتب حدیث میں موجود ہے۔ صرف لفظوں میں تھوڑا بہت تفاوت ہے اور نافع کے علاوہ اسے سعید بن جبیر نے بھی روایت کیا ہے۔

حضرت عائشہؓ کا فیصلہ

حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے بڑے بھائی حضرت عبدالرحمان بن ابی بکرؓ کے یہاں اولاد نہ ہوتی تھی۔ ان کے گھر میں کسی عورت نے کہا اگر عبدالرحمانؓ کے یہاں بچہ ہوا تو ہم عقیقہ میں اونٹ ذبح کریں گے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔

لاویل السنۃ افضل عن الغلام شاتان مکافئتان وعن الجاریۃ شاۃ ۔ مستدرک ج-۴ ص۲۳۸

نہیں، بلکہ سنّت افضل ہے۔ لڑکے کی جانب سے دو بکریاں کافی ہیں اور لڑکی کی جانب سے ایک بکری۔

اگر اونٹ اور دو بکریوں کی قیمت یا ان کے گوشت کا موازنہ کیا جائے تو نمایاں فرق نظر آئے گا۔ مگر حضرت عائشہؓ اونٹ ذبح کرنے پر اس لیے راضی نہیں کہ وہ خلافِ سنت ہے اور سنت کو چھوڑ کر کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا بدعت ہے۔

امام سعید بن المسیب کا فتویٰ

امام سعید بن المسیب المتوفی ۹۴ھ نے ایک شخص کو عصر کے بعد نماز پڑھتے دیکھا۔ سعید بن المسیب نے اُسے منع کیا۔ اس نے عرض کیا اے ابو محمد کیا اللہ تعالیٰ مجھے نماز پر بھی عذاب دے گا۔ انھوں نے فرمایا۔

لا ولکن یعذبک بخلاف السنۃ دارمی ص۶۲

نہیں، بلکہ تجھے خلافِ سنّت فعل پر عذاب دے گا۔

امام ابراہیم نخعی کا خیال

امام اعمش المتوفی ۱۴۸ھ کا بیان ہے کہ مَیں نے ایک بار حجاج بن یوسف ثقفی المتوفی ۹۵ھ کو یہ کہتے سنا کہ قرآن کو اسی طرح جمع کرو جس طرح جبرئیل نے نازل کیا تھا اور سورتوں کے نام اِس طرح لکھو کہ وہ سورت جس میں بقرہ کا ذکر ہے، وہ سورت جس میں آل عمران کا ذکر ہے۔ اور وہ سورۃ جس میں عورتوں کا ذکر ہے۔ یعنی یہ نہ کہا کرو کہ سورۂ بقرہ، سورۃ آل عمران اور سورۂ نساء۔ کیوں کہ یہ ان سورتوں کے نام نہیں۔

Marfat.com

اعمش کہتے ہیں میں نے ابراہیم نخعی سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے حجاج کو برا بھلا کہا اور فرمایا مجھ سے عبدالرحمان بن یزید نے بیان کیا ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ حج کو گئے۔ عبداللہؓ نے درمیان وادی سے جمرۂ عقبہ کی رمی کی۔ عبدالرحمان نے عرض کیا لوگ تو کہتے ہیں کہ اوپر بلندی کی جانب سے رمی کی جائے۔ عبداللہؓ بن مسعود نے فرمایا۔

ھذا والذی لا الہ غیرہ مقام الذی انزلت علیہ سورۃ البقرۃ۔ بخاری ج-۱ ص۲۲۵، مسلم ج-۱ ص۴۱۹
ابوداؤد ج-۱ ص۲۷۸، نسائی ج-۲ ص۱۷۱

قسم ہے اس ذات کی جس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں۔ یہ اُس ذاتِ اقدس کی رمی کی جگہ ہے جس پر سورۃ بقرہ نازل کی گئی تھی۔

امام ابراہیم نخعی نے یہ حدیث صرف یہ بتانے کے لیے بیان فرمائی کہ عبداللہ بن مسعود نے بھی اس سورۃ کا نام سورۂ بقرہ بیان کیا ہے اور یہ حجاج کی بدعت ہے جو وہ ان ناموں کو تبدیل کرنا چاہتا ہے۔

سطورِ بالا سے بدعت کی مذمت اور اس کی حیثیت بخوبی واضح ہو چکی ہے۔ لیکن یہ امر ضرور غور طلب ہے کہ وہ کون کون سے اُمور ہیں جو بدعت ہیں اور اس کو پہچاننے کے لیے سنت کو جاننا انتہائی ضروری ہے۔

اگر ہم ہر سنت و بدعت کی تشریح کریں تو اس کے لیے متعدد جلدیں بھی ناکافی ہوں گی۔ کیونکہ تمام بدعات دو اقسام پر مشتمل ہیں۔ بدعت اعتقادی اور بدعت عملی۔ ان میں سے اگر ہر ایک کی تفصیل کی جائے تو یہ زندگی بھی ناکافی ہے۔ گذشتہ اور موجودہ گمراہ طبقے صرف بدعتِ اعتقادی کا نتیجہ ہیں مثلاً روافض، خارجیہ، معتزلہ، جبریہ، قدریہ، ملامتیہ وغیرہ، لیکن اس وقت ہمارا موضوع بدعت اعتقادی نہیں بلکہ صرف بدعتِ عملی ہے۔ اور اس میں بھی صرف ایک خاص بدعت مقصود ہے۔

Marfat.com

پھر یہ دونوں بدعات دو طرح کی ہیں یا تو یہ بدعت جدیدہ ہوگی جیسے موجودہ صلوٰۃ و سلام یا یہ بدعت قدیمہ ہوگی۔ جیسے جمعہ کے دن خطبہ کی اذان امام صاحب کے سامنے کھڑے ہو کر دینا۔ خطبہ میں آیت درود پڑھنا۔ بنو عباس کے لیے دعا کرنا۔ رجب کے روزے رکھنا اور شب براءت وغیرہ۔ اس قسم کی بدعات پر چونکہ صدیاں گذر چکی ہیں۔ اس لیے اب یہ بدعات بھیڑ چال علماء میں دین کا درجہ اختیار کر چکی ہیں اور ان کے خلاف آواز اُٹھانا پوری قوم کو مقابلہ کی دعوت دینا ہے اور ہم اس دعوت کے لیے تیار ہیں۔ قل الحق ولو کان مرا

اِس وقت ہمارے پیش نظر شب برات ہے جو مختلف بدعات کا مجموعہ ہے۔ ان اوراق میں یہی بات ثابت کی گئی ہے کہ اس شب برات کا خیر القرون میں کوئی وجود نہ تھا اور یہ صوفیاء اور زنادقہ کی ایک وضع کردہ کہانی ہے چونکہ اس کے اصل بانی تو رافضی ہیں اور صوفیا بھی چونکہ درپردہ شیعیت کے پجاری ہیں۔ اس لیے انہوں نے اس کی اشاعت میں نمایاں خدمت انجام دیں اور ہند و پاک کے علماء تصوف پرستی کے مرض میں مبتلا ہو کر اسے داخل دین کر دیا۔

چونکہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس تحقیق میں ہم کہاں تک کامیاب ثابت ہوئے اور کس مقام پر ہمارے قلم نے ٹھوکر کھائی ہے۔ اس لیے ہم ہر علمی تنقید کو خوش دلی سے قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر لیلۃ مبارکہ

اس صدی کے ساتویں عشرے میں احقر نے ایک کتابچہ فضائل شعبان کے رد میں تحریر کیا تھا اور علماء کرام سے درخواست کی تھی کہ اگر اس ناچیز سے کسی امر کی تحقیق میں غلطی واقع ہوئی ہو تو اس سے مطلع فرمائیں، یا اس کا رد تحریر کریں، لیکن اس عرصۂ دراز میں کسی نے نہ تو رد لکھنے کی ضرورت محسوس کی اور نہ جواب دینے کی۔ حالانکہ وہ ایک سرسری سا کتابچہ تھا اور اس کی تحقیق پر میں خود بھی مطمئن نہ تھا۔ اس کی طباعت کے بعد میں برابر ان روایات کی تحقیق میں مشغول رہا جو فضائلِ شب برات سے متعلق ہیں، اور اللہ کا شکر ہے کہ تحقیق کے بعد میں جس نتیجے پر پہنچا، وہ وہی نتیجہ تھا۔ جس کا میں اپنے کتابچہ میں ایک عرصہ قبل اظہار کر چکا تھا۔

بعد میں خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ اس تحقیق کو یکجا جمع کر دیا جائے، تاکہ قارئین کو یہ معلوم ہو سکے کہ "شب برات" کے "حلوہ خور ملاؤں" نے کس قسم کی روایات کو سہارا بنا کر اپنا الو سیدھا کر رکھا ہے۔ اس سلسلے میں متعدد روایات کے ہر سال شب برات کے موقعہ پر بہت شد و مد سے حوالے دیئے جاتے ہیں، اور بعض نام نہاد علماء تو آیت قرآنیہ کی معنوی تحریف سے بھی گریز نہیں کرتے، ہم سب سے قبل اسی آیت کی تفسیر پر بحث کریں گے۔ جس آیت کریمہ کو ان ملاؤں نے بازیچۂ اطفال بنا رکھا ہے۔ بعد میں تمام روایات پر روایتاً و درایتاً

Marfat.com

بحث کی جائے گی۔

قرآن کی معنوی تحریف

قرآن کریم کی جس آیت کریمہ کے سلسلے میں روایات اور تاویلات کا سہارا لے کر اسے غلط معانی پہنائے جاتے اور لوگوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے وہ سورۂ دخان کی ابتدائی آیات ہیں جو ذیل میں پیش کی جارہی ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ ۝ فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ ۝ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِیْنَ ۝ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

ہم نے یہ قرآن مبارک رات میں نازل کیا ہے، یقیناً ہم ڈرانے والے ہیں، اس رات میں ہر حکمت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ ہر وہ حکم جو ہماری جانب سے ہوتا ہے۔ یقیناً ہم بھیجنے والے ہیں۔ آپ کے پروردگار کی جانب سے رحمت۔ یقیناً وہ بہت سننے والا اور جاننے والا ہے۔

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے چند امور کی وضاحت فرمائی ہے۔

۱۔ ہم نے قرآن مجید "مبارک شب" میں نازل کیا ہے۔

۲۔ اس شب میں تمام احکامات کے فیصلے کئے جاتے ہیں۔

۳۔ اس شب میں نزولِ رحمت ہوتا ہے۔

۴۔ اس شب کا نام "لیلۃ المبارکہ" ہے۔

بحث کا آغاز اس بات سے ہوتا ہے کہ لیلۃ المبارکہ سے کیا مراد ہے صوبیار اور شب براتی ملاؤں کا دعویٰ ہے کہ لیلۃ مبارکہ سے مراد لیلۃ البراءت ہے جبکہ تمام متقدمین محدثین، مفسرین اور فقہاء کا کہنا ہے کہ لیلۃ مبارکہ سے

Marfat.com

لیلۃ القدر مراد ہے۔

ان کا دعوٰی ہے کہ "قرآن لیلۃ القدر میں نازل کیا گیا ہے، اور اِس آیت میں بھی نزولِ قرآن کا دعوٰی ہے، اِسی طرح لیلۃ القدر کی تعریف میں اس کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ اس شب میں تمام امور کے فیصلے کیے جاتے اور ہر قسم کی سلامتی نازل فرمائی جاتی ہے، جو اِس امر کی بین دلیل ہے۔ کہ "لیلۃ مبارکہ" "لیلۃ القدر" کا دوسرا نام ہے، یہ دو جُداگانہ راتیں نہیں۔ پھر سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے اِس امر کی بھی وضاحت فرمائی ہے کہ "ہم نے یہ قرآن رمضان میں نازل کیا ہے اور شبِ براءت رمضان میں نہیں ہوتی۔ گویا قرآن کا نزول رمضان میں اس شب میں ہوا جسے لیلۃ القدر سے تعبیر کیا جاتا ہے اور لیلۃ مبارکہ اس کا ایک صفاتی نام ہے۔ بعینہٖ اسی طرح جیسے رحمت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اسے لیلۃ الرحمہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ ورنہ لازم آئے گا کہ قرآن مجید کا نزول دو راتوں میں ہوا ہو، اور فیصلے بھی سال بھر میں دو مرتبہ کیے جاتے ہوں۔ حالانکہ صحابہ و تابعین اور متقدمین میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔

صوفیاء ابتداء سے اس کے قائل رہے ہیں کہ نزولِ قرآن شبِ براءت میں ہوا ہے، جیسا کہ غزالی کی "احیاء العلوم" اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی "غنیۃ الطالبین" سے واضح ہوتا ہے، متاخرین میں سے شاہ ولی اللہؒ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں نزولِ قرآن کا دو بار دعوٰی کیا۔ جو روئے زمین پر ابتدائے اسلام کے ایک ہزار سال بعد ایک نیا دعوٰی تھا۔ انھوں نے اپنی جانب سے اس امر کی کوشش کی کہ ایک عالم ہونے کی حیثیت سے قرآن کا رد بھی نہ ہو اور صوفی ہونے کے ناطے بزرگوں کا اندھا اعتقاد بھی قائم رہے۔

ع بامسلمان اللہ اللہ با برہمن رام رام

پھر شاہ ولی اللہؒ کے بعد علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولوی احتشام الحق تھانوی

Marfat.com

نے بھی اسی طریقے کو اپنایا۔ لیکن لُطف کی بات یہ ہے کہ جب شب قدر کا زمانہ آتا ہے تو اِن آیات کو اس کی فضیلت میں پیش کر دیا جاتا ہے، اور جب شبِ برات کا زمانہ آتا ہے تو یہ آیات اس کی صداقت کے لیے پیش کر دی جاتی ہیں تصدیق کے لیے اخبار جنگ کے وہ ایڈیشن دیکھ لیجئے جو شب برات اور شب قدر کے وقت شائع کئے جاتے ہیں۔ گویا یہ آیات ابھی تک فضا میں لٹکی ہوئی ہیں کہ جب چاہا رسّی پکڑ کر گھسیٹ لیا اور جس کے ساتھ چاہا منسلک کر دیا۔

حالانکہ اصول تفسیر اور اصول فقہ کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ اگر کوئی آیت محتمل المعنی ہو تو اس کے معنی کا تعین محکم و مفسر آیت سے کیا جائے گا اور صرف وہی معنی مُراد لیے جائیں گے جس کی تائید محکم اور مفسّر آیت سے ہوتی ہو، اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ "ہم نے رمضان میں قرآن نازل کیا" اور "ہم نے قرآن لیلۃ القدر میں نازل کیا۔ یہ محکم واضح اور مفسّر ہے۔ اب ایسے واضح اور مفسّر فرمان کی موجودگی میں کسی مشتبہ امر کو اختیار کرنا اور محکم کو ترک کرنا ایک بدترین قسم کی جہالت بلکہ علمی خیانت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۔

اور جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے، وہ فتنہ اٹھانے اور تاویل پیش کرنے کی غرض سے مشتبہ آیات کی پیروی کرتے ہیں۔

اِسی قسم کی فتنہ انگیز تاویل اِس آیت میں بھی کی گئی ہے۔ حالانکہ یہ تمام صوفیاء اور علماء اس امر کے بھی مدعی ہیں کہ متقدمین میں سے یہ قول صرف "عکرمہ" مولیٰ ابن عباسؓ کا ہے اور کوئی اِس قول کا قائل نہیں۔ یہ تو ہم بعد میں واضح کریں گے کہ یہ عکرمہ کون ذات شریف ہیں اور اس دور کے ائمہ تابعین کے نزدیک ان کی حیثیت کیا ہے؟ اس سے قبل ہم مفسرین کے اقوال

پیش کرنا چاہتے ہیں، تاکہ قارئین کو معلوم ہو جائے کہ سابقہ مفسرین نے اس آیت کی کیا تفسیر فرمائی ہے۔

مفسرین و فقہاء کی تفسیر سے قبل ان حضرات کی رائے بھی سُن لیجیے جو اس کے مدعی ہیں کہ لیلۃ مبارکہ سے لیلۃ البراءت مُراد ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اپنی مشہور کتاب "غنیۃ الطالبین" میں تحریر فرماتے ہیں۔

سمیت لیلۃ البراءۃ لان فیہ براءتین براءۃ الاشقیاء من الرحمان و براءۃ الاولیاء من الخذلان۔

غنیہ مترجمہ ج-۱ ص۱۹۲

اِس شب کا نام برأت اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں دو قسم کی براءت پائی جاتی ہے۔ بدبختوں کو اللہ سے نجات ملتی ہے اور اولیاء کو رسوائی سے نجات ملتی ہے۔ (اللہ سے نجات ملنے کا مقصد کیا ہے؟ یہ کسی سلیم العقل صوفی سے دریافت کیجئے۔)

صاوی حاشیہ جلالین میں ہے۔

ھی لیلۃ النصف من شعبان وھو قول عکرمۃ وطائفۃ وجہ بامورمنھا ان لیلۃ النصف من شعبان لھا اربعۃ اسماء لیلۃ المبارکۃ ولیلۃ البراءت ولیلۃ الرحمۃ ولیلۃ الصک و منھا فضل العبادۃ فیھا۔

حاشیہ جلالین ص۴۱۷

یہ لیلۃ البراءت نصف شعبان کی شب ہے۔ یہی عکرمہ اور ایک چھوٹی سی جماعت کا قول ہے۔ جس کی چند وجوہات ہیں۔ اول وجہ یہ ہے کہ نصف شعبان کی رات کے چار نام ہیں۔ لیلۃ مبارکہ، لیلۃ الرحمۃ لیلۃ الصک، اور لیلۃ البرأت دوسری وجہ اس رات میں عبادت کی فضیلت ہے۔

گویا جن مفسرین اور صوفیاء نے یہ دعوٰی کیا ہے کہ اس آیت کریمہ میں "لیلۃ مبارکہ" سے مُراد شبِ برات ہے۔ انھوں نے اپنی اِس رائے کی بنیاد عکرمہ کے قول پر رکھی ہے۔ متقدمین میں سے بجز عکرمہ کوئی اس کا قائل نہیں۔ حتٰی کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے بھی اس بات کو قبول کیا ہے کہ یہ عکرمہ کا قول ہے اور تمام مفسرین اس کی اس رائے کو قبول نہیں کرتے۔

وُہ فرماتے ہیں۔

وقد قال ذلك اكثر المفسرين سوى عكرمة فانهم قالوا هي ليلة القدر - غنیۃ ج-۱ ص۶۸۳

عکرمہ کے علاوہ اکثر مفسّرین کا قول یہ ہے کہ وہ مبارک رات لیلۃ القدر ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب تمام مفسّرین اس کے قائل ہیں کہ لیلۃ مبارکہ سے لیلۃ القدر مراد ہے تو اس کی کیا وجہ کہ انھوں نے ان تمام علماء اور ائمہ کا قول ترک کر کے عکرمہ کا قول اختیار کیا۔ اس کی کوئی نہ کوئی وجہ از روئے دلیل ہونی چاہیئے تھی۔ رہا شیخ صاحب کا یہ فرمانا کہ اس رات میں دو قسم کی برات ہوتی ہیں۔ یہ ایک نیا دعوٰی ہے۔ دلیل نہیں اور دعوٰی خود دلیل نہیں ہوتا۔ بلکہ ہمیشہ محتاجِ دلیل ہوتا ہے۔ صادی نے جو دعوٰی کیا ہے۔ وہ بھی اسی قسم کا ہے کہ دعوٰی اور دلیل دونوں ایک ہیں۔ یہ اسی قسم کی بات ہے۔ جیسے کوئی یہ کہے کہ انسان کو انسان اس لیے کہتے ہیں کہ اسے انسان کہا جاتا ہے۔ حالانکہ صادی جس نے جلالین کی عبارت پہ حاشیہ آرائی کی ہے وہ عبارت بھی صادی کا ساتھ نہیں دیتی۔

ہندو پاکستان کے اکثر علماء اور مقالہ نویسوں نے عکرمہ اور شیخ صاحب کی تقلید کے علاوہ کوئی نیا کارنامہ انجام نہیں دیا اور نہ انھوں نے یہ سوچنے کی ضرورت محسوس کی کہ دیگر مفسّرین کی رائے کیا ہے اور اس کی وجوہات کیا ہیں۔ ان حضرات نے

Marfat.com

صادی اور غنیہ کی عبارات کو اپنا مطمح نظر بنا رکھا ہے اس کے علاوہ وُہ مزید سوچنے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں۔ حفیظ جاوید صاحب اپنے ایک مضمون میں فرماتے ہیں۔

شب قدر کے علاوہ پندرہویں شعبان کی رات کے بھی بڑے فضائل ہیں۔ اس رات کو لیلۃ مبارکہ، لیلۃ الصک اور لیلۃ ابرات بھی کہتے ہیں۔ مگر عرفِ عام میں یہ لیلۃ ابراءت، شب برات کے نام سے موسوم ہے ... حدیث شریف میں ہے کہ شعبان سے اگلے شعبان تک ایک سال کے تمام فیصلے اسی رات کو کر لیے جاتے ہیں۔ ..... بعض مفسّرین اور بزرگانِ دین نزولِ قرآن کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ شب برات یعنی شعبان المعظم کی پندرھویں رات کو قرآن پاک لوح محفوظ سے فلک اول پر کاتب فرشتوں کے حوالے کیا گیا اور رمضان المبارک کی بابرکت لیلۃ القدر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی اُتری۔ اِس ضمن میں وہ قرآن پاک کی اِس آیت (آیت مذکورہ) کا حوالہ دیتے ہیں۔ (اخبار جنگ مورخہ ۲۴ ستمبر ۷۲ء)

محمد علی شاہین لکھتے ہیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ سال بھر کے قضاء قدر کے فیصلے اسی عظیم الشان رات میں لوح محفوظ سے اُتار کر انھیں فرشتوں کے حوالہ کیا جاتا ہے۔

(اخبارِ جنگ مورخہ ۲۴ ستمبر ۷۲ء)

علامہ نے یہ بات اپنی تفسیر میں فرمائی ہے اور "فتح الملہم شرح مسلم" میں شاہ ولی اللہ کا ایک مضمون اس کی تائید میں پیش کیا ہے۔

حافظ محمد اسلام صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

Marfat.com

ان آیات (مذکورہ) کی تفسیر میں بعض مفسرین کرام نے تو یہ کہا ہے کہ مبارک رات سے مراد شعبان کی پندرھویں شب ہے اور بعض نے یہ کہا ہے کہ مُبارک رات سے مراد شب قدر ہے...

ان دونوں گروہوں نے احادیث کی روشنی میں اظہار خیال کیا ہے۔ مثلاً حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے "موضح القرآن" میں اور حضرت احمد رضا خاں نے اپنی تفسیر میں مذکورہ برکت والی رات کو شب برات یعنی شعبان کی پندرھویں شب قرار دیا ہے۔ ان کا احادیث کی روشنی میں استدلال یہ ہے کہ یہی وُہ شب ہے جس میں آئندہ سال بھر کے انسانی تخمینے کے مطابق تکوینی کام فرشتوں کو دیئے جاتے ہیں۔

دوسری طرف مولینا عبدالماجد دریابادی اپنی تفسیر ماجدی میں ابن کثیر کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ قرآن پاک میں خود یہ تصریح موجود ہیں کہ کلام پاک کا نزول رمضان المبارک اور اس کی شب قدر میں ہوا۔ اس لیے مبارک رات سے مراد شب قدر ہے۔ شعبان کی پندرھویں شب نہیں۔ شب قدر ہی میں اٹل فیصلے کئے جاتے ہیں۔ جنگ ۶ر اکتوبر ۱۹۷۱ء

مولوی احتشام الحق تھانوی فرماتے ہیں۔

علماء مفسرین میں سے ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ لیلۃ مُبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ کیونکہ دوسری آیت میں صاف طور پر فرمایا گیا ہے۔ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ اور شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ۔

دوسرے علماء مفسرین اور محققین کی رائے یہ ہے کہ سورۂ دخان کی آیت میں لیلۃ مبارکہ سے مراد شب براءت ہے۔ اس جماعت

نے جو دلائل اپنے خیال کی تائید میں پیش کئے ہیں ان میں سے ایک دلیل تو یہ ہے کہ اس رات کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام لیلۃ مبارکہ ہے۔ دوسرا اس کا نام لیلۃ البرأت ہے۔ تیسرا اس رات کا نام لیلۃ الصک ہے۔ چوتھا خصوصی نام اس شب کا لیلۃ الرحمۃ ہے ..... لیکن محققین نے ان دونوں رایوں میں اِس طرح تطبیق کی ہے کہ شب برأت میں لوحِ محفوظ سے نقل کرنے کا آغاز ہوا۔ اور ماہ رمضان میں شب قدر تک اس کی تکمیل ہوئی اور لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا پر یکبارگی اتار دیا گیا۔

ماخوذ از جنگ مؤرخہ ۶ر اکتوبر ۷۱ء، ۲۴ر ستمبر ۷۲ء

مولوی احتشام کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ اس کے مدعی ہیں کہ وہ لیلۃ القدر ہے وہ غیر محقق ہیں اور جو لوگ اسے شب برات کہتے ہیں وہ محقق ہیں۔ لیکن مولوی صاحب نے ان محققین کے نام کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ حیرت تو اِس بات پر ہے کہ لیلۃ البراءت کی تائید میں کوئی دلیل بھی پیش نہیں کی۔ لیکن لیلۃ القدر کی تائید میں دو آیات قرآنیہ بھی پیش کیں۔ اور پھر بھی انھیں قبول نہیں کیا۔ حتیٰ کہ اِن آیات کی کوئی تاویل بھی پیش نہیں کی۔ جس سے یہ مقصد واضح ہوتا ہے کہ لیلۃ القدر کی تائید میں اگرچہ آیات قرآنیہ موجود ہیں اور اکثریت کا یہی فیصلہ ہے۔ لیکن مولوی صاحب کو یہ قبول نہیں۔ بلکہ اس کے برعکس شب برارت والا فیصلہ بلا دلیل قبول ہے کیونکہ ان کے نزدیک وہ محققین کا فیصلہ ہے۔ اور محققین کا فیصلہ اللہ کے فیصلہ پر فوقیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کوئی محقق نہیں۔ یہ ہے اِس عبارت کا تجزیہ۔ عیاذاً باللہ

اِس رات کے چار نام ہیں۔ جس میں ایک نام لیلۃ مبارکہ ہے۔ بحث اسی بات پر ہے کہ لیلۃ مبارکہ سے کون سی رات مراد ہے۔ اگر یہ بات فیصل شدہ ہوتی کہ لیلۃ مبارکہ سے شب برارت مراد ہے تو پھر مفسرین میں

Marfat.com

اختلاف ہی کیوں ہوتا یہ تو موصوف کے محققین کا دعویٰ ہے اور دعویٰ خود دلیل نہیں ہوتا۔ یہ بات تو بالکل اسی قسم کی ہے جیسے کوئی کہے کہ زمین گول ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ زمین گول ہے۔

مولوی صاحب نے یہ بھی دعویٰ فرمایا کہ نزولِ قرآن کی ابتدا شب برات سے ہوئی اور شب قدر تک وہ تکمیل کو پہنچا تو پھر وہ لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر یکبارگی کیسے نازل ہوا۔ پھر تو اس کے نزول میں ایک ماہ سے زیادہ صرف ہوا۔ یہ تو مولوی صاحب کا دعویٰ ہے اور علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ اس رات میں نازل ہی نہیں کیا جاتا بلکہ فرشتوں کے حوالے کیا جاتا ہے۔

ان تمام آراء کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سب علماء کے اپنے خیالات ہیں۔ جن کا قرآن سے کوئی دور کا واسطہ معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ شب برات کے بارے میں جو ضعیف روایات ہیں۔ ان سے مرعوب ہو کر قرآن کو ان کے مطابق ڈھال لینے کی سعی لاحاصل کی گئی ہے۔ ان تمام علماء نے جو کچھ بھی فرمایا ہے وہ "غنیہ" اور "احیاء العلوم" وغیرہ سے ماخوذ ہے۔ پانچویں صدی سے قبل عکرمہ کے علاوہ کسی مفسر، کسی محدث اور کسی فقیہہ نے یہ دعویٰ نہیں کیا۔ لیلۃ مبارکہ سے شب برات مراد لینے والے متاخرین ہیں۔ متقدمین میں ان کا کوئی ہمنوا نہیں۔ بلکہ متاخرین میں بھی جو محقق علماء ہیں انھوں نے اس نظریہ کو غلط قرار دیا ہے بلکہ متقدمین نے تو اس دعویٰ کرنے والے کو بدعقل بتایا ہے۔

عبدالماجد دریابادی کی رائے تو آپ پڑھ چکے ہیں۔ ابو محمد عبدالحق حقانی جن کی "تفسیر حقانی" اردو کی سب سے بڑی مشہور اور اعلیٰ تفسیر ہے وہ فرماتے ہیں۔

لیلۃ مبارکہ میں علماء اسلام کے دو قول ہیں جمہور کے نزدیک

Marfat.com

لیلۃ القدر مراد ہے جو رمضان کے آخر میں پائی جاتی ہے غالباً ستائیسویں رات ہے۔ اِس قول پر اس آیت میں اور دوسری آیات میں جیسا کہ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ یا شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ میں کوئی مخالفت باقی نہیں رہتی۔ تفسیر حقانی ج۔ ۲ ص۲۵۶

یعنی کہ موجودہ فرضی علماء کے لیے یہ ضروری ہے کہ قرآن میں تضاد باقی رہے کیونکہ اگر یہ تضاد باقی نہ رہے گا تو شبِ براءت کا وجود کیسے ثابت ہوگا۔ اور اسے ثابت کرنے کے لیے قرآن میں تضاد پیدا کرنا ضروری ہے۔ اِس تضاد کے دُور ہونے کی صورت میں ایک دشواری یہ بھی ہے کہ صوفیاء اور خاص طور پہ پیرانِ پیر اور غزالی وغیرہ کا دامن ہاتھ سے چھُوٹ جائے گا اور اگر ان لوگوں کا دامن چھوٹ گیا تو نجات کیسے ہوگی۔ لیکن یہ لوگ خود عکرمہ کا دامن تھامے بیٹھے ہیں۔ یہ تو ہم آگے عرض کریں گے کہ جناب عکرمہ کون ذاتِ شریف ہیں اور تابعین کے نزدیک ان کی حیثیت کیا ہے۔؟

تفسیر "جلالین" میں ہے۔

اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ هِیَ لیلۃ القدر او لیلۃ النصف من شعبان نزل فیها من ام الکتاب من السماء السابعۃ الی السماء الدنیا والجمهور علی الاول کذا فی المدارک

جلالین مصری ج۔ ۲ ص۱۰۱

یقیناً ہم نے قرآن کو مبارک رات میں نازل کیا۔ مبارک رات یا تو لیلۃ القدر ہے یا شعبان کی پندرھویں شب ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن لوحِ محفوظ سے ساتویں آسمان

کی جانب نازل فرمایا۔ اور جمہور کا قول یہ ہے کہ یہ لیلۃ القدر ہے۔
اسی "جلالین" میں سورۂ قدر کی تفسیر میں ہے۔

اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ای القران جملة واحدة من اللوح المحفوظ الی السماء الدنیا۔

تفسیر جلالین" ج - ۲ ص ۱۶۱

یقیناً ہم نے اِس قرآن کو لیلۃ القدر میں یکبار لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کی جانب نازل کیا۔

"جلالین" کے آخری پندرہ پارے جلال الدین محلی کی تصنیف ہیں اور ان کے دعوٰی میں تضاد ہے۔ ابتدائی پندرہ پاروں کی تفسیر جلال الدین سیوطی کی ہے۔ وہ شہرِ رمضان کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ من اللوح المحفوظ الی السماء الدنیا فی لیلة القدر منه ۔ جلالین مصری المتوفی ۹۱۱ھ ج - ۱ ص ۱۷

"ماہِ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کی جانب لیلۃ القدر میں نازل کیا گیا۔"

گویا جلال الدین سیوطی نے تو سرے سے دوسرے تخیل کا وجود ہی مٹا دیا۔ "حاشیہ جلالین" مطبوعہ نور محمد کراچی میں ہے۔

ھی لیلة القدر او لیلة النصف من شعبان نزل فیها من ام الکتاب من السماء الدنیا والجمهور علی الاول کذا فی تفسیر المدارک۔

"جلالین" ص ۱۰۴

لیلۃ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر یا شعبان کی پندرھویں شب ہے۔ اسی رات میں اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن لوحِ محفوظ یعنی

Marfat.com

ساتویں آسمان سے آسمانِ دنیا کی جانب نازل فرمایا۔
جمہور کے نزدیک اس رات سے مراد لیلۃ القدر ہے۔
جیسا کہ تفسیر مدارک میں ہے۔"

"تفسیر خازن" میں ہے۔

قال قتادہ وابن زید ھی لیلۃ القدر انزل اللہ القرآن فی لیلۃ القدر وقیل ھی لیلۃ النصف من شعبان۔ خازن ج۔۵ ص۱۴۳

"قتادہ اور ابن زید کہتے ہیں کہ لیلۃ مبارکہ وہی لیلۃ القدر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کیا۔ ایک ضعیف قول یہ ہے کہ وہ پندرہ شعبان کی شب ہے۔"

قیل ضعیف قول کے لیے آتا ہے۔ گویا "خازن" کے مصنف کے نزدیک شب برات والا قول ضعیف ہے۔

"تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی" میں ہے۔

فی التفسیر الکبیر بان المراد من اللیلۃ المذکورۃ فی ھذہ الایۃ ھی لیلۃ النصف من شعبان فما رایت لھم دلیلا یقال علیہ۔ تحفۃ الاحوذی ج۔۲ ص۵۳

"تفسیر کبیر" میں ہے کہ اس آیت میں لیلۃ مبارکہ سے مراد اگر شعبان کی پندرہویں شب لی جائے تو میں نے اس کی کوئی ایسی دلیل نہیں پائی جس کے باعث اس رائے کو قبول کیا جا سکے۔

تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی کی تفسیر ہے۔ ان کے نزدیک اس قول کی کہ لیلۃ مبارکہ سے شب برات مراد ہے کوئی دلیل موجود نہیں ہے تحفۃ احوذی کے مصنف فرماتے ہیں۔

Marfat.com

اعلم ان المراد من لیلۃ مبارکۃ فی قولہ تعالیٰ
اِنَّآ اَنْزَلْنٰـہُ فِیْ لَیْلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ عندہ الجمہور
ھی لیلۃ القدر وقیل ھی لیلۃ النصف من
شعبان وقول الجمہور ھو الحق ط

خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد اِنَّآ اَنْزَلْنٰـہُ فِیْ
لَیْلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ سے مراد جمہور علماء کے نزدیک
لیلۃ القدر ہے۔ ایک ضعیف قول یہ ہے کہ وہ شعبان
کی پندرھویں شب ہے۔ لیکن جمہور کا قول صحیح ہے۔

وفی المرقاۃ شرح المشکوۃ قال جماعۃ من
السلف ان المراد فی الایۃ ھی لیلۃ النصف
من شعبان لکن ظاھر القرآن بل صریحہ یردہ
لانہ افادتہ فی ایۃ نزل فی رمضان وفی اخری انہ
نزل فی لیلۃ القدر ثبت ان اللیلۃ المبارکۃ
ھی لیلۃ القدر لا لیلۃ النصف من شعبان ط

تحفۃ الاحوذی ج۔ ۲ ص ۵۳

مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے۔ سلف کی ایک جماعت یہ
کہتی ہے کہ اس آیت میں لیلۃ مبارکہ سے مراد شعبان کی
پندرھویں شب ہے۔ لیکن ظاہر قرآن اس کی تردید کر رہا
ہے۔ بلکہ بالصراحت اس کی تردید ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ
نے ایک آیت میں تو یہ ثابت فرمایا کہ قرآن رمضان
میں نازل فرمایا۔ دوسری آیت میں یہ بات فرمائی کہ قرآن
لیلۃ القدر میں نازل کیا۔ ان دونوں آیات سے ثابت ہوا
کہ لیلۃ مبارکہ لیلۃ القدر ہے نہ کہ شعبان کی پندرھویں شب۔

— "مرقاۃ شرح مشکوٰۃ" کے مصنف ملا علی قاری حنفی ہیں۔ ان کے نزدیک "یہ محقق" والا قول صراحتاً باطل ہے اور قرآن اس کی تردید کرتا ہے شوکانی "فتح القدیر" میں فرماتے ہیں۔

واللیلۃ المبارکۃ لیلۃ القدر ما فی قولہ تعالیٰ اِنَّآ اَنْزَلْنَاہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ ولھا اربعۃ اسماء اللیلۃ المبارکۃ ولیلۃ البراءۃ ولیلۃ الصک ولیلۃ القدر والحق ماذھب الیہ الجمھور من ان ھذہ اللیلۃ المبارکۃ ھی لیلۃ القدر لا لیلۃ النصف من شعبان لان اللہ سبحانہٗ اجملھا ھھنا وبینھا فی سورۃ البقرۃ بقولہ شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ وبقولہ فی سورۃ القدر اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ فلم یبق بعد ھذا البیان الواضح ما یوجب الخلاف ولا ما یقتضی الاشتباہ۔ فتح القدیر ج ۴ ص ۵۵۴

لیلۃ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ اور اس کے چار نام ہیں، لیلۃ مبارکہ، لیلۃ البراءت، لیلۃ الصک اور لیلۃ القدر حق بات وہی ہے جس کے جمہور قائل ہیں کہ لیلۃ مبارکہ سے مُراد لیلۃ القدر ہے نہ کہ شعبان کی پندرھویں شب۔ کیونکہ اللہ جل سبحانہٗ نے اس مقام پر اس رات کا مجملاً ذکر کیا۔ پھر سورہ بقرہ میں یہ فرما کر شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ اور سورہ قدر میں یہ فرما کر اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ اس کی وضاحت فرمائی۔ اِس وضاحت کے

Marfat.com

بعد دوسرا احتمال قطعاً باقی نہیں رہا اور نہ اس میں کوئی اشتباہ باقی رہا ہے۔ (جس سے فائدہ اُٹھایا جا سکے)

علامہ شوکانی نے تو دعوٰی اُلٹ دیا۔ ان کے نزدیک لیلۃ البراءۃ، لیلۃ الصک، لیلۃ مبارکہ اور لیلۃ القدر ایک ہی رات کے متعدد نام ہیں اس صورت میں لیلۃ البراءت کا جُداگانہ کوئی وجود ہی باقی نہیں رہتا۔ اور شوکانی کے دعوٰی کی قرآن تائید کر رہا ہے اور محکم آیات اسی کا فیصلہ کر رہی ہیں، لیکن مذکورہ تمام علماء اور صوفیاء نے ایک متشابہ آیت کے پیچھے لگ کر محکم آیات کی تردید کی۔ حالانکہ متشابہ کو محکم کے مطابق کیا جاتا ہے۔ نہ کہ محکم کو متشابہ کے۔ اس طرح یہ علماء و صوفیاء اس آیت کا مصداق بن گئے۔

وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ۔ آل عمران

اور جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ قرآن میں سے متشابہات کی پیروی کرتے ہیں۔ تاکہ فتنہ پیدا کر سکیں اور تاویل تلاش کر سکیں۔

"کمالین بشرح جلالین" میں ہے۔

من قال انها لیلة النصف من شعبان فقد ابعد فان نص القران انها فی رمضان۔

حاشیہ بر جلالین ص۴۱۱

"جس شخص نے یہ دعوٰی کیا ہے کہ وہ شعبان کی پندرھویں شب ہے اُس نے خلافِ عقل بات کہی ہے۔ کیوں کہ نصِ قرآنی تو یہ ثابت کر رہی ہے کہ وہ رمضان میں ہے۔"

تفسیر مواہب میں ہے۔

والجمهور على الاول لقوله إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ وقوله شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ ۝

حاشیہ جلالین ص ۴۱۱

جمہور کے نزدیک پہلا قول صحیح ہے اِس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ اور ارشاد ہے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي اُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ ط

حنفیہ کے مشہور محدث امام طحاوی رحمۃ اللہ المتوفی ۳۲۱ھ اپنی مشہور کتاب "معانی الآثار" میں فرماتے ہیں۔

وفی کتاب اللہ عزوجل ما یدل ان لیلۃ القدر فی شہر رمضان خاصۃ قال اللہ عزوجل حٰمٓ ! وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ ۝ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيمٍ

فاخبر اللہ عزوجل ان اللیلۃ التی فیہا یفرق کل امر حکیم فہی لیلۃ القدر وہی اللیلۃ التی انزل فیہ القرآن فثبت بذلک ان تلک اللیلۃ فی شہر رمضان۔ معانی الآثار ج ۔۲ ص ۶۰

اللہ عزوجل کی کتاب یہ ثابت کرتی ہے کہ لیلۃ القدر خاص طور پر رمضان میں ہے۔ کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے "یقیناً ہم نے اِس قرآن کو مبارک رات میں نازل کیا۔ یقیناً ہم ڈرانے والے ہیں۔ اِس رات میں ہر حکم کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ عزوجل نے یہ وضاحت فرمائی کہ اِس رات میں ہر حکم کا فیصلہ کیا جاتا ہے اور وہ لیلۃ القدر ہے۔ کیونکہ قرآن اِسی میں نازل کیا گیا ہے۔ اِس سے ثابت ہوا کہ یہ رات

Marfat.com

رمضان میں ہے۔

ملا علی قاری حنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ "مرقات شرح مشکوٰۃ" اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ "اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ" میں فرماتے ہیں۔

لیلۃ القدر انما سمیت بہا لانہ یقدر فیہا الارزاق ویقضیٰ ویکتب الآجال والاحکام التی تکون فی تلک السنۃ لقولہ تعالیٰ عز وجل فِیْہَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ وقولہ تعالیٰ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْہَا بِاِذْنِ رَبِّہِمْ مِنْ کُلِّ اَمْرٍ۔

حاشیہ مشکوٰۃ ص ۱۸۱

لیلۃ القدر کو لیلۃ القدر اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس رات میں رزق مقدر کیا جاتا ہے اور دیگر فیصلے کئے جاتے ہیں۔ اسی میں مرنے والوں کے نام لکھے جاتے اور دیگر وہ احکامات لکھے جاتے ہیں جو اس سال پیش آنے والے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فِیْہَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ۔ اور ارشاد ہے تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْہَا بِاِذْنِ رَبِّہِمْ مِنْ کُلِّ اَمْرٍ۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

لیلۃ القدر را لیلۃ القدر ازاں گویند کہ تقدیر کردہ می شود در دے ارزاق دلوشتہ می شود و قضا کردہ می شود آجال و احکام کہ دریں سال بوقوع ہا می آید۔ اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۱۱۹

لیلۃ القدر کو لیلۃ القدر اس لیے کہتے ہیں کہ اس رات میں رزق مقدر کیے جاتے، زندگی، موت، اور دیگر وہ احکامات جو اس سال میں وقوع پذیر ہونے والے ہیں لکھے جاتے ہیں۔

Marfat.com

تفسیر احمد رضا بریلوی میں مفتی نعیم الدین شہر رمضان کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

قرآن کریم تمامہ رمضان مبارک کی شب قدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف اُتارا گیا اور بیتُ العزت میں رہا۔ یہ اسی آسمان پہ ایک مقام ہے۔ یہاں سے وقتاً فوقتاً حسب اقتضائے حکمت جتنا منظور الٰہی ہوا جبریل امین لاتے رہے۔ یہ نزول تیئیس سال کے عرصہ میں پورا ہوا۔ خزائن العرفان فی تفسیر القرآن ص۳۲

سورۃ لیلۃ القدر کی تفسیر کی ابتداء میں فرماتے ہیں۔

یعنی قرآن مجید کو لوحِ محفوظ سے آسمانِ دُنیا کی طرف یکبارگی لیلۃ القدر میں اُتارا۔ اِس کو شب قدر اس لئے کہتے ہیں کہ اِس شب میں سال بھر کے احکام نافذ کیے جاتے ہیں اور ملائکہ کو سال بھر کے وظائف وخدمات پر مامور کیا جاتا ہے۔ خزائن العرفان ص۱۷

اِن دو عبارات سے بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ مفتی نعیم صاحب کا ذہن اِس سلسلے میں بالکل واضح ہے۔ لیکن افسوس کہ ہمارے تمام صوفیاء اور متاخرین کا یہ طرزِ عمل رہا ہے کہ اِن دو آیاتِ کریمہ میں اِس رات سے مُراد لیلۃ القدر لیتے ہیں۔ لیکن لیلۃ مبارکہ کی تفسیر میں اپنے اِس فیصلے کی خود ہی تردید بھی کر دیتے ہیں۔ اِس طرح یہ تمام حضرات ذہنی تضاد کا شکار ہیں۔ یہی مفتی نعیم الدین لیلۃ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

اِس رات سے یا شب قدر مُراد ہے یا شبِ براءت۔ اِس شب میں قرآن پاک بتمامہ لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کی طرف اُتارا گیا۔ پھر وہاں سے حضرت جبرئیل تیئیس سال کے عرصہ میں تھوڑا تھوڑا لے کر نازل ہوئے۔ اِس شب کو شبِ مبارکہ اِس لیے کہتے ہیں کہ اس میں قرآن پاک نازل ہوا۔ اور ہمیشہ اِس شب میں خیر و برکت نازل ہوتی ہے۔ دُعائیں قبول کی جاتی ہیں

Marfat.com

خزائن العرفان ص۵۸۹

گویا ایک مقام پر تو مفتی صاحب نے یہ دعوٰی کیا کہ قرآن رمضان میں نازل ہوا۔ دوسرے مقام پر یہ دعوٰی کیا گیا کہ قرآن لیلۃ القدر میں نازل ہوا۔ لیکن تیسرے مقام پر یہ دعوٰی کیا جارہا ہے کہ لیلۃ القدر میں نازل ہوا یا شب برات میں۔ ہمیں معلوم نہیں کہ مفتی صاحب خود شک میں مبتلا ہیں۔ یا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کی غلطی کو تسلیم کر لینے کے لیے تیار نہیں۔ اس لیے اس شک کا سہارا لیا گیا۔

امام قرطبی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

وروی قتادۃ عن واثلۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انزلت صحف ابراھیم فی اول لیلۃ من رمضان وانزلت التوراۃ لست ! مضین من رمضان وانزلت الزبور لاثنتی عشرۃ من رمضان وانزل الانجیل لثمان عشرۃ خلت من رمضان وانزل القرآن لاربع وعشرین من رمضان ثم قیل ! انزل القرآن کلہ الی السماء الدنیا فی ھذہ اللیلۃ ثم انزل نجما نجما فی سائر الایام علی حسب اتفاق الاسباب وقال عکرمۃ اللیلۃ المبارکۃ ھھنا لیلۃ النصف من شعبان والاول اصح لقولہ تعالی، اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ" قال قتادۃ وابن زید انزل اللہ القرآن کلہ فی لیلۃ القدر من ام الکتاب الی بیت العزۃ فی سماء الدنیا ثم انزلہ اللہ علی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اللیالی والایام

فی ثلاث وعشرین سنۃ۔ وھذا المعنی قد مضیٰ فی البقرۃ عند قولہ تعالیٰ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ۔ فِیْهَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ قال ابن عباس یحکم اللہ امر الدنیا الی قابل فی لیلۃ القدر ما کان من حیاۃ او موت او رزق وقالہ قتادۃ ومجاھد والحسن وغیرھم وقال عکرمۃ ھی لیلۃ النصف من شعبان یبرم فیھا امر السنۃ وینسخ الاحیاء من الاموات ویکتب الحاج فلا یزاد فیھم احد ولا ینقص منھم احد۔ تفسیر قرطبی ج۔۲ ص ۵۹۴۶

قتادہ نے حضرت واثلہؓ سے روایت کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حضرت ابراہیمؑ کے صحیفے رمضان کی پہلی رات میں نازل ہوئے۔ توریت رمضان کی چھٹی شب میں نازل ہوئی، زبور بارہ رمضان کو، انجیل اٹھارہ رمضان کو اور قرآن چوبیس رمضان کو نازل ہوا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تمام قرآن دفعتہً آسمانِ دنیا کی جانب اس شب میں نازل کیا گیا ہے، پھر جیسے اسباب پیش آتے گئے اسی لحاظ سے تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا۔ عکرمہ کہتا ہے کہ لیلۃ مبارکہ سے مراد نصف شعبان کی رات ہے۔ لیکن پہلا قول صحیح ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" ہم نے یہ قرآن لیلۃ القدر میں نازل کیا" امام قتادہ اور عبدالرحمان بن زید فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے تمام قرآن لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے بیت العزت کی جانب نازل کیا جو آسمانِ دنیا میں ہے،

Marfat.com

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم پہ مختلف شب و روز میں تیئیس سال کی مدت میں یہ قرآن نازل کیا۔ یہ تفسیر وضاحت کے ساتھ سورۃ بقرہ میں آیت شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ کی تفسیر میں گذر چکی۔" اس رات میں ہر حکمت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔" ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ لیلۃ القدر میں آنے والے تمام امورِ دنیاوی کا فیصلہ فرماتا ہے۔ موت و حیات اور رزق وغیرہ یہی قول قتادہ، مجاہد اور حسن بصری وغیرہ کا ہے۔ عکرمہ کہتا ہے یہ نصف شعبان کی شب ہے۔ اسی شب میں تمام سال کے فیصلے کئے جاتے ہیں، اسی میں زندگی اور موت لکھی جاتی ہے اور اسی میں حاجیوں کے نام لکھے جاتے ہیں۔ پھر ان لکھے ہوئے ناموں میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں کی جاتی۔"

پھر آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں۔

وقال القاضی ابوبکر بن العربی وجمهور العلماء علی انها لیلة القدر ومنهم من قال انها لیلة النصف من شعبان وهو باطل لان الله تعالی قال فی کتابه الصادق القاطع شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ فنص علی ان میقات نزوله رمضان ثم عین من زمانه اللیل ههنا بقوله فی لیلة مبارکة فمن زعم انه فی غیره فقد اعظم الفریة علی الله ولیس فی لیلة النصف من شعبان حدیث یعول علیه لا فی فضلها ولا فی نسخ الاجال فیها فلا تلتفتوا الیها۔

تفسیر قرطبی ج۔۷ ص ۵۶۴۸

Marfat.com

"احکام القرآن" کے مصنف قاضی ابو بکر بن العربی اور جمہور علماء اس پر متفق ہیں کہ لیلۂ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ اور بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ نصف شعبان کی شب ہے تو یہ صراحتاً باطل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سچی اور فیصلہ کن کتاب میں فرمایا ہے "رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا" اس آیت میں بطور نص یہ بات بیان فرمادی کہ نزول قرآن کا زمانہ رمضان ہے، پھر اس زمانے کا تعین لیلۃ القدر سے کیا ہے تو جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ لیلۃ مبارکہ رمضان کے علاوہ کسی اور مہینے میں ہے وہ اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ بول رہا ہے اور نصف شعبان کی شب کے بارے میں ایک بھی روایت ایسی نہیں جس پر اعتماد کیا جاسکے، نہ کوئی ایسی قابلِ اعتماد روایت ہے جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ شب برات میں زندگی اور موت لکھی جاتی ہے۔ ایسی روایات کی جانب قطعاً التفات نہ کیا جائے۔

ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں

روی حماد بن سلمۃ قال اخبرنا ربیعۃ بن کلثوم قال سال الحسن وانا عنده فقال یا ابا سعید ارایت لیلۃ القدر فی کل رمضان ھی قال ای والذی لا الہ الا ھو انھا فی کل رمضان انھا لیلۃ التی یفرق فیھا کل امر حکیم فیھا یقضی اللہ کل خلق واجل ورزق وعمل الا مثلھا وقال ابن عباس یکتب من ام الکتاب فی لیلۃ القدر

مایکون فی السنۃ من موت وحیاۃ ورزق ومطر
حتی الحجم وقال فی ھذہ الایۃ اتلک لتری الرجل
یمشی فی الاسواق وقد وقع اسمہ فی الموتی وھذہ
الابانۃ لاحکام السنۃ انما ھی للملوئکۃ المؤکلین
باسباب الخلق ۔ قرطبی ج۔۷ ص۵۹۴۷

حماد بن سلمہ نے ربیعہ بن کلثوم سے روایت کیا ہے۔ کہ
انھوں نے حسن بصری سے سوال کیا اور حماد بھی اس وقت
وہاں موجود تھے۔ انھوں نے عرض کیا اے ابوسعید! کیا
لیلۃ القدر ہر رمضان میں ہوتی ہے۔ انھوں نے فرمایا۔
ہاں قسم ہے اُس ذات کی جس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں
وہ ہر رمضان میں ہوتی ہے اور یہی وہ رات ہے جس میں
ہر حکم کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اِس رات میں تمام
مخلوق کے فیصلے فرماتا ہے۔ ان کی موت، ان کا رزق اور
ان کے تمام اعمال کا فیصلہ۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں اِس رات لوح محفوظ سے
تمام سال کے فیصلوں کی نقل کی جاتی ہے، موت، حیات،
رزق، بارش حتّٰی کہ حج بھی۔ حتی کہ ابن عباسؓ نے فرمایا،
بہت سے ایسے آدمی ہیں جن کو تم چلتے پھرتے دیکھ رہے
ہو۔ حالانکہ ان کا نام مُردوں میں لکھا جا چکا ہے۔ یہ پورے
سال کی رُوداد ہوتی ہے جو ان فرشتوں کے سپُرد کر دی جاتی
ہے جو مخلوق کے مختلف کاموں پہ مامور ہیں۔

علّامہ ابن کثیر رقم طراز ہیں۔

حٰمٓ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ

إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ ۝ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ۝
أَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۚ إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۝

يقول تعالىٰ مخبرًا عن القرآن العظيم انه انزله في ليلة مباركة وهي ليلة القدر كما قال عزوجل إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ وكان ذلك في شهر رمضان كما قال تبارك وتعالىٰ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ ومن قال انها ليلة النصف من شعبان فقد ابعد النجعة فان نص القرآن انها في رمضان والحديث الذي رواه عبد الله بن صالح عن الليث عن عقيل عن الزهري اخبرني عثمان بن مغيرة ابن الاخنس قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال تقطع الآجال من شعبان الى شعبان حتى ان الرجل لينكح ويولد له وقد اخرج اسمه في الموتى فهو حديث مرسل ومثله لا يعارض به النصوص ... ... وقوله فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ اي في ليلة القدر يفصل من اللوح المحفوظ الى الكتبة امر السنة وما يكون فيها الى آخرها وهكذا روى عن ابن عمر ومجاهد وابي مالك والضحاك وغير واحد من السلف۔

قسم ہے واضح کتاب کی۔ ہم نے اس کتاب کو مبارک رات میں اُتارا ہے۔ ہم ڈرانے والے ہیں۔ اس رات میں ہر حکمت والا حکم ہمارے پاس سے جُدا کیا جاتا ہے یقیناً ہم بھیجنے والے ہیں۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ قرآن عظیم کے بارے میں خبر دے رہا ہے
کہ ہم نے اسے مُبارک رات میں نازل کیا ہے اور وہ لیلۃ القدر
ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" ہم نے یہ قرآن لیلۃ القدر میں
نازل کیا" اور یہ لیلۃ القدر رمضان میں ہوتی ہے۔ جیسا کہ
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" ماہِ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں
قرآن نازل کیا گیا۔" جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ شعبان کی پندرھویں
شب ہے۔ اُس نے خلافِ عقل بات کہی ہے۔ کیونکہ
نص قرآن سے یہ ثابت ہے کہ وہ رات رمضان میں ہے۔
رہی وہ حدیث جسے عبداللہ بن صالح نے، لیث عقیل اور
زہری کے واسطے عثمان بن مغیرۃ بن اخنس سے روایت
کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ایک
شعبان سے دوسرے شعبان تک موت کا فیصلہ کیا جاتا ہے
حتّٰی کہ ایک شخص نکاح کرتا ہے یا اُس کے اولاد ہوتی ہے۔
حالانکہ اس کا نام مُردوں میں لکھا جا چکا ہوتا ہے۔ یہ حدیث
مُرسل ہے اور اس قسم کی روایات کو نصِ قرآنی کے مقابلہ میں پیش نہیں
کیا جا سکتا... ... اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس رات
میں ہر حکمت والا حکم جُدا کیا جاتا ہے۔ یعنی لیلۃ القدر میں
لوحِ محفوظ سے کاتبین کی جانب سال بھر کے امور اور جو
کچھ بھی آخر سال تک واقع ہوگا۔ یہی بات حضرت عبداللہ
بن عمرؓ، امام مجاہد، ابو مالک شعبی اور اسلاف میں سے ضحاک
وغیرہ سے مروی ہے۔ ابن کثیر ج۔۴ ص۱۳۸

علامہ ابن کثیر نے جس روایت کا حوالہ دیا ہے وہ صرف مرسل ہی
نہیں بلکہ قطعاً موضوع ہے۔ کیونکہ امام مقدسی عبداللہ بن صالح کے بارے

Marfat.com

ہیں فرماتے ہیں۔

ھو کتاب وضاع

وُہ اول دَرجہ کا جھوٹا اور حدیثیں گھڑتا ہے۔

ان تمام اقوال سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ لیلۃ مبارکہ سے مُراد لیلۃ القدر ہے اور اسی میں تمام فیصلے کیئے جاتے ہیں اور یہی تمام اسلاف اور متقدمین کا مَسلک ہے۔

علامہ محمد طاہر پٹنی المتوفی ۹۸۶ھ اپنی "تذکرۃ الموضوعات" میں فرماتے ہیں کہ

قال زید بن اسلم ما ادرکنا احدا من مشائخنا وفقہائنا یلتفتون الی لیلۃ البراءۃ وفضلھا علی غیرھا۔ تذکرۃ الموضوعات ص۴۵

زید بن اسلم کہتے ہیں۔ ہم نے اپنے مشائخ اور فقہاء میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ شبِ براءت کی جانب کوئی توجہ دیتے ہوں یا اسے دیگر راتوں پر فضیلت دیتے ہوں۔

زید بن اسلم حضرت عمرؓ کے غلام ہیں۔ وہ اپنے دَور کے مشائخ و فقہار کا یہ مَسلک بیان کر رہے ہیں کہ وہ لیلۃ البراءت کو نہ تو کوئی حیثیت دیتے تھے اور نہ اس رات کو دوسری راتوں پر کوئی فوقیت دیتے۔ گویا دَورِ صحابہ اور کبار تابعین کے زمانہ میں اِس شب کا کوئی وجُود نہ تھا۔ بلکہ اس کی ساری بنیاد عکرمہ کے قول پر رکھی گئی اور بعد میں اِس کے لئے احادیث وضع کر لی گئیں۔

پروفیسر محمُود الحسن خسرو سابق پرنسپل عربی کالج مدراس و اعزازی لیکچرار (شرع) لا کلاس ہائی کورٹ حیدر آباد دکن اپنی کتاب "قرآن مجید کا نزول اور وحی" میں فرماتے ہیں مختصر یہ کہ قرآن مجید کے نزول کو ماہِ شعبان

خاص کر شعبان کی پندرہویں شب یعنی شبِ براءت سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے اور نہ اس مہینے اور اس کی اِن راتوں میں قسمتوں اور تقدیروں کے فیصلے ہوتے ہیں اور نہ موت وحیات، رزق و بارش اور خوش بختی و بدبختی کے معاملے ہوتے ہیں۔ یہ سب کچھ شبِ قدر کی خصوصیتیں ہیں جو رمضان کی ایک خاص رات ہے۔ (قرآن مجید کا نزول اور وحی ص۱۳)

عکرمہ کا چہرہ

یہ عکرمہ ابن عباسؓ کے غلام ہیں اور ان سے روایت کرتے ہیں۔ اُن کی حیثیت کیا ہے۔ یہ امام ذہبیؒ کی زبانی سنیے۔

تکلم فیہ لرایہ لا لحفظہ فانہم برائی الخوارج وقد وثقہ جماعۃ واعتمدہ البخاری واما مسلم فتجنبہ وروی لہ قلیلا ومقرونا بغیرہ واعرض عنہ مالک وتحایدہ الا فی حدیث او حدیثین

میزان ج-۳ ص۹۳

اس کے خیالات کے باعث اس کی ذات میں کلام کیا گیا ہے۔ حافظہ کے باعث نہیں۔ ایک جماعت نے اُسے ثقہ قرار دیا ہے اور بخاریؒ نے اِس پر اعتماد کیا ہے لیکن مسلم نے اس سے اجتناب کیا اور اس سے بہت کم روایات لی ہیں اور وہ بھی اُس وقت جب اس کی سند کا دُوسرا راوی موجود ہو اور امام مالک نے ایک یا دو احادیث کے علاوہ اِس سے اعراض کیا۔

روی عن وھیب قال شھد یحیی بن سعید الانصاری وایوب فذکرا عکرمۃ فقال یحیی

کذاب وقال ایوب لم یکن بکذاب ۔

وہیب سے مروی ہے کہ میں یحییٰ بن سعید الانصاری المتوفی ۱۴۳ھ اور ایوب سختیانی المتوفی ۱۳۱ھ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ دونوں عکرمہ کا تذکرہ کرنے لگے۔ یحییٰ بولے عکرمہ کذاب ہے، ایوب بولے کہ وہ کذاب نہیں۔

وقال عبد اللہ بن حارث دخلت علیٰ علی بن عبد اللہ بن عباس فاذا عکرمۃ فی وثاق عند باب الحش فقلت لہ الا تتقی اللہ فقال ان ھذا الخبیث یکذب علیٰ ابی۔

عبد اللہ بن حارث کا قول ہے کہ میں علی بن عبد اللہ بن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو وہاں عکرمہ باب الحش کے قریب زنجیروں میں بندھا پڑا تھا۔ میں نے علیؓ سے عرض کیا کہ آپ کیا اللہ سے نہیں ڈرتے؟ انھوں نے فرمایا یہ خبیث میرے باپ (عبد اللہ بن عباسؓ) پر جھوٹ بولتا ہے۔

ویروی عن ابن المسیب انہ کذب عکرمۃ والخصیب بن ناصح۔

ابن المسیب سے مروی ہے کہ انھوں نے عکرمہ اور خصیب بن ناصح کو جھوٹا قرار دیا۔

قال خالد بن خداش شھدت حماد بن زید فی اخر یوم مات فیہ فقال احدثکم بحدیث لم احدث بہ قط لا فی اکرہ ان القی اللہ ولم احدث بہ۔ سمعت ایوب یحدث عن عکرمۃ قال انما انزل اللہ متشابہ القرآن لیضل بہ۔

خالد بن خداش کہتے ہیں کہ میں حماد بن زید المتوفی سنہ ۱۷۹ھ کی خدمت میں اُس روز حاضر ہوا جس روز ان کا انتقال ہُوا انھوں نے فرمایا میں تم سے آج ایسی بات بیان کرتا ہوں جو کبھی نہیں کی تھی۔ کیونکہ میں اللہ سے اِس حال میں مِلنا نہیں چاہتا کہ میں اس بات کو بیان نہ کروں (یعنی چھُپاؤں) میں نے ایوب المتوفی سنہ ۱۳۱ھ سختیانی کو یہ کہتے سُنا کہ عکرمہ کہتا تھا کہ "اللہ تعالیٰ نے قرآن میں متشابہات لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے نازل کئے ہیں۔"

قال الذہبی ما اسواء ھا عبارۃ بل اخبثھا بل انزلہ یھدی بہ ویضل بہ الفسقین ۰

ذہبی کہتے ہیں یہ عبارت کتنی بُری ہے۔ بلکہ خباثت سے بھری ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو اپنا کلام ہدایت کے لیے نازل فرمایا اور فاسق ہی اِس سے گمراہ ہوتے ہیں۔

قال الصلت ابوشعیب قال سالت محمد بن سیرین عن عکرمۃ قال ما یسوءنی ان یکون من اھل الجنۃ ولکنہ کذاب

صلت ابوشعیب کا بیان ہے کہ میں نے محمد بن سیرین المتوفی سنہ ۱۱۰ھ سے عکرمہ کے بارے میں دریافت کیا، انھوں نے فرمایا مجھے یہ بُرا معلوم نہیں ہوتا کہ وہ بھی جنت میں داخل ہو جائے لیکن وہ کذاب ہے۔

وقال ابن ابی ذئب یقول رایت عکرمۃ وکان غیر ثقۃٍ۔

ابن ابی ذئب کہتے ہیں میں نے عکرمہ کو دیکھا ہے اور وُہ

Marfat.com

ثقہ نہیں ہے۔

وقال محمد بن سعد کان عکرمۃ کثیر العلم والحدیث بحرا من البحور ولیس یحتج بحدیثہ ویتکلم الناس فیہ ۔ میزان۔ ج۔۳ ص۹۴

محمد بن سعد المتوفی ۲۳۰ھ کا قول ہے کہ عکرمہ کے پاس علم حدیث تو بہت تھا اور وہ گویا علم کا ایک سمندر تھا۔ لیکن اس کی حدیث حجت نہیں اور محدثین نے اس میں کلام کیا ہے۔

قال مطرف بن عبد اللہ سمعت مالکا یکرہ ان یذکر عکرمۃ ولا رأی ان یروی عنہ۔

مطرف بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ امام مالک عکرمہ کے ذکر کو برا سمجھتے تھے اور نہ میں نے امام مالک کو اس سے روایت کرتے دیکھا۔

وقال الفضل السیدانی عن رجل قال رایت عکرمۃ قائما فی لعب النرد۔

فضل السیدانی نے ایک شخص سے نقل کیا ہے کہ میں نے عکرمہ کو دیکھا کہ ایک جگہ نرد کھیلا جا رہا تھا اور یہ وہاں پر کھڑا ہوا تھا۔

وقال یزید بن ھارون قدم عکرمۃ البصرۃ فاتاہ ایوب ویونس وسلیمان التیمی فسمع صوت غناء فقال اسکتوا ثم قال قاتلہ اللہ لقد اجاد فما یونس و سلیمان فما عاد الیہ۔

یزید بن ہارون المتوفی ۲۰۶ھ کہتے ہیں کہ عکرمہ بصرہ آیا تو ایوب سختیانی المتوفی ۱۳۱ھ، سلیمان تیمی المتوفی ۱۴۳ھ اور یونس

Marfat.com

اس سے ملنے گئے۔ کہیں سے گانے کی آواز آئی۔ عکرمہ ان سے بولا۔ خاموش ہو جاؤ۔ پھر بولا کہ اللہ اس گانے والے کو مارے کتنا عمدہ گاتا ہے۔ اس کے بعد یونس اور سلیمان اس کے پاس نہیں گئے۔

وقال خلاد بن سلیمان الحضرمی عن خالد بن ابی عمران قال کنا بالمغرب وعندنا عکرمۃ فی وقت الموسم فقال وردت ان بیدی حربۃ فاعترض بہا من شہد الموسم یمینًا وشمالا

خلاد بن سلیمان الحضرمی نے خالد بن ابی عمران سے نقل کیا ہے کہ ہم مغرب (افریقہ) میں تھے اور حج کا زمانہ تھا اور عکرمہ ہمارے پاس موجود تھا۔ کہنے لگا۔ یہ دل چاہتا ہے کہ میرے ہاتھ میں ایک نیزہ ہو اور جو لوگ حج کو جا رہے ہیں۔ میں انھیں دائیں بائیں ہر طرف قتل کرتا چلا جاؤں۔

وقال یعقوب الحضرمی عن جدہ قال وقف عکرمۃ علی باب المسجد فقال ما فیہ الا کافر وقال وکان یری رای الاباضیۃ۔ یزان ج-۳ صنہ

یعقوب الحضرمی نے اپنے دادا سے نقل کیا ہے کہ ایک بار عکرمہ مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہنے لگا۔ اس مسجد میں جتنے لوگ ہیں سب کافر ہیں اور وہ اباضیہ کے ہم خیال تھا۔ (یہ خارجیوں کا ایک فرقہ ہے)

وقال یحیی بن بکیر قدم عکرمۃ مصر وھو یرید المغرب قال فالخوارج الذی ھم بالمغرب عنہ اخذوا۔

یحیٰی بن بکیر المتوفی ۲۲۶ھ (امام مالک کے شاگرد) فرماتے ہیں

Marfat.com

کہ عکرمہ افریقہ جانے کے لیے مصر آیا اور اس سے افریقہ کے خارجیوں نے علم حاصل کیا۔

وقال سلیمان بن معبد السنجی قال مات عکرمة وکثیر عزة فی یوم فشهد الناس جنازة کثیر و ترکوا جنازة عکرمة۔

سلیمان بن معبد السنجی کا بیان ہے کہ عکرمہ اور کثیر عزہ کا انتقال ایک ہی روز ہوا (یعنی ۱۰۵ھ یا ۱۰۸ھ میں) لوگ کثیر کے جنازے میں حاضر ہوتے اور عکرمہ کا جنازہ ایسے ہی چھوڑ دیا۔

وعن ابن المسیب انه قال لمولاه برد لا تکذب علی کما کذب عکرمة علی ابن عباس

امام سعید بن المسیب المتوفی ۹۴ھ نے اپنے غلام برد سے فرمایا۔ تو مجھ پر اس طرح جھوٹ نہ بولنا جیسے عکرمہ نے عبداللہ بن عباس المتوفی ۶۸ھ پر جھوٹ بولا ہے۔

یہ ہے اس محقق اعظم کا حال جس کے قول کو صوفیاء اور ہمارے دور کے علماء نے اپنا ماخذ بنا رکھا ہے۔

اس کا کیا ثبوت ہے کہ اس کا یہ دعویٰ کہ لیلۃ مبارکہ سے مراد شب برات ہے۔ یہ بھی واقعتاً صحیح ہے۔ ان علماء کو چاہیئے کہ اولاً عکرمہ کی صداقت ثابت کریں۔ پھر اس پر بحث کریں کہ اس کا قول عقلی اور نقلی نقطۂ نگاہ سے درست ہے یا نہیں؟ اور حیرت اس پر ہے کہ وہ تو امت مسلمہ کو واجب القتل تصور کرتا ہے اور ہم اسے محقق قرار دیتے ہیں۔

Marfat.com

شبِ برأت

سے متعلقہ روایات

مروِیات ام المؤمنین حضرت عائشہ رضؓ

تحریف فی القرآن کا نمونہ تو قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں اب اختراع علی الرسول کے نمونے بھی ملاحظہ فرمائیں۔

اِس سلسلے کی سب سے پہلی کڑی اور سب سے بہترین روایت حضرت عائشہ رضؓ المتوفیہ ۵۸ھ کی حدیث ہے۔ اِس لئے ہم سب سے قبل اس پر کلام کرنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ اور روایات اِس قابل بھی نہیں ہیں کہ ان پر کلام بھی کیا جائے لیکن ہم تب بھی ہر ہر روایت پر جداگانہ تبصرہ کریں گے۔

حدیث عائشہ رضؓ کو ہم نے سب سے پہلے اِس لئے منتخب کیا ہے کہ یہ روایت جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں پائی جاتی ہے اور ان دونوں کتابوں کا شمار صحاح ستہ میں ہوتا ہے۔ جہاں تک ابن ماجہ کے صحاح ستہ میں داخل ہونے کا تعلق ہے اس پر ہم آگے بحث کریں گے اور جہاں تک ترمذی کا تعلق ہے تو انھوں نے تو اِس روایت کا اچھا خاصا پوسٹ مارٹم کر دیا ہے یہ دوسری بات ہے کہ ہمارے علماء اس پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کو چھپا جائیں۔ خیر یہ ان کا ذاتی فعل ہے۔ ہم تو اِس روایت کو نقل کر کے ترمذی نے جو اِس پر جرح کی ہے اسے نہ صرف پیش کریں گے بلکہ اس کی حتی الامکان تفصیل بھی بیان کریں گے اور یہ تفصیل جہاں محدثانہ ہو گی وہاں فقیہانہ بھی ہو گی۔

Marfat.com

روایت ترمذی

ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ نے اِس روایت کو حجاج بن ارطات، یحیٰی بن ابی کثیر اور عروہ کے ذریعے حضرت عائشہ رضؓ سے روایت کیا ہے۔ آپ فرماتی ہیں۔

فقدت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لیلۃ فخرجت فاذا ھو بالبقیع فقال أکنت ! تخافین ان یحیف اللّٰہ علیک ورسولہ قلت یارسول اللّٰہ ظننت انک اتیت بعض نساءک فقال ان اللّٰہ تبارک وتعالی ینزل لیلۃ النصف من شعبان الی السماء الدنیا فیغفر لاکثر من عدد شعر غنم کلب۔

ترمذی ج۔۱ ص ۱۲۲

"میں نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پایا۔ میں نکلی تو آپؐ بقیع میں تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تو اِس بات سے ڈرتی ہے کہ اللہ اور اس کا رسول تیرے ساتھ زیادتی کرے گا۔ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ، میں نے گمان کیا تھا کہ آپؐ اپنی دیگر ازواج کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نصف شعبان کی شب میں آسمانِ دنیا کی جانب نزول فرماتا ہے اور بنو کلب کی بھیڑوں کے بالوں کی تعداد سے زیادہ لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے۔"

یہ وہ روایت ہے جس پر اس تمام قصّہ کی بنیاد رکھی گئی ہے اور بعد کے آنے والوں نے اسے ایک پوری رام لیلا کی کہانی بنا دیا ہے۔ یہی وہ روایت ہے جس کے سبب ہمارے اہل سنت والجماعت بھی اِس رات قبرستان کے چکر کاٹتے یا مسجدوں میں شب بیداری کرتے نظر آتے ہیں اور اسے

Marfat.com

ایک ایسا ضروری عمل تصور کرتے ہیں جس کا ترک انھیں کسی حال گوارا نہیں۔
لیکن محدثین کی نگاہ میں اِس روایت کی کوئی حیثیت نہیں۔ خود امام ترمذی المتوفی سنہ ۲۷۹ھ نے اسے روایت کرکے اِس پر شدید جرح کی ہے۔ وہ جرح خود ان کی زبانی سُن لیجئے۔

حدیث عائشة لانعرفه الا من هذا الوجه من حدیث الحجاج وسمعت محمدا یقول یضعف هذا الحدیث ویحیی بن ابی کثیر لم یسمع من عروة قال محمد والحجاج لم یسمع من یحی بن ابی کثیر۔

ترمذی ج۔ ۱ ص ۱۲۲

ہم عائشہؓ کی حدیث کو اِس سند کے علاوہ کسی اور سند سے نہیں جانتے۔ یعنی حجاج کی سند اور میں نے محمد یعنی بخاری المتوفی سنہ ۲۵۶ھ سے سنا وہ اِس حدیث کو ضعیف کہتے تھے اور فرماتے تھے کہ یحیٰی بن ابی کثیر نے عروہ سے کوئی حدیث نہیں سنی اور محمد کہتے تھے کہ حجاج نے یحیٰی بن ابی کثیر سے کوئی روایت نہیں سُنی۔

تعجب علمائے کرام پر ہے کہ جو ترمذی کی اِس روایت کو تو بیان کرتے ہیں، لیکن امام ترمذی نے جو اس پر بحث کی ہے اسے شیرِ مادر سمجھ کر پی جاتے ہیں۔ امام ترمذی نے اِس روایت میں جو عیوب بیان کئے ہیں وہ حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ یہ حدیث اِس سند کے علاوہ اور کسی سند سے مروی نہیں جس سے اس کی تائید ہو سکے۔ گویا امام ترمذی کے زمانہ تک حضرت عائشہؓ کی اِن روایات کا کوئی وجود نہ تھا جو بیہقی اور غنیہ کے حوالے سے آگے آرہی ہیں۔ اور جب ان کا تیسری صدی میں کوئی وجود نہیں، تو چھٹی صدی میں وہ حشرات الارض کی طرح کیسے پیدا ہو گئیں۔

۲۔ امام بخاری نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

۳۔ امام بخاری کا دعویٰ ہے کہ حجاج بن ارطات نے یحییٰ بن ابی کثیر سے کوئی روایت نہیں سُنی۔ اِس طرح یہ روایت منقطع ہوئی۔

۴۔ امام ترمذی کا دعویٰ ہے کہ یحییٰ بن ابی کثیر نے عروہ سے بھی کوئی روایت نہیں سُنی۔ اِس طرح یہ دوسرا انقطاع ہوا۔ اور درمیان سے اگر ایک راوی بھی چھوٹ جائے تو وہ روایت ناقابلِ قبول ہوتی ہے کجا کہ دو مقامات سے دو راویوں کا چھوٹ جانا۔ اِس قسم کی روایت شدید ضعیف ہوتی ہے۔

بالفرض والمحال اگر یہ روایت درمیان سے منقطع بھی نہ ہوتی تب بھی قابلِ قبول نہ ہوتی۔ کیونکہ حجاج کے علاوہ اسے اور کوئی روایت نہیں کرتا۔ یہ حجاج صاحب کون ہیں؟ اور محدثین کے نزدیک ان کی کیا حیثیت ہے؟ ان کے حدود اربعہ کیا ہیں؟ یہ امام ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ کی زبانی سُن لیجئے اور پھر سوچئے کہ روایت کا کیا مقام ہے۔

حجاج بن ارطات

قال العجلی کان فقیھا مفتیا وکان فیہ نیہ وکان یقول ھلکنی حب الشرف وکان یرسل عن یحیی بن ابی کثیر فانہ لم یسمع منہ وعیب علیہ التدلیس۔

حافظ ابوالحسن احمد بن عبداللہ العجلی المتوفی ۲۶۱ھ کا بیان ہے کہ حجاج اپنے زمانہ کا فقیہہ اور مفتی تھا اور اس میں بڑائی کا مادہ تھا اور وہ کہا کرتا تھا کہ مجھے عزت و شرف کی محبت نے ہلاک کر دیا۔ وہ یحییٰ بن ابی کثیر سے مرسل روایات نقل کرتا ہے اور اس نے یحییٰ سے کوئی روایت نہیں سنی اور اس پر تدلیس

کا الزام ہے۔

وقال ابن معین لیس بالقوی وھو صدوق یدلس وقال یحیی بن یعلی المحاربی امرنا زائدۃ ان نترک حدیث الحجاج بن ارطاۃ۔

امام یحییٰ بن معین المتوفی ۲۳۳ھ فرماتے ہیں۔ وہ قوی نہیں ہے۔ اگرچہ سچا ہے لیکن دھوکہ دیتا ہے۔ یحییٰ بن یعلی المحاربی کا بیان ہے کہ ہمیں امام زائدۃ بن قدامہ المتوفی ۱۶۱ھ نے حکم دیا کہ ہم حجاج بن ارطات کی حدیث چھوڑ دیں۔

وقال عبد اللہ بن احمد حدثنا ابی سمعت یحییٰ یذکر ان حجاجا لم یر الزھری وکان لیسئ الرای فیہ جدا ما رایت اسوا رایا فی احد منہ فی حجاج

عبداللہ بن احمد المتوفی ۲۹۰ھ نے اپنے والد امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ سے نقل کیا ہے کہ میں نے یحییٰ بن سعید القطان المتوفی ۱۹۸ھ کو کہتے ہوئے سنا کہ حجاج نے زہری کو نہیں دیکھا اور امام یحییٰ اس حجاج کے بارے میں اتنی بری رائے رکھتے تھے کہ میں نے انھیں اتنی بری رائے کسی اور کے بارے میں رکھتے نہیں دیکھا۔

وقال النسائی لیس بالقوی وقال الدارقطنی وغیرہ لا یحتج وقال الشافعی حجاج بن ارطاۃ قال لا تتم مروءۃ الرجل حتی یترک الصلوۃ فی الجماعۃ

امام نسائی المتوفی ۳۰۳ھ کہتے ہیں حجاج قوی نہیں ہے۔ دارقطنی المتوفی ۳۸۵ھ وغیرہ کہتے ہیں کہ وہ حجت نہیں ہے۔ امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ فرماتے ہیں کہ حجاج بن ارطات کہا کرتا تھا۔ آدمی

Marfat.com

کی بڑائی اور عزت اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک وہ جماعت سے نماز پڑھنا نہ چھوڑ دے۔

وقال الاصمعی اول من ارتشی بالبصرۃ من القضاۃ حجاج بن ارطاۃ وقال یوسف بن واقد رایت الحجاج بن ارطاۃ علیہ سواد مخضوب بسواد۔

اصمعی المتوفی ۲۱۴ھ کا بیان ہے کہ حجاج سب سے پہلا وہ شخص ہے جس نے بصرہ میں قاضیوں سے رشوت لینی شروع کی۔ یوسف بن واقد کا بیان ہے کہ میں نے حجاج بن ارطات کو دیکھا سیاہ کپڑے پہنے ہوتے تھا اور داڑھی پر سیاہ خضاب کر رکھا تھا۔ (سیاہ خضاب شرعاً حرام ہے)

وقال عبد اللہ بن ادریس کنت اری الحجاج بن ارطاۃ یسفلی ثیابہ ثم خرج الی المھدی ثم قدم معہ اربعون راحۃ علیھا احمالھا۔

امام عبداللہ بن ادریس الاودی المتوفی ۱۹۲ھ فرماتے ہیں کہ میں حجاج بن ارطات کو دیکھا کرتا تھا کہ وہ اپنے کپڑوں میں خود پیوند لگایا کرتا تھا۔ پھر ایک روز وہ خلیفہ مہدی کے پاس گیا اور جب واپس آیا تو اس کے ساتھ چالیس اونٹوں پر سامان لدا ہوا تھا۔

وقال عیسی بن یونس قال کان الحجاج بن ارطاۃ لا یحضر الجماعۃ فقیل لہ فی ذلک فقال احضر مسجدکم حتی یزاحمنی فیہ الحمالون والبقالون

میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۵۹، ص ۴۶۰

عیسیٰ بن یونس السبیعی المتوفی ۱۸۷ھ کا قول ہے کہ حجاج بن

ارطات جماعت میں حاضر نہ ہوتا تھا۔ جب اس سے دریافت کیا گیا تو کہنے لگا۔ خوب! میں تمہاری مسجدوں میں آؤں تاکہ مزدور اور سقّے مجھ سے ٹکرائیں۔

امام ابو الفضل المقدسی المتوفی ۵۰۷ھ اپنی موضوعات میں فرماتے ہیں۔

هُوَ مَتْرُوكُ الْحَدِيثِ موضوعات ص ۱۱

هُوَ حدیث میں متروک ہے۔

امام ہیثمی مجمع الزوائد میں اسی حدیث کے تحت لکھتے ہیں۔

مجمع علی ضعفہ قد ترکوہ

اس کے ضعف پر سب کا اتفاق ہے اور محدثین نے اُسے ترک کر دیا ہے۔

الغرض حجاج بن ارطاۃ متروک وضعیف ہے۔ اس کی روایت قابلِ قبول نہیں۔ پھر حجاج مدلس بھی ہے اور مدلس کی روایت عن قابل قبول نہیں ہوتی اور اتفاق سے یہ روایت لفظ عن کے ذریعہ مروی ہے اور تدلیس خود حرام ہے۔ امام شمنی فرماتے ہیں۔

ان التدلیس حرام عند الائمۃ روی عن وکیع انہ قال لا یحل تدلیس الثوب فکیف بتدلیس الحدیث وبالغ شعبۃ فی ذمہ مقدمہ مشکوٰۃ ص ۴

تدلیس تمام ائمہ کے نزدیک حرام ہے۔ امام وکیع بن الجراح المتوفی ۱۹۶ھ سے مروی ہے کہ جب کپڑے کا عیب چھپانا حلال نہیں ہے تو حدیث کا عیب چھپانا کیسے حلال ہوگا (لیکن آج کل علماء نے اسے حلال کر لیا ہے) اور امام شعبہ المتوفی ۱۶۰ھ تو تدلیس کی مذمت میں ازحد مبالغہ سے کام لیتے ہیں

Marfat.com

محدثین کرام کے ان اقوال کو ایک بار پھر غور سے پڑھیئے اور سوچیئے کہ اس ایک روایت میں کتنے عیوب پنہاں ہیں اور کیا یہ روایت اس قابل ہے کہ اس پہ دین و مذہب کی عمارت قائم کی جا سکے۔ اگر ہم دین کی جانب سے موجودہ علماء و صوفیاء کی طرح نگاہیں بند کر لیں تو محدثین کرام کی وہ تمام کوششیں جو انھوں نے اسماء الرجال، فن جرح و تعدیل، اصول حدیث اور درایت بالحدیث سے متعلق کی ہیں وہ سب بے کار تھیں۔ گویا امت مسلمہ کی پانچ سو سالہ کوششیں مہمل قرار پائیں گی اور دین ایک بازاری تماشہ بن جائیگا۔

یہ سندات کا وجود اور ان پر بحث دین کا ایک اہم جزو ہے۔ اس کے بغیر صحیح و غلط کام میں کوئی تمیز نہیں ہو سکتی۔ امام محمد بن سیرین المتوفی سنہ ۱۱۰ھ فرماتے ہیں۔

هذا العلم دين فانظروا عمن تاخذون دينكم

صحیح مسلم ج-۱ ص ۱۱

یہ علم حدیث دین ہے۔ تم اس پر غور کر لیا کرو کہ تم اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو؟

جب سند کو دیکھنا اور اس پر جرح و تعدیل کرنا دین میں داخل ہے تو کیوں نہ اس روایت اور اس قسم کی دیگر روایات کو اس کسوٹی پر پرکھا جائے۔ تاکہ کھرا اور کھوٹا الگ ہو جائے اور صحیح و سقیم میں تمیز ہو سکے۔ ہم جب اس اصول کے تحت اس روایت پر غور کرتے ہیں تو یہ روایت مختلف عیوب کا مجموعہ نظر آتی ہے۔

۱۔ حجاج کے علاوہ اُسے کوئی اور روایت نہیں کرتا۔

۲۔ حجاج خود ضعیف اور متروک ہے اور متروک راوی کی روایت قطعاً ناقابلِ قبول ہوتی ہے۔

۳۔ حجاج مدلس ہے اور مدلس کی وہ روایت قابلِ قبول نہیں ہوتی جس میں

Marfat.com

اس نے تدلیس سے کام لیا ہو۔

۴۔ حجاج نے اسے لفظ عَنْ کے ذریعہ روایت کیا ہے اور مدلس کی معنعن قابل قبول نہیں ہوتی۔

۵۔ حجاج نے یحییٰ بن ابی کثیر سے کوئی روایت نہیں سُنی۔ اس طرح اس روایت میں تدلیس ہوئی اور درمیان سے راوی چھوٹ گیا۔ معلوم نہیں وہ ثقہ ہے یا غیر ثقہ۔ عام طور پر وہ لوگ جن میں تدلیس کا عیب پایا جاتا ہے وہ غیر ثقہ راوی کو حذف کرتے ہیں اور ثقہ کو کوئی حذف نہیں کرتا۔ اس طرح درمیان سے جو راوی چھوٹا ہے وہ غیر ثقہ ہے اور پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ صرف ایک راوی چھوٹ گیا ہے یا متعدد چھوٹ گئے ہیں۔ یہ احتمال لا متناہی ہے۔

حدیث میں چار پانچ روات تک کی مثالیں ملتی ہیں۔ یعنی چار تابعین، یا تبع تابعین ایک روایت میں جمع ہو جائیں۔ جب ہم اس قسم کی مثالیں تلاش کرتے ہیں تو زیادہ سے زیادہ سات تک کی تعداد نظر آتی ہے یعنی ایک ہی سند میں سات ہم عصر جمع ہو جائیں بایں صورت کہ وہ ایک دوسرے سے روایت کرتے ہوں۔ اس سے یہ ظاہر ہوگا کہ ممکن ہے وہ روات جو حجاج نے چھوڑ دیئے ہیں ان کی تعداد سات یا اس کے قریب ہو اور پھر ہر ایک میں ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کا احتمال ہے۔

۶۔ یحییٰ نے بھی عروہ سے کوئی روایت نہیں سُنی اس طرح اس نے بھی تدلیس سے کام لیا اور درمیان سے راوی چھوڑ دیا۔ یہاں پر بھی وہی احتمالات پیدا ہوں گے جو حجاج کے بارے میں ہوئے تھے۔ اس طرح چھوٹنے والے روات کی تعداد چودہ ہو جائے گی۔ اگرچہ وہ عقلاً لامحدود بھی ہو سکتے ہیں۔ اس طرح دو مقامات سے چودہ راوی غائب ہو جائیں گے۔ یہ ایک احتمال ہے جو محدثین ایسے مواقع پر بیان کرتے ہیں۔ ورنہ دو راوی تو یقیناً چھوٹے ہیں۔ علامہ محمد طاہر پٹنی المتوفی ۹۸۶ھ اپنی "تذکرۃ الموضوعات" میں فرماتے ہیں:

Marfat.com

وقد ضعف ابن العربي حدیث عائشة فی الصلوٰۃ
النصف مطلقا وعتقاء النار بعدد شعر غنم
کلب۔ "تذکرۃ الموضوعات ص۴۶

ابن عربی المعافری المتوفی ۵۴۳ھ نے حضرت عائشہؓ کی اس حدیث کو جو شب برات میں مطلق نماز کے بارے میں ہے اور جس میں یہ الفاظ ہیں کہ بنو کلب کی بھیڑوں کے بالوں کی تعداد کے برابر لوگ جہنم سے آزاد کئے جاتے ہیں۔ یہ روایت ضعیف ہے۔"

علامہ عبدالحی لکھنوی المتوفی ۱۳۰۴ھ فرماتے ہیں۔

ومن هذه البدعات صلوٰۃ لیلۃ السابع والعشرین ومنها صلوٰۃ لیلۃ النصف من شعبان۔
الآثار المرفوعہ ص۱۰۸

ان بدعات میں رجب کی ستائیسویں شب اور شعبان کی پندرہویں شب میں نماز پڑھنا بھی داخل ہے۔"

امام عینی حنفی شارح بخاری المتوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں۔

واما الاحادیث التی فی صلوٰۃ النصف من شعبان فذکر ابوالخطاب بن دحیۃ انها موضوعۃ وفیها عند الترمذی حدیث مقطوعۃ اے منقطعۃ فی موضعین۔ فتح الملہم شرح مسلم ج۳ ص۱۷۴

اور وہ تمام احادیث جو پندرہ شعبان کی نمازوں کے بارے میں مروی ہیں تو ابوالخطاب بن دحیہ فرماتے ہیں کہ وہ سب موضوع ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث ترمذی میں پائی جاتی ہے جو دو جگہ سے منقطع ہے۔

Marfat.com

گویا بہ روایت امام بخاری المتوفی ۲۵۶ھ، امام ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ، امام عینی حنفی المتوفی ۸۵۵ھ، علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی المتوفی ۹۸۶ھ، علامہ ملا علی قاری حنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ، علامہ عبدالحی لکھنوی حنفی المتوفی ۱۳۰۴ھ، علامہ ابن العربی مالکی المتوفی ۵۴۳ھ اور ابن دحیہ کے نزدیک باطل ہے۔

اگر بالفرض و محال یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حجاج ثقہ ہے اور اس نے جس راوی کو ترک کیا ہے وہ بھی ثقہ ہے۔ اگرچہ یہ ایک خلاف واقعہ مفروضہ ہوگا۔ تب بھی یہ روایت صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ یحییٰ بن ابی کثیر نے عروہ سے کوئی روایت نہیں سنی اور اس صورت میں یہ روایت پھر منقطع رہی اور یحییٰ اگرچہ ثقہ ہیں، لیکن ان کی مرسلات بھی قابلِ قبول نہیں۔ یہی امام ترمذی اپنی "کتاب العلل" میں امام جرح و تعدیل علی بن المدینی المتوفی ۲۳۴ھ کا قول نقل کرتے ہیں۔

سمعت یحیی بن سعید یقول مرسلات ابی اسحٰق عندی شبہٗ لا شیئ والاعمش والتیمی ویحیی بن ابی کثیر ۔ ترمذی ج-۲ ص۲۶۲

میں نے یحییٰ بن سعید القطان المتوفی ۱۹۸ھ کو فرماتے سنا کہ میرے نزدیک ابواسحاق کی مرسلات کچھ نہیں (یعنی بیکار ہیں) اسی طرح اعمش المتوفی ۱۴۸ھ، تیمی المتوفی ۱۲۰ھ اور یحییٰ بن ابی کثیر کی مرسلات ہیں۔

جب امام اعمش المتوفی ۱۴۸ھ اور یحییٰ بن ابی کثیر جیسی ہستیوں کی مرسل و منقطع قابل قبول نہیں تو حجاج جیسے ضعیف و متروک بلکہ ایک راشی کی روایت کیسے قابل قبول ہوگی؟ علماء کرام ذرا اس کا جواب دیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا

Marfat.com

اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝ (حجرات)

"اے ایمان والو، اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اس سے قبل کہ تم قوم کو جہالت میں مبتلا کرو اس خبر کی تحقیق کر لیا کرو۔ کہیں پھر تم اپنے کئے ہوئے پر نادم نہ ہو۔

تو کیا ان علماء کے نزدیک رشوت لینا، نماز یا جماعت ترک کرنا۔ فسق و فجور میں داخل نہیں۔ یہ امور ہر صورت میں فسق و فجور ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حکم دے رہا ہے کہ ہم فاسق و فاجر کی بیان کردہ خبر کی تحقیق کیا کریں کہیں بعد میں شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

اِس قسم کی بے سروپا روایت بیان کرنا بھی ایک جھوٹ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے۔

کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع مسلم ج-۱ ص۸

آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سُنی ہوئی بات بیان کر دے۔

یہ نہیں کہ جو بھی روایت نظر آئی یا کسی راہ چلتے سے سُنی اُسے بیان کرنے لگ جائیں بلکہ اس کی تحقیق کی ضرورت ہے اور تحقیق کے بعد ہی اسے قبول کیا جائے گا۔ افسوس کہ ہمارے علماء نے اس طریقہ کار کو ترک کر دیا ہے۔

امام زہری رحمہ اللہ المتوفی ۱۲۳ھ کے سامنے جب عبداللہ بن ابی فروہ نے ایک بلا سند حدیث بیان کی تو انھوں نے عبداللہ بن ابی فروہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

قاتلك الله يا ابن ابي فروة تجيئنا باحاديث ليس لها خطم ولا ازمة - ترمذی ج-۲ ص۲۶۲

اے ابن ابی فروہ اللہ تعالیٰ تجھے قتل کرے تو ہمارے پاس ایسی احادیث لے کر آتا ہے جن کی نہ لگام ہوتی ہے اور نہ مہار۔

جب ابن ابی فروہ کی بلا سند روایت قابل قبول نہیں۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابن ابی فروہ کے درمیان صرف سو سال کا فرق ہے تو ان لوگوں کی روایت کیسے قابلِ قبول ہوگی جن کے اور حضورؐ کے درمیان پانچ سو سال کا فرق ہو۔ مثلاً غزالی المتوفی ۵۰۵ھ، عبدالقادر المتوفی ۵۷۱ھ، ابوطالب مکی، ابن العربی، حکیم ترمذی، ابوعبدالرحمان سلمی اور ابوعلی ہجویری وغیرہ اور ایسی صورت میں جب کہ اس روایت کی بقول امام زہری کوئی لگام نہ ہو تو کیا یہ حضورؐ پر بہتان نہ ہوگا؟ اور حضورؐ پر جھوٹ بولنے والے کا انجام جہنم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار

مسلم ج۔ ۱ ص ۸، ترمذی ج۔ ۲ ص ۱۰۶، بخاری ج۔ ۱ ص ۲۱

جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ بولا، اُسے اپنا ٹھکانہ دوزخ میں تلاش کرنا چاہیئے۔

یہ حدیث متواتر ہے اور ستر سے زیادہ صحابہ سے کتب احادیث میں مروی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضورؐ پر جھوٹ بولنے اور اس کی تردید و اشاعت سے محفوظ رکھے۔

حدیث ضعیف کا مقام

ان علماء کے پاس تمام دلائل کا صرف ایک جواب ہے اور وہ یہ کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث قابل قبول ہوتی ہے۔ لہٰذا فضائل سے متعلقہ روایات پر جرح کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

ہم آگے کچھ لکھنے سے قبل اسی موضوع کو سلجھانا چاہتے ہیں تاکہ آئندہ ہمیں یہ جواب نہ دیا جا سکے۔ یہ علماء یا تو خود فریبی میں مبتلا ہیں۔ یا دوسروں کو فریب دینا چاہتے ہیں۔ پہلے تو وہ اس بات کی وضاحت فرمائیں کہ حدیث ضعیف سے ان کی کیا مراد ہے۔ محدثین کے نزدیک ہر وہ روایت ضعیف ہے جو صحیح نہ ہو اور ایسی احادیث کی جتنی اقسام ہیں سب ضعیف کی قسمیں ہیں۔ مثلاً موضوع، متروک، منکر، معلول، شاذ، مقلوب، مرسل، منقطع، معلق، معضل وغیرہ۔ ان میں سے یہ حضرات کونسی قسم کی ضعیف قابل قبول قرار دیتے ہیں؟ اگر ان کا مقصود یہ ہے کہ ہر قسم کی ضعیف قابل قبول ہے تو پھر موضوع کی کیا حیثیت ہوگی۔ جس کے بارے میں یہ یقین ہوتا ہے کہ اسے واضع نے وضع کر کے حضورؐ کی جانب منسوب کر دیا۔ بلکہ بعض اوقات واضع اس کا اقرار بھی کرتا ہے تو کیا یہ روایت ضعیف بھی ان کے نزدیک قابلِ قبول ہوگی۔ اگر ایسا ہے تو اس دین کا پھر اللہ ہی حافظ ہے۔ کیونکہ اس صورت میں صادق و کاذب یعنی سچا اور جھوٹا دونوں مساوی ہوں گے۔ اور دونوں کی بات یا سچ ہوگی یا جھوٹ ہوگی۔ اگر جھوٹ ہوگی تو دونوں کی

Marfat.com

ہوگی اور اگر سچ ہوگی تو دونوں کی ہوگی۔ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ایک کی سچ ہو اور ایک کی جھوٹ، یا ایک کی روایت قابل قبول ہو تو دوسرے کی قابلِ رَدّ ہو۔ اِس صورت میں وہ جو جواب دیں گے وہی ہمارا جواب ہوگا۔ ظاہر ہے کہ ایسی بات کوئی بدعقل بھی نہیں کہہ سکتا۔ لازماً حدیث ضعیف کی قبولیت کے کچھ نہ کچھ شرائط ہوں گے۔

اِس سلسلے میں گذشتہ علماء کے دو قول ہیں۔

۱۔ ایک گروہ اِس بات کا قائل ہے کہ حدیث ضعیف ہرگز قابلِ قبول نہیں ہے اور جرح و تعدیل اور فن رجال کی کتابوں کو دیکھنے کے بعد یہی اندازہ ہوتا ہے کہ متقدمین کے نزدیک حدیث ضعیف کسی صورت میں قابلِ قبول نہیں۔ قاضی ابن عربی مالکی المتوفی ۵۴۳ھ اور بہت سے دیگر علماء فرماتے ہیں۔

لا یعمل بہ مطلقا۔ القول البدیع ص ۱۹۰

حدیث ضعیف پر قطعاً عمل نہ کیا جائے گا۔

اور لطف یہ ہے کہ اُس فرقے کے سرگروہ بھی جن کا اصل مذہب ہی بدعات اور احادیث ضعیفہ ہیں۔ ہمارا مقصود احمد رضا خاں بریلوی سے ہے۔ وہ بھی فرماتے ہیں۔

ان الاستنان لا یثبت بالحدیث الضعیف۔

فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۱۱

حدیث ضعیف سے کسی شئے کا مسنون ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

۲۔ دوسرا گروہ اِس بات کا قائل ہے کہ حدیث ضعیف چند شرائط کے ساتھ قابلِ عمل ہے۔ اگر وہ روایت ان شرائط پہ پوری اُترتی ہو تو اس پر عمل جائز ہے ورنہ نہیں۔

علامہ عبدالحیؒ لکھنوی حنفی فرماتے ہیں۔

Marfat.com

اما العمل بالضعیف فی فضائل الاعمال فدعوٰی بالاتفاق فیہ باطلۃ۔ نعم ھو مذھب الجمھور لکنہٗ مشروط بان لا یکون الحدیث ضعیفا اشدید الضعف فان کان کذلک لم تقبل فی الفضائل ایضاً۔ الآثار المرفوعہ ص۶۳

فضائل اعمال میں ضعیف پر عمل کرنا اور اسے جائز سمجھنا، یہ دعوٰی بالاتفاق باطل ہے۔ ہاں یہ جمہور کا مذہب ہے، لیکن وہ مشروط ہے کہ حدیث شدید ضعیف نہ ہو اور اگر شدید ضعیف ہو تو فضائل میں بھی قبول نہ کی جائے گی۔

امام ابن دقیق العید المتوفی ۷۰۲ھ رقم طراز ہیں۔

العمل بالحدیث الضعیف مقید بشروط الامام ج۲ ص۱۷۱

حدیث ضعیف پر عمل کرنا چند شرائط کے ساتھ مقید ہے۔

امام سخاوی المتوفی ۹۰۲ھ نے اپنے استاد حافظ ابن حجر المتوفی ۸۵۲ھ شارح بخاری سے ان شرائط کی تفصیل ان الفاظ میں نقل کی ہے۔

ان شرائط الاعمال بالضعیف ثلاثۃ الاول متفق علیہ ان یکون الضعیف غیر شدید! فیخرج من انفرد من الکذابین والمتھمین بالکذب وفحش غلطہ، الثانی ان یکون مندرجاً تحت اصل عام فیخرج ما یخترع بحیث لا یکون لہٗ اصل اصلا۔ الثالث ان لا یعتقد عند العمل بہ ثبوتہ لئلا ینسب الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مالم یقل۔ القول البدیع ص۱۹۵

ضعیف پر عمل کرنے کے لیے تین شرائط ہیں اول یہ شرط متفق علیہ

Marfat.com

ہے کہ روایت شدید ضعیف نہ ہو تاکہ اِس شرط سے اُن راویوں کی روایات خارج ہو جائیں جو کذاب ہیں یا متہم بالکذب ہیں یا فحش غلطیاں کرتے ہیں اور وہ اپنی روایات میں منفرد ہیں۔

ثانیاً وہ روایت اصل عام کے تحت داخل ہو تاکہ اِس سے وُہ گھڑی ہوئی روایات نکل جائیں جس کی کوئی اصل نہ ہو۔ تیسرے اِس پر عمل کرتے ہوئے اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ رکھتا ہو تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب وہ بات منسوب نہ ہو جو آپؐ نے نہ فرمائی ہو۔

اتفاق سے مولوی سرفراز صاحب نے "راہِ سنت" میں اِن شرائط کو بریلویوں کے رد میں ذکر کیا ہے۔ لیکن ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ شب برات کے زمانہ میں یہ شرائط کیا ختم ہو جاتی ہیں یا حلوے کی نذر ہو جاتی ہیں۔

اِن شرائط پر غور فرمایئے اور سوچیے کہ کیا اِس روایت پر یہ تینوں شرائط یا ان میں سے کوئی شرط صادق آتی ہے یا نہیں؟ یا یہ روایت ان شرائط کے تحت داخل نہیں؟ کیا یہ روایت شدید ضعیف نہیں ہے؟ کیا حجاج متروک نہیں ہے؟ کیا وہ مدلس نہیں ہے؟ اگر یہ تمام امور غلط ہیں تو متقدمین نے جن کے نام ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ اِس روایت کو کیوں موضوع و ضعیف قرار دیا؟

کیا کوئی ایسی صحیح حدیث موجود ہے جس سے اِس شب کی کوئی اصلیت ثابت ہو سکے اور جس سے اِس روایت کی تائید ہوتی ہو اور جس کے باعث ہم شبِ برات کے وجود کو تسلیم کر لیں اور یہ سمجھ لیں کہ یہ روایت اس صحیح حدیث کی شاہد ہے۔ لہٰذا اس کے ضعف سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔

اور تیسری شرط تو خاص طور پر قابلِ غور ہے۔ کیا ہمارے علماء اِس رات کی عبادت اور اس دن کے روزے کو ثواب تصور نہیں کرتے ہے؟ اور کیا اِس شب و روز کی فضیلت میں مضامین تحریر کرتے اور لوگوں کے سامنے تقاریر نہیں کرتے

Marfat.com

اور کیا ان تمام منکر و مردود روایات کو حضورؐ کی جانب منسوب نہیں کرتے؟ حالانکہ شدید ضعیف روایت کو حضورؐ کی جانب منسوب کرنا بھی حلال نہیں۔ کیونکہ جو شئے حضورؐ سے صحت کے ساتھ ثابت نہ ہو اسے حضورؐ کی جانب منسوب کرنا افتراء علی الرّسول ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے

من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار

مسلم ج-۱ ص۸، ترمذی ج-۲ ص۱۰۶، بخاری ج-۱ ص۲۱

جو شخص مجھ پر جان کر جھوٹ بولے اسے اپنا ٹھکانہ دوزخ میں تلاش کرنا چاہیئے۔

نیز ارشاد عالی ہے۔

کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع، مسلم ج-۱ ص۸

انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سُنی ہوئی بات بیان کر دے۔

امام نووی رحمہ اللہ المتوفی ۶۷۶ھ صحیح مسلم کی شرح میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فنھی الزجر عن التحدیث بکل ما سمع الانسان فانہ یسمع فی العادۃ الصدق والکذب فاذا حدث بکل ما سمع فقد کذب لاخبارہ بما لم یکن۔ مسلم ج-۱ ص۹

اس حدیث میں ہر سُنی سنائی بات بیان کرنے پر تنبیہ مقصود ہے۔ کیونکہ انسان عادتاً ہر قسم کی بات سُنتا ہے خواہ سچ ہو یا جھوٹ۔ تو جب وہ ہر سُنی ہوئی بات بیان کرے گا تو وہ جھوٹ بھی ضرور بولے گا اس لیے کہ وہ ایسی بات بھی ضرور بیان کرے گا جو وقوع میں نہیں آئی۔

حضرت عمر بن الخطابؓ المتوفی ۲۳ھ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رضی اللہ عنہما

Marfat.com

المتوفی ۳۲۲ھ کا قول ہے۔

بحسب المرء من الکذب ان یحدث بکل ما سمع

مسلم ج۔۱ ص۹

آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سُنی سُنائی بات بیان کرے۔

امام مالک رحمہ اللہ المتوفی ۱۷۹ھ اپنے شاگرد رشید امام ابن وہب المتوفی ۱۹۷ھ کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اعلم انہ لیس یسلم رجل حدّث بکل ما سمع

ولا یکون اماماً ابداً وھو یحدث بکل ما سمع مسلم ج۔۱ ص۹

جان لو کہ جو شخص ہر سنی ہوئی بات بیان کرتا ہے وہ جھوٹ سے محفوظ نہیں رہ سکتا اور نہ ہر سُنی ہوئی بات بیان کرنے والا کبھی امام و مقتدا بن سکتا ہے۔

امام نووی نے امام مالک کے اس قول کی تفسیر ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔

فمعناہ انہ اذا حدث بکل ما سمع کثر الخطا فی روایتہ

وترک الاعتماد علیہ والاخذ عنہ۔ مسلم ج۔۱ ص۹

اس کا مقصود یہ ہے کہ جب ہر سنی سُنائی بات بیان کرے گا تو ان باتوں کے نقل کرنے میں اس سے غلطیاں بھی ہوں گی۔ اور لوگ اس پر اعتماد کرنا اور اس سے حدیث حاصل کرنا چھوڑ دیں گے۔

یہی وجہ ہے کہ ائمہ محدثین نے صحت حدیث کے لیے سند کو شرط قرار دیا ہے اور جب تک صحت سند کے ساتھ کوئی حدیث ثابت نہ ہو نہ تو اسے حدیث تسلیم کیا جاتا ہے اور نہ اس کا روایت کرنا جائز ہے ہاں

Marfat.com

اگر تنقید مقصود ہو تو پھر کوئی حرج نہیں جیسا کہ امام ترمذی نے کیا ہے۔

امام عبداللہ بن المبارک المتوفی ۱۸۱ھ جو امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں اور صوفیاء بھی انھیں تبع تابعین کے دور میں صوفیاء کا امام مانتے ہیں تفصیل کے لیے دیکھیے تذکرۃ الاولیاء اور کشف المحجوب، وہ فرماتے ہیں۔

الاسناد من الدین ولولا الاسناد لقال من شاء ما شاء ۔ مسلم ج۔۱ ص۱۲

سند بھی دین میں داخل ہے اور اگر سند نہ ہوتی تو ہر شخص جو چاہتا وہ منہ سے نکال دیتا۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جب انسان کو کسی شئے کے ثبوت کا اعتقاد نہ ہوگا تو وہ اس پر ہرگز بھی عمل پیرا نہ ہوگا اور نہ کسی کو اس کی ترغیب دے گا۔ حافظ ابن حجر نے عمل بالضعیف کے ساتھ عدم ثبوت اعتقاد کی شرط لگا کر ہر بدعت کی جڑ کاٹ دی ہے۔

ہم روزمرہ دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے علماء اور عوام ان روایات پر نہایت شد و مد سے عمل پیرا ہیں۔ بلکہ شب و روز ان کی تبلیغ میں منہمک ہیں۔ ان کا یہ عمل اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ وہ ان روایات پر نہ صرف یقین رکھتے ہیں بلکہ انھیں دین کا ایک رکن تصور کرتے ہیں اور اس روایت کے ثبوت پر یقین رکھنا یا اس پر اعتقاد قائم کرنا جو شدید ضعیف ہو ایک غلط اور باطل شئے کو صحیح تصور کرنا ہے اور اس سے دین میں ایک نیا شعار اور بدعت پیدا ہوتی ہے اور اصل دینِ الٰہی مٹ کر ایک نیا دین وجود میں آتا ہے۔ پہلے تمام مذاہب سابقہ کے ساتھ یہی صورت پیش آتی رہی ہے اور نتیجۃً ان کی اصل صورت مسخ ہو کر رہ گئی ہے۔

ضعیف روایت پر عمل صرف اس صورت میں جائز ہے جب کہ وہ شدید ضعیف نہ ہو اور نہ اسے حضورؐ کا فرمان یا دین تصور کیا جائے اور دین و مذہب

Marfat.com

میں اس کی کوئی نہ کوئی اصل موجود ہو اور جب ان میں سے کوئی عیب اِس روایت میں پایا جاتا ہو تو اس کے ثبوت کا یقین کرنا یا اس پر ثابت شدہ شے کی طرح عمل کرنا حرام ہے۔ یہ ایک ایسا جرم ہے جو ہرگز قابلِ معافی نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں علم الرجال۔ فنِ جرح و تعدیل اور اصولِ حدیث سب باطل ہو جاتے ہیں۔ گویا ایسا شخص یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ دورِ صحابہؓ سے لے کر آج تک اس اُمت کے علماء نے تحقیق صحت کے لیے جتنی کوششیں فرمائی تھیں وہ سب ایک فعلِ عبث تھیں اور جو شے بھی حضورؐ کی جانب منسوب کر دی جائے خواہ اس کا جھوٹا ہونا صراحتاً ثابت ہو تب بھی اسے قبول کر لیا جائے جیسا کہ اکثر صوفیاء اور تبلیغی جماعت والے یہی تاویل پیش کیا کرتے ہیں۔ لیکن یہ تاویل خلافِ عقل ہے۔ اس لیے کہ اگر کوئی دشمن رسولِ حضورؐ کی جانب کوئی غلط بات منسوب کر دے اور اس سے حضورؐ کی توہین مقصود ہو تو کیا اسے حق تصور کر لیا جائے گا۔ اسی طرح رافضیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی المتوفی سنہ ۴۰ھ کی جانب علم باطن کو منسوب کیا ہے تو کیا اسے صرف اسی مفروضہ نسبت کے باعث صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ ایسا دعویٰ کرنے والا اول درجہ کا جاہل و احمق ہے۔ اس بات کو کوئی بھی صاحبِ عقل تسلیم نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ غیر مذہب کے لوگ بھی اپنے مذہب کے بارے میں یہ بات گوارا نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ محدثین کرام، فقہاء اور سلف صالحین کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے ان تمام صورتوں پر تفصیلی بحث فرما کر ہر ہر صورت کو واضح فرما دیا ہے۔

حافظ ابن دقیق العید المتوفی سنہ ۷۰۲ھ فرماتے ہیں۔

وان کان ضعیفا لایدخل فی حیز الموضوع فان احدث شعاراً فی الدین منع منہ وان لم یحدث فھو محل نظر۔

Marfat.com

اگر حدیث ضعیف موضوع کے درجہ میں بھی نہ ہو تب بھی اس سے اگر دین میں کوئی نیا شعار پیدا ہو رہا ہے تو اس پر عمل کرنے سے روکا جائے گا اور اگر کوئی نیا شعار پیدا نہیں ہوتا تب بھی یہ مسئلہ غور طلب ہے۔ احکام الاحکام ج۔ ۱ ص ۵۱

حافظ ابن دقیق العید المتوفی ۷۰۲ھ کے ارشاد سے یہ بات واضح ہوئی کہ ضعیف پر عمل صرف اس صورت میں جائز ہے جب کہ وہ شدید ضعیف نہ ہو اور اسے دین کا شعار نہ بنا لیا گیا ہو۔ لیکن اگر ان دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت اس میں پائی جائے گی تو اس پر عمل کرنے سے منع کیا جائے گا۔

اس لیے کہ جائز وہ شے ہوتی ہے کہ جس کے کرنے اور نہ کرنے کا انسان کو کلی اختیار ہو اور اس میں نہ کسی ثواب کی توقع ہو اور نہ عذاب کا اندیشہ، کیونکہ اگر عذاب کا اندیشہ ہو گا تو وہ شے جائز ہرگز نہ ہو گی بلکہ یا ناجائز ہو گی یا مکروہ اور اگر ثواب کی امید ہو گی تو وہ کام مستحب ہو گا نہ کہ جائز اور جو حدیث شدید ضعیف ہو یا شدید ضعیف تو نہ ہو لیکن اسے دین کا شعار بنا لیا گیا ہو تو اس سے ہر صورت میں منع کیا جائے گا۔ کیونکہ شدید ضعیف کے ثبوت کا تو اعتقاد بھی حرام ہے اور اگر وہ معمولی ضعیف ہے تو ضعیف سے دین کا شعار ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ تو صحیح غیر واحد سے بھی نہیں ہو سکتا۔ اگر روایت میں معمولی ضعف ہو اور اسے دین کا شعار بھی نہ بنایا گیا ہو تب بھی اس پر عمل جائز نہیں۔ بلکہ محل بحث ہے یعنی اصل بحث تو اسی میں ہے کہ اس پر عمل جائز ہے یا نہیں۔

حافظ ابن دقیق العید المتوفی ۷۰۲ھ کے قول کو پیش نظر رکھ کر جب ہم غور کرتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اول تو یہ روایت شدید ضعیف ہے اور اگر یہ شدید ضعیف بھی نہ ہو تو اب تو یہ روایت پوری امت کا شعار بن گئی ہے اور حافظ صاحب کے قول کے مطابق اس سے منع کیا جائے گا اور اس پر ہرگز عمل جائز نہ ہو گا۔

Marfat.com

مستحب پر اصرار

ہمارے علمار فرماتے ہیں کہ جب متعدد ضعیف روایتیں جمع ہو جائیں یا ایک روایت کی متعدد ضعیف سندات جمع ہو جائیں تو وہ روایت حسن لغیرہ کہلاتی ہے اور اس سے استحباب ثابت ہو جاتا ہے، لیکن ان علمار نے اپنے اس قول میں دو دھوکے کھاتے ہیں۔

۱۔ یہ اس وقت ہے کہ جبکہ یہ روایت متقدمین نے متعدد سندات سے نقل کی ہو، لیکن اگر متقدمین نے اسے روایت نہیں کیا بلکہ متاخرین اسے روایت کر رہے ہیں، تو خواہ ان کی تعداد لاکھ سے بھی متجاوز کیوں نہ ہو اسے حدیث تسلیم نہ کیا جائے گا۔ اس کی تفصیلی بحث آگے آئے گی۔

۲۔ اگر ضعیف روایت متعدد سندات ضعیفہ سے مروی ہو یا متعدد ضعیف روایات مروی ہوں۔ بشرطیکہ متقدمین نے اسے روایت کیا ہو تو اس سے ضرور استحباب ثابت ہوتا ہے، لیکن اس پر اصرار کرنے سے وہ بھی حرام ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مستحب کا مقصود یہ ہے کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو ثواب ہوگا۔ اور اگر اسے ترک کر دیا جائے تو کوئی گناہ نہ ہوگا تو جب کوئی شخص مستحب پر اصرار کرتا ہے تو گویا وہ تین امور کا دعویٰ کر رہا ہے۔

۱۔ اس فعل و عمل کے ترک میں گناہ ہے۔

۲۔ جب اس کے ترک میں گناہ واقع ہوا تو اس کے نزدیک وہ شئے مستحب نہیں رہی بلکہ واجب بن گئی اور غیر واجب شئے کو واجب سمجھنا یا

Marfat.com

اسے واجب قرار دینا یہ خود حرام ہے۔ کیونکہ یہ دینِ الٰہی میں اضافہ ہے۔

۱۳۔ کسی شئے کے وجوب کا حق صرف شارع علیہ السلام کو پہنچتا ہے تو جب کوئی شخص کسی غیر واجب کے وجوب کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ شخص اپنے شارع ہونے کا مدّعی بنتا ہے جو صریح کفر ہے۔ اسی لئے فقہاء کرام نے ان تمام صورتوں کو حرام قرار دیا ہے۔

مشہور محقق علامہ محمد طاہر حنفی المتوفی ۹۸۶ھ فرماتے ہیں۔

من اصر علی امر مندوب وجعل عزمًا ولم یعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشیطان من الاضلال فکیف من اصر علی بدعة مجمع البحار ص ۲۴۴

جس شخص نے کسی مستحب کام پر اصرار کیا۔ اور اسے ضروری سمجھنے لگا اور رخصت پر عمل نہیں کیا تو شیطان نے اسے گمراہ کر دیا ہے تو اس شخص کا کیا حال ہوگا جو بدعت پر اصرار کرے۔

ملّا علی قاری حنفی نے بھی اپنی کتاب مرقات شرح مشکوٰۃ میں علامہ محمد طاہر کا یہ قول نقل کر کے ان کی تائید کی ہے۔ دیکھئے مرقاۃ۔ ج ۔۲ ص ۱۴

جو علمائے حدیث و فقہ حدیث ضعیف کو قبول کرتے ہیں وہ بھی اس پر عمل کرنے کے لیے متعدد شرائط لگاتے ہیں۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تین شرطیں بیان کی ہیں اور ابن دقیق العید نے ایک نئی شرط کا اضافہ کیا ہے اور اگر محمد طاہر کے قول پر غور کیا جائے تو ایک پانچویں شرط بھی خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس طرح وہ پانچ شرائط ہوں گی۔ لیکن ان شرائط کے پائے جانے کے بعد بھی زیادہ سے زیادہ حدیث ضعیف سے کسی شے کا جواز ثابت ہو سکے گا۔ نہ کہ استحباب و وجوب، اور جواز پر عمل اتفاقیہ اور انفرادی ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص بیٹھ کر نوافل ادا کرے یہ جائز ہے اور اس پر عمل بھی انفرادی اور اتفاقیہ ہے۔ اگرچہ اس میں بھی اب غلو ہونے لگا اور جائز کام میں کسی ثواب کی توقع نہیں

ہوتی۔ اور جب بھی ثواب کی توقع پیدا ہو گی تو وہ مستحب ہو گا اور مستحب پر اصرار تمام علماء کے نزدیک حرام ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کا سلام پھیرنے کے بعد اکثر داہنی طرف مڑتے اور ہر شئے میں آپ داہنی طرف کو پسند فرماتے اسی وجہ سے یہ عمل مستحب ہے۔ لیکن اس پر اصرار یا اس پر دوام یہ بھی حرام ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ المتوفی ۳۲ھ فرماتے ہیں۔

لا یجعل احدکم للشیطان شیئاً من صلاتہ یری
ان حقا علیہ ان لا ینصرف الا عن یمینہ لقد
رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا ینصرف
عن یسارہ :۔ مسلم ج-۱ ص ۲۴۷، نسائی ج-۱ ص ۱۳۸، ابوداؤد ج-۱ ص ۱۵۶

تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصہ متعین نہ کرے کہ وہ داہنی طرف سے مڑنا اس پر ضروری ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بارہا بائیں جانب سے مڑتے دیکھا ہے

عبداللہ بن مسعود المتوفی ۳۲ھ کا یہ فرمان اس بات کی دلیل ہے کہ بدعت و منکر اور غیر ثابت شدہ شئے پر اصرار تو کجا اگر کوئی شخص امر مندوب یا مستحب پر بھی اصرار کرتا ہے اور اس پر ہمیشہ عمل پیرا ہوتا ہے تو وہ شیطان کا پیروکار ہے اور اس کے اس فعل میں شیطان کا دخل ہے۔

افسوس اس دور میں تمام ائمہ مساجد بھی اس مرض میں مبتلا ہیں اور اس طرح شیطان کی پیروی کر رہے ہیں۔

دیکھئے کہ تسبیح و تہلیل، تحمید و تکبیر اور درود ایک نیک کام ہے اور کتاب و سنت سے یہ سب کے نزدیک ثابت ہے اور تمام صحابہ اس پر عمل کرتے رہے ہیں لیکن یہ ایک انفرادی فعل ہے اسے اجتماعی صورت میں انجام دینا حرام ہے اسی قسم کی ایک جماعت کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے مسجد

سے نکلوا دیا اور انھیں گمراہ اور بدعتی قرار دیا۔ اس کی تفصیل مقدمہ میں گزر چکی ہے۔

ایک اختلافی صورت

یہ بھی ذہن نشین رکھیے کہ جب کسی شے کے بدعت اور سنت ہونے میں اختلاف ہو۔ یعنی ایک جماعت تو اسے بدعت کہتی ہو اور دوسری جماعت اس شے کو سنت قرار دیتی ہو جیسا کہ شب برات کے مسئلہ میں اختلاف پیدا ہو رہا ہے تو اس کا ترک کرنا علمائے احناف کے نزدیک واجب ہے۔

علامہ برکلی حنفی المتوفی ۹۸۱ھ بدعت و سنت کا مقابلہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ثم اعلم ان فعل البدعۃ اشد ضرراً من ترک السنۃ بدلیل ان الفقہاء قالوا اذا تردد الحکم فی شئ بین کونہ سنۃ وبدعۃ فترکہ لازم۔

خوب جان لو کہ بدعت پر عمل کرنا سنت چھوڑ دینے سے زیادہ مضر ہے۔ کیونکہ فقہاء کا قول ہے کہ جب کسی شے کے بدعت اور سنت ہونے میں تردد ہو تو اس کا ترک لازم ہے۔

(طریقہ محمدیہ)

فتاوی عالمگیری میں ہے۔

وما تردد بین البدعۃ والسنۃ یترک عالمگیری ج ۱ ص ۱۷۹

اور جب بدعت و سنت میں تردد پیدا ہو جائے تو اس کام کو چھوڑ دیا جائے گا۔

علامہ ابن نجیم جو ابو حنیفہ ثانی کے لقب سے ملقب ہیں وہ تو ان تمام علماء سے آگے بڑھ کر یہاں تک فرماتے ہیں۔

Marfat.com

ویلزم ان ما تردد بین بدعۃ وواجب اصطلاحی
فانہ کان یترک السنۃ ۔ بحرالرائق ج-۲ ص۱۶۵

جب بدعت اور واجب اصطلاحی میں تردد پیدا ہو جائے تو لازم ہے کہ اس سنت کو ترک کر دیا جائے۔

اتفاق سے بریلویوں کے اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ جب کسی شئے کے سنت و مکروہ ہونے میں تعارض ہو تو کیا کرنا چاہیئے وہ جواب میں فرماتے ہیں اس کا ترک اولیٰ ہے۔ دیکھیئے ملفوظات ج-۳ ص۱۸
فتاوی رضویہ میں فرماتے ہیں۔

ان الاستنان لا یثبت بالحدیث الضعیف
فتاوی رضویہ ج-۱ ص۱۱

ضعیف حدیث سے کسی شئے کا سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

معلوم نہیں کہ حدیث ضعیف سے ان کی کیا مراد ہے؟ اس لیے کہ ان کے تمام مذہب کی بنیاد ہی احادیث ضعیفہ بلکہ کہانیاں ہیں۔ خیر ہمیں اس سے یہاں کوئی غرض و غایت نہیں۔ ہمارا مقصود تو صرف اتنا ہے کہ جب کسی شئے کے سنت و بدعت ہونے میں اختلاف ہو تو اس کا ترک کرنا لازم ہے۔ کجا کہ وہ فعل جس کا جواز و استحباب ثابت کرنا بھی دشوار ہو اور اگر شب برات کا جواز و استحباب بھی ثابت ہو جائے تو اس پر اصرار اور دوام تب بھی حرام ہوگا۔

علی الخصوص جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تمام علماء اور عوام اس مرض میں مبتلا ہیں۔ کوئی قبرستان بھاگ رہا ہے تو کوئی مسجد میں شب بیداری کر رہا ہے مساجد میں چراغاں ہو رہے ہیں۔ حلوے تیار ہو رہے ہیں۔ نیازیں دی جا رہی ہیں کیا یہ تمام استحبابی صورت میں ہوتے ہیں۔ بلکہ بعض لوگ تو یہاں تک کہتے سنے گئے ہیں کہ یہی رات شب قدر ہے اور ہمارے علماء میں سے شاہ ولی اللہ المتوفی ۱۱۷۶ھ، علامہ شبیر احمد عثمانی، شاہ عبدالقادر اور مولوی احتشام الحق وغیرہ یہ بھی تحریر

Marfat.com

فرماتے ہیں کہ اسی شب میں قرآن کا نزول شروع ہوا ہے۔ اِن امور سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسے تو دین کا ایک رکنِ اعظم تصور کر لیا گیا ہے۔ حالانکہ اس کا وجود ہی زیرِ بحث ہے بلکہ دورِ صحابہ و تابعین میں اس کا کوئی وجود نہ تھا۔ علامہ محمد محمد طاہر پٹنی حنفی المتوفی ۹۸۶ھ نے اپنی تذکرۃ الموضوعات میں زید بن اسلم تابعی کا قول نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

ما ادرکنا احدا من مشائخنا وفقهائنا یلتفتون الی لیلۃ البراءۃ وفضلها علی غیرها۔ تذکرۃ الموضوعات ص۷۵

ہم نے اپنے زمانہ کے مشائخ اور فقہاء (یعنی کبار تابعین) میں سے کسی کو لیلۃ البرات کی جانب توجہ کرتے نہیں دیکھا اور نہ وہ اِس رات کو اور راتوں پر کوئی فضیلت دیتے دیکھا ہے۔

یہ بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ بہت سے محدثین نے اِن تمام روایات کو موضوع اور باطل قرار دیا ہے اور یہ بات بھی ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ شروع دور کے فقہاء اور ائمہ نے اپنی کتابوں میں اس کا ذکر کیوں نہیں کیا اور فقہ کی اکثر کتابوں میں اس کا کوئی وجود کیوں نظر نہیں آتا۔ اگرچہ ان کے ذکر کرنے سے یہ شئے ثابت نہ ہوتی، لیکن کم از کم یہ اندازہ تو ہوتا کہ اس دور میں اس کا کوئی وجود تھا یا نہیں۔

آمدم برسرِ مطلب! یہ تمام امور ذہن نشین کر لینے کے بعد حدیث عائشہؓ پر غور فرمائیے کہ اس روایت میں کتنے بدترین قسم کے نقائص پائے جاتے ہیں۔ ایسی روایت سے شب برات کا ثبوت پیش کرنا اور پھر اسے ایک شعار بنا لینا اور اس پر اصرار کرنا شریعت کے ساتھ تمسخر نہیں تو اور کیا ہے؟

حالانکہ حدیثِ ضعیف پر عمل کے لیے شرائط تھیں۔ پہلے تو ان شرائط کو نظر انداز کیا گیا۔ پھر جواز کے بعد اسے درجۂ استحباب دیا گیا اور اس کے بعد اسے دین کا ایک شعار اور لازمی رکن بنا لیا گیا۔ یعنی ہر حرام کام کے ارتکاب کے لیے ایک دوسرے حرام کو اختیار کیا گیا اور پھر اس کے لیے قرآن میں معنوی تحریف بھی کی گئی اور

Marfat.com

انکارِ قرآن بھی کیا گیا۔ بریں عقل ودانش بباید گریست

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ کسی حدیث کی صحت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ دورِ صحابہ اور دورِ تابعین و تبع تابعین میں اِس پر عمل بھی رہا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین، صحابہ اور تابعین کے اقوال حدیث کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ اگر کسی حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں، لیکن دورِ صحابہ و تابعین میں اس پر عمل نہ رہا ہو۔ تو یہ اس روایت کے جھوٹے ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ صحابہ و تابعین کسی حدیث کے ترک پر متفق ہو جائیں۔ تاوقتیکہ وہ اسے جھوٹ تصور نہ کر لیں یا ان کے دور میں اِس روایت کا کوئی وجود نہ ہو اور جو حدیث اُن کے دور میں موجود ہی نہ ہو وہ حدیث کیسے بن جائے گی۔ کیا ہمارے علماء یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ صحابہ و تابعین، تبع تابعین، ائمہ فقہاء اور محدثین کرام اس رات قبرستان کے چکر لگایا کرتے تھے؟ ہم ایسے ثبوت کے منتظر ہیں۔ ہے کوئی محقق جو صحت سند کے ساتھ یہ ثبوت فراہم کر سکے؟

روایتِ عائشہ المتوفی ۵۸ھ

کی معنوی حیثیت

یہ امر بھی غور طلب ہے کہ جب اِس رات کو اتنی بڑی فضیلت حاصل تھی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف قبرستان جانے پر کیوں اکتفا فرمایا اور کوئی دوسرا عمل انجام نہیں دیا۔ اگر آپؐ کوئی عمل انجام دیتے تو حضرت عائشہؓ اسے ضرور بیان فرماتیں۔ یہ قبرستان جانا تو بالذات کوئی عمل نہیں۔ کیا صرف قبرستان آتے جانے سے وہ تمام فضیلتیں حاصل ہو گئی تھیں جو بیان کی جاتی ہیں۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو پھر اس رات کی شب بیداری ایک مہمل

Marfat.com

فعل ہوا۔ اور اگر جواب نفی میں ہے تو یہ حدیث اس سے کیوں خاموش ہے۔

نیز یہ بھی سوچنے کا مقام ہے کہ جب اِس رات کو اتنی اہم فضیلت حاصِل تھی تو آپ کو چاہیئے تھا کہ پہلے سے صحابہ کو بھی بتا دیتے اور ازواج مطہرات سے بھی بیان فرماتے تاکہ حضرت عائشہ رضؓ اور دیگر امہات المؤمنین بھی اس فضیلت کو حاصِل کر سکتیں اور کم از کم حضرت عائشہ رضؓ پریشان نہ ہوتیں جو انھیں آپؐ کا پیچھا کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

یہ بھی غور و فکر کا مقام ہے کہ اگر حضرت عائشہ رضؓ آپ کا پیچھا نہ کرتیں تو گویا آپؐ نے انھیں اِس رات کی فضیلت سے محروم کرنے کا ارادہ فرما لیا تھا کیونکہ آپؐ نے خود بالذات تو ان سے یہ بات بیان نہیں فرمائی فیا للعجب

چلو حضرت عائشہ رضؓ نے تو پیچھا کر کے معلوم کر لیا۔ لیکن صحابہ کرام اور دیگر ازواجِ مطہرات نے تو پیچھا بھی نہیں کیا تھا اور نہ قبرستان میں کوئی اور موجود تھا جس کا مقصد یہ ہوا کہ حضورؐ نے دین میں اخفاء سے کام لیا۔ کیونکہ یہ اَمر دو حال سے خالی نہیں یا تو اسے دین کا کوئی اَمر تصوّر کیا جائے گا تو اس صورت میں حضورؐ پر اخفاءِ دین کا الزام لازم آئے گا۔ یا اسے دین سے خارج سمجھا جائے گا ایسی صورت میں علماء اور عوام کا موجودہ طرزِ عمل باطل ہو گا۔ ہمارے لئے یہ تو آسان ہے کہ علماء کے اس عمل کو باطل قرار دے دیں، لیکن ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام عائد کر کے ہرگز اپنی آخرت تباہ کرنے کے لئے تیار نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین میں اخفاء سے کام لیا اور رسالت میں خیانت کی۔ انہی حضرت عائشہ رضؓ نے مسروق تابعی المتوفی ۶۳ھ سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا۔

من زعم ان محمد اکتم شیئا مما انزل اللہ فقد اعظم علی اللہ الفریۃ واللہ یقول یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ہ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ ہ

مسلم ج۔۱ص۹۸ ، ترمذی ج۔۲ ص۱۵۵ ، بخاری ج۔۲ ص۶۶۴

جس شخص نے یہ خیال کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے نازل کردہ احکام میں سے کسی شئے کا اخفا کیا۔ اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اے رسول تمہارے پروردگار کی جانب سے جو احکام تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں انھیں دوسروں تک پہنچا دیجئے۔ اگر آپؐ نے ایسا نہ کیا تو آپؐ نے اپنی رسالت کی تبلیغ نہیں کی۔"

ایسی صورت میں کیا نبی کریم صلیؐ اللہ علیہ وسلمؐ حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابہ سے اس بات کا اخفا فرما سکتے تھے۔ حاشا وکلا

ایک یہ امر بھی سوچنے کے قابل ہے کہ سورۂ دخان کی وہ آیت جس میں لیلۃ مبارکہ کا ذکر ہے اور جس میں لیلۃ مبارکہ سے مراد لوگوں کے نزدیک شب برات ہے وہ تو مکی سورت ہے اور ہجرت سے کئی سال قبل نازل ہوئی۔ تقریباً چار سال پیشتر۔ اور اگر ہم یہ بھی تسلیم کر لیں کہ یہ واقعہ بقیع حضرت عائشہؓ سے شادی کے فوراً بعد پیش آیا تب بھی یہ ہجرت کے سولہ ماہ بعد کا واقعہ ہوگا۔ کیوں کہ حضورؐ نے ربیع الاول میں، ہجرت فرمائی اور پہلے شعبان میں حضرت عائشہؓ کی رخصت عمل میں نہیں آئی تھی بلکہ آپؐ کی رخصتی ماہ شوال میں ہوئی اور اس کے بعد شعبان تک کا وقت گذرا۔ اس طرح سورۂ دخان کے نزول اور اس واقعہ میں پانچ سال کا تقریباً فرق ہوگا۔ تو کیا یہ علماء اس بات کو ماننے کے لیے تیار ہیں کہ ام المؤمنین کو پانچ سال تک بھی اتنے اہم مسئلہ کا علم نہ ہو سکا اور اگر حضرت عائشہؓ کو علم نہیں ہو سکا تھا تو مہاجرین اولین اور حضرت سودہؓ جو حضرت عائشہؓ سے پہلے نکاح میں آئیں کیا ان کو بھی اس بات کا علم نہ تھا۔ پھر یہ صحابہ کرام قبرستان کیوں تشریف نہیں لے گئے۔ اب اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں کہ ان حضرات کے نزدیک قبرستان کے چکر کاٹنے کا شریعت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ سب ایک مہمل قصہ

Marfat.com

ہے۔ یہ ایک ناممکن سی بات ہے کہ سورۃ دخان ہجرت سے چار سال قبل مکہ میں نازل ہوئی ہو اور اس کی فضیلت پانچ سال بعد مدینہ میں بقیع کے موقعہ پر ظاہر کی گئی ہو اور اس درمیانی عرصہ میں لوگوں کو لاعلم رکھا گیا ہو۔

پھر حضرت عائشہؓ یہ فرما رہی ہیں کہ میرا گمان تھا کہ آپ اپنی بعض ازواج کے پاس تشریف لے گئے ہوں گے۔ یہ الفاظ خود اس بات کو ظاہر کر رہے ہیں کہ یہ واقعہ اُس وقت کا ہے جب کہ آپؐ کے نکاح میں متعدد ازواج تھیں کیونکہ لفظ نِسَاءٌ جمع ہے۔ واحد نہیں۔ جس کا مقصد یہ ہوگا کہ یہ واقعہ ہجرت کے کئی سال بعد پیش آیا۔ تو کیا تمام صحابہ سورۂ دخان کی آیت کو بھول گئے تھے اور کئی سال تک بھی حضرت عائشہؓ کو اس کا علم نہ ہو سکا؟ یہ دو متضاد اُمور کیسے ہیں۔ ذرا کچھ تو سوچیئے۔

اِس واقعہ سے ایک قصہ اور بھی پیدا ہوگا اور وہ یہ کہ یہ واقعہ عمرہ جعرانہ ۸ھ سے قبل کا ہے یا بعد کا۔ اگر کہتے ہیں کہ اِس سے قبل کا ہے تو اس وقت تک قبروں کی زیارت ممنوع تھی۔ واقعۂ جعرانہ کے وقت آپؐ نے اس کی اجازت دی تو جو شے ممنوع ہو تو کیا نبی خود اس پر عمل کرے گا۔ اگر کہتے ہو کہ یہ حضورؐ کی تخصیص تھی تو اول تو اس کا ثبوت نہیں اور تخصیص کی صورت میں امت کے لئے اِس پر عمل پیرا ہونا جائز نہیں اور اگر دعویٰ یہ ہے کہ یہ قصہ واقعہ جعرانہ کے بعد پیش آیا تو ہم عرض کریں گے کہ کیا حضرت عائشہؓ حضورؐ کے نکاح میں آنے کے باوجود آٹھ سال تک اِس سے غافل رہیں۔ اگر کہتے ہیں کہ اس سے قبل اِس قسم کا نہ تو کوئی واقعہ پیش آیا تھا۔ اور نہ حضورؐ نے کسی کو اِس قسم کا حکم دیا تھا تو پھر یہ دعویٰ خود بخود باطل ہو جائے گا کہ سورۂ دخان میں اسی شب برأت کا ذکر ہے اور اس سے بھی ہمارا مدّعا حل ہو جائے گا۔ اس لیے کہ اس کے باوجود صحابہ قبرستان تشریف نہیں لے گئے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ آپؐ نے انھیں قبرستان جانے کا کوئی حکم نہ دیا تھا اور نہ اطلاع دی تھی۔

Marfat.com

ہمارے نزدیک یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ پر ایک صریح بہتان ہے اس کا مزید ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ترمذی میں یہ روایت مختصر ہے اور پھر جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا اس پر حاشیئے چڑھتے گئے حتی کہ یہ ایک طویل داستان بن گئی اور پھر ان داستانوں میں اتنا تضاد پیدا ہوا کہ اس کا دور کرنا مغرب سے سورج نکالنے کے مترادف ہو گیا۔ جیسا کہ آپ حضرات آگے ملاحظہ فرمائیں گے اور جب اتنے مختصر سے واقعہ پر محدثین کے اتنے اعتراضات ہیں تو جب اس کی مکمل داستان سامنے آئے گی تو عقل بھی انگشت بدنداں رہ جائے گی۔

ابن ماجہ کی روایت

ابن ماجہ المتوفی ۲۷۳ھ اور شیخ عبدالقادر المتوفی ۵۶۱ھ نے اس روایت کو اسی سند سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

فقدت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ فخرجت اطلبہ فاذا ھو بالبقیع رافع راسہ الی السماء فقال یا عائشۃ اکنت تخافین ان یحیف اللہ علیک ورسولہ قالت اقلت وما بی ذلک ولکن ظننت انک اتیت بعض نساءک فقال ان اللہ تعالیٰ ینزل لیلۃ النصف من شعبان فیغفر لاکثر من عدد شعر غنم کلب۔ ابن ماجہ مصری ج۔۱ ص ۴۲۲ ،

غنیہ ج۔۱ ص ۶۹

میں نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہیں پایا۔ میں آپؐ کو تلاش کرنے نکلی تو آپؐ بقیع میں آسمان کی جانب سر اٹھائے کھڑے تھے۔ آپؐ نے فرمایا اے عائشہؓ کیا تو ڈرتی ہے کہ اللہ اور اس کا رسول تجھ پر ظلم کرے گا۔ حضرت

عائشہ فرماتی ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ ایسی تو کوئی بات نہیں، لیکن میں نے یہ گمان کیا تھا کہ آپؐ اپنی دیگر ازدواج کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب میں نزول فرماتا ہے اور بنو کلب کی بھیڑوں کے بالوں کی تعداد کے برابر مغفرت فرماتا ہے۔

یہ روایت وہی ترمذی والی روایت ہے۔ اس کے رواۃ بھی وہی حجاج یحییٰ بن ابی کثیر اور عروہ ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ابن ماجہ کی روایت میں متعدد الفاظ زیادہ ہیں جن پر خط کھینچ دیا گیا ہے اور خاص طور پر یہ جملہ رافع رأسہ الی السماء قابل غور ہے اس جملے سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حضور بقیع پہنچ کر اہلِ بقیع کے لیے دعائے مغفرت کرنے کے بجائے صرف آسمان کی جانب نگاہ اٹھا کر کھڑے ہو گئے۔ کیا آسمان کی جانب نگاہ اٹھا کر کھڑے ہونا اس شب مخصوصہ کی کوئی عبادت ہے؟ کیونکہ بقول راوی حضرت عائشہؓ نے صرف اسی امر کو خاص طور پر بیان فرمایا۔

پھر دونوں روایتوں میں یہ کہیں ذکر نہیں کہ حضورؐ نے قبرستان جانے کے بعد اہلِ قبورؐ کے لیے کوئی دعائے مغفرت فرمائی ہو۔ تو کیا خالی قبرستان تک جانا اور آنا بھی کوئی عبادت ہے؟ اب جو لوگ قبرستان پہنچ کر اہلِ قبور کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں تو وہ کیسے ثابت ہوگی؟

یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس رات جو مغفرت ہوتی ہے وہ زندوں کے لیے ہوتی ہے یا مُردوں کے لئے یا دونوں کے لئے۔ اگر صرف مُردوں کے لئے یا دونوں کے لئے ہوتی ہے تو ان دونوں صورتوں میں یہ مغفرت بلا عمل ہوگی۔ کیونکہ مُردے تو کوئی عمل انجام نہیں دے سکتے اور جب زندہ ان کے ساتھ شریک ہوئے تو عدمِ عمل میں دونوں مساوی ہوئے۔ پھر زندوں کے لئے عمل کس دلیل سے شرط ہوگا۔ اس طرح ہم کسی عمل کے بغیر ہی وہ فضیلت حاصل

Marfat.com

کرلیں گے۔ اور اگر یہ مغفرت زندوں کے ساتھ مخصوص ہے تو نہ تو حضورؐ نے اِس رات خود کوئی عمل فرمایا اور نہ حضرت عائشہؓ کو اس کا حکم دیا۔ جس سے یہ ثابت ہوا کہ اِس مغفرت کے لیئے کوئی عمل شرط نہیں۔ تو پھر یہ شب بیداری ایک مہمل فعل ہوا اور حقیقتاً بھی خلافِ سنّت ہونے کے باعث یہ ایک مہمل فعل ہے۔ اور اس کی دلیل وہ واقعہ ہے جو حضرت علیؓ سے ثابت ہے کہ آپؐ نے ایک شخص کو نماز عید سے قبل دیکھا کہ وہ نفل پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ آپؐ نے اسے منع فرمایا۔ اُس نے جواب دیا کہ میں نماز پڑھنا چاہتا ہوں اور نماز بالذات ایک عبادت ہے اور عبادت پر کوئی گناہ نہیں ملتا۔ حضرتِ علیؓ نے فرمایا۔

وانی اعلم ان اللہ تعالیٰ لا یثیب علی فعل حتی یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او یحث علیہ فتکون صلوتک عبثا والعبث حرام فلعلہ تعالیٰ یعذبک بہ لمخالفتک لرسولہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

نظم البیان ص۷۴ ۔ لجنہ ص۱۶۵

اور میں یہ جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کسی فعل پر اس وقت تک ثواب نہیں دیتا۔ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس فعل کو انجام نہ دیا ہو یا اس کی ترغیب نہ دی ہو۔ اِس صورت میں تیری یہ نماز عبث ہوگی اور عبث کام حرام ہے تو شاید اللہ تعالیٰ تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے باعث عذاب دے۔

تو اس صورت میں اس رات نماز پڑھنا بھی حرام ہوگا۔

Marfat.com

غنیہ کی ایک اور روایت

ابن ماجہ اور غنیہ کی گذشتہ روایت میں تو صرف چند الفاظ کا اضافہ تھا۔ اور یہ اضافہ یا تو خود حجاج کا وضع کردہ تھا یا بعد کے کسی راوی کا۔ لیکن حجاج کی اس روایت میں بعد کے راویوں نے کتنے کتنے اضافات کئے اس کا اندازہ "غنیہ" کی اگلی روایت سے ہو سکتا ہے جو اسی سند سے مروی ہے۔ لیکن اس میں سے حجاج کے نام کو حذف کر دیا گیا ہے اور یحییٰ بن ابی کثیر کے نام میں تحریف کر کے یحییٰ بن سعید کر دیا گیا ہے اور آخری راوی وہی عروہ اور حضرت عائشہؓ ہیں۔

غنیہ کی روایت

اخبرنا ابونصر عن والدہ باسنادہ عن یحیی بن سعید عن عروۃ عن عائشۃ قالت لما کانت لیلۃ النصف من شعبان انسل النبی صلی اللہ علیہ وسلم من مرطی ثم قالت واللہ ما کان مرطی من حریر ولا قز ولا کتان ولا خز ولا صوف قالت قلت لھا سبحان اللہ فمن ای شیئ کان قالت اکان سداہ من شعر وکانت لحمۃ من وبر وحسبت نفسی ان یکون صلی اللہ علیہ وسلم قد اتی بعض نسائہ فقمت فاستمتہ فی البیت فرفعت یدیہ علی قدمیہ وھو ساجد فحفظت من دعائہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یقول سجد لک سوادی وجنانی وآمن بک فوادی ابوء لک بالنعم واعترف لک بالذنب ظلمت نفسی فاغفرلی فانہ لا یغفر الذنوب

Marfat.com

الا انت اعوذ بعفوك من عقوبتك واعوذ برحمتك
من نعمتك واعوذ برضاك من سخطك واعوذ بك
منك لا احصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی
نفسك قالت فما زال صلی الله علیه وسلم قائمًا
وقاعدا حتی اصبح وقد اصعدت قدماه وانا
اغمزهما واقول یابی انت واصی الیس قد غفر الله
لك ما تقدم من ذنبك وما تاخر الیس قد فعل الله
بك الیس الیس قال صلی الله علیه وسلم افلا
اکون عبدا شکورا هلی تدرین ما فی هذه اللیلة
قالت قلت وما فیها قال فیها یکتب کل مولود فی
هذه السنة وفیها یکتب کل میتة وفیها تنزل
ارزاقهم وفیها ترفع اعمالهم وافعالهم قلت
یارسول الله ما احد یدخل الجنة الا برحمة الله
قلت ولا انت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ولا
انا الا ان یتغمدنی الله برحمة منه فمسح یده علی هامته

وجمہ ۔ قنیۃ الطالبین ص ۱۰۵ ترجمہ

"ہم سے ابو نصر نے بیان کیا وہ اپنے باپ سے نقل کرتا ہے
وہ اپنی سند کے ذریعہ یحییٰ بن سعید سے وہ عروہ سے اور عروہ
حضرت عائشہ رضؓ سے۔ وہ فرماتی ہیں کہ جب نصف شعبان کی شب
ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے بستر سے خاموشی سے نکل
گئے، پھر فرمانے لگیں۔ خدا کی قسم میرا بستر نہ ریشم کا تھا نہ قز کا نہ
کتان کا اور نہ صوف کا۔ (یہ تو بہت ہی افسوس کی بات ہے)
میں نے عرض کیا سبحان اللہ پھر وہ کس شے سے بنا ہوا تھا۔

Marfat.com

(عروہ کو یہ بات پوچھنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ تو حضرت عائشہؓ کے بھانجے تھے خود ہزار ہا مرتبہ حضرت عائشہ کا بستر آنکھوں سے دیکھا ہوگا۔ کیا صوفیاء یہ سمجھتے ہیں کہ تمام دنیا انہی کی طرح احمق ہے) حضرت عائشہؓ نے فرمایا اس کا تانا بالوں کا اور بانا اونٹ کے بالوں کا تھا۔ میں نے دل میں یہ خیال کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض ازواج کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ میں کھڑی ہوئی اور میں نے آپؐ کو گھر میں تلاش کیا۔ (کوئی مغلیہ دور کا محل ہوگا) میں نے آپ کے ہاتھ آپ کے قدموں پر بلند کر دیئے (کھڑے ہوتے انسان کے ہاتھ قدموں پر نہیں پڑتے۔ بلکہ بیٹھے ہوئے انسان کے ہاتھ قدموں پر پڑتے ہیں) اور آپ سجدے میں تھے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا یاد کر لی۔ آپؐ فرما رہے تھے۔ میرے دل اور میرے خیال نے آپ کو سجدہ کیا اور میرا دل آپ پر ایمان لایا۔ میں نعمتوں کے ساتھ آپ کی جانب متوجہ ہوتا اور آپؐ کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں میری مغفرت فرما دیجئے۔ کیونکہ آپ کے علاوہ کوئی گناہوں کی مغفرت نہیں کر سکتا۔ میں آپ کے عفو کے ذریعہ سے آپ کے عقاب سے اور آپ کی رحمت کے ذریعہ آپ کی سزا سے آپ کی رضا کے ذریعہ آپ کی ناراضگی سے پناہ مانگتا ہوں اور آپ کے ذریعہ آپ کی ذات سے پناہ مانگتا ہوں۔ میں آپ کی ثنا کا شمار نہیں کر سکتا۔ آپ کی ذات ویسی ہی ہے جیسی آپ نے اپنی خود صفت بیان فرمائی ہو حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح تک کھڑے ہوتے اور بیٹھتے رہے۔ حتیٰ کہ آپ کے قدم چڑھ آتے (قدموں

پر دردم ایک رات کے قیام سے نہیں آتا بلکہ توانہ سے آتا ہے
شاید اس قصہ گو کو اس کی کبھی توفیق نہیں ہوئی تھی) میں آپ کے
چوکے مارتی تھی اور کہتی تھی۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان
کیا اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف نہیں فرمائے کیا
اللہ نے آپ کے ساتھ ایسا اور ویسا نہیں کیا۔ آپؐ نے ارشاد
فرمایا۔ کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ اے عائشہؓ کیا تو جانتی ہے
کہ اس رات میں کیا ہوتا ہے؟ میں نے عرض کیا۔ کیا ہوتا ہے؟
آپؐ نے فرمایا اس شب میں اس سال پیدا ہونے والوں اور
مرنے والوں کے نام لکھے جاتے ہیں۔ اسی شب میں رزق نازل
ہوتا اور اعمال و افعال اُٹھائے جاتے ہیں۔ میں نے عرض کیا
یا رسولؐ اللہ کوئی شخص اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل
نہ ہوگا۔ میں نے کہا اور آپؐ نے فرمایا نہ میں، جب تک اللہ
مجھے اپنی رحمت میں نہ ڈھانپ لے۔ پھر آپؐ نے اپنے سر اور اپنی
چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ (دعا کے بعد دونوں ہاتھ پھیرے جاتے ہیں
ایک ہاتھ نہیں)

قارئین کرام ذرا غور فرمائیں کہ واقعہ کی حقیقت کیا تھی اور اسے کیا سے
کیا بنایا گیا۔ یہ روایت بھی حضرت عائشہؓ ہی کی جانب منسوب ہے اور اس
کے راوی بھی وہی عروہ ہیں۔

اس روایت میں کتنے عیوب جمع ہیں ذرا ان کی تفصیل بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔

۱۔ ابو نصر کون ذات شریف ہیں ان کا نام و نسب کیا ہے۔ ان کی علمی
حیثیت کیا ہے؟ اس کا تاریخ میں کہیں ذکر نہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ
ایک فرضی نام ہے۔

۲۔ ابو نصر کے والدِ محترم اپنے صاحبزادے کی طرح ایک معدوم ہستی تھے۔
تاریخ میں اس کا ذکر ملنا عنقا ہے۔

۳۔ "غنیہ" اور "ابن ماجہ" کے حوالہ سے ہم نے جو پہلے روایت پیش کی تھی اس روایت اور اس روایت میں بہت بڑا تضاد ہے حالانکہ ان ہر دو روایات کا راوی یہی ابو نصر اور اس کا باپ ہے۔

۴۔ ابو منصر شیخ عبدالقادر جیلانی کا استاد ہوا۔ اور شیخ صاحب ۴۷۱ھ میں پیدا ہوئے اور سولہ سال کی عمر میں تحصیل علم کے لیے بغداد کی جانب کوچ کیا۔ یعنی ۴۸۶ھ میں جس کا مقصد یہ ہوا کہ ابو نصر کم از کم ۴۸۶ھ تک زندہ تھا۔ حالانکہ یہ کوئی ضروری نہیں کہ شیخ صاحب نے بغداد پہنچتے ہی اس سے احادیث سن لی ہوں اور اگر ہم یہ بھی مان لیں کہ ابو نصر کا باپ اپنے بیٹے کی موت سے پچاس سال قبل مرا تھا تو اس کا انتقال ۴۳۴ھ میں ہونا چاہیئے تھا۔ جب کہ یحییٰ بن سعید الانصاری کا انتقال ۱۴۳ھ ہے۔ گویا ان دونوں کے درمیان تین سو سال کا فاصلہ ہے۔ لطف یہ ہے کہ ابو نصر کے باپ نے یہ تمام فاصلہ بغیر کسی سواری کے طے کر لیا ہے۔ حالانکہ اس کے اور یحییٰ کے درمیان کم از کم سات آٹھ راوی ہونے چاہئیں تھے وہ کدھر گئے اور اس کی سند کہاں ہے حالانکہ درمیان سے ایک راوی بھی چھوٹ جائے تو وہ روایت ناقابلِ قبول ہوتی ہے۔ کجا کہ سات آٹھ راوی چھوٹ جائیں، اور وہ سب مجہول ہوں، ایسی روایت کو عام زبان میں بے پر کی اڑانا کہتے ہیں۔

۵۔ ابو نصر نے اس کی کوئی تشریح نہیں کی کہ یحییٰ بن سعید سے اس کی مراد کون سے یحییٰ ہیں یحییٰ بن سعید تو متعدد ہیں۔ لیکن اتفاق سے کوئی بھی یحییٰ بن سعید عروہ کا شاگرد نہیں۔ ہذا افک عظیم

۶۔ ابو نصر نے پہلی روایت میں یحییٰ بن ابی کثیر کا نام لیا تھا اور اس روایت میں یحییٰ بن سعید کا۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ اپنی جہالت سے ابو کثیر کا نام سعید سمجھ بیٹھا۔ کیونکہ ابو کثیر کنیت ہے نام نہیں۔ اس طرح اس نے دو شخصوں کو ایک کر دیا ہے یہ فعل یا تو جہالت کے سبب پیدا ہوا ہے یا

عمدًا ایسا کیا گیا ہے یہ سوچتے ہوئے کہ یحییٰ بن سعید الانصاری مدنی ہیں۔ لیشرطیکہ انصاری مراد لئے جائیں اور عروہ بھی مدنی ہیں۔ ان دونوں کی ملاقات ممکن ہو سکتی ہے۔ کیوں نہ اس جھوٹ کو ان کے سر تھوپا جائے۔ پہلی صورت میں حدیث معلق ہونے کے ساتھ ساتھ مقلوب ہوگی اور دوسری صورت میں ابونصر اور اس کے باپ کا جھوٹ ثابت ہوگا اور حدیث موضوع ہوگی۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ یحییٰ بن سعید الانصاری کی وفات ۱۴۳ھ میں ہے جب کہ عروہ کی وفات ۹۴ھ میں ہے اور اگر کوئی اور یحییٰ بن سعید مُراد ہیں مثلاً یحییٰ بن سعید القطان تو وہ بیچارے عروہ کو تو کہاں دیکھتے انھوں نے تو پہلے یحییٰ کو بھی نہیں دیکھا۔ کیونکہ ان کی وفات ۱۹۸ھ میں ہے اور ان دونوں کے علاوہ اور جتنے یحییٰ بن سعید ھیں وہ سب ضعیف ہیں اور عروہ کی وفات کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔

۷۔ اور اگر ہم یہ مان لیں کہ یحییٰ بن سعید الانصاری مراد ہیں تو حجاج نے اُن سے کوئی روایت نہیں سُنی اور اگر یحییٰ بن سعید القطان مراد ہیں تو وہ فن رجال کے ماہر ہیں۔ اور اتفاق سے حجاج کے وہ سخت مخالف ہیں۔

۸۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی روایت میں تناقض اور تضاد پیدا ہو جائے تو وہ روایت مضطرب کہلاتی ہے اور وہ ناقابلِ اعتبار ہوتی ہے۔ اِس روایت کی سند اور الفاظ میں بھی اضطراب ہے اور معنوی لحاظ سے بھی یہ باطل ہے۔

یہ خامیاں تو وہ ہیں جو اس کی سند میں پائی جاتی ہیں۔ معنوی لحاظ سے اس میں کیا کیا خامیاں ہیں وہ بھی ملاحظہ فرمالیں۔

۹۔ "ترمذی" "ابن ماجہ" اور "غنیہ" کی پہلی روایت میں بقیع جانے کا ذکر تھا۔ یہاں سرے سے بقیع کا ذکر ہی اُڑا دیا گیا ہے۔ اس طرح یہ ہر دو روایات باہم متضاد ہوئیں پہلی روایت تو بالسند تھی لیکن یہ روایت بلاسند ہے جس کا عدمِ وجود مساوی ہے۔ اسے حضور کا فرمان تصور کرنے والا بھی زندیق ہے

Marfat.com

لیکن ہمارا سوال یہ ہے کہ ذرا یہ بیان فرما دیا جائے کہ یہ دو واقعات ہیں یا ایک واقعہ، اگر دو واقعات ہیں تو کیا حضرت عائشہؓ اتنی کم فہم تھیں کہ بار بار اس قسم کے واقعات پیش آنے کے باوجود وہ ہمیشہ بھول جاتیں؟ اور بار بار تکرار کے باوجود اس رات کی کوئی فضیلت ان کے حلق سے نہ اترتی تھی؟ اور کیا حضرت عائشہؓ کا صرف یہی کام تھا کہ وہ آپ کو راتوں کو تلاش کرتی پھریں کیونکہ انھوں نے یہ فضائل سننے کے باوجود بھی اس پر کوئی عمل نہیں کیا؟

۱۰۔ پہلی روایت میں اس بات کا کوئی ذکر نہ تھا کہ اس رات میں پیدا ہونے والوں اور مرنے والوں کے نام لکھے جاتے ہیں اور نہ اس میں رزق اتارنے اور اعمال اٹھائے جانے کا ذکر تھا۔ اب اس روایت میں یہ ذکر کہاں سے آیا۔ یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ یہ دو واقعات ہیں اور اس صورت میں حضرت عائشہؓ کی کم فہمی اور دین سے بے توجہی ثابت ہو گی جو ایک ناممکن امر اور خلافِ تاریخ ہے۔ یا یہ ماننا پڑے گا کہ یہ حضرت عائشہؓ پر ابو نصر وغیرہ کا جھوٹ ہے اور اسے جھوٹا تسلیم کر لینا توہینِ عائشہؓ سے زیادہ آسان ہے یا تیسری صورت یہ ہے کہ یہ واقعہ اور یہ فرمان کسی اور سے مروی ہو اور اسے حضرت عائشہ سے منسوب کر دیا گیا ہو تب بھی نسبت کرنے والا یا تو جھوٹا قرار پائے گا یا پھر اول درجہ کا جاہل و احمق۔

۱۱۔ پہلی روایت میں نماز و دعا کا کوئی ذکر نہ تھا۔ بلکہ حضورؐ صرف بقیع تشریف لے گئے تھے اور اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ بقیع قطعاً تشریف نہیں لے گئے بلکہ آپ نے گھر پر نماز پڑھی اور دعا فرمائی۔

۱۲۔ حضرت عائشہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت ماہر زبان اور زبردست خطیب و فنت تھیں۔ وہ ایسی مہمل زبان ہرگز استعمال نہ فرما سکتی تھیں جس قسم کی زبان بستر کی کیفیت میں پیش کی گئی ہے جو مہمل لفاظی کے علاوہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ یہ صرف صوف کا لباس ثابت کرنے کے لئے لفاظی کی گئی ہے۔

Marfat.com

۱۴۔ آئندہ حضرت عائشہ کے حوالہ سے اور روایات میں دعا کا تذکرہ آرہا ہے۔ لیکن ان میں دعا مختصر ہے اس روایت میں طویل ہے پہلی روایت میں اس کا کوئی وجود نہیں۔ یہ دعا حضورؐ سے متعدد احادیث صحیحہ کے ذریعہ ثابت ہے۔ لیکن یہ ایک دعا نہیں بلکہ متعدد دعائیں ہیں جنہیں راوی نے مختلف مقامات سے لے کر اول تو انھیں یکجا کیا اور پھر شب برات سے ان کا تعلق جوڑ دیا۔ ذیل میں ہم وہ مقامات پیش کرتے ہیں جہاں جہاں سے یہ دعائیں چوری کی گئیں اس سے قارئین کو خوب اندازہ ہو جائے گا کہ یہ کس موقعہ و محل کی دعا ہے۔

امام حاکم المتوفی ۴۰۵ھ نے اپنی مستدرک میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ المتوفی ۳۲ھ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے سجدہ میں یہ دعا فرماتے۔

اللّٰھم سجد لک سوادی وخیالی و بک امن فؤادی ابوء بنعمتک علی۔ حصن حصین ص ۲۰۴

اے اللہ میرے دل اور خیال نے آپ کو سجدہ کیا اور میرا دل آپ پر ایمان لایا۔ میں آپ کی نعمتوں کے ساتھ آپ کی جانب رجوع ہوتا ہوں۔"

ابوداؤد المتوفی ۲۷۵ھ، ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ، نسائی المتوفی ۳۰۳ھ اور ابن ماجہ المتوفی ۲۷۳ھ نے حضرت علیؓ المتوفی ۴۰ھ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وتروں کے آخر میں یہ دعا فرماتے۔

اللھم انی اعوذ برضاک من سخطک وبمعافاتک من عقوبتک واعوذ بک منک لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک۔ نسائی ج۔۱ ص ۲۰۵، نسائی ج۔۱ ص ۱۷۹

اے اللہ میں آپ کی رضا کے ذریعہ آپ کی ناراضگی اور آپ کے عفو

کے ذریعہ آپ کی سزا سے پناہ مانگتا ہوں اور میں آپ ہی کے واسطہ سے آپ سے پناہ مانگتا ہوں۔ آپ کی ذات ویسی ہی ہے جیسی آپ نے اپنی ثنا خود فرمائی ہے۔

اِس حدیث سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ یہ دعا کسی شب کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ یہ حضور کا اکثر معمول تھی اور خاص طور پر وتروں کے بعد۔ یہ بھی تمام محدثین و فقہاء کے نزدیک ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر قسم کے سنن و نوافل اور وتر گھر پر ادا فرماتے تو حضرت عائشہؓ نے یہ دعا ضرور سُنی ہوگی اور اسے نقل بھی کیا ہوگا اور واقعہ بھی یہی ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں۔

فقدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ من الفراش فالتمسته فوقعت علی بطن اقدمیه وهو فی المسجد وهما منصوبتان وهو یقول اللهم انی اعوذ برضاك من سخطك وبمعافاتك من عقوبتك واعوذ بك منك لا احصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك۔ مسلم ج۔۱ ص۱۹۲، ابوداؤد ج۔۱ ص۱۳۰ نسائی ج۔۲ ص۲۷۸

"میں نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہیں پایا۔ میں نے آپؐ کو تلاش کیا (ہاتھوں سے ٹٹولا) میرے ہاتھ آپؐ کے قدموں کے اندرونی حصّہ پر جا پڑے آپؐ سجدے میں تھے۔ آپؐ کے قدم کھڑے ہوئے تھے اور آپؐ فرما رہے تھے اے اللہ میں آپ کی رضا کے واسطہ سے آپ کی ناراضگی اور آپ کے عفو کے واسطہ سے آپ کی سزا سے پناہ مانگتا ہوں اور آپ کی ذات کے واسطہ سے آپ

Marfat.com

سے پناہ مانگتا ہوں۔ آپ کی ذات ویسی ہے جیسی آپ نے
اپنی ثنا خود فرمائی ہے۔"

اس حدیث سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اس دعا کا شبِ برات سے کوئی تعلق نہیں اور شب برات میں اُٹھنے کی جو کہانی ہے اس کا بھی اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ ایک وقتی واقعہ تھا جسے شب برات کی کہانی تیار کرنے کے لئے اس واقعہ سے متعلق کر دیا گیا۔ اس حدیث میں صبح تک نماز پڑھنے، قدم پر وَرم آنے اور سوالات وجوابات کا کوئی ذکر نہیں۔

۱۴۔ قدموں پر وَرم آنے کا واقعہ ایک جُداگانہ روایت ہے۔ اس کی راوی حضرت عائشہؓ نہیں بلکہ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ اور حضرت ابوہریرہؓ المتوفی ۵۷ھ ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ کے الفاظ ہیں

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقوم یصلی حتی ینتفخ قدماہ فیقال لہٗ یارسول اللہ اتفعل ھذا وقد غفر اللہ لک ما تقدم من ذنبک وما تاخر قال افلا اکون عبدًا شکورًا۔ شمائل ترمذی ص۲۲ بخاری ج۔ ۱ ص۱۵۲

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر نماز پڑھتے حتیٰ کہ آپؐ کے قدم ہائے مبارک پھُول جاتے۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ یارسولؐ اللہ آپ اتنی تکلیف اُٹھاتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کیا میں شکر گذار بندہ نہ بنوں۔

۱۵۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ جملہ "یارسول اللہ آپؐ کے تو اگلے پچھلے گناہ معاف ہو چکے"۔ حضرت عائشہؓ کا قول نہیں۔ بلکہ دیگر صحابہ

Marfat.com

کا قول ہے۔ یہ سوال اور حضورؐ کا جواب ابو ہریرہؓ کی اس حدیث سے چوری کیا گیا۔ یہ جملہ ایک اور وقت میں بھی صحابہ سے مروی ہے جس کے راوی حضرت انسؓ بن مالک المتوفی ۹۱ھ ہیں (روایت کے لیے دیکھیے ص ۴۱ سے ص ۴۲ تک)

۱۶۔ حضرت انس کی حدیث سے حضورؐ کی زبانی یہ بات بھی ثابت ہو رہی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام رات عبادت نہ فرماتے تھے اور اس کے ثبوت میں کتب احادیث میں لاتعداد احادیث موجود ہیں اور اسی پر تمام محدثین و فقہاء کا اجماع ہے اور حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے کہ حضورؐ صبح تک نماز پڑھتے رہے۔ اس طرح یہ روایت احادیث صحیحہ کی معارض ہوئی۔

۱۷۔ اس روایت میں نماز پڑھنے کا ذکر حضرت عائشہؓ ان الفاظ میں ارشاد فرماتی

فمازالت صلی اللہ علیہ وسلم قائما وقاعدا حتی اصبح۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح تک کھڑے ہوتے اور بیٹھتے رہے۔

جس سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس رات حضورؐ نے بکثرت نوافل ادا فرماتے۔ حالانکہ حضورؐ کثرت تعداد کو پسند نہ فرماتے تھے بلکہ طول قیام کو پسند فرماتے۔ اگر ہم ان احادیث کو یہاں پیش کریں تو کئی صفحات درکار ہوں گے، لیکن انہی حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث پڑھ لیجئے۔ فرماتی ہیں۔

لا یزید فی رمضان ولا فی غیر رمضان علی احدی عشرۃ رکعۃ، یصلی اربعا فلا تسال عن حسنھن وطولھن ثم یصلی اربعا فلا تسال عن حسنھن وطولھن ثم یصلی ثلاثا۔ بخاری ج ۱ ص ۱۵۴

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان ہو یا غیر رمضان۔ گیارہ

Marfat.com

رکعات سے زیادہ ادا نہ فرماتے تھے۔ چار رکعت پڑھتے تو اُن کی خوبصورتی اور طوالت نہ پوچھ۔ پھر چار رکعت پڑھتے تو اُن کی خوبصورتی اور طوالت نہ پوچھ۔ پھر تین رکعت پڑھتے۔

۱۸۔ اِس روایت میں حضرت عائشہؓ کے یہ الفاظ خاص طور پہ قابلِ غور ہیں۔

وقد اصعدت قدماہ وانا اغمزھما

اور آپؐ کے قدم چڑھ گئے اور میں انھیں چوکے مار رہی تھی۔

ہم لفظ اِصعَدتُ کا مطلب سمجھنے سے قاصر ہیں۔ کیونکہ یہ لفظ صعود سے مشتق ہے جس کے معنی بلندی پر چڑھنے کے آتے ہیں۔ اگر راوی کی اِس سے مراد قدموں پہ وَرم آنا یا قدموں کا پھُولنا یا قدموں کا پھٹنا مراد ہے تو بالترتیب یہ الفاظ ہونے چاہئیں تھے۔ وقد ورمت قدماہ، یا نفخت قدماہ، قد انشقت قدماہ ان معانی میں اصعدت استعمال نہیں ہوتا، جس سے معلوم ہوا کہ روایت کا واضع کوئی عجمی ہے عرب نہیں۔

۱۹۔ کیا اس مبارک شب میں حضرت عائشہ کا یہی کام تھا کہ آپؐ کے چوکے مارتی رہیں اور اس طرح آپؐ کو نماز ختم کرنے پہ مجبور کرتی رہیں۔ اور خود دو رکعت بھی ادا نہ فرمائیں۔ کہیں عجمی یہ بات تو ثابت کرنا نہیں چاہتے کہ حضرت عائشہؓ کا عبادت سے کوئی تعلق نہ تھا اور اس طرح شبِ برأت کے پردے میں ان پر تبرا تو نہیں کیا جا رہا ہے؟ مولوی صاحبان ذرا سوچ کر جواب دیں۔

۲۰۔ یہ لیلۃ النصف من شعبان یعنی نصف شعبان کی رات والی منطق بھی عجیب و غریب ہے۔ اگر چاند تیس کا ہو گا تو وہ پندرھویں شب ہو گی اور اگر انتیس کا ہوا تو آدھی رات تو چودھویں اور آدھی رات پندرھویں ہو گی۔ اس کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں۔ کیونکہ اِس سلسلہ میں جتنی روایات ہیں ان میں نہ چودہ کا لفظ ہے نہ پندرہ کا۔

برائت کے معنی کی تحقیق

۲۱۔ ان تمام روایات میں سے کسی روایت میں لیلۃ ابرات کا لفظ نہیں آیا تو اس رات کا لیلۃ ابرات نام کیسے ہوا؟ اور یہ نام رکھنے والا کون تھا؟ اس رات کی فضیلت میں جتنی روایات ہیں ان میں یہ نام کہیں مذکور نہیں۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ اس شب میں شیعوں کے بارھویں امام مہدی غائب عدم سے وجود میں زبردستی لائے گئے تھے وہیں سے اس کا تمام شب برات کہا۔ اور تبرا اسی برات سے مشتق ہے۔ برات کے معنی ہیں بیزاری۔ یعنی اظہارِ نفرت۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

بَرَاءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ۔ (توبہ)

حج اکبر کے روز اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے لوگوں کے لئے اعلانِ بیزاری ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول مشرکین سے بیزار ہیں۔ (سورۃ توبہ)

سورۃ توبہ کا دوسرا نام سورۃ براءت ہے۔ کیونکہ اس سورۃ میں کفار اور مشرکین سے براءت کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ اس کے وہ معنی مراد نہ لیں جو اردو زبان میں مراد لیے جاتے ہیں اور پھر علماء بتائیں کہ اس رات کس شئے سے بیزاری کا اظہار کیا جاتا ہے اور اس نام کی ابتدا کب سے ہوئی۔ کیا ایسی ایک حدیث بھی پیش کر سکتے ہیں جس میں یہ نام آیا ہو۔

Marfat.com

اِس آیت کے علاوہ قرآن میں جہاں جہاں بھی یہ لفظ یا اس کے دیگر صیغے استعمال کیے گئے ہیں۔ ان الفاظ نے سب جگہ بیزاری کے معنی دیئے ہیں مثلاً

اِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ ۝ ہود۔ ۵۴

میں تم لوگوں کے شرک سے بیزار ہوں۔

فَاِنْ عَصَوْکَ فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (الشعراء)

اگر یہ لوگ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ فرما دیجیے میں تمہارے اعمال سے بیزار ہوں۔

وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ یونس۔ ۴۱

اور میں تمہارے اعمال سے بیزار ہوں۔

وَقَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْکُمْ الانفال۔ ۴۸

بری کی جمع براء اور بریئون آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِن ہر دو جملوں کو بھی اِسی معنی میں استعمال فرمایا ہے۔ ارشاد ہے

اِنَّا بُرَآءُ مِنْکُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ۔ الممتحنہ

ہم تم سے بھی، اور ان چیزوں سے بھی جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو بیزار ہیں۔

اَنْتُمْ بَرِیْٓئُوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ۔

تم میرے عمل سے بیزار ہو، اور میں تمہارے اعمال سے بیزار ہوں۔ (یونس)

حضرت ابو موسیٰ اشعری کا حدیث میں مشہور واقعہ ہے کہ ان پر غشی طاری ہو گئی تو ان کی بیوی چیخنے لگی۔ جب وہ ہوش میں آئے تو انھوں نے ارشاد فرمایا۔

انی بریٔ ممن برئ منہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس منا من حلق ولا خرق ولا سلق۔ نسائی ج۔ ۱ ص ۱۹۰

Marfat.com

میں اس شخص سے بیزار ہوں، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیزار تھے۔ آپؐ نے فرمایا۔ وہ شخص ہم میں سے نہیں، جو گلا پھاڑے (ماتم کرے) یا کپڑے پھاڑے یا منہ پر چانٹے مارے۔
بخاری کے الفاظ ہیں۔

انا بریٔ ممن بریٔ منہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بریٔ من الصالقۃ والحالقۃ والشاقۃ۔ بخاری ج۔۱ ص۱۷۳
مسلم ج۔۱ ص۷۰، نسائی ج۔۱ ص۱۹۰، ابوداؤد ج۔۲ ص۹۲

میں اس شخص سے بیزار ہوں جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیزار تھے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منہ پر طمانچے مارنے والی، گلا پھاڑنے والی اور گریبان چاک کرنے والی سے بیزار تھے (یعنی ان پر تبرا بھیجتے تھے)

اسی لفظ براءت سے تبرا بنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۝ البقرہ

جن لوگوں کی اتباع کی جاتی ہے جب وہ اپنے متبعین سے بیزار ہو جائیں گے اور عذاب کو دیکھیں گے اور تمام اسباب منقطع ہو جائیں گے تو اتباع کرنے والے کہینگے اگر ہمارا دنیا میں دوبارہ جانا ہوا تو ہم ان سے ایسے ہی بیزار (تبرا کریں گے) ہو جائیں گے جیسے آج یہ ہم سے بیزار ہو گئے۔
ان آیات کریمہ اور حدیث رسولؐ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ برات اور

Marfat.com

تبرّاء ایک ہی معنی میں ہیں، اور تبرّا ء براءت سے مشتق ہے اور براءت کے معنی بیزاری کے ہیں۔ چونکہ اس رات میں شیعہ امام مہدی سے ان کے خروج کی درخواست کرتے اور تمام اہلِ سنّت اور صحابہ سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ اِس لئے اِس شب کا نام شبِ برائت ہے۔ بالفاظ دیگر شبِ تبراء معنوی لحاظ سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ حج سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ابوبکر صدّیق کو امیرِ حج بنا کر بھیجا ہے یعنی ۹ھ میں تو ابوبکر نے کچھ لوگوں کو اس کام پر مامور فرمایا کہ وہ لوگوں میں اِس امر کا اعلان کر دیں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی برہنہ طواف کرے۔ ابوہریرہ کا بیان ہے کہ ان اعلان کرنے والوں میں میں بھی داخل تھا۔ بعد میں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو روانہ فرمایا۔ اور ان کو حکم دیا کہ

ان یؤذن ببراءۃ

لوگوں میں بیزاری کا اعلان کر دیں۔

ابوہریرہؓ کا بیان ہے

فاذن معنا علی یوم النحر فی اھل منی ببراءۃ۔

بخاری ج-۲ ص۶۷۱

علی نے ہمارے ساتھ مِل کر قربانی والے دن منیٰ میں برارت کا اعلان کیا (یعنی بیزاری کا اور سورت براءۃ پڑھ کر سنائی)

اگرچہ اِس حدیث میں لفظ براءت سے سورۃ براءت مراد ہے لیکن سورت براءت میں بھی یہ لفظ بیزاری کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اور اسی لئے اس سورۃ کا نام سورۃ البراءت ہے اس لحاظ سے اِس حدیث میں بھی براءت سے مقصود بیزاری کا اعلان ہے۔

صحیح مسلم میں ایک مقام پر یہ باب باندھا گیا ہے۔
باب موالاۃ المؤمنین ومقاطعۃ غیرھم والبراءۃ منھم۔ مسلم ج-۱ ص ۱۱۵
مؤمنین سے دوستی کرنا اور غیر مؤمنین سے مقاطعہ کرنا اور ان پر تبرا بھیجنا۔

امام نووی رحمۃ اللہ لفظ بری کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔
قال القاضی عیاض قولہ انا بری اے من فعلھن او مایستوجبن من العقوبۃ او من عھدۃ مالزمنی من بیانۃ واصل البرأۃ الانفصال ھذا کلام القاضی وھو البراءۃ من فعل ھذہ الامور۔ مسلم ج-۱ ص ۷۰
قاضی عیاض فرماتے ہیں۔ میں ان سے بیزار ہوں۔ یعنی ان کے فعل اور اس سزا سے جو اس بدعملی کے صلہ میں انھیں ملے گی یا اس امر سے جو ان کے بیان سے ثابت ہوتا ہے اور برارت کے معنی جدائی اختیار کرنے کے ہیں۔ یعنی میں ان امور سے جدائی اختیار کرتا ہوں۔

امام ابو عبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی اپنی تفسیر الجامع الاحکام القرآن میں جو تفسیر قرطبی کے نام سے مشہور ہے فرماتے ہیں۔
والتبرء الانفصال۔ تفسیر قرطبی ج-۱ ص ۵۸۶
تبرر کے معنی جدائی اختیار کرنے کے ہیں۔

جلد چہارم میں لفظ برارت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
تقول برئت من الشیٔ ابراء براءۃ فانا منہ بریٔ اذا ازلتہ عن نفسک وقطعت سبب مابینک وبینہ۔ ج-۴ ص ۲۹۰۲

Marfat.com

جب تو یہ کہتا ہے کہ میں فلاں شے سے بُری ہوں۔ یہ اِس وقت کہا جاتا ہے جب کہ اس شے کی محبت دل سے نکال دی جائے اور جو قلبی تعلق ہو وہ ختم کر دیا جائے۔

ان توضیحات سے یہ اَمر بخوبی واضح ہو گیا کہ برارت کے معنی بیزاری اور تبرا کے ہیں، اور اسی معنی میں تبرّاء مستعمل ہے۔ کیونکہ لفظ تبرّاء براۃ سے مشتق ہے۔ اِسی لیے بخاری نے ایک مقام پر باب باندھا ہے۔

باب اثم من تبرأ من موالیہ بخاری ج ۲ ص ۹۹۹

اِس شخص کا گناہ جو اپنے مالکوں سے بیزار ہو۔

اِس بحث سے یہ ثابت ہوا کہ دَر اصل لیلۃ ابرارت کے معنی لیلۃ الابرار ہیں یعنی شبِ برارت نہیں بلکہ شب تبرّاء۔ کیونکہ اس شب میں مہدی غائب کو اسی لئے طلب کیا جاتا ہے کہ وہ باہر نکل کر "مومنین" یعنی رافضیوں کی اعانت کریں اور "منکرین" یعنی اہلِ سنت کا صفایا کریں تو اس سے بڑھ کر تبرّا کیا ہو گا اور لطف یہ ہے کہ "مومنین" یہ خدمت اپنی چالاکی سے منکرین سے لے رہے ہیں۔

ایک حدیث اور ملاحظہ فرمالیں۔

امام احمد نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من احتکر الطعام اربعین لیلۃ فقد برئ من اللہ و برئ اللہ منہ۔

جس نے چالیس دن تک کھانے کا سامان دَبا کر رکھا تاکہ قیمت بڑھ جائے تو وہ اللہ سے بیزار ہے اور اللہ اس سے بیزار ہے

ایسی صورت میں ہمارے علماء کا یہ دعویٰ کہ سورۂ دخان میں لیلۃ المبارکہ سے مراد لیلۃ ابرارت ہے اور پھر اس کے فضائل بیان کرنا موضوع، منکر اور مردود

Marfat.com

روایات کا نقل کرنا کیا حیثیت رکھتا ہے۔ ہم تو یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ یہ تمام علماء خواہ کسی طبقۂ فکر سے تعلق رکھتے ہوں، انھیں قرآن و حدیث، تاریخ، رجال، اور علم روایت و درایت کا قطعاً کچھ علم نہیں۔ انھیں صرف اپنی روٹیاں کمانے کا فن ضرور آتا ہے۔ ہم جب ان کے علم اور کردار پر غور کرتے ہیں تو ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ دراصل یہ عالم نہیں بلکہ قصہ گو ہیں اور ان کی مجالس کی رنگینی انھی قصوں پر موقوف ہے۔ ان قصہ گوؤں کا سلسلہ ابتدا سے چلا آرہا ہے۔ ان کے بزرگوں نے اپنی اپنی کتابوں میں ان کے لئے مواد بھی فراہم کر دیا ہے۔

اگر اصول روایت و درایت اور فن رجال کا بغور مطالعہ کیا جائے تو آپ کو صاف نظر آجائے گا کہ غزالی، ابو طالب مکی، ابو عبدالرحمٰن سلمی، عبدالوہاب شعرانی، عبدالقادر جیلانی، ابن جہضم اور حکیم ترمذی کی کتابوں میں کوئی روایت ایسی نہیں جو صحت کے ساتھ ثابت ہو اور اسے حدیث رسول تصور کیا جا سکے۔ یہ تمام کتابیں کذب علی الرسول سے معمور ہیں اور اسلام کو جتنا نقصان ان صوفیاء نے اپنی لاعلمی سے پہنچایا ہے اتنا نقصان زنادقہ اور روافض نے بھی نہیں پہنچایا۔

۲۲۔ اس رات کے آخری الفاظ بھی قابلِ غور ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

قلت یارسول اللہ ما احد یدخل الجنۃ الا برحمۃ اللہ قلت ولا انت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا انا الا ان یتغمدنی برحمۃ منہ۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کوئی شخص جنت میں اللہ کی رحمت کے بغیر داخل نہ ہوگا۔ میں نے عرض کیا اور آپ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ نہ میں۔ لیکن اگر اللہ مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لے۔

علماء اس عبارت پر غور فرمائیں اور سوچ کر بتائیں کہ یہ کہ جنت میں

اللہ کی رحمت کے بغیر کوئی داخل نہ ہوگا"۔ یہ حضورؐ کا فرمان ہے یا حضرت عائشہؓ کا قول ہے۔ ان الفاظ سے تو حضرت عائشہؓ کا قول ظاہر ہوتا ہے اور اس صورت میں یہ سوال مہمل ہوگا کہ یارسول اللہ نہ آپ ؟ دراصل یہ مضمون صحیح مسلم کی ایک روایت سے چوری کیا گیا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ چور بھی کچا چور ہے۔ اُسے نقب زنی کا فن بھی نہیں آتا۔ صحیح مسلم کے الفاظ ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

مامن احد یدخله عمله الجنة قیل ولا انت
یارسول الله قال ولا انا الا ان یتغمدنی ربی برحمة

مسلم ج۔۲ ص ۳۷۷

کوئی شخص ایسا نہیں ہے جسے اس کا عمل جنت میں داخل کردے کسی نے عرض کیا کہ نہ آپؐ یارسول اللہ؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ نہ میں۔ مگر یہ کہ میرا پروردگار مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لے۔

مثل مشہور ہے کہ کرے بیٹا پکڑا جائے باپ۔ وہی حال ان لوگوں کا ہے۔ کسی کا بھی واقعہ ہو، کہنے والا کوئی ہو سب حضرت عائشہؓ کی جانب منسوب کردیا گیا۔

۲۳۔ دعا کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرنا تو احادیث سے گاہ بگاہ ثابت ہے لیکن سر پر پھیرنا۔ اس کا کہیں وجود نہیں ملتا۔ کہیں اس راوی نے اردو کا محاورہ تو نہیں سن لیا تھا؟ پھر چہرے پر ایک ہاتھ نہیں پھیرا جاتا بلکہ دونوں پھیرے جاتے ہیں۔

۲۴۔ اس روایت میں ایک اور جملہ قابلِ غور ہے۔ وہ روایت کے یہ الفاظ ہیں۔

فالتمسته فوقعت یدی علی قدمیه
میں نے آپؐ کو تلاش کیا۔ آپؐ کے ہاتھ آپ کے قدموں پر

Marfat.com

بُلند ہو گئے۔

اِس میں لفظ یدیہ کی ضمیر کِس جانب راجع ہو گی۔ اگر حضورؐ کی جانب راجع کرو گے تو مقصد یہ ہو گا کہ میں نے حضورؐ کو تلاش کیا اور حضور کے ہاتھ سجدہ کے دَوران اپنے قدموں پر بلند ہو گئے تھے۔ یعنی آپؐ نے اپنے ہاتھ سجدہ گاہ سے ہٹا کر اپنے قدموں پر رکھ لیے تھے۔ حالانکہ حضرت عائشہ یہ بیان کرنا چاہ رہی ہیں کہ میں نے حضورؐ کو ہاتھوں سے تلاش کیا تو میرے ہاتھ حضورؐ کے قدموں پر بلند ہو گئے۔ اس کے لیے یدیہ کی جگہ یدی ہونا چاہیئے تھا۔ تب بھی یہ مفہوم اَدا نہ ہو گا۔ کیونکہ رفع کے معنی بُلند ہونے کے آتے ہیں۔ کہنا چاہیئے تھا۔

فَوَقَعَتْ يَدَيَّ

میرے ہاتھ جا پڑے۔

تب عربی دُرست ہوتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ روایت وضع کرنے والا عربی کے قواعد تک سے واقفیت نہیں رکھتا۔

جو علماء و صوفیاء ان روایات کو تسلیم کرتے ہیں ان کے ذمہ لازم ہے کہ اول تو وہ روایات کا اختلاف دُور کریں۔ پھر ان کی پُوری سند بیان کر کے ان کے رواۃ کی توثیق ثابت کریں۔ کیونکہ یہ تمام سندات واہی اور نہایت مخدوش ہیں اور ہرگز اِس قابل نہیں کہ ان کی صداقت کا وہم و گمان بھی کیا جا سکے۔ اِسی باعث صحیح بخاری المتوفی سنہ ۲۵۶ھ، صحیح مسلم المتوفی سنہ ۲۶۱ھ صحیح ابن خزیمہ المتوفی سنہ ۳۳۱ھ، صحیح ابن السکن، صحیح ابی عوانہ، المختارہ اللضیاء المقدسی، المنتقی لابن الجارود، مسند حمیدی المتوفی سنہ ۲۱۹ھ، سنن دارمی المتوفی سنہ ۲۵۵ھ، ابوداؤد المتوفی سنہ ۲۷۰ھ، نسائی المتوفی سنہ ۳۰۳ھ، مؤطا امام مالک سنہ ۱۷۹ھ اور اس دَور کی کسی کتاب میں ان روایات کا کوئی وجُود نہیں مِلتا۔ اِس کی کیا وجہ ہے کہ یہ روایات اُنہی کتابوں میں پائی جاتی ہیں جو علماء کے نزدیک قابل اعتبار نہیں اور جو تیسری صدی کے آخر یا اس کے بعد وجود میں آئی ہیں۔

کتب احادیث کے مختلف طبقات

آگے بڑھنے سے پہلے ہم یہ بتانا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ کتب احادیث کے کتنے درجات ہیں کون کونسی کتابیں قابلِ اعتبار اور کون سی ناقابل اعتبار ہیں۔ اِس لیے کہ عوام کو چونکہ ان اُمور کا علم نہیں وہ خالی حدیث کا لفظ سُن کر دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ بلکہ اَب تو موجودہ علماء بھی اِس معاملہ میں عوام سے کم نہیں۔

شاہ ولی اللہ دہلوی رح ۱۱۷۶ھ نے "حجۃ اللہ البالغہ" اور شاہ عبدالعزیز ۱۲۳۹ھ نے "عجالۂ نافعہ" میں کتب احادیث کو چار قسموں پر منقسم فرمایا ہے۔ قارئین اس کی تفصیل شاہ عبدالعزیز کی زبانی سُن لیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

دریں جا نقل عبارت حضرت والد ماجد قدس سرّہٗ نمائیم تا مراتب کتب احادیث بترتیب واضح گردد۔

ایشاں می فرمایند، باید دانست کہ کتب احادیث با اعتبار صحت و شہرت و قبول ہر چند طبقہ می شوند و مراد ما از صحت آنست کہ مصنف التزام کند ایراد احادیث صحیحہ یا حسنہ و غیر آں در آنجا وارد نہ کند مگر مقرون بہ بیان حال آں از ضعف و غرابت و علت و شذوذ، زیرا کہ ایراد ضعیف و غریب و معلول بہ بیان حال آں قدح نمی کند۔

"اِس جگہ میں حضرت والد ماجد قدس سرّہٗ کی عبارت نقل کرتا ہوں

تاکہ کتب احادیث کے مراتب اور ان کی ترتیب واضح ہو جائے۔
"والد ماجد فرماتے ہیں۔ جاننا چاہیئے کہ صحت وشہرت اور قبولیت کے لحاظ سے کتب احادیث کے چند طبقے ہیں صحت سے ہماری مراد یہ ہے کہ مصنف اس بات کا التزام کرے کہ وہ احادیث صحیحہ اور حسنہ ہی نقل کرے گا اور ان کے علاوہ ضعیف وغیرہ نہیں لائے گا اور اگر لائے گا تو ان کا حال بیان کرے گا۔ کہ وہ ضعیف ہے یا غریب، معلول ہے یا شاذ، کیوں کہ ضعیف غریب اور معلول لانے کے بعد ان پر جرح کرنے سے کتاب کی صحت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

ومراد ما از شہرت آنست کہ اہل حدیث طبقہ بعد طبقہ بآں کتاب مشغول شوند بہ طریق روایت و ضبط مشکل و تخریج احادیث آں "تا، ہیچ چیز از آں غیر مبین نہ نمایند۔

شہرت سے ہماری مراد یہ ہے کہ محدثین کا ایک گروہ ہر زمانے میں اس کتاب کو روایت کرنے، مشکل الفاظ کو ضبط کرنے اور اس کی احادیث کی سندات پیش کرنے میں مشغول رہا ہو۔ حتیٰ کہ کتاب کی کوئی شے غیر واضح باقی نہ رہی ہو۔

ومراد از قبول آنست کہ نقاد حدیث آں کتاب را اثبات کنند وحکم صاحب کتاب را در بیان حال احادیث آں کتاب تصویب وتقریب نمایند وفقہاء بآں حدیث تمسک نمایند بے اختلاف وبے انکار۔

قبولیت سے ہماری مراد یہ ہے کہ ناقدین حدیث نے اس کتاب کو تسلیم کیا ہو اور اس پر اعتراضات نہ کیے ہوں اور مصنف نے اپنی کتاب میں حدیث کا جو حال بیان کیا ہو وہ

Marfat.com

ناقدین نے اسے درست قرار دیا ہو اور فقہاء نے بلا اختلاف
انکار ان احادیث سے مسائل اخذ کئے ہوں۔"

"پس صحیح ابن حبان المتوفی ۳۵۴ھ التزام صحت دارد۔ لیکن شہرت ندارد و مستدرک حاکم مثلاً التزام صحت بزعم خود دارد و شہرت ہم دارد و لکن قبول ندارد۔ زیرا کہ ذہبی و دیگر نقاد حاکم او را بہ صحت مسلم نہ داشتہ اند۔"

پس صحیح ابن حبان میں صحت کا التزام ہے لیکن شہرت حاصل نہیں اور حاکم نے "مستدرک" میں اپنے گمان کے مطابق صحت کا اہتمام کیا اور اسے شہرت بھی حاصل ہوئی۔ لیکن ناقدین نے اسے قبول نہیں کیا، کیونکہ ذہبی اور دیگر ناقدین حاکم کے دعوائے صحت کو قبول نہیں کرتے۔

پس طبقۂ اولیٰ از کتب احادیث سہ کتاب اند، مؤطا، صحیح بخاری، صحیح مسلم و قاضی عیاض کتاب مشارق الانوار برائے شرح این ہر سہ کتاب مخصوص نوشتہ و این مشارق الانوار غیر مشارق الانوار صغانی است کہ احادیث صحیحین دراں بحذف اسناد و قصور جمع نمودہ۔

پہلے طبقہ میں کتب حدیث کی صرف تین کتابیں ہیں۔ مؤطا، صحیح بخاری، صحیح مسلم، قاضی عیاض المتوفی ۵۴۴ھ نے "مشارق الانوار" میں انھی تین کتابوں کی شرح کی ہے۔ یہ مشارق الانوار صغانی کی "مشارق الانوار" نہیں کہ جس میں صغانی نے بخاری و مسلم کی احادیث کو سندات چھوڑ کر اور کچھ احادیث کم کر کے (عملی احادیث) جمع کر دیا ہے (اور وہ بھی فقہی ترتیب پر نہیں)

بالجملہ برائے ضبط و شرح این ہر سہ کتاب مشارق الانوار قاضی

عیاض کافی و شافی است، و نسبت درین ہر سہ کتاب آنست
کہ مؤطا گویا اصل و ام صحیحین است و در کمال شہرت رسیدہ،
ہزار کس و علماء عصر امام مالک، مؤطا را روایت کردہ اند مثل
شافعی و امام محمد و یحییٰ بن یحییٰ مصمودی و یحییٰ بن یحییٰ تمیمی و یحییٰ
بن بکیر و ابو مصعب و قعنبی و عدالت و ضبط رجال این کتاب
مجمع علیہ است، و در مدینہ و مکہ و عراق و شام و یمن و مصر و مغرب
مشہور شدہ و بنا، فقہاء امصار آنست و در زمان امام مالک و
بعد از زمان ایشاں نیز علماء در تخریج بر مؤطا و ذکر متابعات
و شواہد احادیث آں سعی بلیغ نمودند و در شرح غریب و ضبط
مشکلات و بیان فقہ و سائر وجوہ بیاں آنقدر اہتمام نمودہ اند
کہ زیادہ بر آں متصور نیست۔

ان تینوں کتابوں کی ضبط و شرح کے لئے قاضی عیاض کی "مشارق
الانوار" کافی ہے۔ ان تینوں کتابوں میں باہم نسبت یہ ہے
کہ "مؤطا" صحیحین کی اصل و بنیاد ہے اور مؤطا کو شہرت میں بھی
درجۂ کمال حاصل ہے۔ اس دور کے ایک ہزار علماء نے امام
مالک سے "مؤطا" کو روایت کیا ہے۔ مثلاً امام شافعی، امام
محمد، یحییٰ بن یحییٰ مصمودی، یحییٰ بن یحییٰ تمیمی، یحییٰ بن بکیر، ابو
مصعب اور قعنبی اور اس کتاب کے رواۃ عدالت و ضبط
میں متفق علیہ ہیں۔ اس کتاب نے مدینہ، مکہ، عراق، شام،
یمن، مصر اور افریقہ میں شہرت حاصل کی اور ان شہروں کے
فقہاء نے اس کتاب پر مسائل کی بنیاد رکھی۔ امام مالک اور
ان کے بعد کے دور میں علماء اس کتاب کی روایات کی دیگر
سندات اور شواہد پیش کرتے ہیں اور اس میں انھوں نے

[illegible]

صحیح بخاری اور صحیح مسلم اگرچہ درست اور کثرت احادیث کے لحاظ سے متون سے زیادہ گہرائی رکھتی ہیں، لیکن احادیث کی روایت کا طریقہ، رجال کی معرفت اور مسائل کی استنباط کا شرف انھوں نے متون ہی سے سیکھا ہے۔

و منشائے ایں ہر دو کتاب نیز مخدوم و مطالعِ ائمہ و صحیح علمائے اسلام اند فرقہ مستخرجات بر کتبے اینہا نوشتہ اند مثل اسماعیلی و ابو عوانہ و طائفہ متقدمی شرح غریب و ضبط مشکل و بیان فقہ و احوال رواۃ آنہا شدہ اند و در شہرت و ترقی بالقبول بدرجۂ علیا رسیدہ اند۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ دونوں کتابیں مخرج اور علمائے اسلام کے تمام طبقوں میں مخدوم کی حیثیت رکھتی ہیں۔ علماء نے ان کی روایات کی دیگر سندات تحریر کیں۔ جیسے اسمٰعیلی اور ابو عوانہ نے ایک جماعت نے ان کے غریب اور مشکل الفاظ کی تبیان بین کی ہے۔ ان کے فقہ اور ان کی کتابوں کے رواۃ کے حالات تحریر کئے اور یہ شہرت، و قبولیت کے اعلےٰ درجہ پر پہنچیں۔

Marfat.com

صاحب جامع الاصول از فربری نقل کردہ است کہ صحیح بخاری
بلا واسطہ نود ہزار کس سماعت دارند۔

"جامع الاصول" کے مصنف ابن اثیر المتوفی ۶۳۰ھ نے فربری
المتوفی ۳۲۰ھ سے نقل کیا ہے کہ صحیح بخاری کو امام بخاری سے
بلا واسطہ نوے ہزار انسانوں نے سنا (یعنی پڑھا)

خلاصہ کلام احادیث این ہر سہ کتاب اصح الاحادیث اند اگرچہ
بعضے احادیث آں این ہر سہ کتاب صحیح تر از بعض باشند و اگر بہ
نظر تفحص دیدہ شود احادیث مؤطا غالباً در آں صحیح بخاری موجود
اند پس صحیح بخاری مشتمل است بر مؤطا با اعتبار احادیث
مرفوعہ آں سے آثار صحابہ و تابعین در مؤطا زیادہ است پس
این ہر سہ کتاب را در طبقۂ اولیٰ باید داشت۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ تینوں کتابیں اصح الاحادیث ہیں۔ اگرچہ
ان تینوں کتابوں کی بعض احادیث دیگر احادیث کے مقابلہ میں
زیادہ تر صحیح ہیں اور اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو مؤطا کی اکثر
احادیث "صحیح بخاری" میں موجود ہیں۔ پس احادیث کے لحاظ سے
"بخاری" "مؤطا" کی احادیث مرفوعہ پر مشتمل ہے۔ ہاں صحابہ و تابعین
کے اقوال مؤطا میں زیادہ ہیں۔ ان تینوں کتابوں کو پہلے طبقہ میں سمجھنا
چاہیے۔

طبقۂ ثانیہ۔ احادیثے کہ دریں ہر سہ صفت بدرجۂ احادیث صحیحین نرسیدہ
اند لیکن قریب بصحیحین اند۔ دریں صفات دآں احادیث جامع
ترمذی و سنن ابی داؤد و سنن نسائی است کہ مصنفان این کتب
مشہور و معروف اند بوثوق و عدالت و حفظ و ضبط و تبحر در فنون
حدیث و دریں کتابہا تساہل و تسامح را راہ نہ شدہ اند و حال حدیث

علت آں را بقدر امکاں بیاں نمودہ اند ولہذا فیما بین علماء شہرت یافتہ اند پس ایں شش کتاب را صحاح ستہ نامند و ابن الاثیر در جامع الاصول احادیث ایں شش کتاب را جمع نمودہ و شرح غریب و ضبط مشکلات و اسماے رجال و دیگر متعلقات آنہا را بیان کردہ۔ پس کتاب جامع الاصول گویا شرح ایں شش کتاب است چنانچہ مشارق الانوار شرح آں سہ کتاب است و صاحب جامع الاصول ابن ماجہ را در صحاح عد نہ کردہ بلکہ مؤطا را ششم قرار دادہ و الحق معہ۔

دوسرے طبقہ میں وہ کتب احادیث ہیں جو ان تینوں صفات (صحت، شہرت، قبولیت) میں صحیحین کے رتبہ کو نہیں پہنچیں۔ لیکن صحیحین کے قریب قریب ہیں۔ ان صفات کے لحاظ سے صحیحین کے بعد جامع ترمذی، سنن ابی داؤد اور سنن نسائی ہیں کہ ان تینوں کتابوں کے مصنف وثوق، عدالت، حفظ حدیث، ضبط الفاظ اور فنون حدیث میں ماہر ہیں اور اپنی کتابوں میں کسی قسم کے تسامح اور تساہل کے لیے تیار نہیں ہیں اور ان لوگوں نے حدیث کا حال اور اس کی کمزوری بقدر امکان بیان کر دی ہے اسی لیے ان تینوں کتابوں نے علماء کے درمیان شہرت حاصل کی ہے انھی چھ کتابوں کو صحاح ستہ کہتے ہیں ابن الاثیر نے جامع الاصول میں انھی چھ کتابوں کی احادیث کو جمع کیا ہے انکی غریب روایات کی شرح کو، مشکل الفاظ کی تحقیق اور ان کے رواۃ کے حالات اور دیگر متعلقات پر بحث کی ہے۔ گویا جامع الاصول ان چھ کتابوں کی شرح ہے جیسا کہ مشارق الانوار پہلی تین کتابوں کی شرح ہے جامع الاصول کے مصنف یعنی ابن اثیر المتوفی ۶۳۰ھ نے ابن ماجہ کو

صحاح میں شمار نہیں کیا۔ بلکہ انھوں نے مؤطا کو چھٹی کتاب قرار دیا اور حق بھی ان کے ساتھ ہے۔

"لیکن حضرت والد قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ مسند امام احمد نزد فقیر ازیں طبقہ ثانیہ است و وے اصل است در معرفت صحیح از سقیم۔ و بوے شناختہ می شود حدیثے کہ آنرا اصل ہست از آنچہ اورا اصل نیست مگر آنکہ در مسند امام احمد احادیث ضعاف بسیار ند کہ حال آنرا بیان نہ کردہ۔

لیکن حضرت والد قدس سرہ فرماتے ہیں کہ مسند احمد بھی فقیر کے نزدیک اسی دوسرے طبقہ میں داخل ہے اور وہ صحیح و ضعیف کی معرفت میں اصل کا کام دیتی ہے۔ اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کی کوئی نہ کوئی اصل ہے یا نہیں۔ مگر مسند احمد میں ضعیف احادیث بہت ہیں کہ جن کا حال مصنف نے بیان نہیں کیا ہے۔ (اس لحاظ سے تو متقدمین کی اور کتابوں کو بھی دوسرے درجہ میں داخل کرنا چاہیئے۔ اور طحاوی کو تو یقینی طور پر کہ انھوں نے روایت کا حال بھی بہت سی جگہ بیان کیا ہے۔ ایک کو اپنی رائے سے قبول کرنا اور دوسری کو ترک کرنا یہ سراسر انصافی ہے)۔

اما ں ضعیفے کہ دروست از آں احادیث کہ متاخرین تصحیح آنہا می کنند بہتر می نماید و علمائے حدیث و فقہ آنرا پیشوائے خود ساختہ اند و بحقیقت رکن اعظم است در فن حدیث و ہمچنین سنن ابن ماجہ را نیز دریں طبقہ می تواں شمرد ہر چند بعضے احادیث آں در غایت ضعف اند۔ عجالۂ نافعہ۔ ص ۴۷،۳

اِن تینوں کتابوں میں جتنی احادیث ہیں وہ ان احادیث سے

Marfat.com

بہتر ہیں کہ جن کی متاخرین نے تصحیح کی ہے اور علمار حدیث وفقہ نے ان کتابوں کو پیشوا مانا ہے اور درحقیقت وہ فن حدیث میں رُکن اعظم کا درجہ رکھتی ہیں۔ اسی طرح سنن ابن ماجہ کو بھی اسی طبقہ میں شمار کرنا چاہیئے۔ اگرچہ اس کی بعض (بہت سی) احادیث بے بنیاد ضعیف ہیں۔

یہ دو درجات وہ ہیں جو علمار کے نزدیک مقبول ہیں۔ اگرچہ ان میں سے دوسرے طبقے کی کتابوں میں بعض ضعیف احادیث پائی جاتی ہیں۔ مثلاً ابوداؤد ترمذی اور نسائی میں لیکن ان محدثین کرام نے عام طور پر ان کا ضعف بیان کر دیا ہے۔ ابن ماجہ اور دیگر محدثین کی طرح خاموشی اختیار نہیں کی۔ ان میں سے نسائی کا مقام ترمذی اور ابوداؤد سے بڑھ کر ہے۔

شاہ صاحب کی تقریر سے یہ بات بھی واضح ہو چکی کہ ابن ماجہ، ابن الاثیر اور شاہ صاحب کے نزدیک صحاح ستہ میں داخل نہیں اور نہ اس میں وہ صفات پائی جاتی ہیں۔ جو ترمذی، نسائی اور ابوداؤد میں موجود ہیں۔

وطبقہ ثالثہ احادیثے کہ جماعۂ از علمائے متقدمین بر زبان بخاری ومسلم یا معاصرین آنہا یا لاحقین باآنہا در تصانیف خود روایت کردہ اند و التزام صحت ننمودہ، وکتب آنہا در شہرت وقبول در مرتبۂ اولی وثانیہ نرسیدہ۔ ہر چند مصنفین آں کتب موصوف بودند بہ تبحر در علوم حدیث، ووثوق وعدالت وضبط احادیث صحیح وحسن وضعیف، بلکہ متہم بالوضع نیز دراں کتب یافتہ می شود، ورجال آں کتب بعضے موصوف بعدالت اند، و بعضے مستور و بعضے مجہول واکثر آں احادیث معمول بہ نزد فقہار نہ شدہ اند۔ بلکہ اجماع بر خلاف آنہا منعقد گشتہ۔

تیسرے طبقہ میں وہ کتب احادیث ہیں کہ جنہیں علمار متقدمین

Marfat.com

نے بخاری و مسلم کے دور میں یا ان کے قریبی دور میں تصنیف کیا ہو اور اپنی کتابوں میں صحت کا التزام نہ کیا ہو اور ان کی کتابیں شہرت و قبولیت میں درجہ اولیٰ یا درجہ ثانیہ کو نہ پہنچی ہوں۔ اگرچہ ان کے مصنفین تبحر علمی، وثوق و عدالت، ضبط احادیث میں مشہور رہیں۔ لیکن ان کی کتابوں میں صحیح و حسن، ضعیف بلکہ موضوع اور متہم روایات پائی جاتی ہوں۔ ان کتابوں کے بعض رواۃ عدالت کے ساتھ متصف ہیں۔ بعض مستور اور بعض مجہول ہیں اور ان کتابوں کی اکثر احادیث فقہاء کے نزدیک معمول بہا نہ رہی ہوں۔ بلکہ ان کے خلاف اجماع منعقد ہو گیا ہے۔

و دریں کتب ہم تفاضل و تفاوت ہست بعضہا اقوی من بعض اسامی ایں کتب این است۔

ان کتابوں میں بھی فرق ہے اور ایک کو دوسرے پر فضیلت حاصل ہے۔ ان کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

مسند شافعی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی، مسند ابی یعلی موصلی مصنف عبدالرزاق، مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ، مسند عبد بن حمید، مسند ابی داؤد طیالسی، سنن دار قطنی، صحیح ابن حبان۔ مستدرک حاکم، کتب بیہقی، کتب طحاوی، تصانیف طبرانی۔ عجالہ ص۵

مسند شافعی المتوفی سنہ ۲۰۴ھ، سنن ابن ماجہ المتوفی سنہ ۲۷۳ھ، مسند دارمی المتوفی سنہ ۲۵۵ھ، مسند ابی یعلی موصلی المتوفی سنہ ۳۰۷ھ مصنف عبدالرزاق المتوفی سنہ ۲۱۱ھ، مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ المتوفی سنہ ۲۳۵ھ مسند عبد بن حمید المتوفی سنہ ۲۴۹ھ، مسند ابی داؤد طیالسی المتوفی سنہ ۲۰۴ھ سنن دار قطنی المتوفی سنہ ۳۸۰ھ، صحیح ابن حبان المتوفی سنہ ۳۵۴ھ مستدرک للحاکم المتوفی سنہ ۴۰۵ھ، بیہقی المتوفی سنہ ۴۵۸ھ طحاوی المتوفی

Marfat.com

وقالوا ابن خزیمۃ وابن حبان امکن واقوی
من الحاکم واحسن وفی الاسانید والمتون و
مثل المختارۃ للحافظ ضیاء الدین المقدسی وھو
ایضاً خرج صحاحا لیست فی الصحیحین وقالوا کتابہ
احسن من المستدرک ومثل صحیح ابی عوانۃ
وابن السکن والمنتقی لابن الجارود وھذہ الکتب
کلھا مختصۃ بالصحاح ولکن جماعۃ انتقدوا علیھا
تعصبا او انصافا وفوق کل ذی علم علیم۔ متقدمہ مشکوٰۃ ص ۷

دیگر ائمہ نے بھی صحاح تصنیف کی ہیں۔ مثلاً امام ابن خزیمۃ
المتوفی ۳۱۱ھ کی "صحیح" جنہیں امام الائمہ کہا جاتا ہے اور
یہ ابن حبان کے استاد ہیں اور ابن حبان ان کے بارے
میں فرماتے ہیں۔ میں نے الفاظ صحیحہ کی یادداشت اور
حسن الفاظ کی ادائیگی میں ابن خزیمہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں
دیکھا۔ گویا تمام سنن اور تمام احادیث ان کی نگاہوں
کے سامنے نصب کر دی گئی ہیں اور جیسے ابن حبان
المتوفی ۳۵۴ھ کی "صحیح" جو ابن خزیمہ کے شاگرد ہیں۔ ثقہ ہیں
ثبت ہیں۔ فاضل ہیں امام ہیں اور فہم حدیث میں مہارت
رکھتے ہیں۔ حاکم کہتے ہیں کہ ابن حبان علم، لغت، حدیث
اور وعظ و حدیث کا ایک بیش بہا برتن تھے اور بڑے بڑے
عقلاء میں ان کا شمار ہوتا تھا اور جیسا کہ حاکم المتوفی ۴۰۵ھ
کی صحیح جس کا نام مستدرک ہے لیکن انھوں نے اپنی کتاب
میں بہت تساہل سے کام لیا ہے اور ناقدین حدیث نے
ان کی پکڑ کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ابن خزیمہ اور ابن حبان

Marfat.com

حاکم سے زیادہ محتاط زیادہ قوی اور سندات اور الفاظ حدیث لانے میں ان سے بہتر ہیں اور جیسے حافظ ضیاء الدین المقدسی کی "المختارہ" انھوں نے اپنی کتاب میں وہ صحیح احادیث جمع فرمائی ہیں جو صحیحین میں نہیں پائی جاتیں۔ ناقدین کہتے ہیں کہ ان کی کتاب مستدرک سے بہتر ہے۔ اور جیسے ابو عوانہ کی "صحیح" اور ابن السکن المتوفی ۳۵۳ھ کی "صحیح" اور "ابن جارود کی "المنتقی" یہ تمام کتابیں صحیح احادیث کے ساتھ منسوب ہیں۔ لیکن ایک جماعت نے ان پر تنقید کی ہے۔ کچھ نے تعصب کے باعث تنقید کی اور کچھ نے انصاف سے کام لیا۔ اور ہر صاحب علم سے بڑھ کر دوسرا صاحب علم موجود ہے۔

شاہ صاحب چوتھے طبقے کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وطبقۂ رابعۃ۔ احادیثے کہ نام ونشاں آنہا در قرون سابقہ معلوم نبود و متاخراں را روایت کردہ اند۔ پس حال آنہا از دو شق خالی نیست یا سلف تفحص کردند و آنہا را اصل نیافتند تا مشغول بروایت آنہا می شدند یا یافتند و دراں قدحے وعلتے دیدکہ باعث شد ہمہ آنہا را بر ترک روایت آنہا۔

وعلی کل تقدیر ایں احادیث قابلِ اعتماد نیستند کہ در اثبات عقیدہ یا عملے بآنہا تمسک کردہ شود ولنعم ما قال لبعض الشیوخ فی امثال ہذا۔

فان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ
وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم

چوتھے طبقہ میں وہ احادیث ہیں کہ ابتدائی ادوار میں ان کا نام و

Marfat.com

نشان تک موجود نہ تھا۔ لیکن متاخرین نے انھیں روایت کیا۔ یہ تمام احادیث دو صورتوں سے خالی نہیں یا تو اسلاف نے ان کی چھان بین کی اور ان کی کوئی اصل نہیں پائی جو انھیں روایت نہیں کرتے یا ان کی اصل تو ملی لیکن اس میں کمزوری اور خرابی پائی جس کے باعث اِن احادیث کی روایت ترک کی۔

ہر دو صورت میں یہ احادیث قابلِ اعتماد نہیں ہیں۔ کجا کہ ان سے عقیدہ ثابت کرنا یا ان سے عمل ثابت کرنا۔ بعض اساتذہ نے ان احادیث کے بارے میں کیا خوب کہا ہے ؎

اگر تو ان احادیث کو نہیں جانتا تو یہ بھی مصیبت ہے (یعنی گمراہی میں مُبتلا ہو گا) اور اگر تو جانتا ہے تو یہ تو بہت بڑی مصیبت ہے (کہاں تک رَدّ کرے گا)

"وایں قسم احادیث راہ بسیارے از محدثین زدہ است وبجہت کثرت طرق ایں احادیث کہ دریں قسم کتب موجودہ اند مغرور شدہ، حکم بر تواتر آنہا نمودہ، ودر مقام قطع ویقین بداں تمسک جستہ، بر خلاف احادیث طبقات اولی وثانیہ و ثالثہ مذہبے برآوردہ اند ودریں قسم احادیث کتب بسیار مصنف شدہ اند، برخے را بہ شمار یم۔

کتاب الضعفاء لابن حبان وتصانیف الحاکم کتاب الضعفاء للعقیلی، کتاب الکامل لابن عدی

اِس قسم کی احادیث نے متاخرین محدثین کے یہاں بہت جگہ حاصل کی اور اس قسم کی موجودہ کتابوں میں اس قسم کی احادیث

Marfat.com

کی کثرت دیکھ کر علماء دھوکہ میں مبتلا ہو گئے اور ان پر تواتر کا حکم جاری کر دیا اور قطعیت و یقین کے مقام پر بھی اِن احادیث کو دلیل میں پیش کرنے لگے اور پہلے، دوسرے اور تیسرے درجہ کی احادیث کے برعکس ایک نیا مذہب پیدا کر لیا۔ اِس قسم کی کتب احادیث بکثرت ہیں۔ جن میں سے ہم بعض کے نام بیان کرتے ہیں۔

ابن حبان المتوفی ۳۵۴ھ کی "کتاب الضعفاء" حاکم المتوفی ۴۰۵ھ کی تصانیف، عقیلی کی "کتاب الضعفاء" اور ابن عدی المتوفی ۳۶۵ھ کی "کامل"۔

اِس مقام پر مجھے شاہ صاحب سے اختلاف ہے۔ اِس لئے کہ "کتاب الضعفاء" لابن حبان، "کتاب الضعفاء للعقیلی اور "کامل" لابن عدی حدیث کی کتابیں نہیں ہیں۔ بلکہ یہ رجال کی کتابیں ہیں۔ ان کے مصنفین نے تمام ضعیف اور مجروح رواۃ کو اپنی اپنی کتابوں میں جمع کیا ہے۔ اور ہر راوی پر جرح کرنے کے بعد اس کی چند روایات بھی نقل کی ہیں۔ تاکہ یہ علم ہو جائے کہ اس کی کون کون سی روایات مجروح ہیں کیونکہ جب راوی مجروح ہوگا تو ظاہر ہے کہ اس کی روایت بھی مجروح ہوگی۔ اِس طرز پر اور بھی کتابیں ہیں۔ مثلاً "کتاب العلل" لابن ابی حاتم المتوفی ۳۲۲ھ "کتاب الضعفاء" للنسائی "کتاب الوہم والایہام" لابن القطان اور "امام ذہبی کی "میزان الاعتدال" کا بھی یہی رنگ ہے۔ یعنی ان حضرات کا مقصود اِس روایت پر جرح کرنا ہوتا ہے۔ جو علماء ان کتابوں سے یہ روایات نقل کر کے اس کا حوالہ دیتے ہیں وہ علمی خیانت کے مرتکب ہیں۔ کیونکہ انھیں ساتھ میں یہ بھی بتانا چاہیئے تھا کہ ان مصنفین نے اس کے کس راوی پر جرح کی ہے اور بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک

روایت کے متعدد رواۃ مجروح ہوتے ہیں۔ لیکن اِن سب پر اس جگہ جرح نہیں کی جاتی۔ بلکہ اس مقام پر کی جاتی ہے جہاں اِس راوی کا نام آتا ہے۔ کیونکہ ان کتابوں میں رواۃ کا ذکر حروف تہجی کے لحاظ سے کیا جاتا ہے، یعنی پہلے وہ نام ذکر کئے جائیں گے جو الف سے شروع ہوتے ہیں۔ اس کے بعد جو ب سے شروع ہوتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اِس سے یہ سمجھنا کہ یہ حضرات اپنی کتابوں میں ضعیف روایات نقل کرتے ہیں ایک جہالت ہے۔ غالباً شاہ صاحب کا کبھی اسماء الرجال کی قدیم کتابوں سے واسطہ پیش نہیں آیا۔ ورنہ ایسی بات نہ فرماتے۔

آگے شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

تصانیف ابن مردویہ، تصانیف خطیب، تصانیف ابن شاہین، تفسیر ابنِ جریر، فردوس دیلمی بلکہ سائر تصانیف ابی نعیم، تصانیف جوزقانی۔ تصانیف ابن عساکر، تصانیف ابو الشیخ، تصانیف ابن بجار (تصانیف محب طبری بھی اسی طبقہ میں داخل ہیں) و بیشتر مساہلہ در وضع احادیث در باب مناقب و مثالب و در تفسیر و بیان اسباب نزول و در باب تاریخ و ذکر احوال بنی اسرائیل و قصص انبیائے سالفین و ذکر بلدان و اطعمہ و اشربہ و حیوانات واقع شدہ و در رطب و یابس و عزائم و عوات و ثواب نوافل ایں حادثہ رو دادہ۔

"ابن مردویہ کی تصانیف، خطیب المتوفی ۴۶۳ھ کی تصانیف، ابن شاہین کی تصانیف، ابن جریر المتوفی ۳۱۰ھ کی تفسیر دیلمی کی فردوس بلکہ اس کی تمام تصانیف، ابونعیم المتوفی ۴۳۰ھ کی حلیۃ الاولیاء

Marfat.com

جوزقانی کی تصانیف، ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ کی تصانیف ابوالشیخ کی تصانیف، ابن بخار کی تصانیف، ان لوگوں نے اکثر تساہل سے کام لیا۔ اور ان کی کتابوں میں مناقب، تفسیر، اسباب نزول، تاریخ، بنی اسرائیل کے حالات، انبیائے کرام کے واقعات، مختلف شہروں کا ذکر، کھانے اور پینے کی اشیاء کا ذکر اور مختلف حیوانات کے بارے میں موضوع روایات سے بھر گئیں، طب نبوی، جھاڑ پھونک، عزیمتیں اور مختلف اسماء کی دعوت اور مختلف نمازوں کے ثواب کے بارے میں موضوع احادیث نے ان کتابوں میں جگہ پائی۔

ابن الجوزی در موضوعات خود غالب ایں احادیث مجروح و مطعون ساختہ، دلائل و وضع آنہا را مبرہن ساختہ کتاب تنزیہہ الشریعۃ در رفع غائلہ ایں احادیث کافی است و اکثر مسائل نادرہ مثل اسلام البوین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در روایات مسح الرجلین از ابن عباس وامثال ایں نوادر از ہمیں کتب می برآید و مایۂ تصانیف شیخ جلال الدین سیوطی در رسائل و نوادر خود ہمیں کتابہا است، واشتغال باحادیث ایں کتب و استنباط احکام از آنہا لاطائل می نمایند و مع ہذا اگر کسے را رغبت تحقیق ایں می باشد میزان الضعفاء ذہبی ولسان المیزان ابن حجر عسقلانی برائے احوال رجال ایں کتب بکارش می آید۔

ابن جوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے اپنی "موضوعات" میں اکثر احادیث کو مجروح اور مطعون قرار دیا اور ان کے موضوع

Marfat.com

ہونے کے دلائل وضاحت کے ساتھ بیان کیے "تنزیہ الشریعہ" نامی کتاب ان احادیث پر سے پردہ اُٹھانے کے لئے کافی ہے۔ اکثر نادر مسائل مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا اِسلام لانا اور ابن عباس (المتوفی ۶۳ھ) سے پاؤں پر مسح کرنے کی روایتیں (جو شیعوں کا مذہب ہے) انھی کتابوں سے ظاہر ہوتی ہیں۔ شیخ جلال الدین سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ کی تمام تصانیف و رسائل کا دارو مدار یہی کتابیں ہیں وہ ان کتابوں کی احادیث پیش کرنے اور ان سے مسائل اخذ کرنے کی لاحاصل کوشش کرتے ہیں۔ اِس کے ساتھ ساتھ اگر کسی کو تحقیق کا شوق ہو تو ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ کی "میزان الضعفاء" (میزان الأعتدال) اور ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ کی "لسان المیزان" ان کتابوں کے راویوں کا حال معلوم کرنے کے لیے کام آسکتی ہیں۔ (ہم نے میزان الاعتدال سے اِس کتاب میں بہت کام لیا ہے)۔

انھی وجوہات کے باعث امام بیہقی المتوفی ۴۵۸ھ نے فرمایا تھا۔

من جاء الیوم بحدیث لا یوجد عند الجمیع لا یقبل۔ فتح المغیث ص۹۶، توجیہ النظر ص۲۱۹، مقدمہ ابن صلاح ص۱۰۰

جو شخص آج ایک ایسی حدیث پیش کرے جو تمام محدثین کے نزدیک نہ پائی جاتی ہو وہ قبول نہ کی جائے۔

شاہ صاحب کی یہ طویل تقریر پڑھنے کے بعد آپ اِس امر پر غور فرمائیں کہ شب برأت کی روایات کا تعلق کون سے طبقہ سے ہے۔ تو ہمیں طبقۂ اولیٰ کی کتابوں میں ایک بھی روایت نہیں ملتی۔ جہاں تک دوسرے

Marfat.com

طبقہ کا تعلق ہے اس میں سے صرف ترمذی نے بقیع والی روایت بیان کر کے اس پر جرح کی ہے۔ اس کی تفصیل پہلی روایت میں گذر چکی ہے۔ اس مضمون کی جتنی بھی روایات ہیں وہ تیسرے اور چوتھے طبقے سے ماخوذ ہیں تیسرے طبقے میں بھی صرف ان کتابوں میں یہ روایات پائی جاتی ہیں جن کے مصنفین نے احتیاط سے کام نہیں لیا اور اپنی کتابوں میں ہمہ قسم کی روایات نقل کر دیں۔ مثلاً ابن ماجہ المتوفی ۲۷۳ھ طبرانی اور بیہقی وغیرہ۔ لیکن اس طبقہ کی وہ کتابیں جو موضوعات سے پاک ہیں۔ ان میں ان روایات کا کوئی وجود نہیں۔ مثلاً "صحیح ابن خزیمہ"، صحیح ابن السکن "صحیح ابو عوانہ" "المنتقی لابن جارود" مسند حمیدی" "کتاب الام" "مسند شافعی" اور کتب طحاوی وغیرہ یا شعب براءت سے متعلق جو روایات ملتی ہیں ان کا بیشتر حصہ کتب تصوف اور کتب "تفاسیر سے ملتا ہے۔ اس لئے کتب تصوف اور کتب تفاسیر پر بھی کچھ تبصرہ کرنا ضروری ہے۔

کتب تصوّف کی حیثیّت

حارث بن اسد محاسبی سب سے پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے تصوف پر کتابیں تحریر فرمائیں۔ یہ اس دور کی مشہور و معروف ہستی ہیں جب کہ تبع تابعین حیات پذیر تھے۔ بڑے بڑے مصنفین و ائمہ حدیث انھی کے دور میں گذرے ہیں۔ کیونکہ ان کا انتقال ۲۴۳ھ میں ہوا ہے۔ یہ وہ دور ہے جب کہ امام احمد بن حنبل ۲۴۰ھ، اسحٰق بن راہویہ المتوفی ۲۳۷ھ بخاری ۲۵۶ھ، مسلم ۲۶۱ھ، ابوزرعہ رازی ۲۶۴ھ، ابوحاتم رازی ۲۷۷ھ ترمذی ۲۷۹ھ، ابن ماجہ ۲۷۳ھ، نسائی ۳۰۳ھ، ابوداؤد سجستانی ۲۷۰ھ ابوثور ۲۴۰ھ، یحییٰ بن معین ۲۳۳ھ، یحییٰ بن بکیر المتوفی ۲۲۰ھ اور امام مالک کے دیگر شاگرد بھی حیات تھے۔ جب معارف کی یہ کتابیں سامنے

آئیں اور لوگوں نے ان میں وہ امور پائے جو تبع تابعین اور تابعین نے ذکر بھی نہ فرماتے تھے تو لوگوں نے مختلف ائمہ حدیث سے اِس سلسلہ میں مختلف سوالات کیے۔ اِسی قسم کا سوال حافظ الحدیث، امام الرجال و الجرح والتعدیل ابوزرعہ رازی المتوفی ۲۶۴ھ سے بھی کیا گیا۔ حافظ سعید بن عمرو البروعی کا بیان ہے کہ میں ابوزرعہ رازی المتوفی ۲۶۴ھ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان سے کسی نے حارث محاسبی اور ان کی کتابوں کے بارے میں سوال کیا۔ انھوں نے فرمایا۔

ایاک وھذہ الکتب ھذہ کتب بدع وضلالات علیک بالاثر فانک تجد فیک ما یغنیک

اِن کتابوں سے بچو۔ یہ تو بدعت و گمراہی کی کتابیں ہیں تو حدیث کو لازم پکڑ۔ تو اِن میں ہر وہ شے پائے گا جو تجھے اور چیزوں سے بے نیاز کر دے گی۔

ان سے عرض کیا گیا کہ ان کتابوں سے عبرت و نصیحت حاصل ہوتی ہے۔ انھوں نے جواب دیا۔

من لم یکن لہ فی کتاب اللہ عبرۃ فلیس لہ فی ھذہ الکتب عبرۃ۔ بلغکم ان اسفیان ومالکا والاوزاعی صنفوا ھذہ الکتب فی الخطرات والوساوس ما اسرع الناس الی البدع۔ میزان الاعتدال ص ۴۳۱ ج ۱

جس کے لیے کتاب اللہ میں عبرت نہ ہو اس کو ان کتابوں سے کیسے عبرت حاصل ہو جائے گی۔ کیا تم نے کبھی سُنا ہے کہ سفیان ثوری المتوفی ۱۶۰ھ امام مالک المتوفی ۱۷۹ھ اور اوزاعی المتوفی ۱۵۷ھ نے بھی ان خطرات و وساوس میں کوئی کتاب لکھی تھی۔ افسوس کہ لوگ بدعات کی جانب کتنی جلدی

Marfat.com

دوڑتے ہیں۔

اس کے بعد حافظ ذہبی ۷۴۸ھ اپنی رائے پیش فرماتے ہیں۔

این مثل الحارث فکیف لو رای ابو زرعۃ تصانیف المتاخرین کالقوت لابی طالب و این مثل القوت کیف رای بهجۃ الاسرار لابن جهضم وحقائق التفسیر للسلمی طار لبه کیف لو رای تصانیف ابی حامد الطوسی فی ذلک علی کثرۃ ما فی الاحیاء من الموضوعات کیف لو رای الغنیۃ للشیخ عبدالقادر کیف لو رای فصوص الحکم و الفتوحات المکیۃ بلی لما کان الحارث لسان القوم فی ذلک العصر کان معاصر الالف امام فی الحدیث مثل احمد بن حنبل وابن راهویه ولما صار ائمۃ الحدیث مثل ابن الدخیسی وابن شیحانۃ کان قطب العارفین کصاحب الفصوص وابن سفیان۔ نسال اللّٰه العفو والمسامحۃ آمین۔ میزان الاعتدال ج۔ ۱ ص۴۳۱

حارث کی کیا مثال (یعنی وہ تو بہت بہتر ہیں) اگر امام ابوزرعہ رازی متاخرین کی تصانیف دیکھ لیتے مثلاً ابوطالب مکی کی "قوت القلوب" اور وہ تو تب بھی لیسا غنیمت ہے اگر ابوزرعہ ابن جہضم جیسے دجال کی "بہجۃ الاسرار" کا مطالعہ کر لیتے یا ابوعبدالرحمان سلمی کی حقائق التفسیر" دیکھ لیتے تو ان کی عقل ہی جواب دے جاتی۔ یہ کتابیں تب بھی اتنے گرے ہوتے درجہ کی نہیں ہیں۔ اگر ابوزرعہ بالفرض ابو حامد غزالی المتوفی ۵۰۵ھ کی تصانیف دیکھ لیتے کہ کس کثرت کے ساتھ انھوں نے "احیاء العلوم" میں

Marfat.com

موضوعات پیش کی ہیں (کیمیائے سعادت، منہاج العابدین اور "مشکوٰۃ الانوار" کا بھی یہی حال ہے) اگر وہ شیخ عبدالقادر کی غنیہ دیکھ لیتے یا ابن عربی کی کتاب "فصوص الحکم" اور "فتوحاتِ مکیہ" کا مطالعہ کر لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا۔ جب کہ حارث محاسبی اپنے ہم خیال لوگوں کے اس وقت ترجمان بنے جب کہ ان کے زمانہ میں حدیث کے ایک ہزار امام ان کے معاصر تھے، مثلاً احمد بن حنبل المتوفی سنہ ۲۴۱ھ اور اسحاق بن راہویہ المتوفی سنہ ۲۳۷ھ لیکن جب ابن الدبیثی اور ابن نجار جیسے (بداحتیاط) محدث بن گئے، تو "فصوص" کا مصنف (ابن عربی) اور ابن سفیان جیسے قطب العارفین بن کر سامنے آتے ہم اللہ تعالیٰ سے عفو و درگزر کا سوال کرتے ہیں۔

ملا علی قاری المتوفی سنہ ۱۰۱۴ء حنفی چند موضوعات کا ذکر کرتے ہوتے امام جزری کا قول نقل فرماتے ہیں۔

لاتغتر بذکرھا فی قوت القلوب واحیاء العلوم ولا بذکر الثعلبی فی تفسیرہ وکذا فی شرح الاوراد۔

موضوعات کبیر مترجمہ ملا علی قاری ص ۲۷۶

اس قسم کی روایات جو "قوت القلوب" یا "احیاء العلوم" میں ملتی ہیں یا ثعلبی نے اپنی "تفسیر" میں ذکر کی ہیں یا "شرح الاوراد" میں پائی جاتی ہیں ان سے ہرگز دھوکہ نہ کھانا۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ "کتاب الرد علی البکری" میں فرماتے ہیں۔

ومن یجمع الموضوعات الکثیرۃ والاکاذیب العظیمۃ مثل کتاب وسیلۃ المتعبدین صنفھا الشیخ عمر الموصلی ومثل تنقل الانوار للبکری الذی

Marfat.com

فیہ من الکذب مالا یخفی علی فطن اللبیب و
مثل القاضی عیاض بن موسی الیحصبی مع
علمہ وفضلہ ودینہ انکر العلماء علیہ کثیرا
مما ذکرہ فی شفائہ من الاحادیث۔

وہ لوگ جو بکثرت موضوعات اور بڑے بڑے جھوٹ اپنی اپنی کتابوں میں جمع کرتے ہیں جیسے شیخ عمر الموصلی نے اپنی کتاب "وسیلۃ المتعبدین" اور سبکری نے اپنی تنقل الانوار میں جو کچھ جمع کیا ہے وہ کسی سمجھدار اور صاحب علم سے مخفی نہیں اور جس طرح قاضی عیاض بن موسیٰ الیحصبی المتوفی ۵۴۴ھ نے باوجودیکہ وہ بہت بڑے عالم وفاضل اور دیندار شخص ہیں۔ لیکن علماء نے ان پر بہت اعتراضات کئے ہیں۔ کیونکہ انھوں نے "شفاء" میں بکثرت منکر و موضوع روایات ذکر کی ہیں (اسی طرح امام بیہقی المتوفی ۴۵۸ھ ہیں، باوجودیکہ وہ حدیث کے بہت بڑے امام اور رجال کے ماہر ہیں۔ لیکن اپنی کتاب "دلائل النبوت" میں موضوعات کا انبار جمع کر دیا ہے)

فوائد جامعہ برعجالۂ نافعہ ص۹۵

ملا علی قاری حنفی نے "اپنی موضوعات" میں امام جزری کا ایک تفصیلی مضمون احادیث موضوعہ پر نقل کیا ہے جس کا کچھ حصہ ہم قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

ومن القواعد الکلیۃ ان نقل الاحادیث النبویۃ
والمسائل الفقہیۃ والتفاسیر القرآنیۃ لایجوز
الا من کتب المتداولۃ لعدم الاعتماد علی غیرھا
من وضع الزنادقۃ والحاق الملاحدۃ بخلاف کتب

Marfat.com

المحفوظة فان نسخها يكون صحيحا متعددة و
قد حكى السيوطى عن ابن الجوزى ان من وقع
فى حديثه الموضوع والكذب والقلب انواع
منهم من غلب عليهم الزهد فغفل عن الحفظ
او ضاعت كتبه فحدث عن حفظه فغلط فى نقله
ومنهم قوم ثقات لكن اختلط عقولهم او اخر اعمارهم
ومنهم من روى الخطا سهوا فلما راى الصواب و
اليقن لم يرجع انفة ان ينسبوه الى الغلط و
منهم زنادقة وضعوه الى افساد الشريعة وايقاع
الشك والتلاعب بالدين وقد كان بعض الزنادقة
يتفضل الشيخ فيدرس فى كتابه ماليس عن
حديثه ومنهم من يضع لنصرة مذهبه ومنهم
من يضع حسبة ترغيبا و ترهيبا ومنهم من اجاز
وضع الاسانيد لكلام حسن ومنهم من قصد
التقرب الى السلطان ومنهم القصاص لانهم
يريدون احاديث ترقق وتشفق۔ موضوعات کبیر
مترجمہ ملا علی ص ۴۶۹

یہ بات قواعد کلیہ میں داخل ہے کہ احادیث نبویہ، مسائل
فقہیہ اور تفسیر قرآنیہ متداول کتابوں کے علاوہ اور کتابوں
سے نقل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ متداول کتابوں کے
علاوہ دیگر کتابوں پر کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے
کہ ممکن ہے کہ وہ کتابیں زنادقہ کی وضع کردہ ہوں یا ملحدوں
نے ان میں الحاق کر دیا ہو۔ برخلاف محفوظ کتابوں کے کیونکہ

Marfat.com

اس کے لئے سند وضع کر لیتا۔ ایک گروہ نے بادشاہوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے احادیث وضع کیں اور ان میں سے ایک گروہ قصہ گو واعظوں کا تھا جو لوگوں کو مائل کرنے کے لئے ایسی احادیث تلاش کرتا جس سے لوگوں کے دل پسیجیں یا وہ تعجب میں مبتلا ہوں۔"

یہ تزہاد و اتقیا، اور صوفیا، کا حال ہے۔ اسی سے آپ ان کی کتابوں کی حیثیت کا اندازہ کر لیں اور اس پر بھی غور فرمالیں کہ ایسی صورتوں میں ان کے قول و فعل کی کیا حیثیت ہو گی۔ اسی باعث اس برصغیر ہندوستان کے ایک مشہور صوفی اور عالم یعنی مجدد الف ثانی کو یہ اقرار کرنا پڑا۔

عمل صوفیا، در حل و حرمت سند نیست، ہمیں بس است کہ ما ایشاں را معذور داریم و ملامت نہ کنیم، و مر ایشاں را بحق سبحانہٗ و تعالیٰ مفوض عواریم اینجا قول امام ابی حنیفہ و امام ابو یوسف و امام محمد معتبر است نہ عمل ابو بکر شبلی و ابو حسن نوری

مکتوبات دفتر اول ص ۳۳۵ ، مکتوب ۲۶۶

حلت و حرمت میں صوفیا، کا کوئی عمل سند نہیں ہے ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ ہم انھیں معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں (حالانکہ جو فعل ملامت کے قابل ہوتا ہے اس پر ملامت ضرور کی جاتی ہے) اور انھیں خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیں۔ اس جگہ امام ابو حنیفہ المتوفی ۱۵۰ھ، ابو یوسف المتوفی ۱۸۲ھ اور امام محمد المتوفی ۱۸۵ھ کا قول معتبر ہے۔ نہ کہ ابو بکر شبلی اور ابو حسن نوری کا عمل۔

امام مسلم رحمہ اللہ المتوفی ۲۶۱ھ نے اپنی صحیح مسلم میں امام یحیٰی بن سعید القطان المتوفی ۱۹۸ھ سے جو فن رجال کے سب سے بڑے امام

Marfat.com

اور امام ابوحنیفہ کے شاگرد رشید امام ابو یوسف کے شاگرد تھے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

لم نر الصالحین فی شیئ اکذب منھم فی الحدیث

مسلم ج۔ ا ص ۱۴

ہم نے صالحین سے زیادہ حدیث میں کسی کو جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔

ابن ابی عتاب نے انھی یحییٰ بن سعید کا یہ قول نقل کیا ہے۔

لم نر اھل الخیر فی شیئ اکذب منھم فی الحدیث

مسلم ج۔ ا ص ۱۴

تو نیک لوگوں کو دیکھے گا کہ ان سے زیادہ حدیث میں جھوٹ بولنے والا کوئی دوسرا نہیں۔

اس کے بعد امام مسلم اپنی رائے کا ان الفاظ میں اظہار فرماتے ہیں۔

یجری الکذب علی لسانھم ولا یتعمدون الکذب

مسلم ج۔ ا ص ۱۴

ان کی زبانوں پر بلا ارادہ جھوٹ جاری رہتا ہے (گویا ایک تیسری ہے جو چلتی رہتی ہے۔)

"تابعین و تبع تابعین کے دور میں بلکہ پانچویں صدی سے قبل صوفیاء کو "صالحین" "اہل خیر" "زاہد" اور "متقی" کے لقب سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ صوفی کا لقب پانچویں صدی میں وضع کیا گیا اور یہ عجمیوں کی ایجاد ہے۔ عربی زبان میں صوفی کا لفظ تک موجود نہیں اور معنوی لحاظ سے بھی یہ درست نہیں۔ کیونکہ اگر یہ "صوف" سے بنا ہے تو صوف پہننے والے کو "لابس الصوف" اور "صاحب الصوف" کہا جائے گا۔ اس کا اسم فاعل کوئی نہیں آتا اور نہ عربی زبان میں یائے نسبتیہ سے اسم فاعل بنتا ہے اور اگر یہ

Marfat.com

"صفہ" سے مشتق ہے تو اسے "صاحب الصفہ" کہا جائے گا اور اگر صفہ میں یائے نسبتیہ کا اضافہ بھی کیا جائے تو وہ "صُفّی" بنے گا نہ کہ "صوفی" اور اگر اس کی نسبت "صفا" کی جانب ہے تو اس کا اسم فاعل "صافی" آئے گا نہ کہ "صوفی"۔

جہاں تک امام مسلم کے اس فرمان کا تعلق ہے کہ یہ لوگ عمداً جھوٹ نہ بولتے بلکہ یا تو جھوٹ کے اتنے عادی ہو گئے تھے کہ انھیں جھوٹ کی خبر بھی نہ ہوتی، یا حدیث سے جہالت کے باعث انھیں حدیث کے جھوٹے ہونے کا علم ہی نہ ہوتا۔ ہمارے نزدیک یہ صوفیا ان دونوں صفات سے متصف ہیں۔ بلکہ امام مسلم کے بعد اور ان کے دور میں ایسے بھی صوفیا گزرے ہیں جو حدیث میں جھوٹ بولنا کارِ خیر سمجھتے۔

صوفی غلام خلیل جس نے دنیا کی کوئی شے بھی اپنے لئے اختیار نہیں کی اور جس نے تمام زندگی باقلا (لوبھیا) کھا کر گزاری اس نے خود احادیث وضع کرنے کا اقرار کیا۔

صوفی ابوداؤد النخعی تمام رات نماز پڑھتا اور ہمیشہ روزے رکھتا۔ لیکن احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ اس کا حال امام مسلم نے اپنے مقدمہ میں بیان کیا ہے۔

صوفی ابوبشر المروزی جو اپنے دور میں سب سے زیادہ سنت کا پابند اور بدعات کا دشمن تھا۔ لیکن اس نے شہر قزوین کی فضیلت میں چالیس احادیث وضع کیں۔ جن میں سے بعض ابنِ ماجہ میں پائی جاتی ہیں۔

صوفی نوح بن ابی مریم نے عکرمہ کے واسطہ سے ابن عباس کے تمام سے ہر ہر صورت کی فضیلت میں احادیث وضع کیں اور جب اس سے اس کا استفسار کیا گیا تو کہنے لگا۔

انی رایت الناس اعرضوا عن القرآن واشتغلوا بفقہ

ابی حنیفۃ ومغازی ابن اسحاق فوضعت ھذہ الاحادیث حسبۃ۔

جب میں نے دیکھا کہ لوگ قرآن سے اعراض کرنے لگے، اور ابو حنیفہ کی فقہ اور محمد بن اسحاق کی مغازی میں مشغول ہو گئے تو میں نے ثواب کی غرض سے یہ احادیث وضع کیں۔

وہب بن حفص کا خوفِ الٰہی سے یہ حال تھا کہ بیس سال تک اس نے کسی سے کلام نہیں کیا۔ لیکن ابو عروبہ کا بیان ہے۔

یکذب کذبا فاحشا

علانیہ جھوٹ بولتا تھا۔

اِن میں سے ایک گروہ ایسا بھی تھا جو کسی کی کوئی عمدہ بات سُنتا یا دیکھتا اِس کے لیے فوراً سند وضع کر کے حضور کی جانب منسوب کر دیتا صوفی محمد بن سعید جو اسی جرم میں پھانسی پر چڑھایا گیا اس کا قول ہے۔

لا باس اذا کان کلام حسن ان تضع لہ اسنادا

موضوعات ابن الجوزی از ص۴۰ تا ص۴۲

جب تم کسی اچھے کلام کو دیکھو تو اس کے لیے سند وضع کر لو۔

موجودہ کتب تصوف ان تمام اقسام کے جھوٹ سے معمور ہیں۔ بلکہ بعض کتابیں تو اتنے گرے درجہ کی ہیں کہ ان کتابوں میں کوئی روایت ایسی نہیں جس کے بارے میں صداقت کا کوئی شائبہ بھی پیدا ہو سکے۔ بلکہ حلفیہ طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کتابوں میں جتنی احادیث اور صحابہ کے اقوال بیان کئے گئے ہیں وہ سب سپید جھوٹ ہیں۔ غزالی کی احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، منہاج النبوت اور مشکوٰۃ الانوار، ابن جہنم کی بہجۃ الاسرار، عبدالرحمان سلمی کی حقائق التفسیر، عبدالقادر کی غنیہ اور فتوح الغیب ابن العربی کی فصوص الحکم اور رومی کی مثنوی وغیرہ میں جتنی روایات پیش کی گئی ہیں وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام پر صریح اتہام ہیں۔

اسی طرح ابو علی ہجویری کی کشف المحجوب کا حال ہے۔ یہ لوگ جہاں حدیث سے ناواقف محض ہیں وہاں تاریخ سے بھی بالکل کورے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ان کتابوں کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین

کتب تفاسیر کا حال

حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ اپنی کتاب "لسان المیزان" میں رقم فرماتے ہیں۔

قال الامام احمد ثلاثۃ کتب لیس لھا اصول وھی المغازی والتفسیر والملاحم

امام احمد فرماتے ہیں تین قسم کی کتابیں ایسی ہیں جن کا کوئی اصول نہیں۔ مغازی، تفسیر اور ملاحم (یعنی آئندہ فتنوں کی پیشین گوئیاں)

اس کے بعد حافظ صاحب اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں

ینبغی ان یضاف الیھا الفضائل فھذہ اودیۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ اذا کانت العمدۃ فی المغازی علی مثل الواقدی وفی التفسیر علی مثل مقاتل والکلبی وفی الملاحم علی الاسرائیلیات واما الفضائل فلا تحصی۔

لسان المیزان ج - ۱ ص ۱۳ فوائد جامعہ ص ۹۳

ان تینوں کے ساتھ فضائل کا بھی اضافہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ ضعیف اور موضوع احادیث کی وادیاں ہیں۔ اس لیے کہ مغازی کا زیادہ تر دارومدار واقدی المتوفی ۲۰۷ھ پر، تفسیر کا مقاتل و

Marfat.com

کلبی المتوفی ۱۵۰ھ پر اور ملاحم کا اسرائیلیات پر ہے۔ لیکن فضائل کا تو کوئی شمار ہی نہیں (یعنی ان کے واضعین بھی حد شمار سے باہر ہیں۔ اور صوفیاء اس فن کے امام ہیں

امام ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ کتاب الرد علی البکری میں رقم طراز ہیں۔

والتفاسیر اللتی اعلمونا انہا من الموضوعات و المناکیر اذا کان تفسیر الثعلبی و صاحبہ الواحدی ونحوھما فیھا من الغریب الموضوع فی الفضائل والتفسیر ما لا یجوز الاعتماد علی مجرد عزوہ الیہا فکیف بغیرھا کتفسیر ابی القاسم القشیری وابی اللیث السمرقندی وتفسیر ابی عبد الرحمن السلمی فوائد جامعہ ص ۹۵

اور وہ تفاسیر جنھیں ہم جانتے ہیں ان میں بھی موضوعات اور منکرات جمع ہیں۔ جیسے ثعلبی اور اس کے شاگرد واحدی کی تفسیر اور اسی قسم کی دیگر تفاسیر کہ ان میں فضائل و تفسیر کے بارے میں غریب اور موضوعات جمع ہیں۔ خالی ان کی روایت کرنے سے ان پر اعتماد کرنا جائز نہیں۔ تو ان تفاسیر کا کیا حال ہو گیا جو ان کے رتبہ کو بھی نہیں پہنچتیں۔ مثلاً ابو القاسم قشیری اور ابو اللیث سمرقندی کی تفاسیر اور صوفی ابو عبد الرحمان سلمی کی تفسیر

شیخ محمد طاہر پٹنی حنفی المتوفی ۹۸۶ھ اپنی "تذکرۃ الموضوعات" میں فرماتے ہیں۔

ومن المفسرین طوائف مبتدعۃ صنفوا التفاسیر علی مذھبھم مثل عبد الرحمان

Marfat.com

بن کیسان الاصم و الجبائی و الرمانی و الزمخشری
ومنهم من یدس البدع کلامه واکثر الناس
لا یعلمون کذلك۔ کصاحب الکشاف حتی انه
یروج علی خلق کثیر من تفاسیرهم الباطلة۔
مفسرین میں بھی بدعتیوں کے ٹولے ہیں۔ جنھوں نے اپنے
اپنے مسلک کے مطابق تفاسیر لکھی ہیں۔ جیسے عبدالرحمٰن
بن کیسان الاصم الصوفی، جبائی، رمانی زمخشری۔ ان میں سے
بعض ایسے ہیں جو اپنی بدعت کو اس طرح لپیٹ کر بیان
کرتے ہیں جن کو اکثر لوگ سمجھ نہیں پاتے۔ جیسے "تفسیر کشاف"
کا مصنف (یعنی زمخشری معتزلی۔ افسوس کہ بیضاوی نے بھی
اپنی کتاب میں زمخشری کا خلاصہ پیش کر دیا ہے) حتیٰ کہ اس طرح
مخلوق کی زبان پر باطل تفاسیر جاری ہو گئیں۔

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں۔

ورایت فی بعض الرسائل لابن تیمیة قدس
سره کما ان للحدیث ادلة تقطع فلله ادلة
تقطع بکذبه مثل ماروا ه الوضاعون من اهل
البدع والغلو فی الفضائل کحدیث یوم عاشوراء
وصلاته وفی التفسیر من هذا الموضوعات کثیر
کما یروی الثعلبی والواحدی والزمخشری فی
فضل السور والثعلبی فی نفسه کان ذا خیر ودین
لکن کان حاطب لیل ینقل ما وجد فی کتب التفسیر
من صحیح وضعیف وموضوع والواحدی صاحبه
کان ابصر منه بالعربیة لکن هو ابعد عن اتباع

السلف والبغوی تفسیرہ مختصر من الثعلبی لکن
صان تفسیرہ من الموضوع والبدع فوائد جامو ص۹۴

"میں نے ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ قدس سرہ کے بعض رسائل میں دیکھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح حدیث کی صحت کے لیئے قطعی دلائل ہوتے ہیں۔ اسی طرح حدیث کے جھوٹ ہونے کے بھی قطعی دلائل ہوتے ہیں۔ مثلاً انھیں بدعتی وضاعین نے وضع کیا ہو اور فضائل میں غلو سے کام لیا گیا ہو۔ جیسے عاشورہ کے روزہ کی، فضیلت اور اس میں نماز پڑھنے کا ذکر، تفاسیر میں اس قسم کی موضوعات بھری ہوئی ہیں۔ جیسا کہ مختلف سورتوں کی فضیلت میں ثعلبی، واحدی اور زمخشری مختلف احادیث نقل کرتے ہیں (لیکن وہ سب موضوع یا ضعیف ہوتی ہیں) ثعلبی اگرچہ بالذات دیندار اور صاحب علم ہیں۔ لیکن ان کی مثال رات کے لکڑہارے کی طرح ہے کہ جو کچھ بھی پہلی تفاسیر میں مل گیا اسے اپنی تفسیر میں بلا سوچے سمجھے نقل کر دیا۔ خواہ وہ صحیح ہو یا ضعیف یا موضوع۔ واحدی جو ثعلبی کا شاگرد ہے وہ عربی زبان کا اپنے استاد سے زیادہ ماہر ہے۔ لیکن اتباع سلف سے وہ بھی دور ہے۔ بغوی المتوفی ۵۱۶ھ کی تفسیر اگرچہ ثعلبی کی تفسیر سے مختصر ہے لیکن موضوعات اور بدعات سے پاک ہے۔

یہ ہر دو مضامین خود انتہائی طویل مضامین ہیں۔ اس پر ہم مزید بحث کرنا نہیں چاہتے۔ ہماری غرض و غایت صرف یہ ہے کہ کتب تصوف اور کتب تفاسیر سے کسی حدیث کا ثبوت ممکن نہیں بلکہ ان کتابوں میں پائے جانے سے اس کے موضوع یا شدید ضعیف ہونے کا احتمال قوی ہو جاتا ہے

ہماری اس تمام تقریر کا مقصود یہ ہے کہ تیسرے درجہ کی کتب

احادیث یا "غنیہ" وغیرہ میں کسی روایت کا پایا جانا اس کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں اور جب کہ وہ بھی بلا سند ہوں۔ یا سند منقطع وغیرہ ہو یا اس کے رواۃ کذاب ہوں۔ ایسی صورت میں تو کتب حدیث کی روایت بھی قابلِ قبول نہیں ہوتی۔

ہماری سمجھ میں "قطعاً" یہ نہیں آتا کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ شب برات سے متعلقہ تمام روایات یا تو حدیث کے تیسرے اور چوتھے طبقے کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ جب کہ پہلے یا دوسرے طبقہ میں اس کا کہیں وجود نہیں یا کتب تصوف اور کتب تفاسیر میں ملتی ہیں۔ کہیں یہ ان صوفیاء کی وضع کردہ تو نہیں جو اپنی جہالت سے یہ کام سرانجام دیتے رہے ہیں جیسا کہ آپ اوپر ملا علی قاری اور جزری وغیرہ کے بیانات پڑھ چکے ہیں۔ ورنہ پھر یہ روایات مقاتل و کلبی جیسے مفسرین کی وضع کردہ ہیں۔

یہ بھی ہماری سمجھ سے بالاتر امر ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی نے علم حدیث ابوغالب بن البناقلانی، جعفر السراج، ابوبکر بن سرسن، ابن بیان، ابن خشیش ابوطالب بن یوسف اور ابوالزینی سے حاصل کیا۔ لیکن ان حضرات کی ایک روایت بھی شیخ صاحب کی کتابوں میں نہیں ملتی۔ بلکہ جتنی روایات ملتی ہیں وہ سب ابونصر یا ہبتہ اللہ السقطی سے ملتی ہیں اور کوئی مؤرخ یہ بیان نہیں کرتا کہ شیخ صاحب کے استادوں میں ابونصر اور ہبتہ اللہ بھی ہیں جب کہ ہبتہ اللہ کذاب ہے اور ابونصر مجہول الحال اور مجہول العدالت ہے اور اس کی بیان کردہ روایات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یا تو وہ اول درجہ کا جاہل مطلق ہے ورنہ پھر زندیق ہے۔ شب برات سے متعلقہ جتنی روایات بھی "غنیہ" میں پائی جاتی ہیں سب اسی سے مروی ہیں اور ان کا تضاد بھی اظہر من الشمس ہے جس سے یہ اشتباہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ شیخ صاحب کی تصنیف نہ ہو اور کسی نے ان کی "غنیہ" میں تحریف کر کے ان کی جانب منسوب کر دی ہو۔ یہی ایک صورت

Marfat.com

ہے جس سے شیخ صاحب کی ذات کو ہدف بننے سے بچایا جا سکتا ہے۔
لیکن یہ احتمال زیادہ جان نہیں رکھتا اِس لیے کہ "نفوح الغیب" میں
بھی احادیث کا یہی حال ہے اور مجبوراً وہی بات کہنی پڑتی ہے جو مجدد
الف ثانی نے صوفیاء کے بارے میں فرمائی تھی۔

ہمیں بس است کہ ما ایشاں را معذور داریم و ملامت نہ کنیم،
و مر ایشاں را بحق سبحانہ و تعالیٰ مفوض داریم۔

ہمارے لیے یہ بھی بہت ہے کہ ہم انھیں معذور سمجھیں اور ملامت
نہ کریں اور ان کو حق تعالیٰ کے سپرد کر دیں (لیکن پھر غوثیت کا
کیا بنے گا)

ورنہ ایک محدث کا فیصلہ تو یہی ہو گا کہ جو شخص منکر روایات بیان
کرتا ہو وہ خود منکر الحدیث ہوتا ہے اور اس کی روایت مردود ہوتی ہے۔

واللہ اعلم

غنیہ کی ایک اور کہانی

حدثنا ابو نصر عن والدہٖ عن محمد بن احمد
الحافظ عن محمد عن عبد اللہ بن محمد عن ابی
العباس الھرانی وعن محمد بن حسن عن ابی
عامر بالد مشقی عن ولید بن مسلم عن ھشام
بن الغاز وسلیمان بن مسلم عن مکحول عن
عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال
لھا یا عائشۃ ایۃ لیلۃ ھی قالت اللہ ورسولہ
اعلم فقال لیلۃ النصف من شعبان فیھا ترقم

Marfat.com

اعمال الدنیا واعمال العباد تلقیٰ فیھا عتقاء من
النار بعدد شعر غنم کلب فھل انت اذنت اللیل
قالت قلت نحن فصلی فخفف القیام! وقرا الحمد
وسورۃ خفیفۃ ثم سجد الی شطر اللیل ثم قام
فی الرکعۃ الثانیۃ نقرا نحوا من قراءۃ الاولیٰ
فکان سجودہ الی الفجر قالت عائشۃ وکنت انظرہ
حتی اظننت ان اللہ تعالیٰ قد قبض رسولہ!
فلما طال علی دنوت منہ حتی مسست احمص
قدمیہ فتحرک فسمعتہ یقول فی سجودہ اعوذ بعفوک
من عقابک واعوذ برضاک من سخطک واعوذ بک
منک جل وجھک لا احصی ثناء علیک انت کما
اثنیت علی نفسک قلت یا رسول اللہ قد سمعتک
تذکر فی سجودک اللیلۃ شیئاً ما سمعتک تذکرہ
قط قال صلی اللہ علیہ وسلم اوعلمت ذلک
قلت نعم قال صلی اللہ علیہ وسلم تعلمین
فان جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام امرنی ان
اذکرھن فی السجود۔ غنیہ ج۔۱ ص ۶۸۸

ہم سے ابو نصر نے حدیث بیان کی وہ اپنے باپ سے
روایت کرتا ہے وہ محمد بن احمد الحافظ سے وہ محمد سے وہ
عبداللہ بن محمد سے وہ ابو العباس الہراتی سے وہ محمد بن حسن
سے وہ ابو عامر دمشقی سے وہ ولید بن مسلم سے وہ ہشام بن
الغار اور سلیمان بن مسلم سے وہ مکحول سے بکحول حضرت عائشہ رضؓ
سے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے

Marfat.com

فرمایا اے عائشہ جانتی ہے یہ کون سی رات ہے انھوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول جانتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا یہ نصف شعبان کی شب ہے۔ اس رات میں دنیا اور بندوں کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں۔ اس رات میں بنو کلب کی بھیڑوں کے بالوں کی تعداد کے برابر لوگ اللہ کی طرف سے دوزخ سے آزاد کئے جاتے ہیں۔ پھر حضورؐ نے فرمایا کہ اے عائشہ کیا تو اس رات مجھے اجازت دیگی۔ میں نے عرض کیا جی ہاں آپ نے نماز پڑھی اور بہت ہلکا قیام کیا۔ سورت فاتحہ پڑھی اور ایک چھوٹی سی سورۃ پڑھی۔ پھر آدھی رات تک سجدہ کیا۔ پھر دوسری رکعت میں کھڑے ہوئے اور پہلی رکعت کی طرح قرأت کی اور آپؐ کا یہ سجدہ صبح صادق تک رہا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں دیکھ رہی تھی (کیا کوئی تماشا تھا) حتی کہ مجھے یہ گمان گزرا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی روح قبض فرمالی ہے۔ جب یہ فکر مجھے طویل ہو گئی تو میں آپؐ کے قریب ہوئی اور آپؐ کی ایڑیوں کو چھوا تو میں نے آپ کو سجدے میں یہ فرماتے سنا میں آپ کے عفو کے ذریعہ آپ کی ناراضگی سے اور آپ کی رضا کے ذریعہ آپ کے غصہ سے پناہ مانگتا ہوں اور میں آپ کے واسطہ سے آپ کی ذات سے پناہ مانگتا ہوں۔ آپ کی ذات باعظمت ہے۔ میں آپ کی ثنا کا شمار نہیں کر سکتا۔ آپ ویسے ہی ہیں جیسے آپ نے اپنی ثنا بیان فرمائی ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے آج کی رات آپ کو سجدے میں وہ کلمات پڑھتے سنا ہے جو کبھی نہیں سنے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو نے وہ کلمات معلوم کر لئے ہیں

Marfat.com

نے عرض کیا جی ہاں۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انھیں سیکھ لے۔ کیونکہ جبرئیل نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان کلمات کا سجدے میں ذکر کیا کروں۔

معنوی حیثیت

یہ روایت قطعاً موضوع ہے اور اس کے موضوع ہونے کی متعدد وجوہات ہیں

۱۔ آپ اوپر صحیح مسلم کی ایک صحیح حدیث میں یہ مطالعہ کر چکے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا ایک رات سجدہ میں مانگی۔ اِس میں نہ کسی مخصوص رات کا ذکر ہے نہ سوالات و جوابات کا اور نہ نماز کی تعداد اور کیفیت کا۔ یہ روایت اُس کے خلاف ہے۔

۲۔ راوی کہتا ہے کہ اس رات دنیا اور بندوں کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں اگر دنیا سے مراد اہلِ دنیا ہیں تو بندوں کے اعمال کا جداگانہ ذکر بے کار ہے اور اگر دنیا سے مراد فی الحقیقت دنیا ہے تو دنیا کوئی مجسّم شے نہیں بلکہ دُنیا قریبی زمانہ کو کہا جاتا ہے اور زمانہ کے افعال اُٹھائے جانے کا کوئی قائل نہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ بندوں اور انسانوں کے علاوہ اہلِ دنیا سے اور مخلوقات مراد ہیں تو ان کا اٹھایا جانا بھی ایک مہمل بات ہے۔ یہ دوسری شے ہے کہ اس کا تعلق علمِ باطن سے ہو۔ اس عبارت میں سے ایک جملہ یقیناً مہمل ہے

۳۔ "غنیہ" کی پہلی روایت میں یہ دعا بہت طویل تھی اور اس روایت میں مختصر ہے اور پہلے "ترمذی" "ابنِ ماجہ" اور "غنیہ" کے حوالہ سے حجاج بن ارطاۃ کی جو روایت گزر چکی ہے اس میں نہ دُعا کا ذکر تھا نہ نماز کا۔ اِس طرح یہ تینوں روایات ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ اگر یہ ایک ہی واقعہ ہے تو ان کا تضاد دُور کیجئے اور اگر یہ متعدد واقعات ہیں تو کیا حضرت عائشہ اتنی کم فہم تھیں کہ ہر سال اِس قسم کا واقعہ پیش آنے کے بعد انھیں کچھ بھی یاد نہ

رہتا اور ہر سال پھر کہانی دُہرانی پڑتی۔

۴۔ ان تینوں واقعات کو اگر جداگانہ تسلیم کیا جائے تو یہ بھی ماننا پڑیگا کہ ایک سال آپ صرف بقیع گئے اور کوئی عمل انجام نہیں دیا۔ دوسرے سال نماز کے نام سے اُٹھتے بیٹھتے رہے اور تیسرے سال صرف دو سجدوں ہی میں رات گزار دی۔ کیا ان کہانیوں کو قبول کرنے والے اسی طریقۂ کار پر عمل کرتے ہیں۔

۵۔ پہلی روایت سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ خاموشی سے بقیع تشریف لے گئے۔ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ خاموشی سے بستر سے نکل کر نماز میں مشغول ہو گئے اور اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بقیع تو قطعاً نہیں گئے اور نماز بھی حضرت عائشہؓ سے اجازت لے کر پڑھی جس سے معلوم ہوا کہ آپ نے یہ کام خاموشی سے انجام نہیں دیا۔ اس صورت میں یا تو یہ روایت جھوٹ ہے یا پہلی دونوں روایتیں جھوٹی ہیں۔ یا یہ تمام روایات ہی جھوٹ ہیں۔ ان کی صداقت اسی وقت ہی قبول کی جا سکتی ہے جب اُن کا تضاد دُور کر دیا جائے جو قیامت تک بھی ممکن نہیں۔ ہاں اگر آپ چاہیں تو پیرانِ پیر کی قبر پہ جا کر بذریعۂ کشف قبر اُن سے یہ ضرور معلوم کر سکتے ہیں کہ اس قسم کی متضاد کہانیاں بیان کرنے سے آپ کا کیا مقصد تھا؟

۶۔ پہلی روایت میں نزولِ الٰہی کا بھی ذکر تھا لیکن اس روایت میں راوی اُسے ذکر کرنا بھول گیا۔

۷۔ حضرت عائشہؓ کی سابقہ روایت میں بیان کیا گیا تھا کہ اس شب میں پیدا ہونے والوں اور مرنے والوں کے نام تحریر کئے جاتے ہیں اور بندوں کا رزق لکھا جاتا ہے اور اس روایت میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ حالانکہ اس رات کی تمام تگ و دو صرف اس لئے ہے کہ ان ملاؤں اور صوفیوں کا نام مُردوں کی فہرست میں نہ لکھ لیا جائے۔ حالانکہ اس کے باوجود بھی ایک

Marfat.com

ایک وقت یہ سب ملک الموت کے منہ میں چلے جاتے ہیں یا دوسرا مقصد روزی ہو سکتا تھا وہ بھی اس روایت میں ختم کر دیا گیا اور اگر یہ مقصد باقی بھی ہو تو ہم بہت سے شب براتیوں کو اس ننگ و دو کے باوجود فاقے کرتے بھی دیکھتے ہیں۔ حالانکہ نبی کا فرمان غلط نہیں ہو سکتا اور جو لوگ ایک سال کے لیے موت سے چھٹکارا بھی پا جاتے ہیں اور ان کا رزق بھی کشادہ ہو جاتا ہے تب بھی ان کی غرض اس عبادت سے دنیا ہوئی نہ کہ آخرت اور رضائے الٰہی۔ حالانکہ عبادت کا اصل مقصود رضائے الٰہی ہے۔

ارشادِ ربانی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ۔ بقرہ

اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کی رضا تلاش کرنے کے لیے اپنی جان کو بھی فروخت کر دیتے ہیں۔

وَمَا اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ۔ البینہ

انھیں تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اور دوسروں سے بے پروا ہو کر اس کی عبادت کریں۔

۸۔ اس روایت میں جس دعا کا ذکر ہے وہ احادیث صحیحہ سے اور مواقع پر ثابت ہے لیکن کسی صحیح یا موضوع روایت میں جَلَّ وَجْهُكَ کے الفاظ موجود نہیں، یہ لفظ صرف اسی روایت میں پایا جاتا ہے۔

9۔ گذشتہ روایات سے معلوم ہوتا تھا کہ حضورؐ نے اس شب کی فضیلت عبادت و عمل سے فراغت کے بعد بیان فرمائی تھی۔ اس طرح حضورؐ نے حضرت عائشہؓ کو اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم رکھا۔ لیکن اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس شب کی فضیلت شروع رات میں عبادت شروع کرنے سے قبل بیان فرما دی تھی۔

Marfat.com

۱۰۔ اس روایت میں حضرت عائشہؓ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام رات حضور کو سجدہ کرتے دیکھتی رہیں، حتیٰ کہ ان کے دل میں حضور کی زندگی کی جانب سے بدگمانی بھی پیدا ہوئی۔ لیکن اس کے باوجود حضرت عائشہؓ نے کوئی عبادت نہیں کی اور عمداً اس فضیلت کو ترک فرمایا۔ کہیں یہ حضرت عائشہؓ پر تبرا تو نہیں کہ انھوں نے حضورؐ کا فرمان سننے کے باوجود اس پر عمل نہیں کیا۔

۱۱۔ چونکہ حضرت عائشہؓ تمام رات حضور کو دیکھتی رہیں اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ پوری رات جاگتی رہیں اور جب انھوں نے کوئی عبادت نہیں فرمائی تو علماء اور صوفیاء ہمیں بتائیں کہ اس رات جاگنے کا مقصد کیا تھا۔

۱۲۔ پہلی روایت سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ تمام رات اٹھتے بیٹھتے رہے یعنی بکثرت اور لاتعداد نوافل پڑھتے رہے اور اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے تمام رات صرف دو سجدوں میں گزار دی۔ حالانکہ ہر دو روایات حضرت عائشہؓ سے مروی ہیں۔ اس طرح یہ دونوں متضاد ہوئیں۔ اس کے ساتھ ساتھ حضرت عائشہ کی ایک صحیح حدیث بھی پیش نظر رکھیے جس میں حضورؐ کی رات کی نماز کی کیفیت بیان کی گئی ہے اور جن سے ان ہر دو روایات کا رد ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایزید فی رمضان ولا فی غیر رمضان علی احدی عشرۃ رکعۃ یصلی اربعا فلا تسال عن حسنھن و طولھن ثم یصلی اربعا فلا تسال عن حسنھن وطولھن ثم یصلی ثلاثا۔ بخاری ج۔۱ ص۱۵۴، مسلم ج۔۱ ص۲۵۴، نسائی ج۔۱ ص۱۷۵، ابوداؤد ج۔۱ ص۱۹۶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان ہو یا غیر رمضان گیارہ

رکعت سے زیادہ ادا نہ فرماتے۔ پہلے چار رکعت پڑھتے تو ان کی خوبصورتی اور ان کی طوالت کا حال نہ پوچھ، پھر چار رکعت پڑھتے تو پھر ان کی خوبصورتی اور طوالت کا حال نہ پوچھ، پھر تین رکعت پڑھتے۔

حضور کی نماز طویل ہوتی صرف سجدے طویل نہ ہوتے اور نہ صرف دو سجدوں پر اکتفا کی جاتی بلکہ آپ مع وتروں کے گیارہ رکعت ادا فرماتے اور نہ رکعات کی تعداد فضول زیادہ ہوتی۔ جس سے نماز کی طوالت اور حسن میں فرق آتا تھا، آپ کا قیام، رکوع اور سجود سب مساوی ہوتے لیکن بقول راوی اس افضل شب میں صرف دو رکعت پر اکتفا فرمائی حالانکہ یہ آپؐ کے معمول کے خلاف ہے اور پھر اس رات میں تو زیادہ عبادت ہونی چاہیئے تھی۔

۱۳۔ اس روایت کو ایک بار پھر غور سے پڑھیئے تو آپ کو یہ محسوس ہوگا کہ ان دو رکعتوں میں صرف دو سجدے کئے گئے ہیں اور رکوع قطعاً نہیں کیا گیا ہے یہ کس قسم کی نماز تھی اس کا جواب علم باطن کے جاننے والوں سے حاصل کیجئے۔

۱۴۔ اس روایت کے ظاہر الفاظ سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ حضورؐ کو حضرت جبرئیل نے یہ دعا سجدہ میں پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ آیا یہ حکم اسی رات کے ساتھ مخصوص ہے یا ہمیشہ کے لیے ہے۔ اگر ہمیشہ کے لیے ہے تو تمام امت کا عمل اس کے خلاف ہے اور احادیث صحیحہ کے ذریعہ حضورؐ سے سجدہ میں مختلف تسبیحات اور دعائیں پڑھنے کا ذکر ثابت ہے اور اگر یہ دعا اسی رات کے ساتھ مخصوص ہے تو پہلی حدیث پر بحث کے دوران حضرت عائشہؓ سے یہ روایت گزر چکی ہے کہ حضورؐ نے ایک اور شب میں بھی یہ دعا پڑھی تھی اور حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ آپؐ ہمیشہ یہ دعا وتروں کے آخر میں پڑھتے تھے۔

Marfat.com

۱۵۔ جب حضورؐ یہ دعا ہمیشہ پڑھتے تو حضرت عائشہؓ کا اس روایت میں یہ فرمانا کہ میں نے آپؐ کو ایسی دعا کرتے سنا ہے جو پہلے کبھی نہیں سُنی یہ غلط ہوا اور جب کہ حضرت عائشہؓ اس سے پہلے بھی یہ دعا سن چکی تھیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ وتر گھر میں ادا فرماتے اور حضورؐ یہ دعا وتروں کے آخر میں پڑھتے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت عائشہؓ کو اس کا علم نہ ہو۔ جب کہ حضرت عائشہ کو آپ کی رات کی نمازوں کی کیفیات اور ایک ایک جزئیہ کا علم ہے۔ گویا یہ بھی حضرت عائشہ پر ایک تبرا ہے۔

۱۶۔ ہم اپنے علماء سے ایک فتویٰ طلب کرنا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تمام رات دو رکعت نفل میں گذار دے اور وتر چھوڑ دے اس کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے۔ کیونکہ اس روایت سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ نے اس رات وتر ادا نہیں فرمائے۔ یا یہ بیان فرمادیں کہ ان نفلوں کا درجہ وتروں سے بڑھ کر ہے۔ تو پھر ہم یہ سوال کریں گے کہ آپ کے نزدیک وتر واجب ہیں یا نفل۔ اگر آپ وتر کے وجوب کے قائل ہیں تو واجب کو ترک نہیں کیا جا سکتا اور عمداً واجب کا ترک کرنے والا فاسق و فاجر ہے اور اگر آپ نفل فرماتے ہیں تو وتروں کے نفل ہونے کا آج تک کوئی قائل نہیں۔ حتیٰ کہ پیران پیر کے امام امام احمد بن حنبل بھی۔ یہ تو کسی کا بھی مذہب نہیں۔ حتیٰ کہ آپ نے ابو الدرداءؓ اور ابو ہریرہؓ کو وصیت فرمائی کہ سونے سے قبل وتر ضرور پڑھ لیا کرو تاکہ قضا نہ ہو جائیں ابو ہریرہؓ کے الفاظ ہیں۔

اوصانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالوتر قبل النوم۔ بخاری ج۔ ۱ ص ۱۳۵، نسائی ج۔ ۱ ص ۱۷۳
ابوداؤد ج۔ ۱ ص ۲۱۰، نسائی ج۔ ۱ ص ۱۷۳

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سونے سے قبل وتر پڑھنے کی وصیت فرمائی۔

حضرت ابو الدرداءؓ کے الفاظ ہیں۔

اوصانی خلیلی صلی اللہ علیہ وسلم لا انام الا علی وتر۔ ابوداؤد ج۔ ۱ ص ۲۱

مجھے میرے دوست صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ میں بغیر وتر پڑھے نہ سوؤں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے دریافت فرمایا کہ تم دونوں وتر کس وقت پڑھتے ہو حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ میں شروع شب میں پڑھتا ہوں اور حضرت عمرؓ نے عرض کیا میں آخر شب میں پڑھتا ہوں۔

فقال لابی بکر اخذ ھذا بالحزم وقال لعمر اخذ ھذا بالقوۃ۔ ابوداؤد ج۔ ۱ ص ۲۱

آپؐ نے ابوبکرؓ کے لئے فرمایا کہ ابوبکرؓ نے احتیاط پر عمل کیا اور عمرؓ کے لئے فرمایا کہ عمر نے طاقت و قوت پر عمل کیا۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے۔

کل اللیل اوتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانتھی وتوہ الی السحر۔ بخاری ج۔ ۱ ص ۱۳۶،
مسلم ج۔ ۱ ص ۲۵۵، ابوداؤد ج۔ ۱ ص ۲۱۔ نسائی ج۔ ۱ ص ۱۷۴

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے ہر حصہ میں وتر ادا فرمائے ہیں اور آپؐ کے وتروں کی انتہا سحر تک ہوئی۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ وتر کسی صورت میں ترک نہیں کئے جا سکتے اور اگر حضورؐ نے اس رات وتر ترک کئے ہوتے تو حضرت عائشہؓ ضرور سوال

Marfat.com

رہائیں۔اِس سے معلوم ہوا کہ ان کے سامنے اِس قسم کا کوئی ہیبت
ک حادثہ پیش نہیں آیا تھا۔

۱۷۔اِس کی کیا وجہ ہے کہ حضورؐ ہمیشہ اِس شب کی فضیلت حضرت عائشہؓ
سے تنہائی میں بیان کرتے ہیں اور کبھی بَرملا لوگوں سے کچھ بیان نہیں کرتے
یا حضورؐ اسے خود مخفی رکھنا چاہتے تھے۔اگر ایسا تھا تو ان علماء وصوفیاء
لے اسے کیوں عام کیا اور اگر حضورؐ نے اس کا عام اعلان کیا تھا تو حضرت
ائشہؓ کو کیوں علم نہیں ہوا۔

۱۸۔گذشتہ روایت میں حضورؐ کے بستر کی جو کیفیت بیان کی گئی اس کا اِس
ایت میں سرے سے وجود نہیں۔

۱۹۔کیا نوافل پڑھنے کے لیے بیوی سے اجازت لینا ضروری ہے؟کیا علمائ
ل پر کچھ روشنی ڈال سکتے ہیں؟کیونکہ حضرت عائشہؓ اور دیگر ازواجِ مطہرات
لے حضورؐ کی نماز کی جو کیفیات بیان فرمائی ہیں ان میں یہ کہیں مذکور نہیں کہ حضورؐ
لے عبادت کے لئے کبھی بیویوں سے اجازت طلب کی ہو اور ساتھ ساتھ علماء
بھی بیان فرمادیں کہ اگر آج کل کی کوئی فیشن ایبل بیوی یا کوئی وہابیہ اس رات
ماز پڑھنے سے منع کر دے تو کیا آپ اِس رات کی عبادت چھوڑ دیں گے؟اگر
پ کہتے ہیں کہ نہیں تو آپ نے خود اپنی بیان کردہ روایات کی مخالفت کی ر

سندی حیثیت

ا۔اِس روایت کے آخری راوی جو حضرت عائشہؓ سے اُسے نقل کر رہے
ہیں وہ مکحول دمشقی المتوفی ۱۱۸ھ ہیں۔وہ اگرچہ مشہور عالم ہیں اور بہت سوں
نے انھیں ثقہ بھی کہا ہے۔لیکن مؤرخ ابن سعد المتوفی ۲۳۰ھ کا قول ہے۔

ضعفہ جماعۃ

انھیں ایک جماعت نے ضعیف قرار دیا ہے۔

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں۔

هو صاحب تدليس وقد رصى بالقدر يروى بالارسال عن ابى وعبادة بن الصامت وعائشة

میزان ج ۔۴ صـ۱۷۷

یہ حدیث میں تدلیس کرتے (یعنی درمیان سے ضعیف راوی ترک کر دیتے ہیں) اور ان پر انکار تقدیر کا بھی الزام ہے۔ یہ حضرت ابی رضؓ، حضرت عبادہ رضؓ بن الصامت المتوفی ۳۴ھ اور حضرت عائشہ رضؓ سے مرسل روایات نقل کرتے ہیں۔

امام حاکم معرفۃ علوم الحدیث میں فرماتے ہیں۔

ان عامة حديث مكحول من الصحابة حوالة۔

معرفۃ علوم الحدیث صـ۱۱۱

"مکحول کی صحابہ سے عام روایات بالواسطہ ہوتی ہیں۔"

اِن تمام امور کے جمع کرنے سے چند باتیں سامنے آئیں۔ مکحول عام طور پر صحابہ سے جتنی روایات نقل کرتے ہیں وہ ان سے سنی ہوئی نہیں ہوتیں بلکہ مرسل ہوتی ہیں اور درمیان سے عمداً ضعیف راوی کو ترک کر دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ مدلس ہیں اور مدلس کا یہی کام ہوتا ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ وہ تقدیر کے منکر ہیں۔ اِسی باعث ایک جماعت نے انھیں ضعیف کہا ہے اور بخاری نے ان سے کوئی روایت نہیں لی۔

۲۔ مکحول سے نقل کرنے والے ہشام بن الغاز ثقہ ہیں۔ لیکن یہ لفظ غاز ہے غار نہیں۔ افسوس کہ پیرانِ پیر اُن کے معتقدین کے بقول ہر جگہ حاضر و ناظر رہتے ہیں لیکن ابھی ان کو غاز اور غار کی بھی خبر نہیں۔

۳۔ اس کا ایک راوی سلیمان بن مسلم الخشاب ہے ابن حبان اور ابوالفضل المقدسی کہتے ہیں۔

Marfat.com

لا تحل الروایۃ عنہ میزان ج ۔۲ ص۲۲۳

اس سے روایت کرنا بھی حلال نہیں ۔

۴۔ اس کا ایک اور راوی ابراہیم بن محمد بن الحسن الاصبہانی ہے حافظ ذہبی اس کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں ۔

حدث بہمدان فانکروا علیہ واتہموہ واخرج

میزان ج ۔۱ ص۶۲

اس نے ہمدان میں احادیث بیان کیں ۔ لوگوں نے ان پر انکار کیا (یعنی ان کو غلط بتایا) اور انھوں نے اس پر احادیث گھڑنے کا الزام لگایا اور اسی جرم میں اسے شہر بدر کر دیا گیا ۔

۵۔ ابوالعباس ابہروی اور ابو عامر دمشقی دونوں مجہول ہیں ۔

۶۔ محمد بن احمد بہت سے ہیں ۔ جن میں سے انسٹھ آدمیوں کا حال تو ذہبی نے میزان میں جمع کیا ہے ۔ پہلے کشفِ قبور یا مشاہدۂ غیب کے ذریعہ یہ معلوم کر لیا جائے کہ یہ کونسا محمد بن احمد ہے ۔ پھر اس کے بارے میں تبصرہ بعد میں کیا جائے گا ۔

۷۔ عبداللہ بن محمد یہ ابن ابی سبرہ ہے جو مشہور کذاب اور وضاع الحدیث ہے ۔ اس کا تفصیلی حال حضرت علیؓ کی روایت میں کیا جائے گا ۔

۸۔ محمد ہزاروں کیا لاکھوں ہیں ۔ اس کا کچھ اتہ پتہ بتلائیے ۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ محمد بن عمر المتوفی ۲۰۷ھ ہے جو واقدی کے لقب سے مشہور ہے اور معروف کذاب ہے اسی لئے اس کے باپ کا نام چھپایا گیا ہے ۔

۹۔ اس کا ایک اور راوی ولید بن مسلم المتوفی ۱۹۰ھ ہے وہ بھی مدلس ہے ۔ امام ابومسہر المتوفی ۲۱۸ھ کا قول ہے ۔

الولید مدلس ورتبما دلّس عن الکذابین ۔

میزان ج ۔۴ ص۳۴۷

Marfat.com

ولید مدلس ہے اور اکثر کذاب راویوں کو درمیان سے گرا دیتا ہے
امام ذہبی فرماتے ہیں۔

اذا قال عن فلان وعن فلان فلیس بمعتمد لانہ
یدلس عن الکذابین۔ میزان ج۔۴ ص۳۴۸

ولید جب یہ کہے کہ یہ روایت فلاں فلاں سے مروی ہے تو وہ قابلِ
اعتماد نہیں۔ کیونکہ وہ کذاب روات سے تدلیس کرتا ہے۔

۱۰۔ ابو نصر اور ان کے ابا جان کا کوئی حال معلوم نہیں۔ غالباً یہ "غنیہ" کے فرضی
ہیرو ہیں۔

یہ ہے مصنف "غنیہ" کی علمی کرامت، انھوں نے بارہ سال کی ڈوبی نیا
پار لگائی یا نہیں لیکن دین کی نیا ضرور ڈبو دی ہے اور یہ ان کی کوئی صفتِ
خاص نہیں۔ بلکہ ہر صوفی نے یہی کارنامہ انجام دیا ہے۔ اتفاق سے حضرت
عائشہؓ کی یہ طویل روایت بیہقی المتوفی ۴۵۸ھ نے بھی نقل کی ہے۔ لیکن
بیہقی کی روایت اس کے بالکل برعکس ہے۔

مکحول کی ایک روایت پر تبصرہ

عن عائشۃ قالت دخل علی رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم فوضع عنہ ثوبیہ ثم لم یستتم
ان قام فلبسھما فاخذتنی غیرۃ شدیدۃ ظننت
انہ یاتی بعض صویحباتی فخرجت اتبعہ فادرکتہ
بالبقیع یستغفر للمؤمنین والمؤمنات والشھداء
فقلت بابی وامی انت فی حاجۃ ربک وانا فی حاجۃ
الدنیا فانصرفت ودخلت فی حجرتی ولی نفس صال
ولحقنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ماھذا

Marfat.com

النفس یا عائشۃ قلت بابی وامی اتیتنی فوضعت
عنک ثوبیک ثم لم تستتم ان قمت قلیستہما فاخذتنی
غیرۃ شدیدۃ ظننت انک تاتی بعض صویحباتی
حتی رایتک بالبقیع تصنع ما تصنع فقال یا عائشۃ
اکنت تخافین ان یحیف اللہ علیک ورسولہ اتانی
جبرئیل علیہ السلام فقال ھذہ لیلۃ النصف
من شعبان وللہ فیہ عتقاء من النار کعدد شعور غنم
کلب لا ینظر اللہ فیہا الی مشرک ولا الی مشاحن
ولا الی قاطع رحم ولا الی مسبل ولا الی عاق لوالدیہ
ولا الی مدمن قال ثم وضع ثوبیہ فقال لی یا عائشۃ
تاذنین لی فی قیامہ ھذہ اللیلۃ قلت بابی وامی قال
فسجد لیلا طویلا حتی ظننت انہ قد قبض فقمت
التمسہ ووضعت یدی علی باطن قدمیہ فتحرک
ففرحت وسمعتہ یقول فی سجودہ اعوذ بعفوک من
عقابک واعوذ برضاک من سخطک واعوذ بک
منک جل وجہک لا احصی ثناء علیک انت کما
اثنیت علی نفسک فلما اصبح ذکرتہن لہ فقال
یا عائشۃ تعلمیہن وعلمیہن فان جبرئیل علیہ
السلام علمنیہن وامرنی ان اردد ھن فی السجود۔

ترغیب وترہیب ج ۔۳ ص ۴۶۰

حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے
پاس تشریف لائے اور اپنے کپڑے اتارے (در روغ بہ
گردن راوی) پھر ابھی بیٹھے بھی نہ تھے کہ آپ کھڑے ہو گئے

Marfat.com

اور کپڑے پہنے مجھے شدید غیرت پیدا ہوئی کیونکہ مجھے یہ گمان گذرا کہ آپ میری دیگر ساتھنوں کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ میں آپؐ کے پیچھے پیچھے چلی تو آپؐ کو بقیع میں پایا۔ آپ وہاں مومن مردوں اور مومن عورتوں اور شہداء کے لیے دُعائے مغفرت کر رہے تھے۔ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ تو اپنے پروردگار کی حاجت میں مشغول ہیں اور میں دنیا کی حاجت میں (حاجت کا مقصد ہماری سمجھ سے باہر ہے) میں واپس لوٹی اور اپنے حجرے میں داخل ہو گئی اور میرا سانس پھولا ہوا تھا۔ اِتنے میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ آپؐ نے فرمایا اے عائشہؓ یہ تیرا سانس کیسا پھُولا ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، آپ میرے پاس تشریف لائے اور اپنے کپڑے اتارے اور ابھی رُکے بھی نہ تھے کہ دوبارہ کھڑے ہو گئے۔ اور دوبارہ کپڑے پہنے۔ مجھے بہت غیرت آئی۔ میں نے گمان کیا کہ آپؐ میری دیگر ساتھنوں کے پاس تشریف لے گئے ہیں حتّٰی کہ آپؐ کو میں نے بقیع میں جو کچھ آپ عمل کر رہے تھے وہ کرتے دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا اے عائشہؓ کیا تو اس بات سے ڈرتی ہے کہ اللہ اور اس کا رسول تجھ پر زیادتی کرے گا۔ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور انھوں نے فرمایا یہ نصف شعبان کی شب ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ بنو کلب کی بھیڑوں کے بالوں کی تعداد کے برابر لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے، لیکن مشرک، کینہ پرور، قاطع رحم، ٹخنوں پر پاجامہ یا تہمد ڈالنے والے، ماں باپ کے نافرمان اور

Marfat.com

شراب کے عادی کی جانب نظر نہیں ڈالتا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں پھر آپؐ نے اپنے کپڑے اتارے اور مجھ سے فرمایا۔ اے عائشہ کیا تو اس رات مجھے قیام کی اجازت دے گی۔ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ قربان۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں۔ (قالت ہونا چاہیئے تھا) آپؐ نے ایک طویل سجدہ فرمایا (تعجب ہے کہ اجازت تو قیام کی لی اور قیام نام کو بھی نہ کیا۔ کیا نبی جھوٹ بھی بول سکتا ہے یا صوفیاء قیام کے معنی ہی سے ناواقف ہیں) حتیٰ کہ میں یہ گمان کرنے لگی کہ آپؐ کی رُوح قبض کر لی گئی ہے۔ میں آپ کو تلاش کرنے کھڑی ہو گئی (چہ خوب آپ کو جب حضرت عائشہ نے سجدہ میں دیکھ لیا تھا اور بدگمانی کرنے لگی تھیں تو اب تلاش چہ معنی دارد) میں نے اپنے ہاتھ آپ کے تلووں پر رکھے (کھڑا ہوا انسان تلووں پر ہاتھ نہیں رکھ سکتا یہ کام تو بیٹھے ہوئے کا ہے) آپ کو حرکت ہوئی جس سے میں خوش ہوئی۔ میں نے آپ کو سجدہ میں یہ کہتے سُنا۔ میں آپ کے عفو کے ذریعے آپ کی سزا سے اور آپ کی رضا کے ذریعہ آپ کی ناراضگی سے پناہ مانگتا ہوں۔ میں آپ کی پناہ آپ ہی سے مانگتا ہوں۔ آپ کی ذات صاحبِ جلال ہے۔ میں آپ کی ثناء کا شمار نہیں کر سکتا آپ ویسے ہی ہیں جیسے آپ نے اپنی ثنا فرمائی ہے۔ جب صبح ہوئی تو میں نے یہ باتیں آپ سے ذکر کیں۔ آپؐ نے فرمایا تو یہ کلمات سیکھ لے اور دوسروں کو سکھا۔ مجھے جبرئیل علیہ السلام نے یہ کلمات سکھائے اور حکم دیا ہے کہ میں ان کا سجدے میں تکرار کروں۔

Marfat.com

اس روایت کے سلسلہ میں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ بیہقی کی اس روایت کو حافظ منذری المتوفی ۶۵۶ھ نے ترغیب و ترہیب میں نقل کیا ہے۔ میں نے بیہقی کی "سنن الکبری" کا بارہا اس روایت کو تلاش کرنے کی غرض سے مطالعہ کیا لیکن مجھے یہ روایت کہیں نہیں ملی۔ ممکن ہے کہ بیہقی کی "شعب الایمان" میں یہ روایت پائی جاتی ہو لیکن وہ تاہنوز شائع نہیں ہوئی اور تاوقتیکہ اس کی سند پیش نظر نہ ہو ہم اس کی اسناد پر کوئی تفصیلی تبصرہ نہیں کر سکتے۔ ہاں معنوی لحاظ سے ضرور بحث کریں گے۔

۱۔ یہ روایت منقطع ہے۔ کیونکہ مکحول نے حضرت عائشہ رضؓ سے کوئی روایت نہیں سنی اور وہ حضرت عائشہ، حضرت ابی بن کعب، حضرت عبادہ بن الصامت اور حضرت ابوہریرہ سے منقطع روایات نقل کرتے اور درمیان سے کذاب راویوں کو گرا دیتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے

۲۔ اس روایت میں متعدد روایات کو یکجا کیا گیا ہے۔ مکحول کی پہلی روایت میں یقیع جانے کا کوئی ذکر نہ تھا۔ یقیع جانے کا واقعہ حجاج بن ارطات نے پہلی روایت میں بیان کیا تھا۔ لیکن اس نے کسی عبادت کا ذکر نہ کیا تھا۔ اس روایت میں ان دونوں کو جمع کر کے ایک نئی روایت تیار کی گئی ہے۔ اس سے کچھ مفید نتیجہ برآمد تو کیا ہوتا اتنا ضرور ہوا کہ اس روایت میں اور مکحول کی پہلی روایت میں تضاد پیدا ہو گیا اور دونوں سے ایک دوسرے کی تردید ہو گئی۔ شاید اسی باعث متقدمین نے یہ بات کہی تھی۔

اذا خالفا تساقطا۔

جب دو امور ایک دوسرے کے خلاف ہوں تو دونوں ساقط الاعتبار ہوں گے۔

۳۔ حجاج کی روایت میں اس شب کی فضیلت بقیع میں بیان کی گئی تھی۔ مکحول کی ان دونوں روایتوں میں یہ فضیلت گھر پر بیان کی گئی۔ حجاج کی روایت سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اگر حضرت عائشہ رضؓ آپ کا پیچھا نہ فرماتیں تو آپ اِس شب کی فضیلت بیان نہ فرماتے۔ اس روایت سے بھی یہی محسوس ہوتا ہے جب کہ مکحول نے پہلی روایت میں یہ بیان کیا تھا کہ حضورؐ نے خود ہی گھر پر اِس شب کی فضیلت بیان فرمائی۔

۴۔ حجاج کی روایت سے ثابت ہوتا تھا کہ حضورؐ نے اہل بقیع کے لئے دعائے مغفرت فرمائی اور اس کے علاوہ کوئی اور عمل انجام نہیں دیا۔ لیکن مکحول کی پہلی روایت سے یہ واضح ہوتا تھا کہ آپ بقیع قطعاً تشریف ہی نہیں لے گئے اور اِس روایت میں مکحول یہ بیان کر رہے ہیں کہ آپ بقیع بھی گئے اور گھر پر عبادت بھی فرمائی۔

۵۔ حجاج اور مکحول کی پہلی روایت سے مغفرت عامہ ثابت ہوتی ہے۔ مغفرت سے کسی کو خارج نہیں کیا گیا تھا لیکن اِس روایت میں چھ قسم کے افراد کو مغفرت سے خارج کر دیا گیا ہے۔

۶۔ پہلی روایتوں میں کپڑے اُتارنے کا کوئی تذکرہ نہ تھا۔ اِس روایت میں اس کا بھی اضافہ ہو گیا۔

۷۔ مکحول کی پہلی روایت سے ثابت ہوتا تھا کہ آپؐ نے رات میں دو رکعت نماز پڑھی جس میں نہ رکوع تھا، نہ قعدہ، نہ سلام بلکہ صرف قیام اور ایک ایک سجدہ تھا اور اس روایت سے محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ رضؓ سے قیام کی اجازت طلب کی اور اکثر رات صرف سجدہ میں گذار دی۔ حالانکہ جب قیام کی اجازت طلب کی تھی تو ہونا یہ چاہیئے تھا کہ آپ کا قیام طویل ہوتا۔ لیکن آپ نے صرف سجدہ پر اکتفا فرمایا۔

۸۔ مکحول کی پہلی روایت میں تھا کہ حضرت عائشہؓ نے سجدہ سے فراغت کے فوراً بعد حضورؐ سے اِس دُعا کا تذکرہ کیا۔ لیکن اِس روایت میں مکحول کا بیان ہے کہ آپؐ نے صبح کو اس کا تذکرہ کیا۔

۹۔ اِس روایت سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ آپؐ نے صرف ایک سجدہ پر اکتفا فرمائی اور معمول کے مطابق تہجد اُدا نہیں فرمائے اور نہ وتر پڑھے۔

۱۰۔ مکحول کی دونوں روایتوں میں ہے کہ حضورؐ نے نماز کے لئے حضرت عائشہؓ سے اجازت طلب کی۔ لیکن تعجب ہے کہ بقیع جانے کے لئے اجازت طلب نہیں کی گئی۔ حالانکہ اگر بیوی کی اجازت ضروری تھی تو وُہ گھر سے باہر جانے کے لئے ہونی چاہئے تھی۔

۱۱۔ اِن تمام روایات سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ آپ بقیع پہلے کبھی تشریف نہیں لے گئے تھے۔ ورنہ حضرت عائشہؓ پیچھا نہ فرماتیں۔

۱۲۔ ان تمام روایات سے یہ بات متفقہ طور پر واضح ہوتی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے کوئی عبادت نہیں فرمائی اور نہ حضورؐ نے انھیں عبادت کا حکم دیا۔ حالانکہ ارشادِ الٰہی ہے۔

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا۔

اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے اور خود اس کی پابندی کیجئے۔ طٰہٰ

کیا یہ حضورؐ سے ممکن ہے کہ آپؐ انھیں عبادت کا حکم نہ دیں اور کیا یہ ممکن ہے کہ حضرت عائشہؓ اتنے افضل عمل کو ترک فرمادیں؟ کہیں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہؓ پر تبرّا تو نہیں۔

۱۳۔ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپؐ کا قیام اتنا طویل تھا کہ آپؐ کے قدم مبارک وَرم کر آئے۔ بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا قیام بہت ہلکا تھا۔ سجدہ طویل تھا اور بعض روایات سے معلوم

ہوتا ہے کہ نہ قیام طویل تھا نہ سجدہ بلکہ آپ تمام رات کھڑے اور بیٹھتے رہے۔

اِس طرح اِن روایات میں اتنا تضاد ہے کہ جو کسی صورت میں رفع نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ یہ سب روایات حضرت عائشہؓ سے مروی ہیں اوران سے نقل کرنے والے صرف دو شخص ہیں۔ عروہ اور مکحول۔ اور مکحول نے تو حضرت عائشہؓ کو دیکھا تک نہیں۔ اور عروہ سے اسے روایت کرنے والا یحییٰ بن ابی کثیر ہے۔ اس نے عروہ سے کبھی زندگی میں ملاقات نہیں کی۔ اِس طرح یہ تمام روایات منقطع ہیں اور جس طرح یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہؓ پہ جھوٹ بولا گیا ہے۔ اِسی طرح عروہ، یحییٰ بن ابی کثیر اور مکحول پر بھی جھوٹ بولا گیا ہے۔

۱۴۔ اِس روایت کو بیہقی نے رُوِیَ کے لفظ سے روایت کیا ہے۔ اور لفظ رُوِیَ خود ضعف پر دلالت کرتا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہوا کہ بیہقی کے نزدیک مکحول کی جانب اس کی نسبت صحیح نہیں۔

۱۵۔ اِس روایت کے بعض جملے عربی ادبیت کے لحاظ سے نہایت بھدّے معلوم ہوتے ہیں۔ حالانکہ حضرت عائشہؓ بہت بڑی ادیبہ اور خطیبہ تھیں یہ زبان اُن کی قطعاً نہیں ہوسکتی۔

۱۶۔ اِس روایت میں یہ خاص طور پہ ذکر ہے کہ آپؐ نے بقیع پہنچ کر شہداء کے لئے بھی دُعائے مغفرت فرمائی۔ کیا کوئی مؤرخ یہ بتا سکتا ہے کہ حضورؐ کی حیات میں بقیع میں کون کون سے شہداء دفن ہوئے تھے کیونکہ عام طور پر جو صحابہ جہاں شہید ہوئے وہ اسی جگہ دفن کئے گئے ہیں حتیٰ کہ جب جنگِ اُحد کے موقع پر انصار نے نضرؓ بن انس کی لاش مدینہ لانا چاہی تو آپ نے منع فرمایا اور لاش واپس منگا کر میدانِ اُحد میں دفن کی۔ اِس طرح یہ روایت تاریخ کے بھی قطعاً خلاف ہے۔

Marfat.com

۱۷۔ اِس کا کیا سبب ہے کہ شبِ برات کے سلسلے میں جتنی بھی روایات پائی جاتی ہیں وہ سب موضوع یا شدید ضعیف ہیں اور اس سلسلہ میں ایک بھی صحیح روایت نہیں ملتی۔ جب کہ لیلۃ القدر کے بارے میں بہت سی صحیح احادیث موجود ہیں؟

۱۸۔ اِس کی کیا وجہ ہے کہ ائمہ فقہار نے شب قدر کی شب بیداری کو مستحسن قرار دیا۔ لیکن اِس رات کے بارے میں ایک لفظ بھی تحریر نہیں فرمایا؟

۱۹۔ اِس کی کیا وجہ ہے کہ امام مالک، امام ابوحنیفہ اور ان ہر دو حضرات کے شاگردوں اور امام شافعی نے شب برات کے سلسلہ میں کوئی روایت نقل نہیں کی۔ حالانکہ حجاج نے جس روایت کو بیان کیا ہے وہ عروہ کی جانب منسوب ہے اور امام ابوحنیفہؒ اور امام مالک وغیرہ انھی عروہ کے صاحبزادے ہشام کے شاگرد ہیں۔

۲۰۔ اِس کا کیا سبب کہ عروہ سے یحییٰ بن ابی کثیر بصری کے علاوہ کوئی اسے روایت نہیں کرتا۔ جب کہ ان کے صاحبزادے ہشام اور امام زہری جو عروہ کے خاص شاگرد ہیں۔ ان سے اِس سلسلہ میں ایک لفظ بھی مروی نہیں۔

۲۱۔ تعجب ہے کہ اہلِ مدینہ کو حضرت عائشہؓ کی حدیث کا علم نہ ہو اور وہ پر لگا کر دمشق یا بصرہ پہنچ جائے اور مکحول یا یحییٰ بن ابی کثیر کو اس کا علم ہو جائے حالانکہ اہلِ مدینہ کے بعد سب سے پہلے اِس روایت کا علم حضرت عبداللہ بن مسعود کے شاگردوں کو ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ ان کے شاگردوں میں سے علقمہ مسروق اور زر بن حبیش وغیرہ حضرت عائشہؓ کے بھی شاگرد ہیں اور انھی کے سلسلہ میں امام ابوحنیفہ ہیں۔

اِس جھوٹ کا سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہوتا بلکہ حضرت عائشہؓ کی ایک اور روایت بھی ملاحظہ فرمائیے۔

Marfat.com

علاء بن حارث کی روایت

یہ روایت بھی بیہقی کی ہے۔ اگرچہ ہمیں بیہقی کی "سنن الکبریٰ" میں کہیں نظر نہیں آئی۔ لیکن حافظ منذری المتوفی ۶۵۶ھ نے "الترغیب والترہیب" میں بیہقی کا حوالہ دیا ہے۔ ممکن ہے کہ بیہقی کی کسی اور کتاب میں مروی ہو۔ لیکن منذری نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ منذری سے غلطی واقع ہوئی ہو۔ اس قسم کی بھول ہر انسان سے ہو سکتی ہے۔ بیہقی کے الفاظ ہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اللیل
فصلی فاطال السجود حتی ظننت انہ قد قبض فلما
رایت ذلک قمت حتی حرکت ابہامہٗ فتقوک فرجعت
سمعتہ یقول فی! سجودہ اعوذ بعفوک من عقابک
واعوذ برضاک من سخطک واعوذ بک منک
الیک لا احصی ثناء علیک کما اثنیت علی نفسک
فلما رفع راسہ من السجود وفرغ من صلاتہ قال یا
عائشۃ او یا حمیراء اظننت ان النبی صلی اللہ علیہ
وسلم قد خاص بک قلت لا واللہ یا رسول اللہ
ولکنی ظننت انک قد قبضت لطول سجودک فقال
اتدری ای لیلۃ ھذہ؟ قلت اللہ ورسولہ اعلم قال

Marfat.com

ھذہٖ لیلۃ النصف من شعبان ان اللہ عزوجل
یطلع علی عبادہٖ فی لیلۃ النصف من شعبان
فیغفر للمستغفرین ویرحم المسترحمین ویؤخر
اھل الحقد کما ھم۔ الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۴۶۱

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو کھڑے ہوتے نماز ادا فرمائی
اور اتنا طویل سجدہ فرمایا کہ میں یہ بدگمانی کرنے لگی کہ آپؐ کی
روح قبض کر لی گئی ہے۔ جب میں نے یہ صورتحال دیکھی تو
کھڑی ہوئی حتیٰ کہ آپؐ کے انگوٹھے کو ہلایا (انگوٹھا سجدے
کی حالت میں زمین کے ساتھ چسپاں ہوتا ہے اس کو ہلانا کیسے
ممکن ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہؓ
زمین پر آرام فرماتے اور حجرہ مبارکہ میں صرف اتنی گنجائش
تھی کہ حضورؐ اگر نماز پڑھتے تو آپؐ کے لیے سجدے کی جگہ
نہ ہوتی اور جب آپؐ سجدہ فرماتے تو حضرت عائشہؓ کے
چوکہ مارتے، حضرت عائشہؓ اپنے پاؤں سمیٹ لیتیں تو
سجدہ فرماتے۔ ایسی صورت میں کھڑے ہو کر تلاش کرنا یہ
راوی کی حماقت و جہالت پر دلالت کرتا ہے)۔ آپؐ نے
حرکت فرمائی میں وہاں سے لوٹی اور میں نے سنا کہ آپؐ
سجدے میں فرما رہے تھے۔ میں آپ کے عفو کے ذریعہ آپ
کی سزا سے اور آپ کی رضا کے ذریعہ آپ کی ناراضگی سے
پناہ مانگتا ہوں اور میں آپ کے واسطہ سے آپؐ کی پناہ مانگتا
ہوں، میں آپ کی ثناء کا شمار نہیں کر سکتا۔ آپ ویسے
ہی ہیں جیسے آپ نے اپنی ثنا فرمائی ہے۔ جب آپؐ نے
سجدے سے سر اٹھایا اور نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا اے

Marfat.com

عائشہؓ یا اے حمیراء کیا تو گمان کرتی ہے کہ اللہ کا رسول تیرے ساتھ زیادتی کرے گا۔ میں نے عرض کیا میں نے آپ کے طویل سجدے کی باعث یہ بدگمانی کی تھی کہ آپؐ کی رُوح قبض کرلی گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا تو جانتی ہے کہ یہ کون سی رات ہے۔ میں نے عرض کیا۔ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے آپؐ نے فرمایا یہ نصف شعبان کی شب ہے اور اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب اپنے بندوں کی طرف طلوع فرماتا اور مغفرت اور رحمت چاہنے والوں کی مغفرت کرتا اور ان پر رحمت نازل کرتا ہے اور کینہ پروروں کو ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔

اس روایت میں بقیع کا کوئی قصّہ موجود نہیں۔ اس روایت میں اور دیگر روایات میں جو اختلاف ہیں وہ قارئین کرام خود ہی محسوس کرسکتے ہیں۔ اس لیئے ان اختلافات کو بار بار دُہرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ امام بیہقی نے اسے نقل کرکے دو باتیں مزید فرمائی ہیں وہ ضرور غور طلب ہیں۔ فرماتے ہیں

وَیحتمل ان یکون العلاء اخذہ من مکحول

الترغیب والترہیب ج۔۳ ص۱۶۱

یہ بھی احتمال ہے کہ علاء نے یہ روایت مکحول سے سُنی ہو۔

گویا یہ کوئی نئی روایت نہیں۔ بلکہ وہی مکحول کی روایت ہے جو "غنیہ" اور "بیہقی" کے حوالے سے اُوپر گذر چکی ہے۔ مکحول کی ان تینوں روایات پر ایک بار پھر نظر ڈالیئے تو آپ کو اختلافات کا ایک سمندر موجزن نظر آئے گا۔ حالانکہ تینوں روایات کا راوی ایک ہے اور تینوں روایات حضرت عائشہؓ سے مروی ہیں۔

آپ سطور بالا میں پڑھ چکے ہیں کہ مکحول نے صحابہ سے جو عام روایات

Marfat.com

نقل کی ہیں وہ سب منقطع ہیں اور وہ درمیان سے کذاب روات کو حذف کر دیتے ہیں۔ حالانکہ مکحول نے صحابہ کا زمانہ پایا ہے اور ۱۱۳ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے اور علاء بن حارث تو ان کا شاگرد ہے۔ جب مکحول نے حضرت عائشہؓ سے کوئی روایت نہیں سنی تو علاء کیسے سن لیتا۔ الغرض یہ روایت منقطع ہے اور اتفاق سے بیہقی المتوفی ۴۵۸ھ بھی اسے مرسل منقطع قرار دیتے ہیں وہ فرماتے ہیں۔

هذا مرسل جيد لان العلاء لم يسمع من عائشة

الترغيب والترهيب ج۔۳ ص۱۶۱

یہ عمدہ مرسل ہے۔ کیونکہ علاء نے حضرت عائشہؓ سے کوئی روایت نہیں سنی۔

اس مرسل و منقطع کے عمدہ اور اعلیٰ ہونے کی دو شرطیں ہیں۔

اول :۔ امام بیہقی سے علاءؒ تک سند کے تمام روات ثقہ ہوں اور سند متصل ہو اور ہمیں بیہقی میں یہ روایت منظر نہیں آئی۔

دوئم :۔ علاء اتنے اعلیٰ درجہ کے راوی ہوں کہ ان کی مرسل بھی محدثین کے نزدیک قابلِ قبول ہو۔ حالانکہ صرف چند اشخاص ہیں ہیں جن کی مرسلات قابل قبول ہیں اور جب کہ اس روایت کا دارو مدار علاء پر نہیں بلکہ مکحول پر ہے اور مکحول مدلس ہیں اور مدلس کی مرسل تو کجا حدیث متصل بھی قابل قبول نہیں ہوتی جو لفظ عن کے ذریعہ روایت کی جائے۔ ایسی صورت میں علاء کے ثقہ ہونے سے بھی کام نہ چلے گا۔ پھر علاء پر خود محدثین کا کلام ہے ابن سعد کا قول ہے۔

كان قليل الحديث ولكنه كان اعلم اصحاب مكحول

واقدمهم وكان يفتي حتى خولط۔

ان سے حدیثیں کم مروی ہیں لیکن مکحول کے شاگردوں میں یہ

سب سے پہلے شاگرد ہیں اور سب سے زیادہ صاحب علم ہیں
یہ فتویٰ دیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ آخر میں دماغ خراب ہوگیا۔

ابن معین فرماتے ہیں۔

ثقۃ یری القدر — ثقہ ہیں لیکن قدری (تقدیر کے منکر) ہیں

ابوداؤد کی رائے ہے۔

ثقۃ تغیر عقلہ — ثقہ ہیں لیکن عقل جاتی رہی تھی۔

امام بخاری کا فیصلہ ہے

منکر الحدیث — (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۹۸)

منکر الحدیث ہے۔

اِسی باعث امام بخاریؒ نے اس سے "اپنی صحیح" میں کوئی روایت نہیں لی اور جن محدثین کے نزدیک وہ ثقہ ہیں اُن کے نزدیک بھی آخر میں اس کی عقل جاتی رہی تھی اور مذہب کے لحاظ سے بھی قدری تھے اب اس کا کیا ثبوت کہ علاء سے جس نے یہ روایت نقل کی ہے اُس نے علاء سے جوانی میں سُنی تھی۔ پاگل ہونے کے بعد نہیں سُنی۔ ایسی صورت میں اُسے عمدہ مُرسل قرار دینا ایک قسم کی زبردستی ہے۔ بلکہ اُسے مُرسل کہنا ہی غلط ہے۔ کیونکہ جب بیہقی نے یہ احتمال بھی ظاہر کیا ہے کہ ممکن ہے کہ اس نے یہ روایت مکحول سے لی ہو۔ اِس طرح علاء اور حضرت عائشہؓ کے درمیان کم از کم دو رواۃ ترک ہونگے اور جس روایت میں سے ایک مقام سے دو راوی ترک ہو جائیں وہ مُرسل نہیں کہلاتی بلکہ اُسے معلق کہا جاتا ہے جو بدترین قسم کی ضعیف ہوتی ہے اور جب کہ مکحول کذاب رواۃ کو درمیان سے حذف کرتے ہیں تو اِس صورت میں یہ روایت مرسل جید نہ ہوگی بلکہ موضوع و منکر ہوگی۔

یہ تمام صورتیں اِس وقت ہیں جبکہ ہم یہ تسلیم کرلیں کہ مکحول اور حضرت عائشہؓ کے درمیان صرف ایک راوی حذف ہوا ہے۔ حالانکہ بعض اوقات ایسا بھی

Marfat.com

ہوتا ہے کہ ایک ہی روایت میں چار پانچ "تابعی یا تبع" تابعین یا ہم عصر جمع ہو جائیں۔ مثلاً ابو حنیفہ۔ عن حماد عن ابراہیم عن علقمہ، عن عبداللہ بن مسعود اس سند میں چار تابعی ہیں اور بعض اوقات سات ہم عصر بھی جمع ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ عقلی طور پر لاتعداد بھی جمع ہو سکتے ہیں تو یہ ثابت کرنے کی ضرورت ہے کہ درمیان سے صرف ایک راوی حذف ہوا ہے پانچ یا سات حذف نہیں ہوئے اور پھر ان کا ثقہ ہونا ثابت کیا جائے اور پھر یہ ثابت کرنا بھی ضروری ہوگا کہ مکحول صرف ثقہ راوی کو حذف کرتے ہیں ورنہ ہر صورت میں یہ روایت مردود ہوگی۔

۲۔ اس روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو یا حمیراؓ کہہ کر پکارا ہے جو حضرت عائشہؓ کا لقب ہے۔ ملا علی قاری اپنی "موضوعات کبیر" میں فرماتے ہیں۔

قال المزی کل حدیث فیہ یاحمیراء فھو موضوع

موضوعات کبیر مترجمہ ص ۴۴۳

حافظ مزی کہتے ہیں۔ جس حدیث میں بھی یا حمیراء کا لفظ ہو۔ وہ موضوع ہے۔

اس لحاظ سے بیہقی کی یہ روایت حافظ ابوالحجاج جمال الدین مزی المتوفی ۷۴۲ھ اور ملا علی قاری حنفی کے نزدیک موضوع ہوئی اس کے مرسل جید ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

یہ روایت مکحول کی گذشتہ روایات اور اسی طرح حجاج کی روایت کے خلاف ہے اور اصولِ حدیث کا قاعدہ ہے کہ جب کسی حدیث کی سند یا متن میں اس قسم کا اختلاف ہو جو رفع نہ ہو سکے تو وہ حدیث مضطرب کہلاتی ہے اور حدیثِ مضطرب کسی صورت میں قابلِ قبول نہیں ہوتی۔

ہم پہلے یہ بتا چکے ہیں کہ ان روایتوں میں جو دعا آ رہی ہے وہ کہاں سے

اخذ کی گئی ہے۔ اَب آیئے قصۂ بقیع بھی ملاحظہ کر لیجئے کہ اِس کی حقیقت کیا ہے۔

واقعۂ بقیع کی حقیقت

اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ بقیع تشریف لے گئیں یا نہیں، اِس کی وضاحت اُمّ المومنین نے خود ایک حدیث میں فرمائی ہے۔ امام مالک نے اپنی مؤطا میں امّ المومنین سے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں۔

قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ فلبس ثیابہٗ ثم خرج قالت فامرت جاریتی بریرۃ تتبعہ فتبعتہ حتی جاء البقیع فوقف فی ادناہ ما شاء اللہ ان یقف ثم انصرف فسبقتہ بریرۃ فاخبرتنی فلم اذکر لہٗ شیئاً حتی اصبح ثم ذکرت ذلک لہٗ فقال انی بعثت لاھل البقیع لاصلی علیھم۔ کشف الغطا شرح المؤطا ص ۲۲۴

ایک رات رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اُٹھے، کپڑے پہنے اور گھر سے باہر تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں، میں نے اپنی باندی بریرہؓ کو پیچھا کرنے کا حکم دیا۔ اُس نے آپؐ کا پیچھا کیا۔ حتّٰی کہ آپ بقیع تشریف لے گئے۔ اس کے ایک کنارے پر جب تک اللہ نے چاہا آپ کھڑے رہے۔ اِس کے بعد آپؐ واپس ہوئے۔ بریرہؓ پہلے واپس آگئی۔ اس نے مجھ سے تمام واقعہ بیان کیا۔ میں نے صبح تک تو حضورؐ سے کسی بات کا ذکر نہیں کیا۔ صبح کے بعد آپؐ سے واقعہ بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا مجھے اِس لئے بھیجا گیا تھا تاکہ

Marfat.com

میں اہلِ بقیع کی نماز پڑھوں یا اُن کے لیے دُعائے مغفرت کروں۔

گویا ام المؤمنین بقیع قطعاً تشریف نہیں لے گئیں، اور نہ انھوں نے آپؐ کا پیچھا کیا۔ بلکہ انھوں نے اپنی خادمہ حضرت بریرہؓ کو دریافت حال کے لیے روانہ فرمایا تھا۔ ~~اس سے اس قصۂ بقیع کا جھوٹ ہونا ثابت ہوا۔~~

نیز یہ ممکن بھی نہ تھا کہ ام المؤمنین قبرستان تشریف لے جائیں اس لیے کہ ازواجِ مطہرات کو یہ حکم دیا گیا تھا۔

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی۔ سورۃ الاحزاب

تم اپنے گھروں میں جم کر بیٹھو، اور زمانۂ جاہلیّت کی طرح اپنی زینت دِکھاتی نہ پھرو۔

ایسی صورت میں کیا یہ ممکن تھا کہ ام المؤمنین بلاضرورت شرعی حکم قرآنی کی خلاف ورزی فرماتیں، اور اگر وہ غلطی سے ایسا کر بھی بیٹھتیں تو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم ان کو تنبیہ فرماتے۔ اِس سے یہ بات تو پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اُمّ المؤمنین نے آپؐ کا قطعاً کوئی پیچھا نہیں کیا۔ ہاں یہ امور ضرور غور طلب ہیں کہ آپؐ بقیع کس لئے تشریف لے گئے تھے اور کب تشریف لے گئے تھے؟

جہاں تک بقیع جانے کی وجہ کا سوال ہے تو اِس حدیث میں خود حضورؐ ارشاد فرما رہے ہیں۔

انی بعثت لاھل البقیع لاصلی علیھم

میں اِس لیے بھیجا گیا تھا کہ میں اہلِ بقیع کی نماز پڑھوں یا اُن کے لیے دُعائے مغفرت کروں۔

اِن الفاظ سے یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ آپؐ خود بخود تشریف نہیں لے گئے تھے بلکہ حکمِ الٰہی کے تحت تشریف لے گئے تھے اور غرض و غایت یہ تھی کہ ان

Marfat.com

کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے یا ان کے لیے دُعائے مغفرت کی جائے۔

علامہ ابن عبدالبر مالکی اور والد مرحوم مفتی اشفاق الرحمان کاندھلوی لکھتے ہیں۔

یحتمل ان الصلوۃ ھھنا الدّعاء والاستغفار وان تکون کالصلوۃ علی المیت خصوصیۃ لہٗ صلی اللہ علیہ وسلم لان صلوتہ علی من صلی علیہ رحمۃ فکانہ امر ان یستغفر لھم کشف الغطا ص ۲۲۴

یہ بھی احتمال ہے کہ اِس حدیث سے مراد دعا و استغفار ہو اور یہ بھی امکان ہے کہ نمازِ جنازہ کی طرح نماز پڑھی گئی ہو اور یہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہوگی۔ کیونکہ آپؐ کا نمازِ جنازہ پڑھنا مُردہ کے لئے رحمت کا سبب ہے۔ کیونکہ آپؐ کو اُن کے لئے استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔

ابن عبدالبر جو یہ فرما رہے ہیں کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے لئے استغفار کا حکم دیا گیا تھا تو یہ حقیقتاً صحیح ہے۔ اِس لئے کہ ارشادِ الٰہی ہے۔

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ التوبہ

اُسے نبی آپ ان کی نماز جنازہ پڑھیئے۔ یا ان کے لئے دُعائے مغفرت کیجئے، کیونکہ آپ کی صلات اُن کے لئے سکون کا باعث ہوگی۔ سورۃ التوبہ

اِس آیت میں بھی لفظ صلوٰۃ سے دونوں اُمور مراد ہو سکتے ہیں۔ یعنی نمازِ جنازہ اور دُعا و استغفار۔ گویا نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر یہ لازم کر دیا گیا تھا کہ آپ صحابہ کے لیے دعا و استغفار کریں اور نمازِ جنازہ بھی دعاؤ و استغفار ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے آٹھ سال بعد شہدائِ اُحد

Marfat.com

کے لیے دُعا و استغفار کیا اور ان کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ صحیح بخاری میں حضرت عقبہ بن عامر سے مروی ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج یومًا فصلی علی اھل احد صلاتہ علی المیت ثم انصرف إلی المنبر فقال انی فرطکم وانا شھید علیکم وانی اعطیت مفاتیح خزائن الارض وانی واللہ ما اخاف علیکم ان تشرکوا بعدی ولکن اخاف علیکم ان تنافسوا فیھا۔ نسائی ج۔ ۱ ص ۱۹۸، بخاری ج۔ ۱ ص ۱۷۹
ابو داؤد ج۔ ۲ ص ۱۰۳

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور اہلِ اُحد پر اسی طرح نماز پڑھی جس طرح میت پر نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ واپسی کے بعد آپؐ منبر پر تشریف لے گئے۔ اور فرمایا۔ میں تمہارا پیش رَو ہوں اور تم پر گواہ ہوں اور اللہ کی قسم میں اس وقت حوض (کوثر) کی طرف دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کی گئی ہیں۔ ہاں مجھے یہ خوف ہے کہ تم لوگ آپس میں جھگڑنے لگو گے۔

امام بخاری اور نسائی نے اس حدیث پر "شہید کے لئے نماز جنازہ" کی سُرخی قائم کی ہے۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام بخاری اور نسائی اس سے شہید کی نمازِ جنازہ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ یہ نماز جنازہ آٹھ سال بعد پڑھی گئی ہے۔ جیسا کہ آگے تشریح آئے گی۔ اسی لیے امام ابو داؤد نے اس حدیث پر یہ سُرخی قائم کی ہے کہ "قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟" پھر دوسری روایت پیش کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ نمازِ جنازہ آٹھ سال بعد پڑھی گئی ہے۔ حضرت عقبہؓ کا بیان ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی علی قتلی احد بعد ثمانی سنین کالمودع للاحیاء والاموات

ابوداؤد ج-۲ ص۱۰۴

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولین اُحد کی نمازِ جنازہ آٹھ سال بعد پڑھی اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ زندوں اور مُردوں سے رخصت ہو رہے ہیں۔

اِن احادیث سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ نمازِ جنازہ پڑھی گئی تھی اور یہ واقعۂ جنگِ اُحد کے آٹھ سال بعد پیش آیا۔ کیونکہ جس آیت میں آپؐ کو صحابہ کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا وہ آیت سنہ ۹ھ میں نازل ہوئی تھی۔ اور یہ وقوعہ سنہ ۱۱ھ میں پیش آرہا ہے اور جنگِ اُحد شوال سنہ ۳ھ میں ہوئی تھی۔ گویا یہ وقوعہ آخر عمر میں پیش آیا۔

اِبن ہشام نے اپنی سیرت میں محمد بن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ حضورؐ دن میں اُحد اور شب میں بقیع تشریف لے گئے، اور یہ جمعرات کا روز تھا اس کے بعد آپؐ کی علالت شروع ہوئی۔ پھر اس کے بعد آپ باہر کہیں تشریف نہیں لے جا سکے۔

ابن عبدالبر نے سند حسن کے ساتھ ابو مویہبہؓ صحابی سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

انی قد امرت ان استغفر لاھل البقیع فاستغفر لھم

مجھے حکم دیا گیا تھا کہ میں اہلِ بقیع کے لیے دُعائے مغفرت کروں، اِس لیے میں ان کے لیے دُعائے مغفرت کرنا چاہتا ہوں۔

پھر آپ بقیع تشریف لے گئے، اور اہلِ بقیع کے لیے دُعائے مغفرت کرنے کے بعد میری جانب متوجہ ہو کر فرمایا۔

Marfat.com

یا ابا مویہبۃ ان اللہ قد خیرنی فی مفاتیح خزائن الدنیا والخلد فیہا ثم الجنۃ ولقاء ربی فاخترت لقاء ربی فاخترت لقاء ربی فاصبح من تلک الیلۃ بدأ وجعہ الذی مات منہ ۔ کشف المغطا ص۲۲۴ انساب الاشراف ج ۱ ص۵۴۳

اے ابو مویہبہ اللہ نے مجھے اختیار دیا ہے کہ یا تو میں دنیا کے خزانے اور اس کی دوامی زندگی پسند کر لوں، یا جنت اور پروردگار کی ملاقات اختیار کر لوں۔ میں نے اپنے پروردگار کی ملاقات کو پسند کیا۔ اسی رات کے بعد صبح سے آپ کو وہ تکلیف شروع ہوئی جس میں آپؐ کی موت واقع ہوئی۔

محلی ابن حزم میں ہے کہ یہ واقعہ وفات سے صرف پانچ روز پیشتر پیش آیا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے قاضی عیاض مصری شارح مسلم کا قول نقل کیا ہے۔

قال عیاض فی اٰخر عمرہٖ یدل علیہ الاحادیث الاٰخر وانکار عائشۃ خروجہ ماخوج ۔ فتح الملہم شرح مسلم

قاضی عیاض فرماتے ہیں۔ یہ وقوعہ آخر عمر میں پیش آیا۔ جیسا کہ دیگر احادیث سے ثابت ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے آپؐ کے جانے پر انکار کیا۔

جلال الدین سیوطی زہر الربی میں فرماتے ہیں۔

اے فی آخر عمرہٖ بعد حجۃ الوداع

زہر الربی حاشیہ نسائی ج ۱ ص۲۰۶

یعنی آخر عمر میں حجۃ الوداع کے بعد

مؤطا امام مالک کے حاشیہ میں ہے

قال ابن الوضاح کانت القصۃ قبل موتہ بخمسۃ

Marfat.com

ایام۔ مؤطا امام مالک ص۸۵

ابن الوضاح کہتے ہیں یہ واقعہ وفات نبی سے پانچ روز پیشتر پیش آیا۔"

گویا یہ وفات سے پانچ روز پیشتر کا واقعہ ہے، یعنی ربیع الاول کا نہ کہ شعبان (شب برات) کا اور نہ اس سے پہلے حضورؐ کبھی رات کو بقیع تشریف لے گئے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی کا انتقال ہو گیا ہو اور اس میں آپ تشریف لے گئے ہوں، لیکن عام طور پر صحابہ آپ کو رات میں اس کی بھی تکلیف نہ دیتے تھے اور اگر ایسا واقعہ بارہا پیش آتا تو حضرت عائشہؓ کو کیا ضرورت تھی۔ نہ تو خود پیچھا کرتیں اور نہ کسی سے کراتیں، بلکہ یہ ایک معمول بن جاتا اور اس پر کوئی شک و شبہہ واقع نہ ہوتا۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ شب برات میں یہ بقیع کی کہانی سراسر جھوٹ اور فریب ہے۔ اس رات تو کجا، ام المؤمنین کبھی بقیع تشریف نہیں لے گئیں۔

اگر شب برات میں قبرستان جانے والی روایت کو قبول بھی کیا جائے تو حدیث پر عمل اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہر شخص کی بیگم صاحبہ، صاحب بہادر کا پیچھا کرتے ہوئے قبرستان نہ پہنچیں اور وہ بھی اس صورت کے ساتھ کہ خاوند بیوی کو کچھ نہ بتائے کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ بلکہ بیوی کے سونے کا انتظار کرے۔ ورنہ اس بے سروپا روایت پر قطعاً عمل نہ ہو گا افسوس یہ امت خرافات میں کھو گئی۔

یہ بھی ذہن میں رکھئے کہ عورتوں کے لیے قبرستان جانا حرام ہے۔ کیونکہ ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ نے عبداللہ بن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لعن اللہ الزورات القبور والمتخذین علیہا المساجد والسرج علیہا۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں، قبروں پر مساجد بنانے والوں، قبروں پہ چراغ جلانے والوں پہ لعنت بھیجتا ہے۔

ایسی صورت میں یہ دعویٰ کہ ام المومنین بقیع لشریف لے گئی تھیں یہ ایک کھلا تبرا ہے۔

نوٹ:۔ حضرت عائشہ رضہ کی یہ حدیث کہ میں نے بریرہ کو بھیجا تھا خود نہیں گئی تھی سنن نسائی میں موجود ہے۔ اسی طرح ابو مویہہ کی حدیث جس کا حوالہ والد مرحوم نے دیا ہے اسے ابن عبد البر کے علاوہ مورخ بلاذری نے متعدد سندات کے ذریعہ "انساب الاشراف" میں بھی نقل کیا ہے۔

نتیجتہً تمام محدثین کرام اور تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ حضورؐ رات کو بقیع وفات سے پانچ روز پیشتر تشریف لے گئے تھے۔ ماہ شعبان میں ایسا کوئی خطرناک حادثہ پیش نہیں آیا تھا۔

اب اگر حضورؐ کی وفات ۹ ربیع الاول کو ہوئی جو مورخین کا فیصلہ ہے تو آپ بقیع ربیع الاوّل کی چوتھی شب میں تشریف لے گئے۔ اگر ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی جیسا کہ بعض مؤرخین اور امام سلیمان تیمی کا قول ہے۔ تو ستائیس یا اٹھائیس صفر کو تشریف لے گئے اور اگر آپ کی وفات بارہ ربیع الاول کو ہوئی جو واقدی کذاب رافضی کا قول ہے تو ساتویں ربیع الاول کی شب میں بقیع تشریف لے گئے تھے۔

Marfat.com

حضرت عائشہ رضؓ

کی ایک اور روایت

خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۳ھ، ابو یعلیٰ المتوفی ۵۰۷ھ اور شیخ عبدالقادر جیلانی المتوفی ۵۶۱ھ نے حضرت عائشہ کی ایک روایت اِس سند سے نقل کی ہے۔

اخبرنا ابو نصر بن محمد عن والدہ ابی علی الحسین باسنادہ عن ھشام بن عروۃ عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصوم حتی نقول لا یفطر ویفطر حتی نقول لا یصوم و کان احب صیامہ فی شعبان فقلت یارسول اللہ مالی اری صیامک فی شعبان فقال صلی اللہ علیہ وسلم یاعائشۃ انھا شھر ینسخ لملک الموت فیہ رسم من یقبض روحہ فی بقیۃ العام فانا اُحب ان لا ینسخ اسمی الا وانا صائم۔

غنیہ ج۔۱ ص ۶۷۷

ہمیں ابو نصر بن محمد نے خبر دی وہ اپنے باپ ابو علی الحسین سے روایت کرتا ہے، وہ اپنی سند سے ہشام بن عروہ سے وہ حضرت عائشہؓ سے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم روزے رکھتے۔ حتی کہ ہم کہتے کہ اب آپ افطار نہ فرمائیں گے اور جب آپ افطار کرتے تو ہم کہتے کہ اب آپ روزے نہ رکھیں گے۔ (یہاں تک حدیث صحیح ہے اور آگے حضور اکرم اور حضرت عائشہؓ پر جھوٹ ہے) اور آپ کو شعبان میں روزے بہت محبوب تھے، میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا بات ہے کہ میں آپ کو شعبان میں بہت روزے رکھتے دیکھتی ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے عائشہؓ یہ ایسا مہینہ ہے جس میں اس سال مرنے والوں کے نام لکھ کر ملک الموت کو دیئے جاتے ہیں اور میں یہ محبوب رکھتا ہوں کہ جب میرا نام لکھ کر دیا جائے تو میں روزے سے ہوں۔"

"غنیہ" کی اس روایت میں متعدد عیوب پائے جاتے ہیں۔

۱۔ ابونصر اور اس کا باپ دونوں مجہول ہیں۔

۲۔ ابونصر کے باپ نے ہشام تک کی کوئی سند بیان نہیں کی۔ حالانکہ ان دونوں کے درمیان ساڑھے تین سو سال کا فرق ہے۔

۳۔ ابونصر کے ابا جان کا کہنا ہے کہ ہشام نے یہ روایت حضرت عائشہؓ سے نقل کی ہے۔ حالانکہ ہشام حضرت عائشہؓ کی وفات کے بعد پیدا ہوئے۔ ولی الدین الخطیب مصنف "مشکوٰۃ" اپنی "الاکمال فی اسماء الرجال" میں حضرت عائشہؓ کی وفات کے بارے میں لکھتے ہیں۔

ماتت بالمدینۃ سنۃ سبع وخمسین وقیل سنۃ ثمان وخمسین لیلۃ الثلثاء لسبع عشرۃ خلت من رمضان۔ مشکوٰۃ ص۶۱۲

حضرت عائشہؓ نے ۵۷ھ میں وفات پائی اور ایک ضعیف قول یہ ہے کہ سترہ رمضان چہار شنبہ کی شب میں ۵۸ھ میں وفات پائی۔

Marfat.com

اور ہشام بن عروہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

ولد سنة احدی وستین ومات بهاسنت ست واربعین ومائة۔ مشکوٰۃ صـ۶۲۲

ہشام ۶۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۴۶ھ میں وفات پائی۔

ہشام حضرت عائشہؓ کی وفات کے تین یا چار سال بعد پیدا ہوئے۔ تو کیا ہشام نے یہ روایت اپنی پیدائش سے قبل ہی عالم بالا میں سن لی تھی۔ شیخ عبدالقادر اور ابو نصر وغیرہ کو اتنی بات بھی معلوم نہیں کہ ہشام حضرت عائشہؓ کے شاگرد نہیں۔ بلکہ ہشام کے والد عروہ حضرت عائشہ کے شاگرد ہیں جو ان کی بڑی بہن حضرت اسماءؓ کے بیٹے ہیں۔ جن کی وفات ۹۴ھ میں ہوئی تھی۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کے ساتھ خطیب المتوفی ۴۶۳ھ اور ابی یعلی المتوفی ۳۰۷ھ کی روایت کے الفاظ بھی نقل کر دیئے جائیں۔ کیونکہ وہ بھی ہشام سے اسے روایت کر رہے ہیں اور تقریباً مضمون بھی ایک ہے۔ ابو یعلیٰ کے الفاظ ہیں۔

عن عائشة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصوم شعبان کلّہٗ قال قلت یارسول اللہ احب الشهور الیك ان تصوم شعبان قال ان اللہ یکتب علی کل نفس منیة فاحب ان یاتینی اجلی وانا صائم۔ مجمع الزوائد ج ۳ صـ۱۹۲

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام شعبان کے روزے رکھتے۔ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ آپ کو تمام مہینوں سے زیادہ شعبان میں روزے رکھنا بہت محبوب ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر نفس کی موت

Marfat.com

لکھتا ہے اور میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میری موت روزے
کی حالت میں ہو۔

صاحب" مواہب لدنیہ" نے اُسے نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے۔

یروٰی عن ھشام مرسلا

یہ ہشام سے مرسلاً روایت کی جاتی ہے۔

یعنی ہشام اسے حضرت عائشہؓ کا نام لیے بغیر روایت کرتے ہیں۔
یعنی تابعی اور صحابی دونوں کا ذکر نہیں کرتے اور جب دو راوی چھوٹ گئے تو
یہ روایت ناقابلِ اعتبار ہوئی۔ ویسے ہشام تک بھی اس کی سند درست نہیں۔
"مواہب لدنیہ" کے مصنف لکھتے ہیں۔

اسنادہ ضعیف اس کی سند ضعیف ہے۔

ہیثمی" مجمع الزوائد" میں فرماتے ہیں

فیہ مسلم بن خالد الزنجی وفیہ کلام

"مجمع الزوائد" ج۔۳ ص ۱۹۲

اِس کی سند میں مسلم بن خالد الزنجی ہے اور اس میں کلام ہے۔

یہ مسلم بن خالد الزنجی مکہ کے فقیہہ ہیں۔ بنو مخزوم کے غلام تھے۔ ابو
خالد ان کی کنیت ہے۔ اسّی سال کی عمر میں ۱۸۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔
ابراہیم حربی المتوفی ۲۸۵ھ کہتے ہیں کہ چونکہ یہ بہت سیاہ تھے اِس لیے انھیں
زنجی کہا جانے لگا۔ ابن سعد المتوفی ۲۳۰ھ کا بیان ہے کہ ہمیں یہ بہت
سپید تھے۔ لوگ نظرِ بد سے بچانے کے لیے انھیں زنجی کہتے تھے۔ ازرقی
المتوفی ۲۱۲ھ کا بیان ہے کہ نہایت عبادت گزار اور ہمیشہ روزے رکھتے
تھے۔ گویا یہ بھی ایک صوفی تھے۔ بخاری، مسلم، نسائی اور ترمذی نے ان سے
کوئی روایت نہیں لی۔ ساجی کا قول ہے۔

کثیر الغلط یجاء عن یری القدر وقال البخاری منکر

Marfat.com

الحدیث وقال ابو حاتم لا یحتج بہ وقال ابن
المدینی لیس بشیئ وضعفہ ابو داؤد

"میزان" ج - ۴ ص ۱۰۲

بہت غلطیاں کرتا اور قدر کا منکر تھا۔ بخاری کہتے ہیں۔ منکر الحدیث ہے۔ ابو حاتم کا قول ہے یہ حجت نہیں ہے علی بن المدینی کہتے ہیں یہ کچھ نہیں ہے اور ابو داؤد نے اسے ضعیف کہا ہے۔

یہ حدیث میں بے پناہ غلطیاں کرتے تھے اسی باعث یہ منکر الحدیث قرار دیئے گئے۔ صحاح ستہ میں سے صرف ابو داؤد نے ان سے روایت لی ہے اور انھیں ضعیف قرار دیا ہے۔

پھر ابو یعلیٰ اور عبد القادر کی روایت میں خود اختلاف پایا جاتا ہے۔ اور عبد القادر نے تو پوری سند بھی نقل نہیں کی۔ لہٰذا اس پر مزید بحث فضول ہے۔ وہ تو شب دیجور کی طرح تاریک ہے۔

اتفاق سے یہ روایت خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۳ھ نے بھی اپنی تاریخ میں ذکر کی ہے۔ لیکن اس میں بھی مسلم بن خالد الزنجی موجود ہے۔ جو منکر الحدیث ہے اور خطیب کی کتابیں چوتھے درجہ میں داخل ہیں۔ جن پر دین کی بنیاد قائم نہیں کی جا سکتی۔ چوتھے درجہ کی کتابوں میں وہ روایات پائی جاتی ہیں جن کا تابعین، تبع تابعین اور ائمہ محدثین کے دور میں کوئی وجود نہ تھا۔ شاہ عبد العزیز دہلوی، عجالہ" میں لکھتے ہیں۔

وطبقہ رابعہ احادیثے کہ نام و نشان آنہا در قرون سابقہ معلوم نبود و متاخراں رار روایت کردہ اند۔ پس حال آں از دو شق خالی نیست یا سلف تفحص کردہ اند و آنہارا اصل نیافتند تا مشغول بہ روایت آنہا می شدند یا یافتند و دراں؟ قدح و علتے دیدکہ باعث شد ہمہ آنہارا بر ترک روایت آنہا۔ "عجالہ"

Marfat.com

چوتھے طبقہ میں وہ احادیث ہیں کہ جن کا قرونِ سابقہ میں نام و نشاں بھی نہ پایا جاتا تھا۔ لیکن متاخرین نے انھیں روایت کیا۔ یہ روایات دو حال سے خالی نہیں ہیں۔ یا تو اسلاف نے انھیں تلاش کیا اور ان کی کوئی اصل نہیں پائی جو انھیں روایت کرتے یا ان کی اصل تو پائی، لیکن اس میں کوئی خامی اور علت ایسی دیکھی جس کے باعث انھوں نے اس روایت کو ترک کر دیا اور روایت نہیں کیا۔

مسند ابی یعلیٰ موصلی تیسرے درجہ میں داخل ہے۔ یہ درجہ بھی ناقابلِ اعتبار ہے۔ اس روایت کا پہلے دو درجوں میں نہ پایا جانا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ یا تو یہ روایت متقدمین کے دور میں موجود نہ تھی اور اگر موجود تھی تو انھوں نے اسے ناقابلِ اعتبار پایا اور روایت نہیں کیا۔ اور اس کا ایک بیّن ثبوت یہ بھی ہے کہ ابو یعلیٰ کی وفات ۳۰۷ھ میں ہوئی اور خطیب بغدادی نے ۴۶۳ھ میں وفات پائی۔ اس عرصہ میں بڑے بڑے محدث گزرے ہیں۔ مثلاً امام نسائی المتوفی ۳۰۳ھ ابوجعفر محمد بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ، امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی المتوفی ۳۶۰ھ، حافظ ابوالحسن علی بن عمر الدارقطنی المتوفی ۳۸۵ھ، حافظ ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری المتوفی ۴۰۵ھ، حافظ ابومحمد علی بن محمد المعروف بابن حزم اندلسی المتوفی ۴۵۶ھ، امام ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ المتوفی ۳۱۱ھ، حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر المالکی الاُندلسی المتوفی ۴۶۳ھ، حافظ ابوحاتم محمد بن حبان بستی المتوفی ۳۵۴ھ، علامہ ابوالسعادات مجدالدین المعروف بابن الجزری الشافعی المتوفی ۶۰۶ھ، احمد بن علی ابوبکر جصاص رازی المتوفی ۳۷۰ھ اور علامہ ابونعیم اصبہانی شافعی المتوفی ۴۳۰ھ اور دیگر بہت سے محدثین حضرات گذرے ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی نے اپنی کتاب میں اس حدیث کو روایت نہیں کیا۔ گویا یہ روایت ان حضرات کے نزدیک بھی ناقابلِ اعتبار تھی۔ ایسی صورت میں اس پر دین کی بنیاد قائم کرنا

ایک قسم کی خود فریبی ہے۔

۲۔ اِس روایت کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو لازم آئے گا کہ پورے شعبان کے روزے رکھے جائیں۔ کیونکہ اِس روایت میں کسی مخصوص دن یا تاریخ کا ذکر نہیں ہے کیا گیا۔ بلکہ آپؐ شعبان میں کثرت سے روزے رکھتے اور حضرت عائشہؓ کے سوال کے جواب میں آپ نے جو کچھ فرمایا اس سے بھی پورے ماہ کی عمومیت ظاہر ہوتی ہے لہٰذا اِس تخیّل کے تحت کہ شاید ہمارا نام مُردوں کی فہرست میں آجائے پورے ماہ کے روزے رکھنے چاہئیں۔ حالانکہ شب برأتیئے اِس کے قائل نہیں۔ اِس لیے اِس روایت کو ثبوت میں پیش کرنا ایک حماقت ہے۔

۳۔ اِس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام دن میں لکھے جاتے ہیں کیونکہ اگر رات میں تحریر کئے جاتے تو حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم دِن میں روزہ رکھنے کے بجائے پُورے شعبان کی شب بیداری فرماتے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے اور نہ شب برأتیئے اِس کے قائل ہیں۔ تو رات کی شب بیداری تو مہمل ہوئی۔

مولوی احتشام وغیرہ فضول یہ روایت دلیل میں پیش کرتے رہے ہیں۔ وُہ یہ روایت پیش کرنے سے قبل پُورے ماہ شعبان کے روزے رکھ کر دکھاتے تو کوئی بات تھی۔ حالانکہ انھوں نے تو رمضان کے روزوں کے لیے بھی طاقت کے انجکشنوں کو جائز قرار دیدیا تھا چلیئے وہ انجکشن لگوا کر ہی رکھ لیتے۔

۴۔ اگر مولوی احتشام الحق وغیرہ یہ فرماتے کہ یہ نام دِن اور رات میں کسی وقت بھی لکھے جاسکتے ہیں۔ لہٰذا پورے ماہ رات کی عبادت بھی کرنی چاہیئے تو اِس روایت میں رات کا کوئی ذکر نہیں۔ یہ خود ایک بدعت ہوگی۔ لیکن اگر وہ اس کا فتویٰ دیتے تو ہمیں چنداں فکر کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ اوّل تو عوام ہی ان کا پیچھا نہ چھوڑتے اور ہمارا مقصد خود بخود حل ہو جاتا۔ کیونکہ ہمارا اختلاف پندرھویں شب اور پندرہ شعبان کے سلسلہ میں ہے اور اس کی تخصیص ان کے عمل سے خود باطل ہو جاتی۔

۵۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ماہ شعبان میں اکثر روزے رکھتے۔ یہ بات احادیث صحیحہ سے قطعی طور پر ثابت ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ آپؐ کو ماہِ شعبان کے روزے محبوب تھے، یا اس میں مُردوں کے نام لکھے جاتے ہیں۔ یا اس میں رزق لکھا جاتا ہے۔ اس کی اصل وجہ انشاء اللہ ہم جلد قارئین کی خدمت میں خود حضرت عائشہؓ کی زبانی پیش کریں گے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ آپؐ نے رمضان کے علاوہ کسی متعینہ مہینے کے روزے نہیں رکھے۔ عبداللہ بن شقیق کا بیان ہے۔

قلت لعائشۃ ھل کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصوم شھرا معلوما سوی رمضان قالت لا واللہ ان صام شھرًا معلوما سوی رمضان حتی مضی بوجھہ ولا افطرہ حتی یصیب منہ

مسلم ج۔۱ ص ۳۶۴، نسائی ج۔۱ ص ۲۳۴

"میں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے علاوہ کسی متعینہ مہینے کے روزے رکھتے انھوں نے فرمایا۔ اللہ کی قسم آپؐ نے رمضان کے علاوہ کسی متعینہ مہینے کے روزے کبھی نہیں رکھے۔ حتی کہ آپؐ اپنی ذات سے گذر گئے (یعنی وفات ہو گئی) اور نہ کبھی ایسا ہوا کہ آپؐ نے پورے ماہ کا افطار کیا ہو اور اس کے مطلق روزے نہ رکھے ہوں"

اس حدیث میں حضرت عائشہؓ حلفیہ بیان فرما رہی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے علاوہ کسی متعینہ ماہ کے پورے روزے نہیں رکھے۔ یعنی شعبان میں اگر آپ نے روزے رکھے بھی ہیں تو وہ ایک اتفاقیہ امر ہے۔ جس کی وجہ خود حضرت عائشہؓ کی زبانی ہم آگے عرض کریں گے اور یہ بھی کبھی نہ ہوتا کہ حضورؐ کسی ماہ میں قطعاً روزے نہ رکھتے۔ اس حدیث مسلم سے ان روایات کا پردہ چاک ہو گیا ہے۔

آخری دوشنبہ کا روزہ

اخبرنا ابو نصر عن والدہ باسنادہ عن معاویۃ بن صالح قال ان عبید اللہ بن قیس حدثہ انہ سمع عائشۃ تقول کان احب الشہر الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان لقربۃ رمضان وقال عبید اللہ بن قیس قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صام اخر یوم الاثنین من شعبان غفرلہ۔ غنیۃ ج۔۱ ص ۶۷۸

ہم سے ابو نصر نے بیان کیا وہ اپنے باپ کی سند سے معاویہ بن صالح سے روایت کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے عبید اللہ بن قیس نے اس سے بیان کیا۔ اس نے حضرت عائشہؓ کو کہتے سُنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مہینوں سے زیادہ شعبان کے روزے رمضان کی قربت کے باعث محبوب تھے اور عبید اللہ بن قیس کہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص نے شعبان کے آخری دوشنبہ کا روزہ رکھا اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔

صحیح کہتے ہیں دروغ گو را حافظہ نباشد۔ اس روایت میں صرف آخری دو شنبہ کا روزہ رکھا گیا ہے۔ جس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ اس روایت سے یہ بھی ظاہر

Marfat.com

ہوا کہ حضورؐ کو جو شعبان سے محبت تھی وہ صرف رمضان کی قربت کے باعث تھی۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ یہ روایت بیان کر کے شیخ صاحب نے الٹی اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے۔ آپ حضرات اس سے یہ تصوّر نہ کریں کہ یہ روایت صحیح ہے۔ کیونکہ "غلیہ" اور صحیح حدیث یہ دو متضاد اُمور ہیں جو یکجا جمع نہیں ہو سکتے۔ شبِ دیجور سے روزِ روشن کا کیا تعلق۔

۱۔ اِس روایت کا آخری راوی عبید اللہ بن قیس ہے۔ ہمیں تمام اسماء الرجال میں اِس نام کا کوئی شخص نظر نہیں آیا۔ ممکن ہے کہ یہ عبداللہ بن قیس ہوں، لیکن عبداللہ بن قیس متعدد ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی حضرت عائشہؓ کا شاگرد نہیں یا تو یہ ایک فرضی نام ہے یا کسی بعد کے راوی نے کسی عبداللہ بن قیس پر جھوٹ بولا ہے جو وہ یہ کہہ رہا ہے کہ میں نے عائشہؓ سے سُنا۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ یہ عبداللہ بن قیس وہ شخص ہو جو ابو معاویہ سے روایت کرتا ہے لیکن وہ مجہول ہے اور وہ تبع تابعین کے بعد ہے۔ نسائی میں یہ روایت مختصراً عبداللہ بن ابی قیس سے مروی ہے۔ نسائی کے الفاظ ہیں۔

ان عبد اللہ بن ابی قیس حدثہ انہ سمع عائشۃ تقول کان احب الشھر الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یصومہ شعبان بل کان یصلہ رمضان

عبداللہ بن ابی قیس کہتا ہے کہ اس نے حضرت عائشہؓ سے سُنا وہ فرماتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شعبان کے روزے بہت بہت محبوب تھے۔ بلکہ آپ انھیں رمضان سے ملا دیتے۔

اِس کا راوی بھی وہی معاویہ بن صالح ہے جو شیخ صاحب کی روایت میں موجود ہے۔ لیکن نہ تو اس میں آخر دو شنبہ کا ذکر ہے اور نہ قربت رمضان کا۔ اور اس کا راوی عبید اللہ نہیں بلکہ عبداللہ ہے اور باپ کا نام قیس نہیں بلکہ

ابو قیس کنیت ہے۔

۲۔ اس کا دوسرا راوی معاویہ بن صالح ہے۔ یہ حمص کا باشندہ اور اندلس کا قاضی ہے۔ اس کی کنیت ابو عمرو ہے۔ امام احمد المتوفی ۲۴۰ھ اور ابو زرعہ المتوفی ۲۶۴ھ اسے ثقہ کہتے ہیں۔ لیکن یحییٰ بن سعید القطان المتوفی ۱۹۸ھ اسکی مذمت کرتے اور اسے پسند نہ کرتے۔ ابو حاتم المتوفی ۲۷۷ھ کہتے ہیں یہ حجت کے قابل نہیں۔ بخاری نے اس سے کوئی روایت نہیں لی۔ ابن معین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ یحییٰ بن معین المتوفی ۲۳۳ھ کا بیان ہے کہ امام عبدالرحمان بن مہدی المتوفی ۱۹۸ھ جب اس کی حدیث بیان کرتے تو امام یحییٰ بن سعید القطان انھیں ڈانٹتے۔ ۱۵۸ھ میں اس کی وفات ہوئی۔ میزان ج۔۴ ص ۱۳۵ اس کے اساتذہ میں کوئی عبداللہ بن قیس یا عبیداللہ بن قیس موجود نہیں۔

۳۔ ابو نصر کے والد اس معاویہ بن صالح سے روایت کر رہے ہیں اور ابو نصر شیخ عبدالقادر کا استاد ہے اور شیخ صاحب کی پیدائش ۴۷۰ھ ہے۔ سولہ سال کی عمر میں تحصیل علم کے لیے بغداد آئے۔ اب اگر اس ابو نصر سے شیخ صاحب نے بغداد آمد کے بعد حدیث سنی ہو تو کم از کم ۴۹۰ھ کے قریب سنی ہو گی۔ کیونکہ بغداد آمد کے بعد ایک عرصہ تک آپ ادب، فقہ، صرف و نحو اور دیگر علوم کی تحصیل میں مشغول رہے۔ اب اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ جس وقت شیخ صاحب نے ابو نصر سے ملاقات کی۔ اس وقت ابو نصر کے باپ کو مرے ہوئے چالیس سال گزر چکے تھے۔ حالانکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا باپ ——

—— اس وقت تک زندہ ہو۔ تب بھی کم از کم اس کا انتقال ۴۵۰ھ کے بعد ہونا چاہیئے۔ جب کہ معاویہ بن صالح کا انتقال ۱۵۸ھ میں ہوا۔ درمیان کے تین سو سال کے راوی کہاں گئے۔ کیا صوفیاء کے یہاں ہر چیز بے پر کے اڑتی ہے۔ اس سے یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صوفیاء کے پاس جو کہانیاں مشہور ہیں ان کی حقیقت کیا ہو گی۔ جب کہ حضورؐ کی ذات کے بارے میں وہ اس

اِس قسم کی بے پر کی اُڑاتے ہیں۔ ہمارے نزدیک تو یہ ابو نصر اور اس کے ابا جان دونوں فرضی شخصیتیں ہیں۔

۴۔ اِس روایت کی رُو سے شعبان کے تمام روزوں اور اس کی فضیلت سے تو چھٹکارا مل گیا۔ لیکن اس میں ایک نیا روزہ بھی بیان کیا گیا ہے اور وُہ ہے شعبان کے آخری دو شنبہ کا روزہ۔ آئیے اَب اِس کی حقیقت بھی دیکھ لیجئے۔

بخاری و نسائی نے حضرت ابو ہریرہ المتوفی ۵۷ھ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لا یتقدم من احد الشھر بیوم و لا یومین الا احد
کان یصوم صیاما فلیصمہ!

نسائی ج۔ ا ص ۲۱۹ ، ابوداؤد ج۔ ا ص ۳۲۶

کوئی شخص رمضان سے ایک یا دو روز قبل روزے نہ رکھے۔ ہاں اگر کوئی پہلے سے کسی متعینہ روز کا روزہ رکھتا چلا آیا ہو وُہ روزہ رکھ سکتا ہے۔

نیز نسائی نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لا تتقدموا الشھر بصوم ولا یومین الا ان یوافق
ذلک یوما کان یصومہ احدکم۔ نسائی ج۔ ا ص ۲۱۹

تم رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزے نہ رکھو۔ مگر وہ شخص جو کسی دن کا روزہ رکھتا ہو اور ان دنوں میں وہ دِن آجائے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی متعینہ دن کا روزہ رکھنے کا عادی نہیں اِس کے لیے آخر شعبان میں روزے رکھنا جائز نہیں۔

۵۔ اِس روایت میں ایک خاص علت اور پائی جاتی ہے اور وہ یہ کہ عبیداللہ بن قیس نے روایت کے ابتدائی الفاظ حضرت عائشہؓ کی جانب منسوب

Marfat.com

کئے۔ لیکن جب حضورؐ کا آخری دوشنبہ کے روزے کے بارے میں فرمان بیان کیا تو حضرت عائشہؓ کا نام حذف کر دیا۔ گویا کہ یہ آخری حصّہ حضرت عائشہؓ سے مروی نہیں۔ بلکہ یہ عبید اللہ بن قیس کی ایک کہانی ہے اور عبید اللہ بن قیس نامی کوئی شخص نہیں اور اگر کوئی موجود بھی ہو تو وہ صحابی نہیں۔ اِس طرح راوی بھی فرضی ہوا اور روایت بھی فرضی ہوگئی۔

۶۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ حضورؐ اکثر دوشنبہ کا روزہ رکھتے۔ اور فرمایا کہ اس میں اعمال اُٹھائے جاتے ہیں اسی دن مجھ پر وحی کی ابتدا ہوئی۔ اسی دن میں پیدا ہوا۔ یہ احادیث کسی اور مقام پر ہم نے پیش کی ہیں۔ اِس سے ہر دوشنبہ کی فضیلت ظاہر ہوئی نہ کہ شعبان کے آخر دوشنبہ کی۔ اِس کی تخصیص کسی صحیح حدیث میں کہیں موجود نہیں۔

شعبان کے روزوں کی حقیقت

نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم شعبان میں کثرت سے روزے رکھتے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات آپ وہ روزے رمضان سے ملا دیتے اور بعض اوقات کئی کئی روز تک بلا افطار روزے رکھتے رہتے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے۔

لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصوم شہرا اکثر من شعبان فانہ کان یصوم شعبان کلہ وکان یقول خذوا من العمل ما تطیقون فان اللہ لا یمل حتی تملوا واحب الصلوۃ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما دیم علیہ وان قلت وکان اذا صلی صلوۃ داوم علیہا۔ بخاری ج۔۱ ص۲۶۴، مسلم ج۔۱ ص۳۶۵

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان سے زیادہ کسی ماہ میں روزے

نہ رکھتے بلکہ تقریباً پورے شعبان کے روزے رکھتے اور فرماتے کہ اتنا عمل کرو جس کی طاقت رکھتے ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ عاجز نہ ہوگا، لیکن تم عاجز ہو جاؤ گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ نماز محبوب تھی جس پر مداومت ہو۔ اگرچہ وہ تھوڑی ہو اور جب حضور کوئی نماز پڑھ لیتے تو اس پر مداومت فرماتے۔

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصوم حتی نقول لا یفطر ویفطر حتی نقول لا یصوم ومارایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استکمل صیام شہر الا رمضان ومارایتہ اکثر صیاما منہ فی شعبان۔ مؤطا مترجمہ ص ۲۶۱، بخاری ج-۱ ص ۲۶۴، مسلم ج-۱ ص ۳۶۵ ابوداؤد ج-۱ ص ۳۳۸

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے رکھتے حتیٰ کہ ہم یہ کہنے لگتے کہ اب آپؐ افطار نہ فرمائیں گے اور جب افطار کرتے تو ہم کہنے لگتے کہ اب آپ روزے نہ رکھیں گے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رمضان کے علاوہ پورے ماہ کے روزے رکھتے نہیں دیکھا اور نہ شعبان سے زیادہ کسی اور ماہ میں روزے رکھتے دیکھا۔

یہی وہ روایت ہے جس کے آخری الفاظ میں ابو نصر نے ترمیم کر کے نئی روایت بنادی تھی اور اس روایت کے راوی ہشام بن عروہ نہیں۔ بلکہ ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف المتوفی ۹۴ھ ہیں۔

"نسائی" اور "ترمذی" وغیرہ میں حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں۔

مارایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصوم شہرین

متتابعین الا شعبان ورمضان وکان یصل شعبان برمضان۔ نسائی ج۔۱ ص۲۴۸، ترمذی ج۔۱ ص۱۲۲ ابوداؤد ج۔۱ ص۳۲۶

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شعبان اور رمضان کے علاوہ پے درپے دو مہینوں کے روزے رکھتے نہیں دیکھا لیکن آپؐ شعبان کو رمضان سے ملا دیتے۔"

لیکن ترمذی کی روایت میں آخری جملہ نہیں

"نسائی" کی ایک اور روایت میں حضرت عائشہ المتوفی ۵۷ھ کے الفاظ ہیں۔"

لم یکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صام لشہر اکثر صیاما منہ لشعبان کان یصومہ او عامتہ وفی روایۃ یصوم شعبان الا قلیلا۔ نسائی ج۔۱ ص۲۳۴

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان سے زیادہ کسی مہینے میں روزے نہ رکھتے۔ آپ پورے شعبان یا اکثر شعبان کے روزے رکھتے اور ایک روایت میں ہے کہ چند روز کے علاوہ آپ پورے شعبان کے روزے رکھتے۔

حضرت عائشہؓ جہاں یہ فرمارہی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر شعبان میں روزے رکھتے۔ بلکہ بعض اوقات رمضان سے ملا دیتے وہاں یہ بھی بیان فرمارہی ہیں کہ حضورؐ کا یہ دستور تھا کہ جب آپ نفلی روزے رکھتے تو لگاتار رکھتے چلے جاتے اور جب افطار کرتے تو لگاتار افطار کرتے حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ کوئی ماہ روزوں کے بغیر باقی نہ رہتا اور کوئی ایسا مہینہ بھی نہ تھا جس میں آپ نے مطلقاً روزے نہ رکھے ہوں۔ آپ کا یہ ایک ایسا معمول ہے جسے متعدد صحابہ بیان کر رہے ہیں۔ جن کی احادیث کے حوالے متعدد مقامات پر آچکے ہیں۔

Marfat.com

عبداللہ بن شقیق کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزوں کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا۔

کان یصوم حتی نقول قد صام ویفطر حتی نقول قد افطر قد افطر قالت ومارایتہ صام شہرا کاملا منذ قدم المدینۃ الا ان یکون رمضان ۔ مسلم ج-۱ ص۳۶۴ ، نسائی ج-۱ ص۲۲۰

آپ اس کثرت سے روزے رکھتے کہ ہم کہتے کہ آپ روزے رکھتے ہی رہیں گے اور جب آپ افطار کرتے تو اس کثرت سے کرتے کہ ہم کہتے کہ اب آپ افطار ہی کرتے رہیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سے مدینہ تشریف لائے تھے اس وقت سے کبھی آپ کو رمضان کے علاوہ میں نے پورے ماہ کے روزے رکھتے نہیں دیکھا۔

امام نووی المتوفی ۶۷۶ھ اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں

فی ھذہ الاحادیث انہ یستحب ان لا یخلی شھرا من صیام وفیھا ان الصوم النفل غیر مختص بزمان معین بل کل السنۃ صالحۃ لہ الا رمضان والعید والتشریق ۔ مسلم ج-۱ ص۳۶۵

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ کوئی مہینہ روزوں سے خالی نہ رہے، اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نفلی روزے کسی زمانۂ معین کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ ان کے لیے تمام سال بہتر ہے۔ رمضان، عید اور ایام تشریق کے علاوہ۔

انھی عبداللہ بن شقیق کا بیان ہے۔

قلت لعائشۃ اکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصوم شھرا کلہ قالت ماعلمتہ صام شھرا کلہ

Marfat.com

الا رمضان ولا افطر یوما حتی یصیب منہ ــــ
ــــــــــ حتی مضی لسبیلہ صلی اللہ علیہ
وسلم وفی روایۃ قالت واللہ ان صام شہرا متتابعا
غیر رمضان حتی مضی لوجہہ ولا افطر یوما حتی
یصیب منہ ۔ مسلم ج ۱ ص ۳۶۵ ، نسائی ج ۱ ص ۲۳۳
میں نے حضرت عائشہ سے دریافت کیا۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم پورے مہینے کے نفلی روزے رکھتے۔ انھوں نے فرمایا میں تو
رمضان کے علاوہ کوئی ایسا مہینہ نہیں جانتی جس میں آپ نے پورے مہینے
رکھے ہوں اور نہ کوئی مہینہ ایسا تھا جس میں کم افطار کیا ہو اور
کئی روزہ نہ رکھا ہو حتی کہ آپ اپنے راستے پر چلے گئے (یعنی آپ
کی وفات ہو گئی) اور ایک روایت میں فرماتی ہیں۔ اللہ کی قسم حضور
نے رمضان کے علاوہ کسی متعین مہینے کے روزے نہیں رکھے حتی
کہ آپ گذر گئے اور نہ کوئی مہینہ ایسا گذرا جس میں آپ نے مکمل
افطار کیا ہو اور کوئی روزہ نہ رکھا ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباس المتوفی ۶۸ھ کا بیان ہے۔

ما صام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہرا متتابعا
منذ قدم المدینۃ غیر رمضان وکان یصوم اذا صام
حتی یقول القائل لا واللہ لا یفطر ویفطر اذا افطر
حتی یقول القائل لا واللہ لا یصوم ۔ مسلم ج ۱ ص ۳۶۵
بخاری ج ۱ ص ۲۶۴ ، نسائی ج ۱ ص ۲۳۳
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آنے کے بعد رمضان کے
علاوہ کبھی پورے ایک ماہ کے روزے نہیں رکھے۔ آپ کا دستور
تھا کہ جب آپ روزے رکھتے تو اسی طرح لگاتار رکھتے کہ کہنے والا

کہتا کہ اَب آپؐ افطار نہ فرمائیں گے اور جب افطار فرماتے تو اِس طرح لگاتار افطار کرتے کہ کہنے والا کہتا کہ اَب آپؐ روزے نہ رکھیں گے۔

حضرت انسؓ المتوفی ۹۱ھ کا بیان ہے

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفطر من الشھر حتی نظن ان لا یصوم منہ ویصوم حتی نظن ان لا یفطر منہ شیئاً۔ بخاری ج-۱ ص۲۶۴

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی ماہ میں افطار فرماتے تو ہم گمان کرنے لگتے کہ آپؐ روزے نہ رکھیں گے اور جب آپ روزے رکھتے تو ہم گمان کرنے لگتے کہ اَب اِس ماہ میں افطار نہ فرمائیں گے۔

ان تمام احادیث کو جمع کرنے کے بعد چند نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔

۱۔ حضورؐ رمضان کے علاوہ کسی ماہ کے پورے روزے قطعاً نہ رکھتے۔

۲۔ کوئی مہینہ ایسا نہ گزرتا جس میں حضورؐ نفلی روزے نہ رکھتے ہوں۔

۳۔ کوئی ماہ ایسا بھی نہ گزرتا کہ جس میں پورے ماہ روزے رکھے جاتے ہوں۔

۴۔ روزوں کے لیے نہ کوئی مہینہ مخصوص تھا نہ دن مخصوص تھے۔ بلکہ جس وقت بھی موقعہ ملتا یا مناسب سمجھتے روزے رکھتے۔

۵۔ شعبان میں آپ بکثرت روزے رکھتے۔

۱:۔ شعبان میں روزوں کی کثرت کی وجہ کیا تھی؟ کیا بقول صوفیاء یہ روزے شعبان کی تعظیم میں تھے، یا قربتِ رمضان کے باعث تھے، یا اِس ماہ میں نزولِ رزق، یا نزولِ الٰہی، یا مغفرتِ عامہ یا مُردوں اور زندوں کی فہرست میں نام درج ہونا اِس کی وجہ تھی۔ اِن تمام جھوٹی روایات میں یہی کچھ وجوہات بیان کی گئی ہیں لیکن یہی اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کوئی اور ہی وجہ بیان فرما رہی

ہیں۔ان کا بیان ہے۔

کان یکون علی الصوم من رمضان فما استطیع ان اقضیه الا فی شعبان الشغل من رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم - وفی روایة ان کانت احدانا لتفطر فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فما تقدر علی ان تقضیه مع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم حتی شعبان - مسلم ج-۱ ص۳۶۱ ، بخاری ج-۱ ص۲۶۱ ، ابوداؤد ج-۱ ص۳۳۳ ، نسائی ج-۱ ص۲۳۱

مجھ پر رمضان کے روزے قضا ہوتے ہیں ان کی شعبان کے علاوہ کسی اور ماہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشغولیت کے باعث قضا نہ کر سکتی تھی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ہم میں سے کوئی زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رمضان میں افطار کرتی۔ پھر وہ اس قضا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باعث ادا نہ کر سکتی تھی۔ حتی کہ ماہِ شعبان آجاتا۔

اتفاق سے امام بخاری، امام مسلم اور امام داؤد نے اس حدیث پر یہ سُرخی قائم کی ہے۔ باب تاخیر قضاء رمضان۔

چونکہ حضرت عائشہؓ اور دیگر ازواج مطہرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مشغول رہتیں۔ اس لیے رمضان کے وہ روزے جو نسوانی مجبوری یا سفر کے باعث قضا ہو جاتے شعبان تک اُن کی ادائیگی کا موقع نہ ملتا اور ان کی قضا شعبان میں پوری کرتیں اور حضورؐ ان کا ساتھ دیتے اسی لئے بعض شارحین نے حضورؐ کے شعبان میں روزوں کی کثرت کا یہی سبب بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

الحکمة فی اکثارہ من الصیام فی شعبان دون غیرہ ان نساءہ کن یقضین ما علیهن من رمضان

Marfat.com

فی شعبان فتح الملہم شرح صحیح مسلم ج-۲ ص۱۷۳

شعبان میں کثرت سے روزے رکھنا اور دوسرے مہینوں میں اتنی کثرت سے روزے نہ رکھنا اس میں حکمت یہ تھی کہ ازواج مطہرات رمضان کے جو روزے ان کے قضا ہو جاتے وہ شعبان میں ادا کرتیں

۲۔ اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک رمضان کی قضا دوسرا رمضان شروع ہونے سے قبل ادا کر لی جائے اور اس سے زیادہ قضا جائز نہیں۔ اسی وجہ سے محدثین نے اس حدیث پر قضائے رمضان کی سرخی قائم فرمائی ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں۔

لانه اذا جاء شعبان يضيق قضاء رمضان فانه لا يجوز تاخيره عنه ومذهب مالك وابي حنيفة والشافعي واحمد وجماهير السلف والخلف ان قضاء رمضان في حق من افطر بعذر كحيض او سفر يجب على التراخي ولا يشترط المبادرة به في اول الامكان لكن قالوا لا يجوز تاخيره عن شعبان الاتي لانه يؤخره حينئذ الى زمان لا يقبله وهو رمضان الاتي فصار كمن اخره الى الموت۔ مسلم ج-۱ ص۳۶۱

کیونکہ جب شعبان شروع ہو گیا تو رمضان کی قضا تنگ ہو گئی۔ کیونکہ ایک رمضان کی قضا کو دوسرے رمضان سے مؤخر کرنا جائز نہیں ہے۔ مالکؒ، ابو حنیفہؒ، شافعی، احمد اور جمہور علمائے سلف و خلف کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص نے سفر یا حیض یا کسی اور عذر کے باعث رمضان کے روزے افطار کئے۔ اگرچہ ان کی قضا تاخیر سے بھی کی جا سکتی ہے اور ان کے لیے فوری ادائیگی واجب نہیں۔ لیکن ان سب کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ ان قضا

—— روزوں کو آئندہ شعبان سے مؤخر کرنا جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ ان روزوں کو ایک ایسے زمانے تک مؤخر کر رہا ہے جو اس کے سامنے آنے والا نہیں یعنی رمضان (موت کی صورت میں) اس شخص کی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی موت تک روزے مؤخر کر دے۔

اس صورت میں یہ ممکن ہے کہ چونکہ ازواج مطہرات اپنی اپنی قضا پوری فرمایا کرتی تھیں۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شعبان میں کثرت سے روزے رکھتے ہوں تاکہ ازواج مطہرات اپنی قضا مکمل کر سکیں۔ کیونکہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روزے نہ رکھتے —— تو حضورؐ کی خدمت گذاری کے سبب ازواجِ مطہرات بھی روزے نہ رکھ پاتیں اور اس طرح دوسرے رمضان پر تاخیر لازم آتی۔ جو اسی حدیث کے باعث علماء کے نزدیک ناجائز ہے۔

رمضان گذر جانے کے بعد فوری قضا اسی لیے نہیں کی گئی کہ ازواجِ مطہراتؓ حضورؐ کی خدمت میں مشغول رہتیں اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اگر ازواجِ مطہرات فوری طور پر قضا ادا کر لیتیں تو اُمت کے لیے یہ عمل ایک نمونہ بن جاتا۔ اور حضورؐ کی خاموشی کے سبب دوسروں کے لیے فوری طور پر قضا پوری کرنا لازم ہو جاتا۔ اس صورت میں شعبان کی کوئی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔

۳۔ یہ بھی ممکن ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرض روزے کسی سال قضا ہو گئے ہوں۔ مثلاً فتح مکہ کے سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں روزے اس لیے افطار فرمائے تاکہ امت پر دشواری نہ ہو اور تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ سفر میں روزہ کھولنا جائز ہے۔ جس کی تفصیل تمام کتب احادیث میں پائی جاتی ہے تو امکان ہے کہ آپؐ نے ان روزوں کی قضا شعبان میں فرمائی ہو۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ ایک بار جو عمل فرما لیتے اس پر ہمیشہ

Marfat.com

مداومت فرماتے اور اسی کا امت کو حکم دیتے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا۔

یا ایھا الناس علیکم من الاعمال ما تطیقون فان اللہ لا یمل حتی تملوا وان احب الاعمال الی اللہ ما دووم علیہ وان قل وکان آل محمد اذا عملوا عملا اثبتوہ

مسلم ج۔ ا ص ۲۶۶، بخاری ج۔ ا ص ۲۶۴

اے لوگو! اتنے اعمال اختیار کرو جن کی تم طاقت رکھتے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ عاجز نہ ہوگا اور تم عاجز آجاؤ گے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ عمل محبوب تھا جس پر مداومت ہو اگرچہ تھوڑا ہو۔ اور آل محمد (یعنی ازواج مطہرات) جب بھی کوئی عمل کرتیں تو اس پر قائم ہو جاتیں۔ (یہ نہیں کہ ایک رات تو پوری رات جاگ لیے اور باقی تمام سال سوتے رہے)

"علقمہ المتوفی ۶۱ھ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا اے ام المومنین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح عمل فرماتے۔

ھل کان یخص شیئا من الایام قالت لا کان عملہ دیمۃ وایکم یستطیع ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یستطیع مسلم ج۔ ا ص ۲۶۶، بخاری ج۔ ا ص ۲۶۷

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزوں کے لئے کچھ دن مخصوص تھے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا نہیں۔ حضورؐ کے ہر عمل میں مداومت ہوتی اور تم اس عمل کی کہاں طاقت رکھتے ہو جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طاقت رکھتے تھے۔

امام قاسم بن محمد بن ابی بکر المتوفی ۱۰۶ھ جو حضرت عائشہؓ کے بھتیجے ہیں

Marfat.com

وہ حضرت عائشہؓ سے ناقل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

احب الاعمال الی اللہ ادومہا وان قل۔ مسلم ج۔۱ ص۲۶۶

اللہ کو وہ عمل محبوب ہے جس پہ مداومت ہو اگرچہ کم ہو۔

قاسم کا بیان ہے

وکانت عائشۃ اذا عملت العمل لزمتہ مسلم ج۔۱ ص۲۶۶

حضرت عائشہؓ جب کوئی عمل فرماتیں تو اسے اپنے اوپر لازم کرلیتیں۔

امام نوویؒ ان احادیث کی شرح میں رقم طراز ہیں۔

فیہ الحث علی المداومۃ علی العمل وان قلیلہ الدائم خیر من کثیر ینقطع وانما کان القلیل الدائم خیر من الکثیر المنقطع لان یدوام القلیل تدوم الطاعۃ والذکر والمراقبۃ والنیۃ والاخلاص والاقبال علی الخالق سبحانہ وتعالی و یثمر القلیل الدائم بحیث یزید علی الکثیر المنقطع اضعافا کثیرۃ۔ مسلم ج۔۱ ص۲۶۶

ان احادیث میں اس کی ترغیب ہے کہ عمل اگرچہ تھوڑا ہو۔ لیکن اس پہ مداومت کی جائے۔ کیونکہ وہ تھوڑا عمل جس پہ مداومت ہو وہ اس زیادہ عمل سے بہتر ہے جو منقطع ہو جاتا ہو۔ کیونکہ قلیل پہ مداومت سے طاعت۔ ذکر و فکر، نیت و اخلاص اور اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کی جانب توجہ پہ مداومت رہتی ہے۔ اس طرح یہ قلیل عمل جس پہ مداومت ہو وہ اس زیادہ عمل سے جو منقطع ہوتا رہتا ہو ہزار گنا بڑھ جاتا ہے۔

اور ایک بار شعبان کے روزے رکھنے کے باعث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پہ مداومت فرمائی ہو۔

Marfat.com

علقمہ کی روایت سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی دن کو مخصوص نہ فرماتے جیسا کہ صوفیاء کے یہاں ہر ہر دن کی جداگانہ نمازیں متعین ہیں اور ہر ماہ میں کچھ نہ کچھ مخصوص دن ہیں۔ تفصیل کے لیے غزالی کی کتابیں، عبدالقادر کی غنیہ، ابوطالب مکی کی قوت القلوب اور بہار شریعت وغیرہ کا مطالعہ کر لیجئے۔ یہ اسی قسم کی خرافات سے پُر نظر آئیں گی۔ ان حضرات نے جتنا وقت ان فرضی عبادتوں اور تصوف کے پیچھے ضائع کیا ہے۔ کاش اتنا ہی وقت یہ حدیث میں صرف کر دیتے تو لوگوں کی اصلاح ہو جاتی۔ لیکن ان لوگوں نے بدعات کا نام تزکیۂ نفس اور اصلاح رکھ لیا ہے اور ہمارے علماء ان کی شخصیتوں سے مرعوب ہو کر رہ گئے اگر وہ اس رعب کو کچھ دیر کے لیے بالائے طاق رکھ کر قرآن و حدیث کا مطالعہ کریں تو انھیں صاف نظر آئے گا کہ ان خرافات کا اسلام سے دُور کا بھی واسطہ نہیں اسے خود ساختہ دین تو کہہ سکتے ہیں۔ لیکن اسے اسلام کا نام ہرگز نہیں دیا جا سکتا۔

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ کچھ نہ کچھ روزے ضرور رکھتے اور عام طور پر دوشنبہ اور جمعرات کا بھی روزہ رکھتے۔ ممکن ہے کہ سفر کے باعث یہ روزے قضا ہو جاتے ہوں اور چونکہ حضورؐ ہر عمل پر مداومت فرماتے۔ اس لیے ان نفلی روزوں کی آپؐ نے قضا فرمائی ہو اور پھر ان پر مداومت کر لی ہو۔ علامہ ابن بطال نے شعبان کے روزوں کی وجہ یہی بیان فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

كان يشتغل عن صوم الثلاثة ايام من كل شهر لسفر او غيره فتجتمع فيقضيها فى شعبان

فتح الملہم ج - ۲ ص ۱۷۳

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ کے تین روزے سفر یا کسی اور عذر کے باعث نہ رکھ پاتے اور وہ جمع ہو جاتے تو ان کی شعبان میں قضا فرماتے۔

جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظہر سے قبل کی سنتیں قضا ہو گئیں

آپؐ نے انھیں عصر کے بعد اَدا فرمایا اور پھر زندگی بھر اس پر عمل پیرا رہے اِس صورت میں شعبان کے یہ روزے حضورؐ کے ساتھ مخصوص ہوں گے جس طرح عصر کے بعد کی نفلیں۔

۵۔ یہ بھی ممکن ہے کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کبھی پورے ماہ شعبان کے روزے رکھے ہوں۔ کبھی شروع شعبان کے، کبھی آخر کے اور کبھی قطعاً نہ رکھے ہوں۔ امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

کان یصومہ کلہ فی وقت ویصوم بعضہ فی سنۃ اُخری وقیل کان یصوم تارۃ اولہ وتارۃ من اخرہ وتارۃ بینہما وما یخلی منہ شیئا بلا صیام لکن فی سنین۔ مسلم ج-۱ ص۳۶۴

کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پورے شعبان کے روزے رکھتے، کبھی بعد کے اور کبھی ابتدار شعبان، کبھی آخر شعبان اور کبھی دَرمیان شعبان کے۔ اور کوئی شعبان روزوں سے خالی نہ ہوتا۔ لیکن چند سال نہیں رکھے (ہمارے نزدیک ۹ھ میں آپؐ نے شعبان کے روزے نہیں رکھے ہوں گے۔ اِس لیے کہ دس رجب ۹ھ کو آپؐ تبوک کے ارادے سے تشریف لے گئے اور کم از کم چالیس روز میں واپس ہوئے۔ اِس طرح کم از کم آپؐ بیس شعبان کو مدینہ پہنچے ہیں۔

آخر جملے میں امام نووی نے بھی بیان فرمادیا ہے کہ کچھ سال شعبان میں آپؐ نے قطعاً روزے نہیں رکھے۔ ممکن ہے کہ بعض سال سفر پیش آگیا ہو۔

۶۔ یہ بھی ممکن ہے کہ شعبان میں روزے رکھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خصوصیت ہو جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ صوم وصال رکھتے۔ یعنی بغیر افطار کیے روزے رکھتے۔ جیسا کہ پیروں اور صوفیوں کے بارے میں مشہور ہے لیکن اُمّت

Marfat.com

کو آپؐ نے صوم وصال کی سختی سے ممانعت فرمائی حضرت انسؓ المتوفی ۹۱ھ کا بیان ہے حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

لا تواصلوا قالوا فانک تواصل یارسول اللہ قال انی لست کاحدکم ان ربی یطعمنی ویسقینی

ترمذی ج-۱ ص۱۲۷ ، مسلم ج-۱ ص۲۵۲ ، ابوداؤد ج-۱ ص۳۳۰ اور بخاری ج-۱ ص۲۶۳

تم صوم وصال نہ رکھو۔ صحابہ نے عرض کیا۔ آپؐ بھی تو صوم وصال رکھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا میں تمہاری طرح نہیں مجھے تو میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے۔ (یعنی کھائے پیئے بغیر قوت پیدا فرما دیتا ہے)

حضرت عبداللہ بن عمر المتوفی ۷۴ھ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے لوگوں کو صوم وصال سے منع فرمایا۔ صحابہ نے عرض کیا۔

انک تواصل قال انی لست مثلکم انی اطعم واسقی۔ بخاری ج-۱ ص۲۶۳ ، ابوداؤد ج-۱ ص۳۲۹

آپؐ بھی تو صوم وصال رکھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ میں تمہاری طرح نہیں ہوں مجھے تو کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔

ابوہریرہ المتوفی ۵۷ھ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلعم نے وصال سے منع فرمایا ایک شخص نے عرض کیا آپ بھی تو صوم وصال رکھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا مجھے تو میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے۔ صحابہ نے آپؐ کے عمل کو دیکھتے ہوئے صوم وصال رکھا۔ حتیٰ کہ دو دن گذر گئے۔ پھر اتفاق سے چاند نظر آگیا۔ (شاید یہ رمضان کے روزے تھے) آپؐ نے فرمایا۔

لو تاخر لزدتکم کالمتنکیل لھم حین ابوا ان ینتھوا

بخاری۔ ج-۱ ص۲۶۳

اگر چاند مؤنث ہو جاتا تو میں اور بڑھا دیتا۔ یہ بات آپ نے انکار کے طور پر فرمائی۔ کیونکہ انھوں نے صوم وصال ترک کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

اس مضمون کی حدیث اور بھی متعدد صحابہ سے مروی ہے تو جس طرح صوم وصال کی حضورؐ نے امت کو ممانعت فرمائی۔ لیکن خود اس پر عمل فرمایا تو یہ حضورؐ کی تخصیص ہوئی۔ اسی طرح آخر شعبان کے روزوں کی ممانعت فرمائی۔ ارشاد فرمایا۔

لاتقدموا رمضان بصوم یوم ولا یومین

ترمذی ج-۱ ص۱۲۲، مسلم ج-۱ ص۳۴۸، ابوداؤد ج-۱ ص۳۲۶، نسائی ج-۱ ص۲۱۹

رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزے نہ رکھو۔

"ترمذی" وغیرہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اذا انتصف شعبان فلا تصوموا ترمذی ج-۱ ص۱۲۲،

ابوداؤد۔ ج-۱ ص۳۲۶

جب نصف شعبان ہو جائے تو روزے نہ رکھو

حاصل کلام یہ کہ حضورؐ نے آخر شعبان میں روزے رکھنے کی ممانعت فرمائی لیکن اس کے برعکس خود آخر شعبان میں روزے رکھتے۔ حضرت ام سلمہؓ المتوفی ۵۹ھ کا بیان ہے

مارایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم شہرین متتابعین الا شعبان ورمضان وکان یصل شعبان برمضان۔ ترمذی

ترمذی۔ ج-۱ ص۱۲۲، نسائی ج-۱ ص۲۴۸

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شعبان و رمضان کے علاوہ دو ماہ کے پے در پے روزے رکھتے نہیں دیکھا۔ اور آپ شعبان کو رمضان سے ملا دیتے"

اس صورت میں بھی شعبان کے روزے حضورؐ کی تخصیص ہوں گے۔

حاصل کلام یہ کہ شعبان کے روزے کسی فضیلت کے سبب نہ تھے بلکہ ان روزوں

Marfat.com

کی کچھ اور ہی وجوہات تھیں۔ اگر یہ روزے فضیلت شعبان کے باعث ہوتے تو حضورؐ آخر شعبان میں روزے رکھنے کی ممانعت نہ فرماتے۔ تاکہ امت اِس خیر سے محروم نہ ہو۔ بلکہ اِس کی فضیلت بیان فرماتے۔

۷۔ اگر ان تمام امور کو نظر انداز کر دیا جائے اور یہ تسلیم کر لیا جائے کہ فی الواقع شعبان ایک معزز مہینہ ہے اور حضورؐ نے اِس کے روزے اس کی فضیلت کے باعث رکھے ہیں۔ تو لازم آئے گا کہ آپؐ نے صحابہ کو منع کر کے ان کو ایک خیر سے محروم رکھا۔ عیاذاً باللہ اِس کا کوئی مسلمان تصور بھی نہیں کر سکتا۔

۸۔ ان احادیث سے پورے شعبان کے روزے ثابت ہوں گے نہ کہ پندرہ شعبان کا روزہ۔ اگر یہ مُلا پُورے شعبان کے روزے رکھیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

۹۔ ان احادیث میں یہ کہیں ذکر نہیں کہ آپؐ شعبان کی راتوں میں عبادت بھی کیا کرتے تھے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ فضیلت صرف دنوں کو حاصل ہے راتوں کو حاصل نہیں جیسا کہ روز عرفہ کو فضیلت حاصل ہے شب عرفہ کو نہیں۔ روز جمعہ کو فضیلت حاصل ہے شبِ جمعہ کو حاصل نہیں۔ اِس طرح پندرھویں شب میں قبرستان کے چکر اور آتش بازیاں چھوڑ کر رحمتِ الٰہی کو آگ لگانے کا عمل خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ اِسی لیے یہ علماء ان تمام احادیثِ صحیحہ کو جامِ شیریں سمجھ کر پی گئے ہیں ورنہ اُگلتے پورے ماہ کے روزے گلے پڑ جاتے۔ اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ

چار راتیں

اخبرنی ابو نصر عن والدہ باسنادہ عن مالک بن انس عن ھشام بن عروۃ عن عائشۃ قالت سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول یفتح اللہ الخیر فی اربع لیال سمحا لیلۃ الاضحیٰ ولیلۃ الفطر ولیلۃ

النصف من شعبان ینسخ اللہ فیھا الاجال والارزاق ویکتب فیھا الحاج ولیلۃ عرفۃ الی الاذان۔
غنیۃ الطالبین۔ ج۔۱ ص ۶۹۱

مجھے ابونصر نے خبر دی وہ اپنے باپ کی سند سے مالک بن انس سے روایت کرتا ہے وہ ہشام بن عروہ سے وہ حضرت عائشہؓ سے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا۔ اللہ تعالیٰ چار راتوں میں خیر کو بہاتا ہے عیدالاضحیٰ کی شب، شب عید الفطر، نصف شعبان کی شب ان میں اللہ تعالیٰ اموات اور رزق لکھتا ہے اور ان شب میں حاجیوں کے نام لکھے جاتے ہیں اور عرفہ کی شب اذان تک

زنادقہ نے اسلام کی بیخ کنی اور صوفیاء نے فضائل میں لاتعداد احادیث وضع کیں۔ ان میں سے ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو احادیث کے ساتھ ساتھ ان کی سندات بھی وضع کرتا اور سند میں بڑے بڑے ائمہ کے نام پیش کرتا۔ حتیٰ کہ ایک مشہور صوفی نوح بن ابی مریم نے پھانسی پر چڑھتے وقت اس بات کا اقرار کیا کہ اس نے اپنے دل سے چار ہزار احادیث وضع کر کے لوگوں میں پھیلائی ہیں۔ اسماء الرجال میں اس قسم کی بے پناہ مثالیں ملتی ہیں۔ حتیٰ کہ ایک شخص نے امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ اور یحییٰ بن معین المتوفی ۲۳۳ھ کے نام سے احادیث وضع کیں۔ اتفاق سے ایک روز مسجد رصافہ میں وہ یہ احادیث بیان کر رہا تھا کہ وہاں یہ دونوں حضرات پہنچ گئے۔ انھوں نے اس سے دریافت کیا تم سے یہ حدیث کس نے بیان کی ہے۔ اس نے ان دونوں کا نام لیا۔ امام یحییٰ بن معین نے فرمایا۔ میں یحییٰ بن معین ہوں اور یہ احمد بن حنبل ہیں ہم نے ایسی کوئی حدیث بیان نہیں کی۔ وہ بے حیا ہنسا اور بولا کہ کیا تم نرالے یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل ہو؟ ارے دُنیا میں تم جیسے ہزارہا یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل ہوں گے۔ میرے استادوں میں ستر احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین ہیں۔

Marfat.com

یہ کام صرف اِس لیے انجام دیا جاتا کہ ان ائمہ کرام کا نام سُن کر لوگ اُن کے جھوٹ پر ایمان لے آئیں۔ جیسے آج بات بات پر حدیث کا یا بزرگوں کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ اِسی طرح اِس روایت میں ان خبیثوں نے امام مالک المتوفی سنہ ۱۷۹ھ اور ہشام المتوفی سنہ ۱۴۵ھ کا نام لیا ہے۔ اِن بیوقوفوں کو شاید یہ خبر نہیں کہ ہشام بن عروہ سنہ ۶۱ھ میں پیدا ہوئے جب کہ حضرت عائشہ سنہ ۵۷ھ یا سنہ ۵۸ھ میں انتقال فرما چکی تھیں تو جو شخص ہشام بن عروہ پر اتنا بڑا جھوٹ بول سکتا ہے وہ امام مالک پر بھی بول سکتا ہے۔

۲۔ ہم یہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اگر ابو نصر کا کوئی وجود ہے تو کم از کم اس کے باپ کا سن وفات سنہ ۴۵۰ھ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اسی صورت میں ابو نصر عبدالقادر جیلانی کا اُستاد بن سکتا ہے اور ابو نصر کا انتقال سنہ ۴۹۰ھ کے بعد ہونا چاہیئے۔ جب کہ امام مالک کی وفات سنہ ۱۷۹ھ میں ہے۔ درمیان سے یہ دو سو ستر سال کے رواۃ کہاں گئے۔ کیا وہ راوی علمِ باطن کی نذر ہو گئے ہیں۔

۳۔ اگر ابو نصر کے باپ نے واقعتاً یہ روایت امام مالک سے سُنی ہو تو اس کی پیدائش زیادہ سے زیادہ سنہ ۱۶۰ھ تک ہونی چاہیئے اور سنہ ۱۹۰ھ سے پہلے پہلے ابو نصر کو پیدا ہو جانا چاہیئے اور تیسری صدی ختم ہونے سے قبل اسے دُنیا سے روپوش ہو جانا چاہیئے تھا۔ اِس صورت میں عبدالقادر نے اس سے کیسے روایت سنی جب کہ وہ سنہ ۴۷۱ھ میں عالمِ وجود میں آئے اِس صورت میں یہ کہنا کیسے دُرست ہوگا کہ ہمیں ابو نصر نے خبر دی۔ دونوں صورتوں میں تینوں میں سے ایک کا جھوٹا ہونا لازم آئے گا۔ یعنی شیخ عبدالقادر، ابو نصر اور اس کا باپ۔

۴۔ امام مالک المتوفی سنہ ۱۷۹ھ نے اپنی تمام مرویات اپنی کتاب میں جمع فرمائیں جو "مؤطا" کے نام سے مشہور ہے اور ان سے اِس "مؤطا" کو ایک ہزار ائمہ محدثین و فقہاء نے نقل کیا۔ آج بھی ان کی کتاب پائی جاتی ہے اور امام محمد المتوفی سنہ ۱۸۹ھ کی "مؤطا" اور ابن القاسم المتوفی سنہ ۱۹۱ھ کی "مدونہ" بھی دراصل امام مالک کی "مؤطا" ہے۔

Marfat.com

نیز امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ، امام احمد المتوفی ۲۴۰ھ، بخاری المتوفی ۲۵۶ھ مسلم المتوفی ۲۶۱ھ، ابو داؤد المتوفی ۲۷۵ھ، نسائی المتوفی ۳۰۳ھ، ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ، دارمی المتوفی ۲۵۵ھ اور دیگر محدثین نے ان کی تمام مرویات اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیں اور امام مالک کی کوئی مرفوع حدیث ایسی باقی نہیں چھوڑی جو انھوں نے اپنی کتابوں میں روایت نہ کی ہو اور بعد میں بھی محدثین ان کی مرویات نقل کرتے رہے۔ لیکن کسی نے بھی یہ روایت نقل نہیں کی۔ کیا یہ ابو نصر یا شیخ عبدالقادر کو الہام ہوئی تھی۔

۵۔ اصولِ حدیث کا قاعدہ ہے کہ اگر کسی روایت میں سے متعدد رواۃ ایک مقام سے چھوٹ جائیں تو وہ روایت معلق کہلاتی ہے۔ یعنی کسی سہارے کے بغیر فضا میں لٹکی ہوئی اور جس طرح فضا میں سہارے کے بغیر لٹکنا محال ہے اسی طرح اس کا صحیح ہونا محال ہے اور اگر درمیان سے ایک راوی ترک ہو جائے تو وہ منقطع کہلاتی ہے۔ اتفاق سے یہ روایت معلق بھی ہے اور منقطع بھی۔ کیونکہ ابو نصر کے باپ اور امام مالک کے درمیان پانچ چھ راوی چھوٹ گئے ہیں یا چھوڑ دیے گئے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ معلق ہے اور ہشام اور عائشہؓ کے درمیان ایک راوی چھوٹ گیا یا جہالتاً چھوڑ دیا گیا۔ اس لحاظ سے یہ منقطع ہوئی اور ابو نصر کی تمام مرویات کو دیکھتے ہوئے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ اوّل درجہ کا کذاب اور زندیق ہے۔ ایسی صورت میں یہ روایت ایک صریح جھوٹ اور امام مالک وغیرہ پر اتہام ہے۔

۶۔ ایک امکان یہ بھی ہے کہ یہ کوئی اور مالک ہوں۔ اسی طرح ہشام عروہ کے بیٹے نہ ہوں کوئی اور عروہ ہوں جو کذاب اور مجہول ہوں اور دونوں کے باپوں کا نام تبدیل کر دیا گیا ہو۔

یہ تو سند پر بحث ہوئی۔ اب آیئے اس روایت کی معنوی حیثیت پر بھی غور کر لیجیے۔

۱۔ ان چار راتوں میں لیلۃ القدر کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ حالانکہ اس شب کی

Marfat.com

فضیلت پر تمام علمارِ امت اور قرآن وحدیث متفق ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ هِیَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

ہم نے لیلۃ القدر میں قرآن نازل کیا۔ تم کیا جانو کہ لیلۃ القدر کیا شئے ہے۔ لیلۃ القدر ایک ہزار ماہ سے بہتر ہے۔ اس میں فرشتے اور رُوح الامین اپنے پروردگار کے حکم سے ہر حکم لیکر نازل ہوتے ہیں۔ صبح صادق تک سلامتی ہی سلامتی ہے۔

نیز ارشاد الٰہی ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ ۝ فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ ۝ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِیْنَ ۝ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ

ہم نے اسے مبارک رات میں اتارا۔ یقیناً ہم ڈرانے والے ہیں۔ اس میں ذو حکمت حکم جدا کیا جاتا ہے۔ ہماری جانب سے ہر حکم یقیناً ہم بھیجنے والے ہیں۔ آپ کے پروردگار کی جانب سے رحمت

لیکن ان زنادقہ نے نیکی کا لبادہ اوڑھ کر اتنی بڑی خیر سے لوگوں کو محروم کرنے کی کوشش کی اور اس طرح قرآن کا مذاق اُڑایا ہے۔

۲۔ لیلۃ الفطر کے بارے میں بھی جتنی روایات ہیں سب موضوع ہیں۔ اگر اس شب کو کوئی فضیلت حاصل ہوتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چاند دیکھ کر اعتکاف ختم نہ فرماتے بلکہ عید کی صبح کو اعتکاف ختم کیا جاتا۔ جس طرح آپ نے یہ حکم دیا۔

مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ ۝ بخاری ج۔۱ ص ۲۶۹۔ مسلم ج۔۱ ص ۲۵۹، ابوداؤد

ج-۱ ص۲۰۱ ، نسائی ج-۱ ص۲۲۱ - مؤطا ص۴۰

جس نے رمضان میں ایمان لاتے ہوتے اور ثواب کی نیت سے قیام کیا۔ اس کے گذشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور جس طرح یہ حکم دیا۔

مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ بخاری ج-۱ ص۲۶۹، مسلم ج-۱ ص۲۵۹ ابوداؤد ج-۱ ص۲۰۱ ، نسائی ج-۱ ص۲۲۲

جس نے لیلۃ القدر میں ایمان اور ثواب کی غرض سے قیام کیا اس کے گذشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

اور یہ حکم دیا

اِلْتَمِسُوا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ۔

بخاری ج-۱ ص۲۷۰ ، مسلم ج-۱ ص۳۶۹ ، ابوداؤد ج-۱ ص۲۰۳ مؤطا ص۴۰

رمضان کے آخر عشرہ میں لیلۃ القدر تلاش کرو۔

اسی طرح یہ حکم دیتے۔

اِلْتَمِسُوا الْخَيْرَ فِي لَيْلَةِ الْفِطْرِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ

لیلۃ الفطر وغیرہ میں خیر تلاش کرو (لیکن آپؐ نے کوئی حکم نہیں دیا)

۳- بقر عید کی شب کو بھی کوئی فضیلت حاصل نہیں جو بھی فضیلت حاصل ہے وہ دن کو حاصل ہے اور اس روز قربانی سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حج کو تشریف لے گئے اور نو تاریخ کی تمام کو عرفہ سے کوچ فرمایا اور مزدلفہ پہنچے۔ حضرت جابرؓ المتوفی ۷۳ھ کا بیان ہے

فصلى بها المغرب والعشاء باذان واحد واقامتين ولم يسبح بينهما شيئا ثم اضطجع رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى تطلع الفجر مسلم ج-۱ ص۳۹۸ اور

ابوداؤد ج ۔ ۱ ص ۲۷۱

"آپؐ نے مغرب اور عشاء کی نماز ایک اذان اور دو تکبیرات سے پڑھائی اور درمیان میں کوئی سنت و نفل وغیرہ نہیں پڑھے ۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیٹ گئے اور طلوعِ فجر تک لیٹے رہے"

یہ عیدالاضحیٰ کی شب تھی اور حضورؐ تمام رات صبح صادق تک لیٹے رہے اور مغرب و عشاء کی سنتیں بھی ترک فرمادیں اور تہجد بھی ادا نہیں فرمائے جس سے ظاہر ہے کہ اس شب کو کسی قسم کی کوئی فضیلت حاصل نہیں ۔ ورنہ ایسے متبرک مقام پر تمام رات لیٹ کر گزارنا اور تہجد و سنتیں بھی ادا نہ کرنا کیا حضورؐ کے شایانِ شان تھا ۔ ظاہر ہے کہ یہ کام عمداً کیا گیا کہ لوگ دن پر قیاس کر کے رات کی فضیلت یا عبادت کا اہتمام نہ کر لیں۔

۴۔ شبِ عرفہ کو بھی کوئی فضیلت حاصل نہیں ۔ ہاں روزِ عرفہ کو فضیلت حاصل ہے اور وہ بھی صرف اتنی کہ غیر حاجی اس دن روزہ رکھے ۔ روزِ عرفہ کو جو مزید فضیلتیں حاصل ہیں وہ میدانِ عرفات کے ساتھ خاص ہیں یعنی اس کا سبب حج ہے

۵۔ اس روایت میں یہ بھی ذکر ہے کہ اس رات میں حاجیوں کے نام لکھے جاتے ہیں ۔ حالانکہ کسی اور روایت میں اس کا اشارہ تک نہیں پایا جاتا اور لطف یہ ہے کہ اس روایت میں تین راتوں کا ذکر کر کے فیھا کی ضمیر لائی گئی ہے اور یہ ضمیر واحد و جمع دونوں کے لیے آتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

جَنّٰتِ النَّعِیْمِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا

جنات النعیم میں ہمیشہ رہیں گے ۔

یہاں فیھا کی ضمیر جمع کے لیے استعمال ہوئی ہے اور چونکہ اس روایت میں کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ اس جگہ ضمیر واحد کے لیے ہے جب کہ اس سے پہلے تین راتوں کا ذکر ہے ۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں ضمیر جمع کے لیے ہے اور جب ضمیر جمع کے لیے ہوگی تو اس روایت سے یہ لازم

Marfat.com

آئے گا کہ تین راتیں ایسی ہیں جن میں مردوں کے نام تحریر کئے جاتے ہیں، رزق لکھا جاتا ہے اور حاجیوں کے نام لکھے جاتے ہیں۔ یعنی شب تبرا، شب عید الفطر اور شب عید الاضحیٰ۔

شیخ صاحب کے معتقدین کو چاہیئے کہ وہ ایک رات کے بجائے تین راتوں کا اہتمام کریں۔ کچھ کریں یا نہ کریں لیکن پیر صاحب کی نیاز کے نام سے حلوا پکا کر خود ضرور کھایا کریں۔ یا اپنے پیران پیر کو عربی لکھنا اور بولنا سکھادیں جو عجمی ہونے کے ناتے ان کے بس کا روگ نہیں۔

مرویاتِ حضرت علی رضی اللہ عنہ

المتوفی سنہ ۴۰ھ

ابنِ ماجہ کی ایک روایت پر بحث

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بعد شب برات کے سلسلہ میں سب سے زیادہ جھوٹ حضرت علیؓ پر بولا گیا ہے۔ حالانکہ حضرت علیؓ تو بقول صوفیا اور روافض امام الاولیاء اور علم باطن کا سرچشمہ ہیں۔ ہر جھوٹ میں (عیاذاً باللہ) انھی کو فوقیت دی جاتی ہے۔ لیکن شب برات کے سلسلہ میں حضرت عائشہؓ کو اولیت دی گئی ہے۔ آپ حضرات نے دیکھا کہ اس شب کی فضیلت کے ذریعہ ام المومنین کو لاعلم عبادت سے گریزاں اور کم فہم ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ ایک قسم کا مخفی تبرا تھا جس کے لیے لفظ برات استعمال کیا گیا۔ کیونکہ تبرا برات سے ہی مشتق ہے۔

روافض و صوفیا حضرت علی اور اہل بیت سے حب محبت کے مدعی ہیں اب اس محبت کی حقیقت بھی ملاحظہ کیجئے۔

شب برات کے سلسلے میں حضرت علیؓ سے جو روایات مروی ہیں ان

Marfat.com

میں سب سے بہترین روایت وہ ہے جو ابنِ ماجہ میں پائی جاتی ہے۔ ہم اسے بہترین کہنے پر اس لیے مجبور ہوئے کہ یہ "ابنِ ماجہ" کی روایت ہے جسے ہمارے علمار صحاح ستہ میں داخل تصور کرتے ہیں اور پھر اپنی لاعلمی سے یہ سمجھتے ہیں کہ "صحاح ستہ" کی ہر روایت مقبول اور صحیح ہے۔ اس لیے سنی علمار بھی اس روایت کو بیان کرنے میں پیش پیش رہتے ہیں۔

جہاں تک اس خیال کا تعلق ہے کہ صحاح کی تمام روایات صحیح اور قابلِ قبول ہیں تو اس کو سمجھنے کے لیے شاہ ولی اللہ المتوفی ۱۱۷۶ھ اور شاہ عبدالعزیز المتوفی ۱۲۳۹ھ کا بیان پھر پڑھ لیجئے۔ رہا یہ سوال کہ "ابن ماجہ" "صحاح ستہ" میں داخل ہے یا نہیں تو اگرچہ اس کا جواب بھی شاہ صاحب کی زبانی گذر چکا لیکن چونکہ اس مرض میں علمار اور عوام دونوں مبتلا ہیں اس لیے اس کی تشریح بھی ضروری ہے

سنن ابنِ ماجہ کی حیثیت

گذشتہ صفحات میں ہم نے طبقات حدیث پر شاہ ولی اللہ کا مضمون شاہ عبدالعزیز کی زبانی بیان کیا تھا۔ اس میں تیسرے طبقہ کا ذکر کرتے ہوئے شاہ صاحب نے فرمایا تھا۔

"وطبقہ ثالثہ احادیثے کہ جماعۂ از علمار متقدمین بر زمان بخاری و مسلم یا معاصرین آنہا یا لاحقین یا آنہا در تصانیف خود روایت کردہ اند و التزام صحت نمودہ، و کتب آنہا در شہرت و قبول در مرتبۂ اولیٰ و ثانیہ نرسیدہ، ہر چند مصنفین آں کتب موصوف بودند بہ تبحر در علوم حدیث و توثق و عدالت و ضبط و احادیث صحیح و حسن و ضعیف بلکہ متہم بالوضع نیز دراں کتب یافتہ می شود و در رجال آں کتب بعضے موصوف بعدالت اند و بعضے مستور و بعضے مجہول و اکثر آں احادیث معمول بہ بہ نزد فقہار نہ شدہ اند بلکہ اجماع بر خلاف آنہا

Marfat.com

منعقد گشتہ و دریں کتب ہم تفاضل و تفاوت ہست بعضہا
اقوی من بعض۔ اسامی این کتب ایں است"۔ مسند شافعی،
سنن ابن ماجہ، مسند دارمی۔ عجالہ ص۵

"تیسرے طبقہ میں وہ احادیث ہیں کہ جنھیں بخاری و مسلم سے قبل کے لوگوں نے یا اُن کے معاصرین یا ان کے بعد کے لوگوں نے اپنی اپنی تصانیف میں روایت کیا اور صحت کا التزام نہیں کیا اور ان کی کتابیں شہرت و قبولیت میں اول درجہ اور دوسرے درجہ پر نہیں پہنچیں۔ اگرچہ ان کے مصنفین علوم حدیث میں تبحر رکھتے، اور وثوق و عدالت اور ضبط میں مشہور تھے۔ لیکن انکی کتابوں میں صحیح حسن، ضعیف بلکہ موضوع روایات بھی پائی جاتی ہیں۔ ان کتابوں کے بعض رواۃ عدالت کے ساتھ متصف ہیں بعض مستور الحال اور بعض مجہول ہیں اور ان کتابوں کی اکثر احادیث فقہاء کے نزدیک معمول بہا نہیں رہیں بلکہ ان کے خلاف اجماع منعقد ہوا۔ ان کتابوں میں بھی باہم بہت تفاوت پایا جاتا ہے بعض بعض سے افضل ہیں۔ اِن کتابوں کے نام یہ ہیں۔ مسند شافعی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی ....."

نیز دوسرے طبقہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"صاحب جامع الاصول (لے ابن اثیر المتوفی ۶۰۶ھ) ابن ماجہ را در صحاح نہ کردہ بلکہ مؤطا را ششم قرار دادہ و الحق معہ"

"جامع الاصول کے مصنف یعنی ابن اثیر نے ابن ماجہ کو صحاح میں شمار نہیں کیا۔ بلکہ "مؤطا" کو چھٹی کتاب قرار دیا اور حق بھی یہی ہے"

شاہ صاحب کے ان الفاظ سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ ابن ماجہ صحاح ستہ میں داخل نہیں اور اس میں ہر قسم کی روایات پائی جاتی ہیں، اس کے بعض راوی مستور،

Marfat.com

بعض مجہول اور بعض متہم بالوضع ہیں۔ شاہ صاحب کی اس تقریر سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ علامہ ابن اثیر بھی ابن ماجہ کو صحاح میں داخل نہیں سمجھتے۔

"سنن ابن ماجہ" کے بارے میں علماء کے درمیان دو بحثیں ابتدا سے چلی آرہی ہیں

۱۔ یہ صحاح میں داخل ہے یا نہیں اور اگر داخل نہیں تو وہ کون سی کتاب ہے جسے صحاح میں داخل کر کے ستہ یعنی چھ کا عدد پورا کیا جائے۔ علامہ ابن اثیر المتوفی ۶۰۴ھ شاہ ولی اللہ المتوفی ۱۱۷۶ھ اور شاہ عبدالعزیز المتوفی ۱۲۳۹ھ "مؤطا امام مالک" کو داخل کر کے چھ کی تعداد پوری کرتے ہیں۔

شیخ عبدالحق دہلوی ۱۰۵۲ھ اور حافظ ابن حجر ۸۵۲ھ "مسند دارمی" کو داخل کر کے یہ تعداد پوری کرتے ہیں۔

امام نووی المتوفی ۶۷۶ھ شارح "صحیح مسلم" اس تعداد ہی کے خلاف ہیں۔ ان کے نزدیک صحاح صرف پانچ ہیں۔ اسی لیے وہ کتاب الاذکار میں جگہ جگہ یہ فرماتے ہیں۔ رَوَاہُ الْخَمْسَۃُ اسے پانچوں نے روایت کیا ہے۔

بعض علماء صرف تین کتابوں کی صحت کے قائل ہیں۔ "صحیح بخاری" "صحیح مسلم" "سنن نسائی"۔ یہ لوگ صرف صحاح ثلاثہ کے قائل ہیں۔ لیکن یہاں ان تفصیلات کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔ یہاں تو صرف "ابن ماجہ" کی کتاب پر بحث مقصود ہے۔

شیخ عبدالحق دہلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ مقدمہ مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

قال بعضهم كتاب الدارمي احرى واليق بجعله سادس الكتب لان رجاله اقل ضعفا ووجود الاحاديث المنكرة والشاذة فيه نادر وله اسناد عالية وثلاثياته اكثر من ثلاثيات البخاري

مقدمہ مشکوٰۃ ص ۷

بعض علماء فرماتے ہیں دارمی کی کتاب اس کے زیادہ لائق ہے کہ اسے چھٹی کتاب قرار دیا جائے۔ کیونکہ اس کے رواۃ بہت کم ضعیف ہیں اور اس میں احادیث منکر اور شاذہ۔ شاذ و نادر ہی پائی جاتی ہیں

Marfat.com

اور ان کی ثلاثیات بخاری کی ثلاثیات سے زیادہ ہیں۔

امام دارمی المتوفی ۲۵۵ھ تمام اصحاب صحاح ستہ کے استاد ہیں اور ان کی کتاب میں کوئی موضوع روایت نہیں پائی جاتی۔

نواب صدیق حسن خان المتوفی ۱۳۰۷ھ "الحطہ بذکر الصحاح الستہ" میں ابنِ ماجہ کی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وله عدة احاديث ثلاثيات اوردها فی سننه وهذه الثلاثيات من طريق جبارة بن المغلس وله حديث فی فضل قزوين منكر بل موضوع ولهذا اطعنوا فيه وفی كتابه الحطہ بذکر الصحاح الستہ ص۱۱

"ابن ماجہ" کے یہاں چند ثلاثی احادیث بھی ہیں جنھیں جبارۃ بن مغلس کے ذریعہ اپنی کتاب میں روایت کیا ہے اور ابن ماجہ میں قزوین کی فضیلت میں ایک منکر بلکہ موضوع حدیث بھی موجود ہے۔ اسی لیے علماء حدیث نے "ابن ماجہ" اور ان کی کتاب پر طعن کیا ہے۔

شیخ محمد بن یحیٰی المعروف ابن محسن التیمی اپنی کتاب "الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبدالغنی" میں فرماتے ہیں۔

ولابن ماجة رحمه الله خمسة احاديث ثلاثيات اوردها فی سننه وهذه الثلاثيات من طريق جبارة بن المغلس وله حديث فی فضل قزوين منكر بل موضوع ولهذا طعنوا فيه وفی كتابه۔ الیانع الجنی ص۵۷

"ابن ماجہ" اپنی "سنن" میں پانچ ثلاثیات لے کر آئے ہیں اور یہ ثلاثیات جبارۃ بن مغلس کے ذریعہ مروی ہیں اور "ابنِ ماجہ" میں قزوین کی فضیلت میں منکر بلکہ موضوع حدیث موجود ہے اسی لیے علماء

نے "ابنِ ماجہ" اوران کی سنن پر طعن کیا ہے۔

علامہ محمد بن عابد سندھی حنفی المتوفی ۱۲۵۷ھ اپنی "حصر الشارد فی الاسانید الشیخ محمد عابد" میں فرماتے ہیں۔

قال الشیخ الامام صلاح العلائی انه قال لو قدم مسند الدارمی بدل ابن ماجة فکان سادسا لکان اولی

شیخ امام صلاح العلائی المتوفی ۷۶۱ھ فرماتے ہیں۔ اگر "ابن ماجہ" کے بدلہ میں "مسند دارمی" کو رکھا جاتا اور اسے چھٹی کتاب قرار دیا جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔

حافظ ابن حجر ہیثمی المتوفی ۹۹۵ھ فہرست میں لکھتے ہیں۔

قال المزی ان الغالب فی ما انفرد به ابن ماجة الضعف ولذا جری کثیر من القدماء علی اضافة المؤطا او غیره الی الخمسة

امام مزی ۷۴۲ھ فرماتے ہیں اکثر وہ احادیث جنھیں صرف "ابنِ ماجہ" نے روایت کیا ہو وہ ضعیف ہوتی ہیں۔ اسی لیے متقدمین کی اکثریت کا خیال ہے کہ پانچوں کتابوں کے ساتھ چھٹی کتاب "مؤطا" یا کسی اور کتاب کو قرار دیا جائے۔

علامہ محمد اسمٰعیل امیر الیمانی المتوفی ۱۱۸۲ھ "توضیح الافکار" میں تحریر فرماتے ہیں

وکانه اغتر الحافظ العلائی فانه قال ینبغی ان یجعل مسند الدارمی سادسا للخمسة بدل ابن ماجة فانه قیل الرجال الضعفاء نادرا الاحادیث المنکرة والشاذة وان کان فیه احادیث مرسلة وموقوفة فهو مع

ذلک اولی من سنن ابن ماجۃ الی اخرملامہ
ویحتمل انہ اراد تفضیلہ علی ابن ماجۃ بخصوصہ
وان ابن ماجۃ رجالہ الضعفاء اکثر واحادیثہ الشاذۃ
والمنکرۃ غیر نادرۃ

حافظ صلاح العلائی المتوفی ۷۶۱ھ کا قول ہے کہ مناسب یہ ہے کہ پانچوں کتابوں کے ساتھ "ابن ماجہ" کے بدلہ "مسند دارمی" کو چھٹی کتاب قرار دیا جائے۔ کیونکہ اس میں ضعیف رواۃ کی تعداد بھی کم ہے اور منکر اور شاذ احادیث بھی نادر ہیں اگرچہ اس میں مرسل اور موقوف روایات ضرور موجود ہیں۔ لیکن تب بھی وہ سنن ابن ماجہ سے بہت بہتر ہے۔

ممکن ہے حافظ علائی کا مقصد "مسند دارمی" کو خاص طور پر "ابن ماجہ" پر فضیلت دینا مقصود ہو، کیونکہ "ابن ماجہ" میں اکثر روایات ضعیف ہیں اور اس میں شاذ اور منکر احادیث بہت ہیں۔

جلال الدین سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ "تدریب" میں لکھتے ہیں۔

قال شیخ الاسلام الحافظ ابن حجر العسقلانی
کتاب الدارمی لیس دون السنن فی الرتبۃ بل لو
ضم الی الخمسۃ لکان اولی من ابن ماجۃ فانہ
امثل منہ بکثیر

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ فرماتے ہیں "سنن دارمی" رتبہ میں دیگر سنن (سنن نسائی، سنن ابی داؤد) سے کم نہیں ہے۔ بلکہ اگر اسے پانچوں کتابوں کے ساتھ شامل کیا جاتا تو وہ "ابن ماجہ" سے بہت بہتر ہوتا۔ کیونکہ "سنن دارمی" "ابن ماجہ" سے بہت عمدہ ہے۔

Marfat.com

علامہ محمد بن ابراہیم المعروف بابن وزیر المتوفی سنہ ۸۴۰ھ "تنقیح الانظار" میں رقم طراز ہیں

واما سنن ابن ماجۃ دون ھذین الجامعین یعنی کتاب ابی داؤد والنسائی والبحث عن احادیثھا لازم وفیھا حدیث موضوع فی الفضائل

"ابن ماجہ" "ابوداؤد" اور "نسائی" کی کتابوں سے کم ہے اور اس کی روایات پر بحث کرنا لازم ہے اور اس میں فضائل کے سلسلہ میں موضوع حدیث بھی پائی جاتی ہے۔

حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر المقدسی المتوفی سنہ ۵۰۷ھ اپنی کتاب "الشروط الائمۃ الستہ" میں لکھتے ہیں۔

رایت علی ظھر جزء قدیم بالری حکایۃ کتبھا ابو حاتم الحافظ المعروف بخامرش قال ابوزرعۃ الرازی طالعت کتاب ابی عبد اللہ فلم اجد فیہ الا قدرا یسیرا مما فیہ شیئ وذکر قریب بضعۃ عشر

میں نے رے میں ایک قدیم جزو کی پشت پر ایک حکایت لکھی ہوئی دیکھی جسے حافظ ابوحاتم المعروف بہ خامرش نے لکھا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ امام ابوزرعہ المتوفی سنہ ۲۶۴ھ رازی نے فرمایا میں نے ابوعبداللہ (ابن ماجہ) کی کتاب کا مطالعہ کیا۔ اس میں بہت کم ایسی روایات پائیں جن میں خرابی ہے اور دس سے اوپر روایات کا انھوں نے ذکر فرمایا۔

امام ذہبی المتوفی سنہ ۷۴۸ھ نے اپنی "تذکرۃ الحفاظ" میں خود امام ابن ماجہ سے نقل کیا ہے۔

عرضت ھذہ السنن علی ابی زرعۃ فنظر فیھا وقال اظن ان وقع ھذا فی ایدی الناس تعطلت ھذہ الجوامع

Marfat.com

او اکثرھا ثم قال لعل لا یکون فیہ تمام ثلاثین حدیثا
ممافی اسنادہ ضعف۔

میں نے یہ سنن ابوزرعہ کی خدمت میں پیش کی۔ انھوں نے اس پر نظر ڈال کر فرمایا۔ اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں چلی گئی تو یہ بہت سے جوامع معطل ہو جائیں گے۔ پھر فرمایا شاید اس میں تیس احادیث بھی ایسی نہ ہوں گی جن کی سندات میں ضعف ہو۔"

لیکن یہی امام ذہبی اپنی "النبلاء" میں لکھتے ہیں۔

وقول ابی زرعۃ لعل لایکون فیہ تمام ثلاثین حدیثا ممافی سندہ ضعف او نحو ذلک ان صح کانما عنی بثلاثین حدیثا المطرحۃ الساقطۃ واما الاحادیث اللتی لا تقوم بھا حجۃ فکثیرۃ لعلھا نحو الالف۔

ابوزرعہ کا یہ قول کہ شاید "تیس احادیث بھی ایسی نہ ہوں گی جن کی سند میں ضعف ہو۔ اگر یہ قول صحیح ہے تو تیس احادیث سے مُراد وہ احادیث ہوں گی جو ساقط الاعتبار اور پھینک دینے کے لائق ہوں گی۔ ورنہ وہ احادیث جو حجت نہیں ہو سکتیں۔ وہ تو "ابن ماجہ" میں ایک ہزار کے قریب ہیں۔

نیز یہی حافظ ذہبی "سیر النبلاء" میں فرماتے ہیں۔

کان حافظا صادقا واسع العلم ناقدا وانما غض من رتبۃ سننہ مافیھا المناکیر و قلیل من الموضوعات۔

"ابن ماجہ" حافظ الحدیث، صادق و ناقد اور کثیر العلم ہیں، لیکن ان کا رُتبہ ان کی "سنن" کے باعث گر گیا ہے۔ جس میں منکرات

اور کچھ موضوعات موجود ہیں۔

علامہ ابن وزیر المتوفی سنہ ۸۴۰ھ "تنقیح الانظار" میں لکھتے ہیں

ان ابن ماجة تفرد فیه باخراج احادیث عن رجال متهمین بالکذب وسرقة الاحادیث وبعض تلک الاحادیث لا تعرف الا من جهتهم مثل حبیب بن ابی ثابت کاتب مالک والعلاء بن زیدل وداؤد بن المحبر وعبد الوهاب بن الضحاك واسمٰعیل بن زیاد السکونی وعبد السلام بن یحیی بن الجنوب وغیرهم

"ابن ماجہ" ایسے رواۃ سے احادیث روایت کرنے میں منفرد ہیں جن پر جھوٹ بولنے اور حدیثیں چرانے کا اتہام ہے اور ان میں سے بعض احادیث تو ایسی ہیں کہ جو اس قسم کے کذاب راویوں کے علاوہ کسی اور سے مروی نہیں مثلاً حبیب بن ابی ثابت کاتب مالک علاء بن زیدل، داؤد بن المحبر، عبدالوہاب بن الضحاک، اسمٰعیل بن زیاد السکونی اور عبدالسلام بن یحیی بن الجنوب وغیرہ

واما ما حکاه ابن طاهر عن ابی زرعة الرازی انه نظر فیها فقال لعل لا یکون فیها تمام ثلاثین حدیثا هما فیه ضعف فهی حکایة لا تصح لانقطاع اسنادها وان کانت محفوظة فلعله اراد ما فیه من الاحادیث الساقطة الی الغایة او کان ما رای من الکتاب الاجزاء منه فیه هذا القدر وقد حکم ابو زرعة علی احادیث کثیرة منه بکونها باطلة او ساقطة او منکرة وذلک محکی فی کتاب العلل لابن ابی حاتم۔

اور ابن طاہر کا جو ابو زرعہ رازی سے نقل کرنا کہ انہوں نے اس کتاب کو دیکھا تو کہا کہ شاید اس میں تیس حدیثیں ایسی نہ ہوں جن میں ضعف ہو تو یہ حکایت صحیح نہیں کیونکہ اس کی اسناد منقطع ہیں اور اگر محفوظ ہو تو شاید ان کا ارادہ ان احادیث ساقطہ سے ہو جو اس کتاب میں ہیں یا ان اجزاء سے ہو جو اس کتاب کے اس قدر نسخے دیکھے ہوں اور ابو زرعہ نے اس کتاب کی بہت سی احادیث کے بارے میں حکم لگایا ہے کہ وہ باطل یا ساقط یا منکر ہیں اور یہ ابن ابی حاتم کی کتاب العلل میں مذکور ہے۔

Marfat.com

ابن طاہر المتوفی ۵۰۷ھ نے جو ابوزرعہ رازی سے نقل کیا ہے کہ شاید "ابن ماجہ" میں تیس احادیث بھی کمزور نہ ہونگی اول تو یہ قول صحت سے ثابت نہیں کیونکہ اس کی سند منقطع ہے اور اگر یہ صحیح ہے تو اس سے مراد ان کی وہ احادیث ہوں گی جو انتہائی درجہ ساقط الاعتبار ہوں گی (متقدمین کی اصلاح میں موضوع پر بھی ضعیف کا اطلاق ہوتا تھا) یا ابن ماجہ کے جتنے اجزاء کا انھوں نے مطالعہ کیا ہو اس پر یہ حکم جاری کیا ہو۔ کیونکہ ابوزرعہ نے ایسی بہت سی احادیث کو جو ابن ماجہ میں پائی جاتی ہیں۔ باطل، ساقط الاعتبار اور منکر وغیرہ قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ابن ابی حاتم نے "کتاب العلل" میں ان سے نقل کیا ہے (ابن ابی حاتم ابوزرعہ کے ماموں زاد بھائی اور فن رجال کے امام ہیں)

شیخ ابوالحسن سندھی حنفی المتوفی ۱۱۳۷ھ اپنے حاشیہ ابن ماجہ میں لکھتے ہیں۔

وقد اشتمل هذا الكتاب من بين الكتب الستة على سنن كثيرة لم تفرد بها عن غيره والمشهور ان ما انفرد به يكون ضعيفا وليس بكلي لكن الغالب كذالك وقد الف الحافظ الحجة العلامة احمد بن ابي بكر البوصيري رحمه الله تعالى في الزوائد تاليفا نبه على غالبها وانا ان شاء انقل غالب ما يحتاج اليه في هذا التعليق۔

"صحاح ستہ" میں "ابن ماجہ" ایک ایسی کتاب ہے جس میں بہت سی نئی روایات پائی جاتی ہیں جن میں وہ دوسروں سے منفرد ہیں اور مشہور یہ ہے کہ جس روایت کو صرف ابن ماجہ روایت کریں وہ ضعیف ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ کلیہ تو نہیں۔ لیکن اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ حافظ حجہ اور علامہ احمد بن ابی بکر البوصیری رحمہ اللہ المتوفی ۸۴۰ھ نے

ابن ماجہ کی زائد روایات پر ایک کتاب تحریر کی ہے جس میں انھوں نے یہ بتایا ہے کہ ابن ماجہ کی منفرد روایات اکثر ضعیف ہیں اور انشاء اللہ میں اس حاشیہ میں جہاں ضرورت ہوگی ان کے اکثر اقوال نقل کرونگا۔"

حافظ ابن حجر "تہذیب" میں فرماتے ہیں

کتابہ فی السنن جامع جید کثیر الابواب والغرائب وفیہ احادیث ضعیفۃ جدا حتی بلغنی ان المزی کان یقول مہما انفرد بخبر فیہ فھو ضعیف غالبا ولیس الامر فی ذلک علی اطلاقہ باستقرائی وفی الجملۃ ففیہ احادیث کثیرۃ منکرۃ واللہ المستعان ثم وجدت بخط الحافظ شمس الدین محمد بن علی الحسینی ما لفظہ سمعت شیخنا الحافظ ابا الحجاج المزی یقول کل ما انفرد بہ ابن ماجۃ فھو ضعیف یعنی بذلک ما انفرد بہ الحدیث من الائمۃ الخمسۃ

ابن ماجہ کی "سنن" ایک جامع اور عمدہ کتاب ہے اس میں بہت سے ابواب اور نادر امور ہیں اور بہت سی احادیث بے پناہ ضعیف ہیں حتیٰ کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ امام مزی فرماتے تھے جس حدیث کو صرف ابنِ ماجہ روایت کریں وہ ضرور ضعیف ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ کلیہ تو نہیں ہے لیکن ابن ماجہ میں اکثر روایات منکرہ ہیں اور اللہ ہی سے مدد کی درخواست ہے۔ اس کے بعد مجھے حافظ شمس الدین محمد بن علی الحسینی کا ایک خط ملا جس میں تحریر تھا کہ میں نے اپنے استاد حافظ ابو الحجاج المزی سے سنا وہ فرماتے تھے جس حدیث میں ابن ماجہ منفرد ہوں وہ ضعیف ہوتی ہے۔ یعنی باقی کتابوں میں

Marfat.com

وہ روایت نہ پائی جاتی ہو۔

یہ تمام مضمون رسالہ "ماتمس بہ الحاجۃ" سے نقل کیا گیا ہے جو جناب عبدالرشید صاحب نعمانی کی تصنیف ہے نعمانی صاحب ایک عرصہ تک دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں کتب خانہ کے نگران رہے ہیں۔ اس کے بعد مدرسہ بیوٹاؤن کراچی میں ادارہ تصنیف و تالیف کے ذمہ دار اور رسالہ البینات کے مدیر اعلیٰ رہے ہیں اور جو مسلک حنفیت اور دیوبندیت کے سختی سے پابند ہیں۔

ان تمام اقوال کا حاصل یہ ہے کہ اکثر محدثین "سنن ابن ماجہ" کو صحاح میں شمار نہیں کرتے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس میں متعدد موضوع احادیث پائی جاتی ہیں اگرچہ ان کی تعداد میں اختلاف ہے لیکن ابن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ کے نزدیک اُن کی تعداد پچاس ہے اور بعد میں دیگر محدثین نے سات اور شمار کی ہیں اس طرح ستاون ہوئیں لیکن بعض روایات اب بھی ایسی پائی جاتی ہیں جو قطعاً موضوع ہیں اور ایک ہزار کے قریب منکر روایات ہیں۔

اس کے علاوہ جب ابن ماجہ کسی روایات میں منفرد ہوں اور بقیہ پانچوں صحاح میں وہ روایت نہ پائی جاتی ہو تو وہ اکثر و بیشتر ضعیف ہوتی ہے۔

اب اصل حدیث کی جانب آتیے۔ یہ حدیث حضرت علیؓ سے مروی ہے اس کے الفاظ ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اذا کانت لیلۃ النصف من شعبان فقوموا لیلھا وصوموا نھارھا فان اللہ ینزل فیھا لغروب الشمس الی سماء الدنیا فیقول الا من مستغفر لی فاغفر لہ الا مسترزق فارزقہ الا مبتلی فاعافیہ الا کذا وکذا حتی یطلع الفجر۔ ابن ماجہ مصری ج-۱ ص۴۲۱

جب نصف شعبان کی رات ہو تو رات میں قیام کرو، اور دن میں روزہ رکھو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ غروب شمس کے وقت اس رات

میں آسمانِ دنیا کی جانب نزولِ فرما ہوتا ہے اور کہتا ہے، ہے کوئی مغفرت چاہنے والا کہ میں اس کی مغفرت کروں، ہے کوئی طالب رزق کہ میں اسے رزق دوں، ہے کوئی مبتلائے مصیبت کہ میں اُسے عافیت دوں۔ اسی طرح مختلف خطابات کرتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔

اس حدیث کی سند بھی ملاحظہ ہو۔

عبد الرزاق عن ابن ابی سبرۃ عن عبد اللہ بن ابراھیم بن محمد عن معاویۃ بن عبد اللہ بن جعفر عن ابیہ عن علی

اسے عبد الرزاق نے ابن ابی سبرہ سے روایت کیا ہے۔ وہ عبد اللہ بن ابراہیم بن محمد سے وہ معاویہ بن عبد اللہ بن جعفر سے، وہ اپنے والد سے وہ حضرت علیؓ سے۔

ابن ابی سبرہ

ابن ابی سبرہ۔ اس کی کنیت ابو بکر ہے۔ مدینہ کا باشندہ ہے۔ امام ابو یوسف سے قبل عراق کا قاضی تھا۔ اور اس کے باپ کا نام محمد ہے اور ابو سبرہؓ اس کے دادا کا نام ہے جو بدری صحابی تھے۔ یعنی ابو سبرہ بن ابی رہم العامری، ۱۶۳ھ میں مکہ میں اس کا انتقال ہوا۔ اس نے ابن حسن یعنی نفس ذکیہ کے ساتھ مل کر بغاوت کی تھی۔ اس وقت یہ منصور کی جانب سے صدقات پر مامور تھا۔ اس نے غبن کر کے چوبیس ہزار دینار نفس ذکیہ کو دیئے۔ بعد میں یہ قید ہوا۔ اور اس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالدی گئیں۔ اتفاق سے چند ماہ بعد مدینہ میں ایک فتنہ واقع ہوا تو اہلِ مدینہ کے غلاموں نے قید خانہ توڑ ڈالا۔ اور اسے قید سے نکال لیا اور اس کی بیڑیاں کاٹنے کا ارادہ کیا۔ تو کہنے لگا۔ یہ تو میری غلطیوں کا انجام ہے۔ پھر منبر کے نیچے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور لوگوں کو خلیفہ کی اطاعت پر اُبھارا اور [illegible]

Marfat.com

اسے دوبارہ قاضی بنا دیا اور بولا پہلے اس نے برائی کی تھی لیکن اب اس نے اچھا کام کیا۔

قال النسائی متروک

نسائی المتوفی ۳۰۳ھ کہتے ہیں متروک ہے۔

ابن معین کا قول ہے۔

لیس حدیثہ بشیئ

اس کی حدیث کچھ نہیں ہے

عباس الدوری المتوفی ۲۷۱ھ نے انھی ابن معین سے نقل کیا ہے کہ ابن ابی سبرہ ہمارے شہر آیا تو لوگ اس کے پاس حدیث سننے کے لیے جمع ہوئے تو کہنے لگا

عندی سبعون الف حدیث ان اخذتم عنی کما

اخذ عنی ابن جریج والا فلا

میرے پاس ستر ہزار احادیث ہیں۔ اگر تم مجھ سے اسی طرح حاصل کرنا چاہتے ہو جیسے ابن جریج نے حاصل کی ہیں تو کرو ورنہ نہیں

امام بخاری نے اسے ضعیف کہا ہے۔

امام احمد کے صاحبزادگان عبداللہ اور صالح کا بیان ہے کہ ہمارے والد نے فرمایا۔

کان یضع الحدیث — میزان ج-۴ ص ۵۰۴

وہ احادیث وضع کرتا تھا۔

حافظ ابن حجر تہذیب میں فرماتے ہیں

رموہ بالوضع — اس پر وضع حدیث کا الزام ہے

امام ابن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ اپنی موضوعات میں فرماتے ہیں۔

کان وضاعا — وہ بہت احادیث وضع کرتا

یہ روایت ایک ایسی روایت ہے جسے بخاری و مسلم، ابوداؤد و نسائی اور ترمذی نے روایت نہیں کیا۔ اِس کی روایت میں ابن ماجہ منفرد ہیں اور پھر اس کے راوی ابن سبرہ

Marfat.com

میں آسمانِ دنیا کی جانب نزولِ فرما ہوتا ہے اور کہتا ہے، ہے کوئی مغفرت چاہنے والا کہ میں اس کی مغفرت کردوں، ہے کوئی طالب رزق کہ میں اسے رزق دوں، ہے کوئی مبتلائے مصیبت کہ میں اُسے عافیت دوں۔ اسی طرح مختلف خطابات کرتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔

اس حدیث کی سند بھی ملاحظہ ہو۔

عبد الرزاق عن ابن ابی سبرۃ عن عبد اللہ بن ابراھیم بن محمد عن معاویۃ بن عبد اللہ بن جعفر عن ابیہ عن علی

اسے عبد الرزاق نے ابن ابی سبرہ سے روایت کیا ہے۔ وہ عبد اللہ بن ابراہیم بن محمد سے وہ معاویہ بن عبد اللہ بن جعفر سے، وہ اپنے والد سے وہ حضرت علیؓ سے۔

ابن ابی سبرہ

ابن ابی سبرہ۔ اس کی کنیت ابو بکر ہے۔ مدینہ کا باشندہ ہے۔ امام ابو یوسف سے قبل عراق کا قاضی تھا۔ اور اس کے باپ کا نام محمد ہے اور ابو سبرہؓ اس کے دادا کا نام ہے جو بدری صحابی تھے۔ یعنی ابو سبرہ بن ابی رہم العامریؓ، ۱۶۳ھ میں مکہ میں اس کا انتقال ہوا۔ اس نے ابن حسن یعنی نفس ذکیہ کے ساتھ مل کر بغاوت کی تھی۔ اس وقت یہ منصور کی جانب سے صدقات پر مامور تھا۔ اس نے غبن کر کے چوبیس ہزار دینار نفس ذکیہ کو دیئے۔ بعد میں یہ قید ہوا۔ اور اس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالدی گئیں۔ اتفاق سے چند ماہ بعد مدینہ میں ایک فتنہ واقع ہوا تو اہلِ مدینہ کے غلاموں نے قید خانہ توڑ ڈالا۔ اور اسے قید سے نکال لیا اور اس کی بیڑیاں کاٹنے کا ارادہ کیا۔ تو کہنے لگا۔ یہ تو میری غلطیوں کا انجام ہے۔ پھر منبر کے نیچے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور لوگوں کو خلیفہ کی اطاعت پر اُبھارا اور [illegible]

Marfat.com

اسے دوبارہ قاضی بنا دیا اور بولا پہلے اس نے برائی کی تھی لیکن اب اس نے اچھا کام کیا۔

قال النسائیؒ متروک

نسائی المتوفی ۳۰۳ھ کہتے ہیں متروک ہے۔

ابن معین کا قول ہے۔

لیس حدیثہ بشیئ

اس کی حدیث کچھ نہیں ہے

عباس الدوری المتوفی ۲۷۱ھ نے اپنے ابن معین سے نقل کیا ہے کہ ابن ابی سبرہ ہمارے شہر آیا تو لوگ اس کے پاس حدیث سننے کے لیے جمع ہوئے تو کہنے لگا

عندی سبعون الف حدیث ان اخذتم عنی کما

اخذ عنی ابن جریج والافلا

میرے پاس ستر ہزار احادیث ہیں۔ اگر تم مجھ سے اسی طرح حاصل کرنا چاہتے ہو جیسے ابن جریج نے حاصل کی ہیں تو کرو ورنہ نہیں

امام بخاری نے اسے ضعیف کہا ہے۔

امام احمد کے صاحبزادگان عبداللہ اور صالح کا بیان ہے کہ ہمارے والد نے فرمایا۔

کان یضع الحدیث — میزان ج-۴ ص۵۰۴

وہ احادیث وضع کرتا تھا۔

حافظ ابن حجر تہذیب میں فرماتے ہیں

رموہ بالوضع — اس پر وضع حدیث کا الزام ہے

امام ابن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ اپنی موضوعات میں فرماتے ہیں۔

کان وضاعا — وہ بہت احادیث وضع کرتا

یہ روایت ایک ایسی روایت ہے جسے بخاری و مسلم، ابوداؤد و نسائی اور ترمذی نے روایت نہیں کیا۔ اِس کی روایت میں ابن ماجہ منفرد ہیں اور پھر اس کے راوی ابن سبرہ

Marfat.com

پر وضع کا اتہام ہے اور جب راوی پر وضع کا اتہام ہو تو وہ حدیث موضوع کہلاتی ہے یہ "ابن ماجہ" کی موضوعات میں داخل ہے۔ اگرچہ ابن الجوزی وغیرہ نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ ابن عدی المتوفی ۳۶۰ھ نے کامل میں اس روایت کو منکر قرار دیا ہے۔

اس کا دوسرا راوی عبداللہ بن ابراہیم بن محمد ہے جو مجہول ہے۔ اگر اس سے مراد عبداللہ بن ابراہیم بن محمد بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر ہے تو یہ بھی غلط ہے۔ عبداللہ بن جعفر کے کسی صاحب زادے کا نام معاویہ ثابت نہیں اور جب ان کے کسی لڑکے کا نام معاویہ نہیں تو یہ عبداللہ بن جعفر سے جو معاویہ نقل کر رہا ہے وہ ایک فرضی نام ہوگا۔ اس طرح دو راوی مجروح ہونگے اور اگر اس کا نام معاویہ ثابت بھی ہو جائے تب بھی ایک زبردست اعتراض واقع ہوگا۔ اور وہ یہ کہ عبداللہ بن ابراہیم، معاویہ بن عبداللہ کا پڑپوتا ہوگا اور اس صورت میں یا تو عبداللہ بن ابراہیم کا معاویہ سے سماع ثابت کرنا ہوگا۔ ورنہ روایت منقطع ہوگی اور چونکہ دونوں مستور الحال ہیں ان کا ثقہ ثابت ہونا ہی دشوار رہے۔ کجا کہ سماع کا ثبوت یہ تو ہوا میں اُڑنے کے مترادف ہے۔

عبدالرزاق بن ہمام

اس روایت کا تیسرا راوی عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ ہے۔ ان سے بڑے بڑے ائمہ حدیث نے حدیث کا سماع کیا ہے۔ مثلاً امام احمد، یحیی بن معین، ذہلی، رہادی اور اسحاق بن راہویہ وغیرہ۔ ان کی احادیث تمام صحاح ستہ میں پائی جاتی ہیں۔ ان کی آخر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی۔ اس کے بعد کی روایات محدثین کے نزدیک ضعیف تصور کی جاتی ہیں۔ کیونکہ نابینا ہو جانے کے بعد لوگ حدیث میں جو بھی الفاظ بولدیتے وہ اسی کو بیان کرنا شروع کر دیتے۔ امام نسائی فرماتے ہیں کہ ان کی آخر کی روایات منکر ہیں اور جب صورتِ حال یہ ہے تو حسن بن علی الخلال جو عبدالرزاق سے اس حدیث کو روایت کر رہا ہے اس کے بارے میں ثابت کرنا ہوگا کہ اس نے عبدالرزاق سے اس حدیث کا سماع کس زمانہ میں کیا۔ حالانکہ خلال کا کوئی ذکر "میزان"

اور "تقریب" میں موجود نہیں۔ حسن بن علی تو بہت سے ہیں لیکن خلال کسی کا لقب نہیں۔
اس صورت میں مزید دو عیب پیدا ہوں گے۔

۱۔ حسن بن علی الخلال مجہول ہے

۲۔ اس کے بارے میں یہ ثابت نہیں کہ اس نے عبدالرزاق سے کس زمانے میں حدیث سنی اور یہ امر اس طرح اور مشکوک ہو جاتا ہے کہ عبدالرزاق کی وفات ۲۱۱ھ میں ہے اور امام ابن حبان کی وفات ۳۵۴ھ میں اور امام ابن حبان اور عبدالرزاق کے درمیان بھی صرف یہی ایک راوی حسن بن علی الخلال ہے۔ گویا عبدالرزاق اور ابن حبان کے سنہ وفات کے درمیان ایک سو تینتالیس سال کا فرق ہوا اور یہ بعید از منتہا ہے اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حسن بن علی کی عمر ڈیڑھ سو سے زیادہ ہوئی تب بھی اُسے عبدالرزاق سے سماع آخر عمر میں حاصل ہوگا نہ کہ ابتدائے عمر میں اور ان کی آخری روایات قابلِ قبول نہیں۔

اِن اُمور کو اگر نظر انداز بھی کر دیا جائے تو عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الصنعانی کی ذات از خود بہت مشکوک ہے۔ اگرچہ اکثر محدثین نے اس کی روایات کو قبول کیا ہے لیکن اس پر سخت جرح بھی کی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ محدثین کرام اس کے مجروح ہونے کے باوجود اس کی روایت ترک کرنے کے لیے تیار نہیں اور عبدالرزاق کی محبت میں انھوں نے انتہائی غلو سے کام لیا ہے جس کی مثال کسی دوسرے راوی میں نہیں ملتی۔ حتیٰ کہ امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں۔

لو ارتد عبد الرزاق عن الاسلام ما ترکنا حدیثه

میزان ج-۲ ص۶۱۳

اگر عبدالرزاق اسلام سے بھی مرتد ہو جائے تو ہم اس کی حدیث ترک نہیں کر سکتے۔

تقریباً تمام محدثین نے اسی قسم کا رویہ اختیار کیا ہے کہ عبدالرزاق پر جرح بھی کی ہے اور پھر اس کی روایت بھی لی ہے۔ یہ عبدالرزاق پکا رافضی ہے۔ اسی باعث ابنِ

Marfat.com

معین نے ارتداد کا ذکر کیا۔ محدثین نے اس عبدالرزاق کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ بھی سُن لیجئے۔

ابن عدی کامل المتوفی ۳۶۵ھ میں فرماتے ہیں۔

حدّث باحادیث فی الفضائل لم یوافقه علیها احدو
مثالب بغیرهم مناکیر ونسبوه الی التشیع

اس نے فضائل میں ایسی احادیث بیان کی ہیں جن کی کوئی موافقت نہیں کرتا۔ اور بعض صحابہ کی برائیاں بھی کی ہیں (مثلاً معاویہ) اور لوگوں نے انھیں تشیع کی جانب منسوب کیا ہے۔

دارقطنی کہتے ہیں۔

ثقه لکنه یخطئ علی معمر فی احادیث

ثقہ ہے لیکن معمر کی احادیث نقل کرنے میں خطا کرتا ہے۔

لُطف یہ ہے کہ صحاح میں عبدالرزاق کی جو روایات پائی جاتی ہیں ان میں سے اکثر حصّہ وہ معمر المتوفی ۱۵۳ھ ہی سے روایت کرتا ہے۔

عبداللہ المسندی المتوفی ۲۲۹ھ کا بیان ہے کہ جب میں امام سفیان بن عیینہ المتوفی ۱۹۸ھ کے پاس سے رخصت ہونے لگا تو میں نے عرض کیا میں عبدالرزاق کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ انھوں نے فرمایا۔

اخاف ان یکون من الذین ضل سعیهم فی
الحیٰوة الدنیا

مجھے خوف ہے کہ وہ ان لوگوں میں داخل ہے جس کی دُنیاوی زندگی کی تمام کوششیں اکارت ہو گئی ہوں۔

عبداللہ بن احمد المتوفی ۲۹۰ھ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ سے سوال کیا۔ کیا عبدالرزاق تشیع میں افراط سے کام لیتا تھا۔ امام صاحب نے فرمایا۔

Marfat.com

اما انا فلم اسمع منه فی هذا شیئا ولکن کان رجل
یعجبه اخبار الناس

میں نے خود تو اس سے کوئی ایسی بات نہیں سنی۔ لیکن لوگوں کی بیان کردہ خبریں اسے زیادہ پسند تھیں۔

مخلد الشیعری کا بیان ہے کہ میں ایک روز عبدالرزاق کی خدمت میں حاضر تھا۔ اتفاق سے ایک شخص نے امیر معاویہؓ کا تذکرہ کیا تو عبدالرزاق نے اسے یہ کہہ کر منع کیا۔

لا تقذر مجلسنا بذکر ولد ابی سفیان

ہماری مجلس کو ابوسفیانؓ کے بیٹے کا ذکر کر کے گندہ نہ کرو۔

محمد بن عثمان الثقفی البصری کا بیان ہے کہ جب عباس بن عبدالعظیم العنبری المتوفی ۲۴۶ھ عبدالرزاق سے احادیث سن کر صنعاء سے واپس آئے تو ہم ان کی خدمت میں ایک جماعت کی صورت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے فرمایا۔ میں انتہائی اہتمام کے ساتھ عبدالرزاق کے پاس گیا تھا اور اس کے پاس قیام بھی کیا لیکن

واللہ الذی لا الہ الا ھو ان عبدالرزاق کذاب والواقدی
اصدق منه

قسم ہے اس ذات کی جس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں کہ عبدالرزاق کذاب ہے اور واقدی اس سے زیادہ سچا ہے۔

امام ذہبی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں

هذا ما وافق العباس علیه مسلم بل سائر الحفاظ
وائمة العلم یحتجون به الا فی تلک المناکیر المعدودة
فی سعة ما روی

مسلم نے بھی اس بات میں عباس کی موافقت کی ہے۔ لیکن تب بھی تمام حفاظ اور ائمہ حدیث اس کی روایت کو حجت سمجھتے ہیں۔ بجز ان چند منکرات کے جو کثرت روایت کے سبب زبان سے جاری

Marfat.com

ہوگئیں۔ ابنِ عدی نے اس روایت کو عبدالرزاق کی منکرات میں شمار کیا ہے۔

علی بن عبداللہ بن المبارک الصنعانی کا بیان ہے کہ میرے چچا زید بن المبارک ایک عرصہ تک عبدالرزاق کی خدمت میں حاضر رہے اور اس سے بکثرت احادیث تحریر کیں۔ پھر انھوں نے وہ تمام روایات پھاڑ کر پھینک دیں اور عبدالرزاق کو چھوڑ کر محمد بن ثور کی خدمت میں رہنے لگے۔ ان سے اس کی وجہ دریافت کی گئی۔ تو انھوں نے فرمایا کہ ہم عبدالرزاق کے پاس تھے۔ ایک روز اس نے ابن جریج کی حدیث بیان کی۔ جب حضرت عمرؓ کا وہ قول اس نے پیش کیا۔ جو انھوں نے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا۔

فجئت انت تطلب میراثک من ابن اخیک وجاء هذا یطلب میراث امرأته من ابیها

تو تو اپنے بھتیجے کی میراث طلب کر رہا ہے اور یہ شخص اپنی بیوی کے باپ کی میراث طلب کر رہا ہے۔

حضرت عمرؓ کے اس جملہ پر عبدالرزاق بولا۔

انظروا الی هذا الاحمق یقول من ابن اخیک، من ابیها لا یقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اِس بے وقوف کو دیکھو کہ کہتا ہے بھتیجا، بیوی کا باپ، یہ نہیں کہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

زید بن المبارک کہتے ہیں۔ میں یہ جملہ سُن کر مجلس سے اُٹھ گیا اور پھر اس کے پاس نہیں گیا۔

جعفر بن ابی عثمان الطیاسی نے یحییٰ بن معین سے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں عبدالرزاق کی مجلس میں حاضر تھا۔ ایک روز میں نے اس سے ایسے الفاظ سُنے جن سے تشیع ٹپکتا تھا۔ میں نے اس سے سوال کیا کہ تیرے تمام وہ اُستاد جن سے تو نے علم حاصل

کیا ہے۔ سب اصحاب سنت تھے۔ مثلاً المتوفی معمر ۱۵۳ھ، مالک المتوفی ۱۷۹ھ۔ ابن جریج المتوفی ۱۵۰ھ، سفیان المتوفی ۱۶۰ھ اور اوزاعی المتوفی ۱۵۷ھ۔ تو نے یہ مذہب کہاں سے اخذ کیا ہے۔ تو کہنے لگا۔ ہمارے پاس جعفر بن سلیمان ـــــ آیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک فاضل آدمی ہے۔ اس کے اخلاق و عادات بہت عمدہ ہیں۔ میں نے اس سے اخذ کیا۔

احمد بن خیثمہ کا بیان ہے کہ انھی یحییٰ بن معین سے کسی نے تذکرہ کیا کہ امام احمد عبید اللہ بن موسیٰ المتوفی ۲۱۳ھ کی حدیث تشیع کے باعث رد کر دیتے ہیں۔ امام ابن معین نے فرمایا۔

واللہ الذی لا الہ الا ھو عبد الرزاق اعلی فی ذلک من عبید اللہ مائۃ ضعف ولقد سمعت من عبد الرزاق اضعاف ما سمعت من عبید اللہ

اس اللہ کی قسم کہ جس کے علاوہ کوئی الہ نہیں۔ عبدالرزاق تو عبید اللہ سے سو درجہ زیادہ غالی رافضی ہے۔ کیونکہ میں نے عبدالرزاق سے جتنی باتیں سنی ہیں وہ عبید اللہ کی باتوں سے زیادہ ہیں

سلمۃ بن شبیب المتوفی ۲۴۰ھ کا بیان ہے کہ عبدالرزاق کہا کرتا تھا

واللہ ما انشرح صدری قط ان افضل علیا علی ابی بکر و عمر۔

اللہ کی قسم مجھے اس پر ابھی شرح صدر نہیں ہوا کہ میں علیؓ کو ابوبکرؓ و عمرؓ پر فضیلت دوں۔

اور اس شرح صدر نہ ہونے کی وجہ بھی خود ہی اس نے بیان کر دی ہے وہ کہتا ہے۔

افضل الشیخین بتفضیل علی ایاھما علی نفسہ ولو لم یفضلھا لم افضلھا۔ کفی بی ازراءً ان احب علیا ثم اخالف قولہ۔

Marfat.com

علیؓ نے چونکہ شیخین کو اپنی ذات پر فضیلت دی ہے اس لیے میں ان کو فضیلت دیتا ہوں۔ اور اگر علیؓ انھیں فضیلت نہ دیتے تو میں بھی انھیں فضیلت نہ دیتا۔ میرے لیے یہ کافی ہے کہ میں علیؓ سے محبت کرتا ہوں تو ان کے قول کی کیسے مخالفت کردں۔

یہ روایت کہ جب تم معاویہؓ کو میرے منبر پر دیکھو تو اسے قتل کردو، اور یہ روایت کہ حضرت علیؓ دُنیا و آخرت کے سردار ہیں۔ اور یہ روایت کہ اے فاطمہؓ اللہ تعالیٰ نے اہلِ زمین سے صرف دو آدمیوں کو منتخب کیا ہے۔ ایک تیرے باپ کو اور ایک تیرے خاوند کو۔ ان روایات کا راوی یہی عبدالرزاق ہے (میزان الاعتدال ج۔۲ ص۶۰۹ تا ص۶۱۳

ہمیں عبدالرزاق کے حالات کی تفصیل اِس لیے بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی کہ اس کی روایات "صحیح بخاری"، "صحیح مسلم" اور تمام کتب احادیث میں پائی جاتی ہیں۔ اگرچہ بخاری و مسلم نے فضائل سے متعلق اس کی کوئی روایت نہیں لی ہے

حاصلِ کلام یہ کہ حضرت علیؓ کی اِس حدیث میں متعدد نقائص ہیں۔

۱۔ حسن بن علی۔ الحلال مجہول ہے۔

۲۔ ابراہیم بن محمد بھی مجہول ہے۔

۳۔ معاویہ بن عبداللہ بن جعفر مستور الحال ہے۔

۴۔ ابراہیمؒ اور معاویہؓ کے درمیان ایک طویل فاصلہ ہے اور درمیان سے راوی منقطع ہوگیا ہے۔

۵۔ ابن ابی سبرہ وضاع الحدیث ہے۔ پہلے وہ شیعہ تھا۔ سزا کاٹنے کے بعد سنی بن گیا۔ (یعنی تقیہ کرلیا)

۶۔ عبدالرزاق پکا رافضی ہے

۷۔ عبدالرزاق کی آخر کی احادیث قطعاً ناقابلِ قبول ہیں۔ اور یہ روایت خصوصی طور پر عبدالرزاق کی منکرات میں شمار ہوتی ہے۔

Marfat.com

۸۔ حسنؒ بن علیؒ نے عبدالرزاق سے آخر میں روایات سُنی ہیں۔

اس سے قبل آپ حضرت عائشہؓ کی روایات پڑھ چکے ہیں اور آئندہ جتنی روایات پڑھیں گے ان میں سے کسی میں بھی اس دن کے مخصوص روزے کا ذکر نہیں۔ روزے کا ذکر صرف اسی ایک روایت میں ملتا ہے اور جن احادیث صحیحہ یا ضعیفہ میں شعبان میں روزوں کا ذکر آرہا ہے۔ وہ پورے ماہ شعبان سے متعلق ہیں۔ اس مخصوص روزے سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ انھیں روزے کے ثبوت میں پیش کرنا ایک قسم کا فریب ہے۔

حضرت عائشہؓ المتوفی ۵۷ھ کی کسی روایت میں نزولِ خداوندی کا ذکر نہ تھا۔ اس میں اس کا اضافہ کیا گیا۔ "صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" میں حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ المتوفی ۷۳ھ اور ابوہریرہؓ المتوفی ۵۷ھ سے ہر رات آخر شب میں نزولِ الٰہی ثابت ہے۔ مسلم کے الفاظ ہیں۔

ینزل ربنا تبارک وتعالیٰ کل لیلۃ الی السماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الاخر فیقول من یدعونی فاستجیب لہ ومن یسالنی فاعطیہ ومن یستغفرنی فاغفرلہ فلا یزال کذلک حتی یطلع الفجر۔ مسلم ج-۱ ص۲۵۸۔ ترمذی ج-۲ ص۲۰۹، بخاری ج-۱ ص۱۵۳

ہمارا پروردگار تبارک وتعالیٰ ہر رات آسمان دنیا کی جانب جب آخری تہائی رات رہ جاتی ہے نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے کون ہے جو مجھ سے دعا کرے تاکہ میں اس کی دعا قبول کروں۔ کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اسے عطا کروں اور کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اس کی مغفرت کروں اسی طرح طلوع فجر تک ہوتا رہتا ہے۔

ابن ابی سبرہ وغیرہ نے نزولِ الٰہی کا ذکر اس حدیث سے چرایا اور پھر اس کا تعلق شبِ برات سے جوڑ دیا۔

جھوٹوں کا اکھاڑا

غنیہ میں اِس مضمون کی ایک اور روایت حضرت علیؓ سے باسند نقل کی گئی ہے۔ جو ہم قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

اخبرنا الشیخ ابو نصر عن والدہ قال اخبرنا محمد قال اخبرنا عبداللہ بن محمد انا اسمعیل بن عمر البجلی انا عمر بن موسی الوجہی عن زید بن علی عن ابائہ عن علی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ینزل اللہ تعالی فی لیلۃ النصف من شعبان الی السماء الدنیا فیغفر لکل مسلم الا لمشرک او مشاحن او مقاطع رحم او امرأۃ تبغی فی فرجہا۔ غنیہ ج-۱ ص۶۸۷

ہمیں ابونصر نے خبر دی۔ وہ اپنے باپ سے نقل کرتا ہے اسے محمد نے خبر دی اسے عبداللہ بن محمد نے اسے اسمعیل بن عمر البجلی نے اسے عمر بن موسی الوجہی نے وہ زید بن علی سے روایت کرتا ہے وہ اپنے باپ دادا کے ذریعہ حضرت علیؓ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب میں آسمانِ دنیا کی جانب نزول فرما ہوتا ہے مشرک، کینہ پرور، قاطع رحم اور اس عورت کے علاوہ جو اپنی

Marfat.com

پیشاب گاہ کے لیے مرد تلاش کرتی پھرتی ہے ہر ایک کی
مغفرت فرماتا ہے۔

۱۔ حضرت علیؓ کی اس روایت میں نزولِ خداوندی اور مغفرت کا ذکر کیا گیا ہے لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ ہمیں اس مغفرت کے لیے کونسا عمل اختیار کرنا چاہیئے۔

۲۔ اس کا آخری جملہ انتہائی بے ہودہ ہے جس کا لفظی ترجمہ کرنے سے ہمارا قلم قاصر ہے۔ معمولی سی بات تھی۔ کہنا چاہیئے تھا "او زانیۃ" لیکن افسوس کہ بیچاری زانیہ عورت تو مغفرت سے محروم ہے لیکن جناب زانی صاحب اس مغفرت سے ہرگز محروم نہ ہوں گے۔ کیونکہ انھیں مستثنیٰ نہیں کیا گیا ہے۔ حالانکہ اس فساد کا بانی وُہی ہے۔

۳۔ کیا کینہ پرور اور قطع رحمی کرنے والا زانی سے بھی بدتر ہے۔؟ علماء کرام اس سلسلہ میں ہماری مدد فرمائیں۔

۴۔ جہاں تک نزول خداوندی کا ذکر ہے اس کا جواب ہم گذشتہ صفحہ پر تحریر کر چکے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان وضاعین نے یہ نزول اس رات کے ساتھ دو وجہ سے مخصوص کیا ہے۔

الف:۔ یہ تمام روات شیعہ ہیں اور ان کے امام غائب کئی سال ماں کے پیٹ میں رہنے کے بعد اس رات مخفی طور پر زبردستی باہر لائے گئے تھے اور پھر ان کے سر پر تمام کتابیں لاد کر انھیں سرمن رای کے ایک غار میں دھکا دیدیا گیا تھا۔ اسی کی سالگرہ بلکہ برسی منانے کے لیے اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول فرما ہوتے ہیں۔

ب:۔ اس طرح ایک رات سینوں کو جگا کر انھیں ہمیشہ کے تہجد سے محروم کر دیا گیا اور اس طرح دین کو ایک کھیل بنا یا گیا جو روافض کا مقصود اولیں تھا اور سنی اس کھیل میں مشغول ہو گئے اور احمقوں نے یہ نہ سوچا کہ اگر ہمیشہ تہجد ادا کیا جائے گا تو روزانہ مغفرت الٰہی حاصل ہو گی اور وہ رات خود بخود کھنچی چلی آئے گی۔

۵۔ یہ بھی غور طلب ہے کہ سب سے افضل رات لیلۃ القدر ہے لیکن اس کی

Marfat.com

فضیلت میں اِس قسم کی کوئی صحیح حدیث موجود نہیں۔ حتی کہ اس کی کوئی "تاریخ معینہ صرف اِس لیے بیان نہیں کی گئی کہ لوگ اِس پر بھروسہ کر کے زندگی بھر کا عمل ترک نہ کر دیں اِسی باعث جب حضرت عبداللہ بن مسعود المتوفی ۳۲ھ سے لیلۃ القدر کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا۔

من یقم الحول یصب لیلۃ القدر ابوداؤد ج۔۱ ص۲۰۲

مسلم ج۔۱ ص۳۷۰

جس نے پورے سال قیام کیا وہ لیلۃ القدر پالے گا۔

اور حضرت ابی بن کعب المتوفی ۱۹ھ نے عبداللہ بن مسعود المتوفی ۳۲ھ کے قول کی یہی توجیہہ بیان فرمائی تھی۔

رحمہ اللہ اراد ان لا یتکل الناس ابوداؤد ج۔۱ ص۲۰۲

مسلم ج۔۱ ص۳۷۰

اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرماتے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ لوگ آں پر بھروسہ نہ کرنے لگیں۔

تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ اس رات کو جس کا ذکر قرآن میں موجود ہو اور حضورؐ نے اسے معلوم کرنے کے لیے بیس دن کا اعتکاف فرمایا ہو وہ تو معلوم نہ ہو اور اس شب کا علم ہر ایک کو ہو جائے۔ اگر اس شب کی کوئی فضیلت ہوتی تو اسے بھی مخفی رکھا جاتا۔ جس طرح لیلۃ القدر اور جمعہ کے روز مقبول ساعت کو مخفی رکھا گیا ہے۔ لیکن یہ کہانیاں انسانوں کی وضع کردہ ہیں اِسی لیے اس کے اخفاء کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آئیے اب اس روایت کا پوسٹ مارٹم کر کے دیکھ لیجئے۔

۱۔ شیخ عبدالقادر جیلانی کے شیخ ابو نصر اور ان کے ابا جان دونوں تاریخ کے صفحات سے غائب ہیں۔ آج کل کے ناولوں کی طرح کوئی فرضی ہیرو معلوم ہوتے ہیں کہ "غنیہ" کے تمام پارٹ ادا کرنا ان کے لیے ضروری ہے ورنہ

Marfat.com

ان کی ہیرو شپ میں فرق آئے گا۔

۲۔ ابو نصر کے ابا جان نے اپنے شیخ کا نام محمد بیان کیا ہے۔ تو محمد تو لاتعداد ہیں۔ جن میں بہت سے ائمہ حدیث ہیں اور بہت سے کذاب و خبیث ہیں۔ ہمارے نزدیک اس محمد سے مراد محمد بن عمر ہے جو واقدی کے لقب سے مشہور ہے۔ ہم یہاں واقدی مراد لینے پر اس لیے مجبور ہوتے کہ اگلا راوی وہی عبداللہ بن محمد ہے جو ابن ابی سبرہ کی کنیت سے مشہور ہے اور جس کا تذکرہ حضرت علیؓ کی پہلی روایت میں گذر چکا اور واقدی کو اس سے سماع حاصل ہے کیونکہ عبداللہ بن محمد بن ابی سبرہ کی وفات ۱۶۳ھ میں ہوئی اور واقدی کی موت ۲۰۷ھ میں واقع ہوئی اور ان دونوں کی ملاقات کا امکان پایا جاتا ہے۔ لیکن ابو نصر جو کہ شیخ صاحب کا استاد ہے اس کی موت کم از کم ۵۰۰ھ یا اس سے پانچ دس سال پیشتر واقع ہونی چاہیئے۔ کیونکہ شیخ صاحب ۴۷۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۸۷ھ میں وہ تحصیل علم کی غرض سے بغداد تشریف لائے۔ اور ایک عرصہ تک صرف و نحو، لغت ادب اور فقہ کی تحصیل میں مشغول رہے۔ بعد میں تحصیل حدیث میں مصروف ہوئے۔ اس طرح ابو نصر سے تعلق ۴۹۰ھ کے بعد واقع ہوگا اور ابو نصر کے باپ کی موت اگر پچاس سال قبل بھی تسلیم کی جائے تو اس کی موت ۴۴۰ھ میں واقع ہونی چاہیئے۔ جب کہ عبداللہ بن محمد بن ابی سبرہ کی موت ۱۶۳ھ میں ہوئی اور ان دونوں کی موت کے درمیان کم از کم پونے تین سو سال کا فرق ہے اور ان دونوں کے درمیان محمد نامی صرف ایک راوی ہے۔ پیرانِ پیر کا کوئی مرید یہ بتا سکتا ہے کہ وہ کونسا محمد ہے جس کی عمر پونے تین سو سال ہوئی ہو، ورنہ درمیان کے راوی کہاں ہیں۔ کم از کم پانچ راوی ہونے چاہئیں تھے۔ اگر کہتے ہیں کہ یہ محمد واقدی نہیں بلکہ ابو نصر کے باپ کا استاد ہے جیسا کہ اس نے لفظ اخبرنا سے دعویٰ کیا ہے تو اول تو اس کا کچھ اتا پتا بتایا جائے پھر اس کا ثقہ ہونا ثابت کیا جائے اور اس کے بعد یہ بیان کیا جائے کہ اس محمد اور عبداللہ بن محمد کے درمیانی روایات کہاں ہیں۔ ان کی تعداد کتنی

Marfat.com

ہے اور وہ ثقہ ہیں یا غیر ثقہ، ہر صورت میں یہ تو تسلیم کرنا ہوگا کہ یا تو یہ محمد جھوٹا ہے یا ابو نصر کا باپ جھوٹا ہے۔ کیونکہ دونوں لفظ اخبرنا استعمال کر رہے ہیں۔ جو سننے پر دلالت کرتا ہے۔ اور اگر وہ کہتے ہیں کہ نہیں ابو نصر کے باپ نے واقدی کا زمانہ پایا ہے تو پھر ابو نصر کی موت زیادہ سے زیادہ ۲۰۰ھ تک ہو جانی چاہیئے، اب جو شیخ عبدالقادر یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ اخبرنا الشیخ ابو نصر تو یہ دعویٰ باطل ہوگا اور شیخ صاحب کا کذاب ہونا لازم آئے گا۔ اب آپ حضرات جو صورت بہتر سمجھیں اسے قبول فرمالیں۔ ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ کیونکہ ہر صورت میں روایت کا جھوٹا ہونا ثابت ہے۔ اس کا فیصلہ آپ حضرات پر چھوڑتے ہیں کہ یہ جھوٹ کس نے گھڑا ہے۔

۳۔ عبداللہ بن محمد دبی ابن ابی سبرہ ہے جس کا ذکر پہلی روایت میں کیا جا چکا جو واضع الحدیث ہے اور وہ روایت بھی حضرت علی سے مروی تھی اور یہ بھی حضرت علی سے مروی ہے اور دونوں میں نزولِ الٰہی کا ذکر ہے۔ صرف چند جزئیات اور سند میں فرق ہے تو جو شخص ایک حدیث وضع کر سکتا ہو وہ دوسری بھی کر سکتا ہے اور جو شخص حدیث وضع کر سکتا ہے وہ سند بھی وضع کر سکتا ہے۔

۴۔ پہلی روایت میں عبداللہ بن محمد اور صحابی کے درمیان صرف دو راوی تھے اور اس روایت میں وہ کم از کم چار ہو گئے اور اتفاق سے ان میں سے دو مشہور کذاب ہیں عبداللہ بن محمد کا شاگرد بھی کذاب ہے۔ اس طرح اس روایت میں کم از کم چھ کذاب اور رافضی جمع ہو گئے۔ اسی لیے ہم نے اس روایت پر دو جھوٹوں کا اکھاڑہ" کی سرخی قائم کی ہے۔ جیسا کہ انشاء اللہ ہم اگلی سطور میں اسے ثابت کریں گے۔

واقدی المتوفی ۲۰۷ھ کا چہرہ

اس کا پورا نام محمد بن عمر بن الواقد الاسلمی المدنی ہے۔ اس کی متعدد تصانیف ہیں۔ خاص طور پر "مغازی واقدی" مشہور ہے۔

"ابن ماجہ" نے ایک روایت اس سند سے نقل کی ہے حدثنا ابن ابی شیبۃ

حدثنا شیخ لنا حدثنا عبد الحمید بن جعفر۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ شیخ جس کا نام ابن ماجہ نے ذکر نہیں کیا وہ واقدی ہے اور فرماتے ہیں۔

وحسبك ان ابن ماجة لا یجسر ان یسمیه

تیرے لیے یہی کافی ہے کہ ابن ماجہ اس کا نام لینے کی بھی جسارت نہ کر سکے۔

یعنی واقدی اتنا بدنام ترین شخص ہے کہ ابنِ ماجہ یا ان کے استاد ابن ابی شیبہ المتوفی ۲۳۵ھ کو اتنی جرأت بھی نہ ہوئی کہ اس کا نام لے سکیں اور شیخ کے پردہ میں اس کا نام چھپا لیا۔ جس طرح اس روایت میں محمد کے پردے میں چھپایا گیا ہے۔

امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۰ھ فرماتے ہیں۔ وہ پکا جھوٹا ہے۔ حدیث میں تبدیلیاں کرتا اور زہری المتوفی ۱۲۳ھ کے بھانجے کی روایات کو معمر المتوفی ۱۵۳ھ کی جانب منسوب کر دیتا ہے۔

ابن معین ۲۳۳ھ فرماتے ہیں کہ ثقہ نہیں اور ایک بار فرمایا اس کی حدیث نہ لکھی جاتے۔ بخاری المتوفی ۲۵۶ھ اور ابو حاتم ۲۷۷ھ کہتے ہیں متروک ہے نسائی المتوفی ۳۰۳ھ اور ابو حاتم کہتے ہیں۔ احادیث وضع کرتا تھا۔ دار قطنی ۳۸۵ھ کا قول ہے کہ ضعیف ہے۔ ابن عدی ۳۶۵ھ فرماتے ہیں۔ اس کی روایات درست نہیں اور یہ تمام واقدی کی وضع کردہ ہوتی ہیں۔ علی بن المدینی ۲۳۴ھ فرماتے ہیں احادیث وضع کرتا تھا۔ نیز المدینی یہ بھی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ہیثم بن عدی واقدی سے زیادہ قوی ہے۔ میں اس سے نہ حدیث میں خوش ہوں، نہ علم الانساب میں اور نہ کسی اور شئے میں۔ نیز فرماتے ہیں واقدی تیس ہزار غریب روایات بیان کرتا ہے۔

اسحاق بن الطباع کا بیان ہے کہ میں نے مکہ کے راستہ میں واقدی کو دیکھا وہ نماز بھی برے طریق پر ادا کر رہا تھا۔

واقدی ۱۳۰ھ میں پیدا ہوا۔ ابن جریج ۱۵۰ھ، ابن عجلان ۱۴۸ھ ہمعمر

Marfat.com

۱۵۳ھ اور ثور بن یزید سے ملاقات کی۔ اس کا دادا واقد عبداللہ بن بریدۃ بن الحصیب کا غلام تھا۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں، محدثین نے اس سے سکوت اختیار کیا ہے میرے پاس اس کی کوئی روایت نہیں۔ میزان الاعتدال ج۔۲ ص ۶۶۳، ۶۶۴

حافظ مقدسی اپنی تذکرۃ الموضوعات میں امام شافعی ۲۰۴ھ کا قول نقل کرتے ہیں کہ واقدی کی تمام کتابیں جھوٹ ہیں۔

اس سے بھی بڑھ کر حیرتناک امر یہ ہے کہ آج واقدی کے نام سے جو کتابیں مشہور ہیں۔ وہ واقدی کی تصنیفات نہیں اور نہ واقدی نے کوئی کتاب لکھی۔ بلکہ وہ تمام تصانیف ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ ابو اسحاق المدنی الرافضی ۱۹۱ھ کی تصانیف ہیں جس کا شمار شیعہ مصنفین میں ہوتا ہے۔ واقدی نے ان کتابوں کو نقل کر کے اپنے نام سے پھیلایا اور اس طرح تشیع کی اشاعت اور تاریخ میں تحریف کی گئی۔

منتھی المقال فی اسماء الرجال جو شیعوں کی اسماء الرجال پر نہایت معتبر کتاب ہے۔ اس میں ابراہیم بن محمد رافضی کے حال میں مذکور ہے۔

وعلی بعض اصحابنا عن بعض المخالفین ان کتب الواقدی سائرھا انما ھی کتب ابراھیم بن محمد ابن ابی یحییٰ نقلھا الواقدی وادعاھا۔

ہمارے بعض اصحاب نے (یعنی شیعہ) بعض مخالفین (اہل سنت) سے نقل کیا ہے کہ واقدی کی تمام کتابیں ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ کی کتابیں ہیں جنھیں واقدی نے نقل کر کے اپنے مصنف ہونے کا دعویٰ کیا۔ آیات بینات ج۔۲ ص ۲۱۹

اتفاق سے شیخ نے اپنی فہرست میں یہی بات تحریر کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

ذکر بعض ثقات العامۃ ان کتب الواقدی سائرھا

Marfat.com

انما ھی کتب ابراھیم بن محمد بن ابی یحییٰ نقلھا
الواقدی وادعاھا وذکر بعض اصحابنا ان لہ کتاباً
مبویاً فی الحلال والحرام عن ابی عبد اللہ الحسن بن
محمد الازدی۔ آیات بینات ج-۲ ص۲۱۹

بعض عام ثقات نے ذکر کیا ہے کہ واقدی کی تمام کتابیں ابراہیم
بن محمد بن ابی یحییٰ المتوفی ۱۸۴ھ کی کتابیں ہیں جن کو نقل کر کے
واقدی نے خود کے مصنف ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور ہمارے بعض
اصحاب یہ بیان کرتے ہیں کہ واقدی کی ایک کتاب حلال وحرام
پر بھی ہے جو اس نے ابو عبداللہ الحسن بن محمد الازدی سے نقل
کی ہے۔ آیات بینات ج-۲ ص۲۱۹

ان عبارات سے یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہو گئی ہے کہ واقدی
کذاب ہے اور رافضیوں سے کتابیں نقل کر کے سینوں میں پھیلاتا اور اس
طرح تشیع کا پرچار کرتا ہے۔

اسمٰعیل بن عمرو البجلی

اس کا پورا نام اسمٰعیل بن عمرو بن نجیح البجلی الکوفی ہے۔ اصبہان میں اس
نے اقامت اختیار کر لی تھی۔ ثوری اور مسعر سے روایات کرتا ہے۔
ابن عدی ۳۶۵ھ کہتے ہیں ایسی احادیث روایت کرتا ہے جو اور لوگ
روایت نہیں کرتے۔ ابو حاتم ۲۷۷ھ اور دار قطنی ۳۸۵ھ کہتے ہیں ضعیف ہے
۲۲۷ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ میزان ج-۱ ص۲۴۰

امام مقدسی فرماتے ہیں یہ موضوعات روایت کرتا ہے۔
لطف یہ ہے کہ اس کی وفات ۲۲۷ھ میں ہوئی اور عبداللہ بن محمد بن ابی
سبرہ کی وفات ۱۶۳ھ میں، اور تب بھی عبداللہ استاد ہونے کے بجائے

Marfat.com

اس کا شاگرد بن گیا ہے۔ کیونکہ وہ یہ روایت اسی سے نقل کر رہا ہے، حالانکہ اس کے برعکس ہونا چاہیئے تھا۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ابو نضر یا اس کے باپ کی وضع کردہ ہے جسے یہ خبر نہیں کہ کون پہلے مرا اور کون بعد میں مرا۔

عمر بن موسیٰ الوجہی

اس کا پورا نام عمر بن موسیٰ بن وجیہہ الوجیہی الوجہی ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں منکر الحدیث ہے۔ ابن معین کا قول ہے ثقہ نہیں ہے۔ ابن عدی فرماتے ہیں حدیث اور سند دونوں وضع کیا کرتا تھا اور یہ انصاری ہے دمشق کا باشندہ ہے۔ بعض لوگوں نے اسے کوفی سمجھ لیا ہے یہ ان کا وہم ہے۔

عفیر بن معدان کا بیان ہے کہ ایک بار عمر بن موسیٰ حمص آیا۔ ہم اس کے پاس حدیث سننے کے لیے جمع ہوئے۔ کہنے لگا ہم سے تمہارے ایک نیک بزرگ نے حدیث بیان کی ہے۔ ہم نے دریافت کیا۔ وہ بزرگ کون ہے کہنے لگا کہ خالد بن معدان ۱۰۴ھ۔ عفیر کا بیان ہے کہ میں نے اس سے سوال کیا کہ تم نے خالد بن معدان سے کس سنہ میں ملاقات کی تھی۔ کہنے لگا ۱۰۸ھ میں آرمینیہ کے غزوہ میں۔ میں نے جواب دیا اے شیخ اللہ سے ڈر اور جھوٹ نہ بول۔ کیونکہ خالد بن معدان کا ۱۰۴ھ میں انتقال ہو چکا تھا اور وہ کبھی آرمینیہ کی جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔ (یہ بھی معلوم رہے کہ عفیر خالد کے بھائی ہیں)

نسائی ۳۰۳ھ کہتے ہیں متروک الحدیث ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں اس کی حدیث بے کار ہے۔ حدیث وضع کیا کرتا تھا۔ دار قطنی کہتے ہیں متروک ہے۔

اب آپ حضرات غور فرما سکتے ہیں کہ جو شخص خالد بن معدان پر برسر عام جھوٹ بول سکتا ہے حالانکہ اس نے ان سے ملاقات تک نہیں کی وہ دوسروں پر بھی جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں؟

Marfat.com

الغرض اِس روایت میں ابو نصر سے لے کر عمر بن موسیٰ تک سَب جھوٹے جمع ہیں اور اگر اتفاق سے وہ راوی جو چھوٹ گئے ہیں وہ بھی موجود ہوتے تو جھوٹوں کی تعداد ایک درجن ہو جاتی۔ ابھی تو نصف درجن ہوئی ہے۔ قربان جائیے ایسی روایتوں پر جن پر شب برات کی بنیاد قائم کی جا رہی ہے۔ اور شیخ صاحب اسے اپنی کتاب میں جگہ دے رہے ہیں۔ حالانکہ محدثین کا اصول یہ ہے کہ جو شخص منکر روایات بیان کرتا ہو وہ خود متروک اور منکر الحدیث ہوتا ہے اور اس کی روایت مردود ہوتی ہے۔ خواہ اوپر کے تمام روات ثقہ کیوں نہ ہوں۔ ہم یہ تو ہرگز نہیں کہتے کہ انھوں نے ایسا عمداً کیا ہے لیکن عام طور پر صوفیاء زہد و تقویٰ اور عبادت میں مشغولیت کے باعث حدیث کی جانب سے بے توجہ رہے اور اس طرح حدیث میں غلطیاں کرتے رہے۔ نتیجۃً بلا قصد و ارادہ حضورؐ پر جھوٹ بولا جاتا رہا اور یہ حضرات حضورؐ کے اس فرمان کا مصداق بنتے رہے۔

کفیٰ بالمرء کذباً ان یحدث بکل ما سمع

آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سُنی ہوئی بات بیان کر دے۔ صحیح مسلم ج۔ ۱ ص ۸

زید بن علی بن حسین بن علی ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ہشام بن عبدالملک کے دور میں ۱۲۲ھ میں انھوں نے خروج کیا اور کوفہ میں قتل کیے گئے۔ انہی کی جانب فرقہ زیدیہ منسوب ہے یہ اگرچہ ثقہ ہیں لیکن چوتھے طبقہ میں داخل ہیں۔ تقریب ۱۲۳

جہالت کا ایک اعلیٰ نمونہ

اخبرنا هبة الله قال اخبرنا القاضی هناد بن ابراهيم النسفی اخبرنا عبد القاهر بن عمر الجوزی اخبرنا بها هبة الله نا محمد بن الفرخان

انا احمد بن الحسين بن سعيد الانباري انا ابراهيم
ابن فراش عن عمرو بن سمرة عن موسى بن العباس
عن الاصبغ عن بنانة عن الحسين بن على بن
ابي طالب رضى الله - قال بينما نحن فى الطواف اذ ا
سمعنا صوتا وهو يقول يا من يجيب دعاء المضطر
فى الظلم، ياكاشف الكرب والبلوى مع السقم
قد بات وفدك حول البيت والحرم، ونحن يدعو و
عين الله لا تنام، هب لى بجودك ما اخطات من جرم
يا من اشار اليه الخلق بالكرم، ان كان عفوك لم
يسبق المجترم فمن يجود على العاصين بالنعم
قال الحسين بن على رضى الله عنه قال لى ابى على
رضى الله عنه ياحسين اما تسمع النادب زينه
والمعاتب ربه امض فعساك تدركه وناداه، قال
الحسين رضى الله عنه فاسرعت حتى ادركته واذا
انا برجل جميل الوجه نقى البدن، نظيف الثياب
طيب الريح الا انه قد شل جانب الايمن فقلت
اجب امير المؤمنين على بن ابى طالب رضى الله عنه
فقام يجر شقه حتى وقف على امير المؤمنين على
بن ابى طالب كرم الله وجهه فقال له من انت وما
شانك، قال يا امير المؤمنين ماشان من اخذ با
لعقوبة، ومنع الحقوق قال وما اسمك قال منازل
بن لاحق قال فما قصتك قال كنت مشهورا فى
العرب باللهو والطرب، اركضنى فى صبوتى، ولا افيق

Marfat.com

من عقلتی، ان تبت لم تقبل توبتی، وان استقلت
لم تقل عثرتی، اربیم العصیان، فی رجب وشعبان
وکان لی والد شفیق ورفیق، یحذرنی مصارع الجهالة
وشقوة المعصیة، یقول الله یا بنی سطوات و
فضحات، فلا یتعرض لمن یعاقبُ بالنار، فکم قد
ضج منك الظلام، والملائکة الکرام، والشهر!
الحرام، واللیالی والایام، وکان اذا لج علی بالعتب
الحجت علیه بالضرب، فابلغت الیه یوما فقال والله
لاصومن ولا افطر، ولاصلین ولا انام، فصام اسبوعا
ثم رکب جملا اورق وانی مکة، یوم الحج الاکبر
وقال لافدن الی بیت الله ولاستعنین علیك الله
قال فقدم مکة یوم الحج الاکبر، فتعلق باستار
الکعبة ودعا علی وقال یا من الیه اتا الحجاج من
بعد، یرجون لطف عزیز واحد صمد، هذا ملاذم لا
یرتد عن عقتی، فخذ بحقی، یارحمن من ولدی،
وشل متد بجود منك جانبه، یامن تقدس لم یولد
ولم یلد، قال قلا والذی رفع السماء، واتبع الماء
ما استقم کلامه، حتی شل جانبی الایمن، فظللت
کالخشبة! الملقاة بارجاء الحرم، وکان الناس یغدون
و! یروحون علی ویقولون هذا اجاب الله نبیه دعوة
ابیه، فقال له علی رضی الله عنه فما فعل ابوك قال
یا امیر المؤمنین سالته ان یدعو الله فی المواضع اللتی
دعا علی فیها بعد ان رضی عنی فاجابنی فحملته علی ناقة

Marfat.com

ووجدت فى السير، حتى وصلنا الى واد يقال له الاراك
فنفر طائر من الشجرة فنفرت الناقة فوقع منها ومات
فى الطريق، فقال على رضى الله عنه الا اعلمك دعوات
سمعتها من رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال
ما دعا بها مهموم الا فرج الله تعالى عنه همه، ولا
مكروب الا فرج الله عنه كربته، فقال الحسين
ابن على رضى الله عنهما فعلمه الدعاء ودعا به
وخلص من مرضه، وغدا علينا صحيحا سالما
فقلت للرجل كيف عملت؟ قال لما هدأت العيون
دعوت به مرة وثانية وثالثة فنوديت حسبك
الله فقال دعوت الله باسمه الاعظم الذى اذا دعى
به اجاب واذا سال به اعطى، ثم حملتنى عيناى فنمت
فرايت النبى صلى الله عليه وسلم فى منامى فعرضتها
عليه فقال صلى الله عليه وسلم صدق على ابن
عمى فيها اسم الاعظم الذى اذا دعى به اجاب واذا
سئل به اعطى، ثم حملتنى عيناى مرة ثانية فرايت
النبى صلى الله عليه وسلم فقلت يا رسول الله
اريد ان اسمع الدعاء منك فقال صلى الله عليه
وسلم قل اللهم اسألك يا عالم الخفية، ويا من
السماء بقدرته مبنية ويا من الارض بعزته مدحية
ويا من الشمس والقمر بنور جلاله مشرقة ومضيئة
ويا مقبلا على كل نفس مؤمنة وذكيه ويا مسكن
رعب الخائفين واهل التقيه، يا من حوائج الخلق

عندہ مقضیۃ یا من بخا یوسف من رق العبودیۃ،
یا من لیس لہ بواب ینادی یغشی ولا وزیر یعطی، ولا
غیرہ رب یدعی، ولا یزداد علی کثرۃ الحوائج الا کرما
وجودا۔ وصل علی محمد وآلہ واعطنی سؤلی، انک
علی کل شیئ قدیر۔ قال فانتہت وقد برأت! قال
علی رضی اللہ عنہ تمسکوا بہذا الدعاء فانہا کنز
من کنوز العرش۔ غنیۃ الطالبین، ج۔ ا ص ۶۷

ہم سے ہبتہ اللہ نے بیان کیا۔ ان سے قاضی ہناد بن ابراہیم النسفی نے، ان سے عبدالقاہر بن عمر الجوزی نے ان سے ہبتہ اللہ نے ان سے محمد بن فرخان نے، ان سے احمد بن الحسین بن سعید الانباری نے ان سے ابراہیم بن فراش نے، وہ عمرو بن سمرہ سے روایت کرتا ہے۔ وہ موسیٰ بن العباس سے، وہ اصبغ سے، وہ نبانہ سے، وہ حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ سے، حضرت حسینؓ فرماتے ہیں کہ ہم طواف میں مشغول تھے۔ اچانک ہم نے ایک آواز سُنی اور وہ کہہ رہا تھا اے وہ ذات جو مضطر کی دُعا تاریکیوں میں بھی سُنتا ہے، اے تکلیف اور بلاؤں کو بیماریوں کے ساتھ دُور کرنے والے، تیرے وفد نے بیت اللہ اور حرم کے اردگرد رات گذاری، اور ہم دُعا کرتے ہیں اور اللہ کی آنکھ سوتی نہیں، میں نے جو خطائیں کی ہیں اپنے جود و کرم سے انہیں ہبہ کر دیجئے، اے وہ ذات جس کی جانب مخلوق کرم کا اشارہ کرتی ہے، اگرچہ آپ کا عفو مجرم سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ پھر کون ذات گناہگاروں پر نعمتوں کی بخشش کرے گی، حسین بن علی رضی اللہ عنہ، کہتے ہیں، مجھ سے میرے باپ علی رضی اللہ عنہ نے

Marfat.com

فرمایا اے حسینؓ کیا تو اپنے گناہوں کا اعلان کرنے والے اور اپنے پروردگار کو پکارنے والے کی آواز سُن رہا ہے۔ آگے بڑھ شاید کہ تو اُسے پالے اور اسے آواز دے، حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے جلدی کی حتی کہ اُسے پالیا (کیا طواف چھوڑ دیا) ناگاہ میں ایک ایسے شخص کے پاس کھڑا تھا جس کا چہرہ بہت خوبصورت تھا جسم بہت کمزور تھا، کپڑے صاف تھے اور خوشبو مہک رہی تھی، لیکن اس کی ایک جانب بیکار ہو گئی تھی۔ میں نے اس سے کہا، امیر المؤمنین علی بن ابی طالبؓ کے پاس چلو وہ کھڑا ہوا اور اپنی ایک جانب کو گھسیٹتا ہوا چلا (جس کی ایک جانب بیکار ہو جائے وہ کھڑا نہیں ہو سکتا۔ صرف ٹانگ بے کار ہو گی) انھوں نے اُس سے دریافت کیا تو کون ہے؟ اور یہ تیرا کیا حال ہے۔ اس نے عرض کیا اے امیر المؤمنین اس شخص کا کیا حال جو سزا میں پکڑا گیا ہو اور جس کے حقوق روک لیے گئے ہوں۔ حضرت علیؓ نے دریافت کیا تیرا کیا نام ہے؟ اس نے جواب دیا۔ منازل بن لاحق۔ حضرت علیؓ نے پوچھا تیرا قصّہ کیا ہے؟ بولا میں لہو و لعب میں عرب بھر میں مشہور تھا۔ اپنے میدان خواہش میں دوڑ لگاتا اور مجھے اپنی غفلت سے افاقہ نہ ہوتا۔ اگر میں توبہ کرتا تو میری توبہ قبول نہ کی جاتی اور اگر میں رجوع کرتا تو میری لغزش میں کمی نہ ہوتی، رجب و شعبان میں گناہوں پر مداومت کرتا۔ میرے باپ نہایت رفیق و مہربان تھے، وہ مجھے جہالت کے مقامات اور گناہوں کی بدبختی سے ڈراتے۔ اے میرے بیٹے! اللہ کے یہاں پکڑ بھی ہوتی ہے۔ تو اس ذات کے مقابل نہ آ جو دوزخ کی سزا دے سکتا ہے، تجھ سے تو ظلمتیں بھی گھبراتی ہیں۔ معزز فرشتے بھی، معزز مہینے بھی (یعنی رجب و شعبان) اور شب و

روز بھی۔ وہ جتنا مجھے سرزنش کرتا میں اتنا ہی اسے مارتا۔ ایک روز جو میں اس کی جانب بڑھا تو وہ بولا، اللہ کی قسم میں لگاتار روزے رکھونگا اور افطار نہ کرونگا اور ساری رات نماز پڑھونگا اور قطعاً نہ سوؤنگا۔ اس نے ایک ہفتہ کا روزہ رکھا۔ پھر ایک بھوتے اونٹ پر سوار ہوا۔ اور حج اکبر کے دن مکہ آیا اور بولا میں وفد کے طور پر بیت اللہ جاؤں گا اور تیرے مقابلہ میں اللہ سے مدد چاہوں گا تو وہ حج اکبر کے روز مکہ پہنچا اور کعبہ کے پردوں کو پکڑ کر میرے لیے بددعا کی اور بولا اے وہ ذات جس کی طرف حاجی آتے ہیں اور اس عزیز و یکتا اور بے نیاز کی مہربانی کے امیدوار ہوتے ہیں یہ ملازم ہے جو میری نافرمانی سے باز نہیں آتا۔ اس سے میرا حق لے لے۔ اے رحمان میرے لڑکے سے (ایسے وقت میں قہار جبار یا منتقم کا لفظ استعمال ہونا چاہیئے تھا) اپنی سخاوت کے باعث اس کی ایک جانب بیکار کر دے (بنقمتہ ہونا چاہیئے تھا یعنی اپنی سزا سے) اے وہ ذات جو پاک ہے جس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ ملازم کہتا ہے قسم ہے اس ذات کی جس نے آسمان بلند فرمایا اور جس نے پانی نکالا، اس کا کلام ابھی پورا نہیں ہوا تھا کہ میری داہنی جانب بے کار ہو گئی (آپ ساتھ کس لیے تشریف لے گئے تھے۔ کیا کہانی کا کردار تیار کرنے کے لیے) اور میں حرم کے گوشوں میں پڑی ہوئی لکڑی کی طرح گر گیا لوگ میرے پاس صبح و شام آتے اور دیکھ کر کہتے یہ وہ شخص ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے باپ کی بددعا قبول کی حضرت علیؓ نے اس سے فرمایا پھر تیرے باپ نے کیا کیا۔ اس نے جواب دیا اے امیر المؤمنین جب وہ مجھ سے راضی ہو گیا تو میں

Marfat.com

نے اس سے سوال کیا کہ وہ انہی مقامات پر جا کر میرے لیے
اللہ سے دُعا کرے جہاں اس نے میرے لیے بددُعا کی تھی۔ اس
نے میری بات قبول کی۔ میں نے اسے ایک اونٹنی پر سوار کیا
اور تیزی سے اسے لے کر چلا حتیٰ کہ ہم ایک وادی میں پہنچے
جسے اراک کہا جاتا ہے تو درخت سے ایک پرندہ گھبرا کر اُڑا۔
جس سے اونٹنی بدک گئی اور میرا باپ نیچے گر گیا اور راہ میں مر گیا
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کیا میں تجھے ایسی دعا نہ
نہ سکھا دوں جنھیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے
آپؐ نے فرمایا جو بھی پریشان شخص یہ دُعا مانگے گا۔ اللہ اس کی پریشانی
دُور کرے گا۔ جو تکلیف زدہ یہ دُعا کرے گا۔ اللہ اس کی تکلیف دُور
کرے گا حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کہتے ہیں حضرت علیؓ نے
اسے دعا سکھائی اور اس نے دعا کی اور اس مرض سے نجات حاصل
کی اور صبح کو ہمارے پاس صحیح و سالم بھی آیا۔ میں نے اس سے
دریافت کیا۔ تو نے کیا عمل کیا۔ بولا جب لوگ سو گئے تو میں نے
تین بار دعا کی تو یہ ندا آئی، تیرے لیے اللہ کافی ہے۔ تو نے اسم اعظم
کے ذریعہ دُعا کی ہے کہ جب اس کے واسطہ سے کوئی دعا کی جاتی ہے
تو قبول ہوتی ہے اور جب اس کے واسطہ سے سوال کیا جاتا ہے
تو عطا کیا جاتا ہے پھر میری آنکھ لگ گئی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ میں نے وہ اسم اعظم آپؐ کے سامنے
پیش کیا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا میرے چچا کے بیٹے علیؓ نے سچ
کہا۔ یہ وہ اسم اعظم ہے کہ جو بھی اس کے ذریعہ دعا کی جاتی ہے
قبول ہوتی ہے اور جو سوال کیا جاتا ہے پورا ہوتا ہے۔ پھر میری

دوبارہ آنکھ لگ گئی۔ پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا میں نے عرض کیا یارسول اللہؐ میں وہ دعا آپ کی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہہ۔ اے اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں۔ اے مخفی امور کے جاننے والے اور اے وہ ذات جس کی قدرت سے آسمان بنا اور اے وہ ذات جس کے غلبہ سے زمین بچھی ہوئی ہے اور اے وہ ذات جس کے جلال کے نور سے شمس و قمر روشن ہیں اور ہر مومن اور پاکیزہ نفس کی جانب متوجہ ہونے والے اور خوفزدہ اور اہل تقیہ کے خوف کو تسکین دینے والے اے وہ ذات جس کے پاس خلق کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ اے وہ ذات جس نے یوسفؑ کو غلامی کی قید سے آزاد کیا۔ اے وہ ذات جس کے لیے کوئی دربان نہیں جو ندا دیتا ہو اور خود پردے میں بیٹھا ہو۔ نہ کوئی وزیر ہے جو عطا کرتا ہو اور نہ اس کے علاوہ کوئی رب ہے جسے پکارا جاتے اور حاجتوں کی کثرت سے اس کے جود و کرم میں اضافہ ہوتا ہے محمدؐ اور آپ کی آل پر رحمت بھیج (صحابہ کہاں گئے) اور میرا سوال عطا کر۔ کیونکہ آپ ہر شے پر قادر ہیں۔ منازل کہتا ہے کہ میں نے ادھر دعا پوری کی اور ادھر میں اچھا ہو گیا۔ علیؓ نے فرمایا تم اس دعا کو لازم پکڑ لو۔ کیونکہ یہ عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔"

یہ روایت ہے یا کہانی، ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں۔ ہم تو بہرصورت اسے روایت ہی تسلیم کریں گے۔ کیونکہ یہ غوثِ اعظم کی بیان کردہ ہے۔ ہم اس روایت کی عربیت، معنویت اور سند پر بحث کرنا چاہتے ہیں۔

Marfat.com

عربیّت پر بحث

اِس روایت کی عربی میں بھی متعدد نقائص پائے جاتے ہیں جو ہم قارئین کے سامنے پیش کرنے کی جرأت کر رہے ہیں۔

۱۔ حضرت حسین بن علی کے ساتھ رضی اللہ عنہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ حالانکہ عنہما ہونا چاہیئے تھا اور ایک مقام سے لفظ عنہ بھی غائب ہے جس سے جملہ مہمل ہو جاتا ہے۔

۲۔ نَحْنُ یَدْعُوْ۔ راوی کہنا یہ چاہتا ہے کہ ہم دعا کرتے ہیں اس کے لیے نَدْعُ ہونا چاہیئے تھا بلکہ نَحْنُ کی بھی ضرورت نہ تھی۔ کیوں کہ یَدْعُوْ جمع غائب کا صیغہ ہے اور نَحْنُ جمع متکلم کی ضمیر ہے اور ضمیر متکلم کے ساتھ متکلم ہی کا صیغہ آئے گا۔

۳۔ وَعَیْنُ اللّٰہِ لَا تَنَمُ اللہ تعالیٰ کے لیے انسانی صفات ثابت کرنا یہ حرام ہے۔ کیونکہ اس سے تشبیہ لازم آتی ہے اور جہاں اللہ تعالیٰ نے اِس قسم کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں وہ متشابہات میں داخل ہیں۔ مثلاً روحُ اللہ، یداللہ، وجہہ اللہ، لیکن عَیْنُ اللّٰہ کا لفظ کسی جگہ پر استعمال نہیں فرمایا۔ بلکہ جہاں یہ بات ذکر کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو نیند نہیں آتی، وہاں یہ نہیں فرماتے کہ عَیْنُ اللّٰہِ لَا تَنَمُ کہ آنکھ نہیں لگتی۔ بلکہ فرماتے ہیں۔

لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ بقرہ

اُسے اُونگھ آتی ہے نہ نیند

گویا اللہ تعالیٰ اپنے لیے لفظ عین استعمال کرنا نہیں چاہتے۔

۴۔ ھَبْ لِیْ بِجُوْدِکَ مَا اَخْطَاْتُ مِنْ جُوْمٍ قائل یہ کہنا چاہتا ہے کہ مجھ سے جو خطائیں سرزد ہوئیں انھیں اے اللہ معاف فرما۔ لیکن اس جملہ سے مطلب یہ نکلتا ہے کہ مجھے مزید جرائم اور خطائیں ہبہ فرما۔ کیونکہ ھَبْ

Marfat.com

اَمر کا صیغہ ہے اور ہبہ کے معنی عطا کرنے اور دے دینے کے آتے ہیں اس جاہل راوی کو یہ جملہ اس طرح بولنا چاہیئے تھا۔ اِغْفِرْ لِی بِجُوْدِکَ مَا اَخْطَاْتُ مِنْ جُرْمٍ

۵۔ فِیْہِ دَعْوَۃُ اَبِیْہِ کی جگہ عَلَیْہِ دَعْوَۃُ اَبِیْہِ ہونا چاہیئے تھا۔ یا قافیہ بندی کے وقت غلط عربی بولنا جائز ہے؟ دعوت کے ساتھ ظرفیت کا کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ اس کے تین صلے آتے ہیں۔ اِلیٰ، عَلیٰ اور لام جار۔ جب علیٰ آتا ہے تو بددعا کے معنی دیتا ہے اور یہاں بددعا ہی مراد ہے۔ دعا اور دعوت کے بعد حرف فی نہیں آتا۔

۶:۔ کاشف الکرب والبلوی۔ یہ لفظ بلوی تو فارسی و اردو میں بگڑ کر بن گیا ہے۔ یہ عربی لفظ نہیں یہاں بلاء یا بلیۃ ہونا چاہیئے تھا۔

۷۔ فَلَا یَتَعَرَّضُ لِمَنْ یُعَاقِبُ۔ اِس میں حرف لِمَنْ بیکار ہے اِس کا کوئی مقصد ظاہر نہیں ہوتا۔

۸:۔ عَقَفِیْ کی جگہ عَقِّیْ ادغام کے ساتھ ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ جب عربی میں کوئی حرف مکرر ہوتا ہے تو ادغام ہو جاتا ہے جیسے فَرَّ۔ مَدَّ حَقُّ۔ حالانکہ یہ اصل میں فَرَرَ، مَدَدَ اور حَقَقٌ ہیں۔ ایسا محرس ہوتا ہے کہ گھڑنے والا عربی زبان کے ابتدائی قواعد سے بھی واقفیت نہیں رکھتا۔

۹۔ مَا اسْتَتَمَّ کَلَامَہٗ غلط ہے مَا تَمَّ کَلَامُہٗ ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ باب استفعال میں ہمیشہ کسی دوسرے سے خواہش کا اظہار ہوتا ہے اور یہ جملہ اُس وقت درست ہوتا جب کوئی دوسرا کلام کر رہا ہوتا اور اس کی تمنا یہ ہوتی ہے کہ وہ چُپ ہو جائے تب یہ جملہ استعمال کرتے ہیں۔

۱۰۔ اَلْمُلْقَاۃُ بِاَرْجَاءِ الْحَرَمِ۔ پڑی ہوئی چیز کے لیے مُلْقَاۃٌ کا لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ اسی طرح اَرْجَاءُ زبردستی رَجَاءٌ کی جمع بنائی گئی ہے۔ اِس کی جمع نہیں ہوتی اور رَجَاء کے معنی امید کے ہیں نہ کہ گوشہ کے اس کے لیے

Marfat.com

نَوَاحِی کا لفظ استعمال کرنا چاہیئے تھا۔

۱۱۔ لَاُفِدَنَّ وفد سے زبردستی بنایا گیا ہے کیونکہ وفد سے مصدر متعدی نہیں آتا۔

۱۲۔ وَجَدْتُّ فِی السَّیْرِ۔ وَجَدَ یَجِدُ کے معنی پانے کے آتے ہیں اور راوی کہنا یہ چاہتا ہے کہ میں نے تیز چلنے کی کوشش کی۔ اس کے لئے لفظ جَدَّ یَجِدُّ آتا ہے اس طرح ایک واؤ زیادہ ہوتی۔

۱۳۔ فَعَسَاکَ تُدْرِکُ وَنَادِہٗ اس میں لفظ وَنَادِہٗ بے کار ہے۔

۱۴۔ نَقِیُّ الْبَدَنِ۔ بدن عربی زبان کا لفظ نہیں بلکہ فارسی کا لفظ ہے اسے نَقِیُّ الْجُثَّۃِ یا نَقِیُّ الْجِسْمِ کہنا چاہیئے تھا۔

یہ چودہ غلطیاں تو اس کی عربی میں ہیں۔ جس سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ کہانی گھڑنے والا کوئی عجمی ہے۔ جس کی عربی تک بھی درست نہیں۔

معنوی حیثیت

اس روایت میں حضورؐ کی جانب جو دُعا منسوب کی گئی ہے اس میں یہ الفاظ سُننیوں کے لیے قابلِ غور ہیں۔ یَا مُسْکِنَ رُعْبَ الْخَائِفِیْنَ وَاَھْلَ التَّقِیَّۃِ۔

یہ اہلِ تقیہ کون لوگ ہیں یہ تو بیان فرما دیجئے۔ کیا صحابہ کرام کے دور میں بھی اہل تقیہ پائے جاتے تھے۔ بلکہ حضورؐ کے دور میں جو حضورؐ نے یہ دُعا تعلیم فرمائی اور دورِ نبوی یا دورِ خلفاء میں کون لوگ تھے جو خوفزدہ رہتے تھے

تقیہ رافضیوں کی ایجاد ہے جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ حکومت کو خوش کرنے کے لیے حق گوئی کو چھوڑ کر الیہا راستہ اختیار کیا جائے جس سے حکومت سے ان کو خطرہ پیدا نہ ہو اور وہ پوشیدہ طور پر اپنے خیالات کو پھیلا سکیں۔ بالفاظ دیگر منافقین کی طرح ظاہر کچھ کیا جائے اور اندرونِ خانہ سیاسی چالیں

Marfat.com

کچھ اور اختیار کی جاتیں۔ یعنی سو شلسٹوں کی طرح زیرِ زمین میدان ہموار کیا جاتے۔

رافضیوں نے یہ عقیدہ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد اس وقت قائم کیا جب معترضین نے ان پر یہ اعتراض کیا کہ اگر بقول تمہارے حضرت علیؓ وصی تھے تو انھوں نے خلفاء ثلاثہ کی بیعت کیوں کی اور کیوں حق کو ترک کیا تو انھوں نے اس اعتراض کے جواب کے لیے لفظ تقیہ وضع کیا اور کہنے لگے کہ حضرت علیؓ نے مجبور ہو کر تقیہ کر لیا تھا۔ عیاذا باللہ۔ یعنی ان کے ظاہر و باطن میں فرق تھا۔ اور خلفائے ثلثہ سے ڈر کر انھوں نے حق کو چھپایا۔ حتیٰ کہ ان رافضیوں نے اس سلسلہ میں یہ روایت بھی وضع کر ڈالی۔

مَنْ لَا تَقِيَّةَ لَا اِيْمَانَ لَهٗ جس نے تقیہ نہیں کیا اسکا ایمان نہیں

میں اگر یہ جواب دوں کہ بقول کہنے والوں کے حضرت علیؓ وصی تھے اور صحابہ کرام نے ان کے حق کو چھپایا اور اس طرح وہ سب مرتد ہو گئے اور حضرت علیؓ نے تقیہ کیا تھا۔ تو حضرت علیؓ نے جب ابوبکرؓ کی چھ ماہ تک بیعت نہیں کی اور اپنے حق کا دعویٰ کیا تو خود ان کے بقول حضرت علیؓ تقیہ سے خارج ہو گئے اور اس طرح ان کے پاس عیاذاً باللہ ایمان بھی باقی نہ رہا اور صحابہ کرام جنھوں نے اس حق کو چھپایا تو وہ پکے مومن ہوتے کیونکہ انھوں نے تقیہ کیا تھا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ حضرت حسینؓ نے کیوں تقیہ نہیں کیا۔ اب یہ فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے کہ تقیہ ترک کرنے والا حق پر ہے یا تقیہ پر عمل کرنیوالا ہر صورت میں حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ میں سے ایک کو چھوڑنا ہوگا۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ جب حضرت حسنؓ نے امیر معاویہؓ سے بیعت کی اور خلافتِ ظاہر کو ترک کیا تو روافض نے انھیں مذل المؤمنین اور مسودہ وجہ المرمنین کے خطابات دیئے۔ حالانکہ انھوں نے بھی تقیہ ہی کیا ہوگا۔ کیا تقیہ صرف باپ کے لیے جائز ہے بیٹے کے لیے جائز نہیں۔

یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ ہماری غرض تو صرف یہ تھی کہ یہ روایت کسی اہل تقیہ

Marfat.com

کی وضع کردہ ہے اور وہ بھی ایسے وقت وضع کی گئی ہے جب اہلِ تقیہ خوف میں مبتلا تھے اور بھاگ بھاگ کر افریقہ اور ہندوستان میں روپوش ہو رہے تھے اور وہاں غیر مسلموں کو دعوت اسلام کے نام سے اپنے مسلک کی دعوت دے رہے تھے اور اس طرح ایک نئی خانہ جنگی کی تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ یعنی بنو عباس کے دور میں ان کی تسلی اور پیغامات کے لیے روایات وضع کی گئیں۔ اسی لیے یَا مُسْکِنَ رُعْبَ الْخَائِفِیْنَ وَاَهْلَ التَّقِیَّةِ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے (ڈرنے والوں اور اہلِ تقیہ کے خون کو تسکین دینے والے)

۲:۔ اس روایت میں حضرت علیؓ کو امیر المؤمنین کے خطاب سے نوازا گیا ہے۔ بظاہر تو سنیوں کے ذہن میں یہ بات بٹھائی گئی ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت علیؓ خلیفہ تھے یعنی فی الواقع امیر المؤمنین تھے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے۔ یہاں مؤمنین سے سنی مراد نہیں اور نہ حضرت علیؓ نے اپنے دورِ خلافت میں کوئی حج فرمایا اور نہ ان کے دورِ خلافت میں حضرت حسینؓ نے کوئی حج کیا اور اس روایت کے راوی کا دعویٰ ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علیؓ نے اسے حرم میں دعا کرتے سنا اور پھر انھوں نے اسے بلا کر اسم اعظم کی تعلیم دی۔

اب طبری کی زبانی معلوم کیجئے کہ حضرت علی نے ۳۵ھ سے ۴۰ھ تک کوئی حج نہیں فرمایا۔ طبری ۳۵ھ کے حال میں تحریر کرتا ہے۔

عَنِ ابن عباس قال دعانی عثمان فاستعملنی علی الحج فخوجت الی مکة فاقمت للناس الحج وقرأت علیهم کتاب عثمان الیهم ثم اقدمت المدینة وقد بویع علی فاتیته فی داره طبری ج ۳ ص ۴۶۰

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عثمانؓ نے بلایا اور امیرِ حج متعین کیا۔ میں مکہ گیا اور لوگوں کو حج کرایا اور لوگوں کو حضرت عثمانؓ کا خط پڑھ کر سنایا۔ پھر میں جب مدینہ واپس آیا تو

علیؓ کی بیعت ہو چکی تھی۔ میں ان کے گھران کے پاس پہنچا۔

۳۶ھ کے حال میں لکھتا ہے۔

وَحج بالناس فی ھذہ السنۃ عبد اللہ بن عباس بامر علی ایاہ بذلک طبری ج۔۳ ص۵۷۱

اِس سال حضرت علیؓ کے حکم سے عبدِ اللہ بن عباسؓ نے لوگوں کو حج کرایا۔

۳۷ھ میں عبداللہ بن عباسؓ کے بھائی عبید اللہ بن عباسؓ کو حضرت علیؓ نے امیرِ حج بنا کر بھیجا (تاریخ طبری مترجمہ حصّہ سوم ص۴۳۷) ۳۸ھ میں تیسرے بھائی قثم بن عباسؓ کو امیرِ حج بنایا گیا انھوں نے لوگوں کو حج کرایا۔ (طبری ج۔۳ ص۴۸۷) ۳۹ھ میں مؤرخین کا اختلاف ہے کہ کون امیرِ حج تھا بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے عبد اللہ بن عباسؓ کو امیرِ حج بنایا اور بعض عبیداللہ بن عباسؓ کا نام لیتے ہیں (طبری ج۔۳ ص۴۹۱) اور ۴۰ھ میں حج کا زمانہ آنے سے قبل حضرت علیؓ شہید کر دیئے گئے۔

اِس سے ثابت ہوا کہ حضرت علیؓ نے اپنے دورِ خلافت میں کوئی حج نہیں فرمایا تو یہ واقعہ کیسے پیش آیا؟ اگر یہ فرض کیا جائے کہ ہو سکتا ہے کہ خلافت سے قبل یہ وقوعہ پیش آیا ہو تو اس وقت حضرت علیؓ امیر المؤمنین نہ تھے۔ اس طرح یہ لفظ جھوٹ ہوگا اور جب ایک لفظ جھوٹ بولا جا سکتا ہے تو پورا قصّہ بھی وضع کیا جا سکتا ہے۔ دَر اصل یہ روایت شیعوں کی وضع کردہ ہے۔ ان کے نزدیک خلفائے "ثلثہ برحق نہ تھے۔ بلکہ حضورؐ کی وفات کے بعد ہی سے اصل خلیفہ حضرت علیؓ تھے اور چونکہ انھیں خلافت نہ حاصل ہو سکی۔ اسی لیے شیعوں نے یہ مسلک اختیار کیا کہ امامت و خلافت کے لیے ظاہری خلافت شرط نہیں بلکہ خلافتِ باطنیہ مُراد ہے جو حضرت علیؓ کو حاصل ہے۔ اسی لحاظ سے یہ امیر المؤمنین کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

۳: صحیح بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ سے مروی تین صحابہ سے متعلق روایت آپ نے صفحہ ۱۴ پر ملاحظہ فرمائی۔ اسی سلسلے میں ایک اور حدیث میں ارشاد ہے

ان لنفسک علیک حقا و لزوجک علیک حقا

و لعینیک علیک حقا و لاھلک علیک حقا۔

بخاری ج۔۱ ص ۲۶۵ ، مسلم ج۔۱ ص ۳۶۶ ، ابوداؤد ج۔۱ ص ۲۰۱

تجھ پر تیری جان کا بھی حق ہے، تیری بیوی کا بھی حق ہے۔ تیری آنکھوں کا بھی حق ہے اور تیرے گھر والوں کا بھی حق ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام رات شب بیداری اور ہمیشہ روزہ رکھنے کی ممانعت فرمائی اور ایسے شخص کو اپنی سنت کا مخالف سمجھا اور فرمایا کہ ایسے شخص کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں اور ہمیشہ روزہ رکھنے والا ثواب سے محروم ہے اور افطار میں جو اس کو آرام ملتا ہو وہ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

ان امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے ذرا منازل کے باپ لاحق کے عہد پر غور فرمایئے۔

واللہ لاصومن ولا افطرن ولا صلین ولا انام

اللہ کی قسم میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اور افطار نہ کروں گا اور تمام رات نماز پڑھوں گا، اور قطعاً نہ سوؤں گا۔

یہ فیصلہ خلاف شریعت تھا۔ گویا وہ اتنا جاہل تھا کہ اسے اتنی معمولی سی بات کا بھی علم نہ تھا۔

۴:۔ جب منازل نے یہ واقعہ حضرت علیؓ کے سامنے بیان کیا تو حضرت علیؓ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ حالانکہ ہماری عقل یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں کہ حضرت علیؓ غلط بات پر خاموشی اختیار کرتے اور یہاں تو تقیہ کی بھی ضرورت نہ تھی۔ جبکہ ایک وقتی معاملہ میں حضرت علیؓ نے سختی سے نکیر فرمائی۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے عید کے روز ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نقلوں

Marfat.com

کی نیت باندھنا چاہتا ہے۔ حضرت علیؓ نے اسے منع فرمایا۔ اس نے عرض کیا میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نماز پڑھنے پر عذاب نہ دیگا۔ حضرت علیؓ نے جواب میں فرمایا۔

وانی اعلم ان اللہ تعالی لا یثیب علی فعل حتی یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او یحث علیہ فتکون صلوتک عبثا والعبث حرام فلعلہ تعالی یعذبک بہ لمخالفتک لرسولہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نظم البیان ص۷۳ بحنہ ص۱۶۵

میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کسی فعل پر اس وقت تک ثواب نہیں دیتا۔ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کو انجام نہ دے یا اس کی ترغیب نہ دیں۔ اس صورت میں یہ تیری نماز ایک عبث فعل ہوا۔ اور عبث فعل حرام ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ تجھے اس نماز پر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی وجہ سے عذاب دیگا۔

صوفیاء کو چاہیئے کہ وہ امام الاولیاء کے اس فیصلہ پر غور کریں اور سوچیں کہ جس کام کے لیے انھوں نے ہزارہا روایات وضع کی ہیں۔ اس میں وہ کہاں تک حق بجانب ہیں۔

۵:۔ منادل نے اپنی روایت میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ میں رجب شعبان میں بھی گناہوں میں مبتلا رہتا جس سے میرا باپ مجھے ڈراتا رہتا اور مجھے اشہر حرم کے احترام کی نصیحت کرتا جس سے میں باز نہیں آتا۔

اس سلسلہ میں جہاں تک شعبان کا تعلق ہے۔ وہی اس وقت زیر بحث ہے لیکن اتنا ضرور عرض کر دیں کہ ماہ شعبان اشہر حرم میں داخل نہیں۔ رجب کا مسئلہ تو وہ اشہر حرم میں ضرور داخل ہے۔ لیکن شریعت نے اس کی تعظیم کا کہیں حکم نہیں دیا۔ بلکہ کفار عرب اس ماہ کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ اسلام نے اسے مٹایا ہے

Marfat.com

طبرانی نے خرشۃ بن حر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

رایت عمر بن الخطاب یضرب اکف الرجل فی صوم رجب حتی یضعونها فی الطعام ویقول رجب وما رجب انما رجب شهر کان یعظمه اهل الجاهلیة فلما جاء الاسلام ترک۔ مجمع الزوائد ص ۱۹۱ ج ۳

میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ جو شخص رجب کے روزے رکھتا اس کے ہاتھوں پر لکڑیاں مارتے اور اس کے ہاتھ کھانے پر رکھتے اور اسے کھانے پر مجبور کرتے۔ اور فرماتے یہ رجب رجب کیا بلا ہے۔ یہ رجب وہ مہینہ ہے جس کی زمانہ جاہلیت کے لوگ تعظیم کیا کرتے تھے جب اسلام آیا تو اس کی تعظیم ترک کر دی گئی۔

اب اس کی تعظیم یا اس میں روزے رکھنا زمانہ جاہلیت کی یادگار تازہ کرنا ہے۔

۶۔ منازل شروع روایت میں یہ بیان کرتا ہے کہ میرے باپ کی ناراضگی کا سبب میرے گناہ وعیوب اور رجب وشعبان کی عزت نہ کرنا تھی۔ اس لیے میرے باپ نے میرے لیے بددعا کی۔ حالانکہ اس نے اپنے باپ لاحق کی بددعا کے جو الفاظ ذکر کئے ہیں۔ ان میں۔ ایک اشارہ تک بھی اس بات کا نہیں پایا جاتا بلکہ وہ تو اس بددعا کی کوئی اور ہی وجہ بیان کرتا ہے اور کہتا ہے۔

هذا ملازم لا یرتدع عن عققی فخذ بحقی

یہ ملازم ہے جو میری نافرمانی سے باز نہیں آتا تو اس سے میرا حق لے لے

ان الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس بددعا کی اصل وجہ باپ کی نافرمانی ہے اس طرح یہ دونوں باتیں متضاد ہیں۔ سچ ہے دروغ گو را حافظہ نباشد۔

۷:۔ امام مسلم نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

Marfat.com

لاتدعوا علی انفسکم ولا تدعوا علی اولادکم ولا
تدعوا علی اموالکم، لاتوافقوا من اللہ ساعۃ
یسأل فیھا عطاءٌ فیستجاب لکم مشکوٰۃ ص۱۹۴

کتاب الاذکار ج-۲ ص۲۰۵

نہ اپنی جانوں پر بد دُعا کرو، نہ اپنی اولاد پر بد دُعا کرو اور نہ اپنے اموال پر بد دعا کرو۔ کیونکہ اللہ کی جانب سے قبولیت کی ایک ساعت ہوتی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس ساعت میں سوال کیا جائے اور وہ قبول کر لیا جائے۔

حضورؐ نے تو اولاد کے لیے بد دُعا کی ممانعت فرمائی لیکن یہ خبیث بد دعا کے لیے بھی اللہ کے گھر کو پسند کرتا ہے۔ اسے تو چاہیئے تھا کہ جب اتنا دُور دراز کا سفر کیا تھا تو اپنے لڑکے کی ہدایت کی دُعا کرتا۔ لیکن اگر خدانخواستہ وہ ایسا کر لیتا تو نہ تو منازل کا پہلو بیکار ہوتا نہ اس کو دعا کے لیے مکہ آنا پڑتا۔ نہ حضرت علیؓ اس کی آواز سُن کر اُسے بلاتے نہ اسم اعظم کے نام سے تبرا کی تعلیم دی جاتی اور نہ حضورؐ خواب میں نظر آتے۔ کہانی کا تمام پلاٹ ہی ختم ہو جاتا۔

۸۔ منازل کا بیان ہے کہ جب میری ایک جانب بیکار ہو گئی اور لوگ آکر مجھ پہ تاسف کرنے لگے تو میں نے باپ کی خوشامد کی کہ وہ دوبارہ کعبہ چل کر میرے لیے دعا کرے تو جب وہ تیار ہو گیا تو آگے الفاظ ہیں۔

فحملتہ علی ناقۃ وجدت فی السیر

میں نے اسے اونٹنی پر سوار کیا اور تیزی سے چلا۔

سوال یہ ہے کہ جب تمہاری ایک جانب بیکار ہو گئی تھی اور لوگ تماشا دیکھنے آتے تھے تو کوچ کے وقت تم میں اتنی طاقت کہاں سے آگئی تھی کہ تم نے باپ کو تو اونٹنی پر سوار کرایا اور تیزی سے سفر شروع کر دیا۔ پھر مکہ پہنچتے ہی وہ اصل حالت پر لوٹ آیا۔ حالانکہ معاملہ تو یہ ہونا چاہیئے تھا کہ

Marfat.com

باپ اُسے سوار کرا تا اور کھینچ کھانچ کر مکہ لے جاتا۔ بلکہ اس کی بھی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ دعا کے لیے اس کا وجود شرط نہ تھا۔

۹:۔ جب لاحق نے بد دعا کی تھی اور منازل کی ایک جانب بیکار ہو گئی تھی تو وہ واقعہ منازل نے ان الفاظ میں ذکر کیا تھا۔

فظللت کالخشباۃ الملقاۃ بارجاء الحرم

میں حرم کے گوشوں میں پڑی ہوئی لکڑی کی طرح ہو گیا۔

اِس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بد دعا کے وقت بھی منازل ساتھ تھا اور بد دعا کے اثر سے معذور ہو کر ایک گوشہ میں پڑا ہوا تھا۔ تو پھر وہ اپنے باپ کو لینے کے لیے اپنے وطن کیسے پہنچ گیا اور وادی اراک میں اسے دفن بھی کر دیا۔ فیا للعجب

۱۰:۔ جب حضرت حسینؓ نے یہ دیکھ لیا تھا کہ منازل ایک معذور شخص ہے تو لازماً واپس آ کر حضرت علیؓ سے بھی یہ بات بیان کی ہو گی۔ اور ہماری عقل یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں کہ بجائے اس کے کہ حضرت علیؓ ایک معذور کی مدد کے لیے خود تشریف لاتے۔ اُلٹا اسے اس حالت میں بلا بھیجا۔ کہیں مغالطہ تو نہیں ہوا۔ کوئی اور شخص ہو گا۔ کیونکہ حضرت علیؓ کبھی بھی ایسا نہ کر سکتے تھے۔

۱۱:۔ جب وہ کعبہ میں گڑگڑا رہا تھا اور چلّا رہا تھا تو تعجب ہے کہ مشکل کشا کے علاوہ کسی اور نے اس کی آواز نہیں سُنی۔ حتیٰ کہ حضرت حسینؓ نے بھی نہیں سُنی تو کیا طواف میں یہ تین اشخاص ہی مشغول تھے؟ یہ اچھا ہی ہوا۔ ورنہ اگر کوئی گواہ اِس واقعہ کی تردید کر دیتا تو کہانی ختم ہو جاتی۔ پھر سنّی حضرات یہ تبرّا کیسے سیکھتے۔

۱۲:۔ حضرت علیؓ نے اسم اعظم کی تعلیم صرف منازل کو دی تھی۔ جب وہ اچھا ہو گیا تو لوگوں کو حکم دیا کہ اسے سیکھ لو۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے واقعہ تحکیم کے وقت یہ اسم اعظم کیوں نہیں پڑھا اگر پڑھ لیتے تو ان کے حق میں فیصلہ

Marfat.com

ہو جاتا اور حضرت حسینؓ کو چاہیئے تھا کہ کربلا میں لڑنے کے بجائے اسم اعظم پڑھ لیتے تو یہ مصائب نہ آتے۔ کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ یہ اسم اعظم بلند آواز سے پڑھ لیا گیا ہو اور ابنِ زیاد کے آدمیوں نے اس تبرا کو سمجھ لیا ہو۔

۱۳:۔ ابنِ عباس کا بیان ہے۔

وانظروا السجع من الدعاء فاجتنبہ فانی عہدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ لا یفعلون الا ذلک الاجتناب۔ بخاری ج-۲ ص۹۳۸

تُو دعا میں سجع اور قافیہ بندی سے پرہیز کیا کر۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کو دیکھا کہ وُہ اس سے اجتناب کرتے تھے۔

لیکن اس کے برعکس یہ تمام دعا متقفٰی و مسجع ہے۔ لازماً یہ روایت کرنیوالا کوئی زندیق ہے۔ جس کا مقصود ہر بات میں سنت کی مخالفت ہے۔

۱۴:۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ اِلَی النَّاسِ یَوْمَ الْحَجِّ الْاَکْبَرِ ۝ سورۃ برأت-۳

حج اکبر کے روز اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے اعلان (بیزاری) ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے اِس آیت کی تفسیر میں مروی ہے۔

ان ابا بکر بعثہ فی الحجۃ التی امرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل حجۃ الوداع فی رھط یؤذن فی الناس الا لا یحجن بعد العام مشرک ولا یطوف بالبیت عریان فکان حمید یقول یوم النحر یوم

Marfat.com

الحج الاکبر من اجل حدیث ابی ھریرۃ۔

بخاری ج۔۲ ص ۶۷۱ ، مسلم ج۔۱ ص ۴۳۷

ابوبکرؓ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس حج میں جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو امیر بنایا تھا حجۃ الوداع سے قبل، ایک جماعت کے ساتھ لوگوں میں اعلان کرنے کے لیے بھیجا۔ خبردار اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی برہنہ کعبہ کا طواف کرے۔

حمید راوی کہا کرتے تھے کہ حج اکبرؓ سے قربانی کا دن مراد ہے اور ان کا یہ قول اسی حدیث کے باعث ہے۔

آیت قرآنی سے یہ احتمال پیدا ہوتا ہے کہ حج اکبر اسی مخصوص روز کا نام تھا جس روز یہ اعلان کیا گیا لیکن اگر اسے عام بھی تصور کر لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ اعلان کس دن ہوا۔ حمید جو ابوہریرہ کی حدیث کے راوی ہیں ان کا قول ہے کہ یہ قربانی کا دن تھا یعنی دس ذی الحجہ۔ حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت علیؓ کا قول ہے کہ حج اکبر کا دن عرفہ کا دن ہے اور حضرت علیؓ کا قول زیادہ صحیح ہے اس لئے کہ انھیں اس اعلان کے لیے مدینہ سے بھیجا گیا تھا تو ان سے زیادہ کون واقف کار ہو سکتا ہے۔

اس تفصیل سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ منازل کا باپ لاحق حج اکبر کے روز خانہ کعبہ پہنچا۔ اور کعبہ کے پردوں کو پکڑ کر منازل کے لیے بددعا کی۔ سوال یہ ہے کہ اگر لاحق قربانی کے دن مکہ پہنچا ہے تو گویا اس نے حج نہیں کیا۔ کیونکہ حج میں قیام عرفہ شرط ہے اور اگر وہ عرفہ کے دن پہنچا تھا تو حاجی کے لیے ضروری ہے کہ تو تاریخ کی صبح صادق سے پہلے پہلے عرفہ پہنچ جائے ورنہ حج نہ ہوگا۔ اگر وہ دن میں پہنچا ہے تو وہ حج میں شریک نہیں ہوا۔ اور اگر رات میں پہنچا ہے تو حاجی کے لیے تو تاریخ کو طواف نہیں۔ بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ میدان عرفہ

Marfat.com

میں قیام کرے اور وہاں تسبیح و تہلیل، تکبیر و تحمید، تلبیہ اور دعا میں مشغول رہے، لیکن لاحق بیدھا خانہ کعبہ پہنچا اس کا مقصد یہ ہوا کہ اتنا دُور دراز کا سفر کیا اور پھر بھی حج کی نعمت سے محروم رہا اور ہونا بھی یہی چاہیئے تھا کیونکہ وُہ خود ایک گناہ کی نیت سے نکلا تھا۔ اور سب سے زیادہ تعجب شیخ عبدالقادر پر ہے جو فقہ حنبلیہ کے علماء میں شمار ہوتے ہیں اور اتنے سے معمولی فقہی مسئلہ کو بھی نہ سمجھ سکے۔

۱۰۔ منازل نے اس بات کا کوئی ذکر نہیں کیا کہ میرے باپ نے حج کا احرام باندھا تھا جس کا مقصد یہ ہے کہ وہ حج کی نیت سے نہیں گیا۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ اس نے حج کیوں نہیں کیا۔ لیکن صرف یہ بات لوچھنی ہے کہ حدود مکہ سے باہر کا جب کوئی شخص مکہ میں داخل ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ یا تو حج کا احرام باندھے یا عمرہ کا۔ بغیر احرام باندھے مکہ میں داخل ہونا حرام ہے۔ لیکن لاحق نے کسی شئے کا احرام نہیں باندھا اور اس طرح رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی کی۔ اور مکہ کی توہین کی تو پھر کعبہ جانے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر اسی کا نام دینداری ہے اور اسی قسم کی لغویات کا نام تصوف ہے تو اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس بلاء سے محفوظ رکھے۔

تعجب تو اس پر ہے کہ حنابلہ کا دعویٰ ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی فقہ حنبلیہ کے زبردست عالم تھے اور ہونا بھی چاہیئے تھا۔ کیونکہ انھوں نے فقہ قاضی ابوسعید المخرمی اور ابوالخطاب الکوذنی سے حاصل کیا۔ ایک ضعیف قول یہ بھی ہے کہ ابوالوفاء بن عقیل اور قاضی ابوالحسین سے بھی تلمذ حاصل ہے۔ اس صورت میں یہ بات عقل میں نہیں آتی کہ شیخ صاحب یہ معمولی سی فقہی بات بھی نہ سمجھ سکے ہوں۔ کم از کم ہماری عقل یہ قبول نہیں کرتی۔ ویسے تصوف زدہ علماء کی عقل تصوف میں آکر خراب ہو جاتی ہے اور ان کی تمام فقہ دانی اور حدیث سے واقفیت رکھی رہ جاتی ہے یہ ایک ایسا جادُو ہے جو سب کچھ بھلا دیتا ہے۔

Marfat.com

۱۱۶۔ منازل نے جس اسمِ اعظم کا ذکر کیا ہے وہ ہمارے سُنی بھائیوں کے لیے نہیں ہے۔ ہمارے سنی بھائی اگر واقعتاً اسمِ اعظم کے متلاشی ہیں تو اُن کی تسکین کے لیے ہم چند حدیثیں پیش کیے دیتے ہیں۔

ابوداؤد، ترمذی، دارمی اور ابنِ ماجہ نے حضرت اسماء بنت السکن سے روایت کیا ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

اسم اللہ الاعظم فی ھاتین الایتین وَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ، وَفاتحۃ العمران " الٓمّٓ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝

ترمذی ج۔ ۲ ص۲۰۷

اللہ کا اسم اعظم اِن دو آیات میں ہے وَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ اور آلِ عمران کی یہ ابتدائی آیت الٓمّٓ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ

ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ اس نے یہ دعا کی۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ بِاَنَّ لَکَ الْحَمْدُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ اَسْاَلُکَ

ترمذی ج۔ ۲ ص۲۱۶

اے اللہ میں آپ سے اس وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ تمام حمد آپ ہی کے لیے ہے۔ آپ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں۔ آپ مہربان، احسان کرنے والے ہیں۔ زمین و آسمان کے بنانیوالے ہیں۔ اے جلال و اکرام والے۔ اے زندہ، اے بندوبست

Marfat.com

کرنے والے ہیں آپ سے سوال کرتا ہوں۔"
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سُن کر ارشاد فرمایا۔
دعا اللہ باسمہ الاعظم الذی اذا دعی بہ اجاب
واذا سال بہ اعطیٰ۔
اس نے اللہ کے اسم اعظم کے ذریعہ دعا کی ہے۔ کہ جب بھی اس
کے ذریعہ دعا کی جاتی ہے قبول ہوتی ہے اور جب بھی کوئی سوال
کیا جاتا ہے عطا کیا جاتا ہے۔
رزین نے حضرت بریدہؓ سے روایت کیا ہے کہ میں عشاء کے وقت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں گیا تو وہاں ایک شخص بلند
آواز سے قرآن پڑھ رہا تھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کوئی ریاکار معلوم
ہوتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ بلکہ یہ ایک مؤمن ہے جو خدا سے لو لگاتے ہے
یہ شخص حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ تھے جو بلند آواز سے کلام اللہ کی تلاوت کر رہے
تھے، حضورؐ ان کی قرارت سُن رہے تھے۔ قراءت کے بعد حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ
نے یہ دُعا مانگی۔
اللّٰھم انی اشھدک انک انت اللہ لا الہ الا انت
احدٌ اصمد الم یلد ولم یولد ولم یکن لہٗ
کفواً احد
اے اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً آپ ہی اللہ ہیں۔
آپ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں۔ آپ یکتا و بے نیاز ہیں۔ نہ آپ کے
اولاد ہے اور نہ آپ کسی کی اولاد ہیں اور نہ آپ کا کوئی ہمعصر ہے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سُن کر ارشاد فرمایا۔
لقد سال اللہ باسمہ الذی اذا سئل بہ
اعطیٰ واذا دعی بہ اجاب مشکوٰۃ ص۲۰۰

Marfat.com

اس نے اللہ کے اس نام سے سوال کیا ہے کہ جب بھی اِس نام سے سوال کیا جاتا ہے تو عطا کیا جاتا ہے اور جب بھی کوئی دُعا کی جاتی ہے تو قبول ہوتی ہے۔

میں نے عرض کیا رسولؐ اللہ کیا یہ بات میں ابو موسیٰؓ کو بتادوں۔ آپؐ نے فرمایا ہاں بتادو۔ میں نے جب ابو موسیٰؓ کو حضورؐ کے اس فرمان کی اطلاع دی تو انھوں نے فرمایا کہ آج سے تم میرے بھائی ہو۔ کیونکہ تم نے مجھ سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی ہے۔

ترمذی اور ابو داؤد نے حضرت بریدہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ دُعا کرتے سُنا۔

اللھم انی اسألک بانک انت اللہ لا الہ الا انت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد ۝ ترمذی ج ۲ ص ۲۰۷

اے اللہ میں آپ سے اس وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ ہی اللہ ہیں آپ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں۔ آپ یکتا و بے نیاز ہیں نہ آپ کے اولاد ہے اور نہ آپ کسی کی اولاد ہیں اور نہ آپ کا کوئی شریک ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ ان تمام روایات پر اگر غور کیا جائے تو اس میں صرف ایک نام ایسا ہے جو ہر دُعا میں پایا جاتا ہے اور وہ لفظ اللہ ہے اور وہی اسم اعظم ہے۔

میرا خیال ہے کہ وہ لفظ اللہ نہیں۔ کیونکہ پہلی حدیث میں جو قرآن کی پہلی آیت ذکر کی گئی ہے۔ اس میں لفظ اللہ نہیں۔ بلکہ اسم اعظم لا الہ ہے۔ کیوں کہ لا الہ کا جملہ ہر جگہ پایا جاتا ہے اور اسم اعظم سے مراد توحید الٰہی ہے اور مقصود یہ ہے کہ جب تک توحید کامل طور پر نہ پائی جائے گی دعا بھی قبول نہ ہوں گی یا توحید

Marfat.com

کے بغیر دعا سے کچھ حاصل نہیں۔ کیونکہ دعا بھی عبادت ہے اور اسم اعظم سے غرض بھی عبادت ہے نہ کہ دنیاوی امور پر قدرت حاصل کرنا۔

سندی حیثیت

ہبتہ اللہ السقطی

۱:۔ اس کا پہلا راوی ہبتہ اللہ السقطی ہے۔ اس کی کنیت ابوالبرکات ہے یہ "غنیہ" کے دوسرے ہیرو ہیں، لیکن اتفاق سے یہ ابونصر کی طرح فرضی نہیں بلکہ یہ اس عالم وجود میں اپنا وجود بھی رکھتا تھا۔ ابن عراق الکنانی نے اپنی "تنزیہہ الشریعہ فی احادیث الشنیعۃ الموضوعۃ" میں جھوٹوں کی ایک فہرست تیار کی ہے۔ اس میں ہبتہ اللہ کا ذکر کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ کا قول نقل فرماتے ہیں۔

ھبۃ اللہ السقطی فھو الافۃ "تنزیہ الشریعہ ج۔۲ ص۱۶۰

"ہبتہ اللہ السقطی ایک آفت ہے۔"

خود ابن عراق الکنانی فرماتے ہیں۔

ان ھبۃ اللہ بن المبارک السقطی قال ابن ناصر لیس بثقۃ وظھر کذبہ۔ "تنزیہ الشریعہ۔ ج۔۲ ص۱۲۳

ہبتہ اللہ بن المبارک السقطی کے بارے میں ابن ناصر فرماتے ہیں۔ یہ ثقہ نہیں۔ اس کا جھوٹ ظاہر ہو چکا ہے۔

امام ذہبی ۷۴۸ھ فرماتے ہیں۔ اس نے حصول حدیث کے لیے اصبہان وغیرہ کا سفر کیا اور اس سلسلہ میں کافی مشقت برداشت کی اور ایک جلد میں اپنی "معجم" تحریر کی۔ ۵۰۹ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ آگے ابن السمعانی کا قول بیان کرتے ہیں۔

غیر انہ الدعی السماع من شیوخ لم یرھ

Marfat.com

قرایت فی معجمہ اخبرنا ابو محمد الجوھری قراءۃ
علیہ وھذا محال ما لحقہ ولا سنہ تحتملہ
میزان ج۔۴ ص۲۹۲

اس نے ایسے شیوخ سے سماع حدیث کا دعوی کیا جن کو اس نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ میں نے اس کی معجم میں دیکھا کہتا ہے ہم کو ابو محمد الجوہری نے خبر دی اور ان کے سامنے اس حدیث کی قرارت کی گئی۔ حالانکہ یہ محال ہے کیونکہ ہبتہ اللہ نے ان سے ملاقات نہیں کی اور نہ اس کی عمر اس کی اجازت دیتی ہے۔

۲:۔ اس روایت کا دوسرا راوی ہناد بن ابراہیم النسفی ہے۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں۔ اس نے ۴۵۰ھ کے بعد کافی روایات بیان کیں لیکن وہ موضوعات روایت کرتا اور نئی نئی بلائیں اسلام میں پیدا کرتا ہے۔ اس نے صوفی ابو عبدالرحمن سلمی اور غنجار وغیرہ سے روایات لی ہیں یہ یعقوبا کا قاضی تھا۔ وہیں ۴۶۵ھ میں اس کا انتقال ہوا۔

خطیب بغدادی ۴۶۳ھ فرماتے ہیں کہ جب میں نے نیشاپور جانے کا ارادہ کیا تو اس ہناد نے کچھ احادیث دیں اور بتایا کہ یہ روایات ابن کروی سے مروی ہیں جو نہروان میں ایک شیخ ہے اور وہ یہ احادیث خلدی اور بخاد سے روایت کرتا ہے۔ جب میں نہروان ابن کروی کے پاس پہنچا اور اس سے اس بات کا تذکرہ کیا تو انھوں نے خلدی اور بخاد کو پہچاننے سے بھی انکار کر دیا۔ اور بولے کہ یہ روایات تو مجھ سے عبدالملک بن بکران النہرادنی نے بیان کی ہیں۔ میزان ج۔۴ ص۳۱

لیجئے ہبتہ اللہ بھی جھوٹا تھا اور یہ حضرت بھی جھوٹے ثابت ہوئے۔

۳:۔ عبدالقاہر بن عمر الجوزی مجہول ہے۔ ہو سکتا ہے کہ خلدی اور بخاد کی طرح اس کا بھی کوئی وجود نہ ہو۔

۱۴:- چوتھے راوی کا نام بھی ہبتہ اللہ ہے۔ یہ کونسا ہبتہ اللہ ہے۔ ہم اس سے واقف نہیں۔ لیکن چند ہبتہ اللہ نامی اشخاص کا ذکر ذہبی نے کیا ہے ایک ہبتہ اللہ بن الحسن بن المظفر ہے۔ ابن نقطہ ۶۲۹ھ کہتے ہیں یہ دین میں ناپسندیدہ انسان تھا۔ دوسرا ہبتہ اللہ بن ابی شریک ہے۔ ابن السمعانی کہتے ہیں کہ سب کا اس پر اجماع ہے کہ وہ نہایت بدترین انسان تھا۔ ایک ہبتہ بن موسیٰ: مزنی ہے وہ مجہول ہے اور ایک ہبتہ اللہ بن المبارک بن الدوانی ہے جو پکا رافضی تھا۔ اور وہ پہلے ہبتہ اللہ کا ہم عصر ہے۔ اتفاق سے کوئی بھی ہبتہ اللہ ثقہ نہیں۔ میزان ج ۴ ص ۲۹۲ ۔ برعکس نہند نام زنگی کافور

۱۵- پانچواں راوی محمد بن فرخان بن روزبہ ہے یہ جنید بغدادی سے حکایات نقل کرتا ہے۔ خطیب بغدادی ۴۶۳ھ کہتے ہیں۔

کان غیر ثقۃ — یہ ثقہ نہیں ہے

حافظ ابن حجر نے بھی اسے ضعیف لکھا ہے (تقریب التہذیب ص ۳۱۵) ذہبی لکھتے ہیں۔

لہ خبر کذب فی موضوعات ابن الجوزی فی باب الدجاج والحمام — میزان ج ۔ ۳ ص ۴

ابن جوزی کی موضوعات میں اس کی ایک جھوٹی روایت پائی جاتی ہے جو مرغیوں اور کبوتروں کے ذکر میں ہیں۔

۶:- احمد بن الحسین بن سعید الانباری قطعاً مجہول ہے۔ احمد بن الحسین تو بہت سے ہیں لیکن انبار کا کوئی باشندہ نہیں۔

۷:- ابراہیم بن فراش بھی مجہول ہے۔

۸:- عمرو بن سمرہ بھی مجہول ہے۔

۹:- موسیٰ بن عباس بھی مجہول ہے۔

۱۰:- اصبغ عن بنانۃ اس میں لفظ عن غلط ہے یہ لفظ ابن ہے

اور بنا نہ کسی کا نام نہیں بلکہ یہ لفظ بنانہ ہے جو اصیغ کے باپ کا نام ہے یہ حنظلی مجاشعی کوفی ہے حضرت علیؓ اور حضرت عمارؓ سے روایت کرتا ہے۔

ابو بکر بن عیاش ۱۹۳ھ کہتے ہیں کذاب ہے۔ ابن معین ۲۳۳ھ کہتے ہیں کچھ نہیں ہے۔ نسائی ۳۰۳ھ اور ابن حبان ۳۵۴ھ کہتے ہیں متروک ہے۔ ابن عدی ۳۶۵ھ کہتے ہیں اس کا ضعف ظاہر ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں اس کی حدیث کمزور ہے۔ عقیلی کہتے ہیں یہ اس پر ایمان رکھتا تھا کہ حضرت علیؓ دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔ ابن حبان کہتے ہیں اس نے حضرت علیؓ کی محبت میں مبتلا ہو کر جھوٹ بولنا شروع کر دیا اس لیے اس کی روایت ترک کی گئی۔

میزان ج ۔ ۱ ص ۲۷۱

گویا اس روایت کی سند میں چار راوی مجہول اور چھ کذاب ہیں۔ اس سند سے کم از کم یہ بات تو ظاہر ہو گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخ عبدالقادر کے درمیان کم از کم دس گیارہ راوی ہونے چاہئیں اور واقعہ بھی ایسا ہی ہے کیونکہ شیخ صاحب کی وفات ۵۶۱ھ میں ہے۔

یہاں یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ اسم اعظم صرف منازل کو بتایا تھا اور اپنے بیٹوں سے بھی اسے مخفی رکھا تھا۔ اسی لیے حضرت حسینؓ کو منازل سے پوچھنے کی ضرورت پیش آئی۔ یعنی اگر یہ اسم اعظم منازل نہ بتاتا تو حضرت حسینؓ تو اس سے لاعلم ہی رہتے۔ عیاذاً باللہ

نیز راوی نے یہ روایت بیان کر کے یہ بھی ثابت کر دیا کہ حضرت حسینؓ منازل جیسے جاہل مطلق کے شاگرد ہیں۔ ایسے کسی صوفی کی عقل تو تسلیم کر سکتی ہے، لیکن کسی سمجھ دار انسان کی عقل اسے ہرگز قبول نہ کرے گی۔

اس روایت سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ شیخ عبدالقادر کو راویوں کے صحیح نام تک معلوم نہیں۔ ایسی صورت میں حدیث کے معاملے میں ان پر کیسے اعتبار کیا جا سکتا ہے۔

صلوٰۃ الفنیہ

کذابین و وضاعین نے جہاں ماہ شعبان اور شب برات کی فضیلت میں متعدد احادیث روایات کی ہیں۔ وہاں اس شب کے لیے مخصوص نمازیں بھی وضع کی ہیں۔ بلکہ ہر ماہ اور ہر روز اور ہر رات کی جُداگانہ نمازیں وضع کی گئیں۔ جن کی تفصیل احیاء العلوم، غنیہ اور تصوف کی دیگر کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ اگر ہم ان تمام نمازوں پر بحث کریں تو اس کے لیے ایک جداگانہ کتاب درکار ہوگی۔ اِس وقت ہم صرف وہ نمازیں قارئین کے سامنے پیش کریں گے جو شب براءت کے لیے وضع کی گئی ہیں۔

امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "موضوعات کبیر" میں ایک نماز اپنی سند سے ان الفاظ میں پیش کر کے اِس پر جرح کی ہے۔

انبانا محمد بن ناصر الحافظ انبانا ابوعلی الحسن بن احمد بن الحسن الحداد انبانا ابوبکر احمد بن الفضل بن محمد المقرئ انبانا ابوعمرو عبدالرحمٰن بن طلحۃ الطلیحی انبانا الفضل بن محمد الزعفرانی، حدثنا ھارون بن سلیمان نا علی بن الحسن عن سفیان الثوری عن لیث عن مجاھد عن علی بن ابی طالب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال یاعلی من صلی مائۃ رکعۃ فی لیلۃ النصف من شعبان ویقرأ فی کل رکعۃ بفاتحۃ الکتاب وقل ھو اللہ احد عشر مرات قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاعلی ما من عبد یصلی ھذہ الصلوٰۃ قضی اللہ لہ عزوجل کل حاجۃ طلبھا تلک اللیلۃ قیل یارسول

Marfat.com

اللّٰہ وان کان اللّٰہ تعالیٰ جعلہ شقیا یجعلہ سعیدا
قال والذی بعثنی بالحق نبیا یا علی انہ مکتوب
فی اللوح ان فلان بن فلان خلق شقیا یمحوہُ اللّٰہ
ویجعلہ سعیدا ویبعث اللّٰہ الیہ سبعین الف
ملکٍ یکتبون لہ الحسنات ویمحون عنہ السیات
ویرفعون لہ الدرجات الی رأس السنۃ ویبعث
اللّٰہ فی جنۃ عدن سبعین الف ملکٍ او سبع مائۃ
الف ملک یبنون لہ المدائن والقصور ویغرسون لہ
الاشجار مالا عین رأت ولا اُذن سمعت ولا خطر علی
قلب المخلوقین مثل ھذا الجنان فی کل جنۃ علی ما وصفت
لکم من المدائن والقصور والاشجار فان مات من
لیلتہ قبل ان یحول الحول مات شھیدا ویعطیہ اللّٰہ
بکل حرف من قل ھو اللّٰہ احد فی لیلتہ من ذلکٍ
سبعین الف حوراء لکل حوراء وصیف ووصیفۃ
وسبعون الف فھارمۃ وسبعون الف حجاب وکل
من قرا قل ھو اللّٰہ احد فی تلکٍ اللیلۃ یکتب
لہ اجر سبعین شھید وتقبل صلاتہ التی صلاھا
قبل ذلکٍ ویقبل ما صلی بعدھا وان کان والداہ
فی النار دعالھما اخرجھما اللّٰہ من النار بعد ان لم
یشرکا باللّٰہ شیئا ویدخلان الجنۃ ویشفع کل
واحد منھما فی سبعین الفا الی اخر ثلاث مرات
والذی بعثنی بالحق ان اللّٰہ یبعث فی کل ساعۃ من
ساعات اللیل والنھار وھی اربع وعشرون ساعۃ

Marfat.com

سبعین الف ملک یسلمون علیہ ویصافحونہ
ویدعون لہ الی ان ینفخ فی الصور و یحشر یوم القیمۃ
مع الکرام البررۃ و یا مر الکاتبین ان لا تکتبوا علی
عبدی سیئۃ واکتبوا الیہ الحسنات الی ان یحول
علیہ الحول ومن صلی ھذہ الصلوٰۃ وھو یرید الصلوٰۃ
والدار الاخرۃ یجعل اللہ لہ نصیبا من عندہ تلک
اللیلۃ۔ موضوعات کبیر ج ۲ ص ۱۲۷

ہمیں محمد بن ناصر الحافظ نے خبر دی، انھیں ابو علی الحسن بن احمد بن الحسن الحداد نے انھیں ابو بکر احمد بن الفضل بن محمد المقرئ نے انھیں ابو عمرو عبدالرحمان بن طلحۃ الطلیحی نے، انھیں فضل بن محمد محمد الزعفرانی نے، انھیں ہارون بن سلیمان نے انھیں علی بن الحسن نے وہ سفیان ثوری سے ناقل ہیں وہ لیث سے وہ مجاہد سے وہ علی بن ابی طالب سے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؐ نے فرمایا اے علی جس نے نصف شعبان کی شب میں سو رکعت نماز پڑھی اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور قل ہو اللہ احد دس بار پڑھی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا اے علی جو بندہ یہ نماز پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ہر وہ حاجت پوری فرماتا ہے جو وہ اس رات طلب کرتا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسولؐ اللہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس انسان کو بدبخت بنایا ہو تو کیا اسے نیک بخت بنا دے گا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے۔ اے علیؓ لوح محفوظ میں لکھا ہے کہ فلاں بن فلاں بدبخت پیدا کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ اسے مٹا کر نیک بخت لکھ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے پاس ستر ہزار فرشتے

Marfat.com

بھیجتا ہے جو اس کے لیے نیکیاں لکھتے، اس کی برائیاں مٹاتے اور اس کے درجات بلند کرتے ہیں۔ آئندہ سال تک یہی ہوتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ جنت عدن میں ستر ہزار فرشتے یا سات لاکھ فرشتے بھیجتا ہے جو اس کے لیے شہر اور محلات تعمیر کرتے اور اس کے لیے ایسے پودے لگاتے ہیں جو نہ آنکھوں نے دیکھے، نہ کانوں نے سُنے اور نہ بشر کے قلب پر ایسے باغوں کا خیال گزرا کہ جن میں اس قسم کے شہر، محلات اور درخت ہوں اور اگر وہ سال پورا ہونے اور آئندہ یہ رات آنے سے پہلے مر جاتے تو وہ شہید مرے گا اور اللہ تعالیٰ اسے "قل ہو اللہ احد" کے ہر حرف کے بدلہ میں ستر ہزار حوریں عطا فرماتے گا۔ ہر حور کے لیے ستر ہزار بناؤ سنگار کرنے والیاں، ستر ہزار بناؤ سنگار کرنے والے، ستر ہزار غلام، ستر ہزار لونڈیے، ستر ہزار داروغہ اور ستر ہزار دربان ہوں گے اور جو شخص بھی اس رات "قل ہو اللہ احد" پڑھے گا اس کے لیے ستر شہداء کا اجر لکھا جائے گا اور اس کی وہ تمام نمازیں قبول کی جائیں گی جو اس سے قبل پڑھی ہیں یا اس کے بعد پڑھیگا۔ اگر اس کے ماں باپ دوزخ میں ہوں گے اور یہ ان کے لیے دُعا کرے گا۔ اللہ تعالےٰ انھیں دوزخ سے نکال دے گا بشرطیکہ وہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتے ہوں وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ان میں سے ہر ایک ستر ستر ہزار کی تین بار شفاعت کرے گا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق دے کر بھیجا ہے اللہ تعالیٰ شب و روز کی ہر ساعت میں اور شب و روز میں چوبیس ساعتیں ہوتی ہیں اس کے پاس ستر ہزار فرشتے بھیجے گا۔ جو اسے سلام کریں گے، اس سے مصافحہ کریں گے اور اس کے لیے

Marfat.com

صُور پھنکنے تک دُعا کرتے رہیں گے اور وہ قیامت کے روز معزز اور بہترین لوگوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کراماً کاتبین کو حکم دے گا کہ میرے بندے کی کوئی برائی نہ لکھو۔ بلکہ ایک سال پورا ہونے تک اس کے لیے نیکیاں لکھتے رہو۔ جو شخص بھی یہ نماز پڑھے گا اور اس کا ارادہ نماز اور آخرت ہوگی اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنے پاس سے اس رات کا حصّہ لکھ دیں گے۔ موضوعات کبیر ج-۲ ص۱۲۷

شیخ عبدُالقادر جیلانیؒ کا فیصلہ

اِس روایت پر بحث کرنے اور امام ابن جوزی کا فیصلہ سُننے سے بیشتر شیخ عبدالقادر جیلانی ۵۶۱ھ کا فیصلہ بھی دیکھ لیجئے۔ فرماتے ہیں۔

فاما الصلوٰۃ الواردۃ فی لیلۃ النصف من شعبان فھی مائۃ رکعۃ بالف مرۃ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ فی کل رکعۃ عشر مرّات وتسمی ھذہ الصلوٰۃ صلوٰۃ الخیر وتتفرق ببرکتھا وکان السلف الصالح یصلونھا جماعۃ یجتمعون لھا وفیھا فضل کثیر وثواب جزیل۔

وہ نماز جو نصف شعبان کی شب میں وارد ہے وہ سو رکعت نماز ہے جس میں ایک ہزار بار قل ہو اللہ احد پڑھی جائے گی۔ ہر رکعت میں دس مرتبہ اس نماز کو صلوٰۃ الخیر کہتے ہیں۔ اس کی برکات پھیلتی ہیں اور سلف صالح اس نماز کو جماعت کے ساتھ پڑھتے اس کے لیے جمع ہوتے۔ اس میں بہت بڑی فضیلت اور بہت بڑا ثواب ہے۔

Marfat.com

روی عن الحسن البصری انہ قال حدثنی ثلاثون من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من صلی ھذہ الصلوۃ فی ھذہ اللیلۃ نظر اللہ الیہ سبعین حاجۃ ادناھا المغفرۃ

حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے۔ انھوں نے فرمایا مجھ سے تیس سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے بیان کیا کہ جو شخص اس رات میں یہ نماز پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی ستر حاجتیں قبول فرماتے گا۔ جس میں ادنیٰ حاجت مغفرت ہے

والمستحب ان تصلی ھذہ الصلوۃ وایضا فی الاربع عشرۃ لیلۃ اللتی یستحب احیاء ھا اللتی ذکرنا ھا فی فضائل ھذہ الفضیلۃ والمثوبۃ

غنیہ جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۶۹۵

مستحب یہ ہے کہ یہ نماز بھی پڑھی جائے اور ان چودہ راتوں میں بھی نماز پڑھی جائے جن کی شب بیداری مستحب ہے اور جن کا ذکر ہم نے اس کی فضیلت و ثواب میں کیا ہے۔

محدثین کرام کے فیصلے

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد رقم طراز ہیں۔

ھذا حدیث لاشک انہ موضوع وجمھور رواتہ مجاھیل وفیھم ضعفاء یمرۃ والحدیث محال قطعا وقد رأینا کثیرا ممن یصلی عدۃ الصلوۃ و یتفق قضوا اللیل فیفوتھم صلوۃ

Marfat.com

الفجر ویصبحون کسالی وقد جعلها جهلة
ائمة المساجد مع صلوٰۃ الرغائب ونحوها من
الصلوٰۃ شبکة لجمع العوام وطلب الریاسة
التقدم وملأ بذکرها القصاص مجالسهم
وکل ذلک عن الحق بمعزل موضوعات کبیر ج ۲ ص ۱۲۹

اس حدیث کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اس کے تمام رواۃ مجہول ہیں۔ اور چند ضعیف ہیں اور یہ حدیث محال قطعی ہے اور ہم نے اکثر یہ نماز پڑھنے والوں کو دیکھا ہے جو اس کی تعداد پوری کرنا چاہتے ہیں اور اتفاق سے رات چھوٹی ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے صبح کی نماز فوت ہو جاتی ہے اور صبح کو ان لوگوں پر سستی چھا جاتی ہے مساجد کے جاہل اماموں نے یہ نماز، صلوٰۃ الرغائب اور اس قسم کی دوسری نمازوں کو عوام کے پھانسنے کا ایک جال بنا رکھا ہے۔ اور اپنے اقتدار و ریاست کی خواہش اس قسم کی باتوں سے پوری کرتے ہیں۔ ان کی مجلسیں قصہ گو لوگوں سے بھری ہوتی ہیں اور ان میں سے ہر شخص حق سے دور ہے۔

امام ابن الجوزی نے اس کے اکثر رواۃ کو مجہول اور ضعیف قرار دیا ہے ہم سب سے قبل ان راویوں کے حالات عرض کریں گے۔ اس کے بعد اس نماز کے بارے میں دیگر محدثین اور علماء کے فیصلے نقل کریں گے۔

اس کا اصل راوی علی بن الحسن بن علی بن نعیم الشوری ہے جو اسے امام سفیان ثوری سے روایت کر رہا ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں اس کی حدیث لکھنا بھی جائز نہیں ہاں اگر تنقید مقصود ہو تو جائز ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں یہ روایت باطل ہے۔ ذہبی فرماتے ہیں۔

هذا الحديث باطل وهو على هذا في عداد المتروكين
میزان ج ۳ ص ۱۱۹

Marfat.com

یہ حدیث باطل ہے اور علی بن الحسن کا متروکین میں شمار ہوتا ہے
علی بن الحسن کے نیچے جتنے راوی ہیں سب مجہول ہیں اور سفیان ثوری
سنہ ۱۶۱ھ کے استاد لیث بن ابی سلیم سنہ ۱۴۸ھ بعض کے نزدیک ثقہ اور اکثر کے
نزدیک ضعیف ہیں اور ان کی آخر عمر میں عقل جاتی رہی تھی۔

سب سے آخر راوی مجاہد بن جبر المکی سنہ ۱۰۴ھ ہیں جو مشہور تابعی اور
مفسر قرآن ہیں۔ لیکن انھیں حضرت علی یا کبار صحابہ سے سماع حاصل نہیں
انھیں صغار صحابہ سے سماع حاصل ہے مثلاً ابن عمرؓ ابن عباسؓ وغیرہ

جلال الدین سیوطی سنہ ۹۱۱ھ نے اپنی "اللآلی المصنوعہ فی احادیث الموضوعۃ"
میں اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔ علامہ ابن عراق الکنانی نے اپنی "تنزیہ
الشریعہ فی احادیث الموضوعہ" میں اسے موضوع قرار دیتے ہوئے اس کا
واضع علیؓ بن حسن بن علی بن یعمر کو بتاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

قال الامام الذھبی انہ من وضع علی بن
الحسن بن یعمر بن علی الشوری

"تنزیہ الشریعہ۔ ج۔ ۲ ص ۲۰۷"

امام ذہبی فرماتے ہیں یہ علی بن الحسن بن علی بن یعمر الشوری
کی وضع کردہ ہے۔

ملا علی قاری حنفی سنہ ۱۰۱۴ھ نے اپنی "موضوعات کبیر" میں امام ابن القیم
جوزی سنہ ۷۹۱ھ کا ایک مضمون نقل کیا ہے۔ جس میں ابن قیم نے موضوع
روایات کا تذکرہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

ومن ذلک احادیث لیلۃ النصف من شعبان
کحدیث یا علی من صلی لیلۃ النصف من شعبان
مائۃ رکعۃ یالف قل ھو اللہ احد فقضی اللہ
کل حاجۃ طلبھا تلک اللیلۃ وساق خرافات

کثیرۃ ۔ موضوعات کبیر مترجمہ ص ۵۴۱

ان موضوعات میں پندرہویں شعبان کی شب کی نمازیں ہیں جیسے یہ حدیث اے علیؓ جس نے نصف شعبان کی شب میں سو رکعت نماز پڑھی اور اس میں ایک ہزار بار قل ہو اللہ احد پڑھی تو اللہ تعالیٰ ہر وہ حاجت پوری فرمائے گا جو اس رات طلب کرے گا پھر اس راوی نے بہت بکواس کی۔

اس کے بعد علامہ ابن القیم ۷۹۱ھ نے چند اور تمثیلات بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے۔

ضمن شمر ائمۃ العلم بالسنۃ ان یغتر بمثل ھذا الھذیان ویصلیھا وھذہ الصلوۃ وضعت فی الاسلام بعد الاربع مائۃ ونشأت من بیت المقدس فوضع لھا عدۃ احادیث ۔

موضوعات کبیر مترجمہ ص ۵۴۲

جس شخص کو علم سنت کی خوشبو بھی پہنچی ہوگی وہ اس قسم کی بکواس سے دھوکہ نہ کھائے گا اور نہ ہرگز یہ نماز پڑھے گا۔ اور یہ نماز اسلام میں چار سو سال بعد وضع کی گئی اور اس کی ابتدا بیت المقدس سے ہوئی اس کے لیے چند احادیث وضع کی گئیں۔

"حصن حصین" کے مصنف اور قراءت کے امام جزری رحمہ اللہ ۸۳۳ھ فرماتے ہیں۔

وکذا صلوۃ عاشوراء وصلوۃ الرغائب موضوع بالاتفاق وکذا بقیۃ صلوات لیالی رجب ولیلۃ السابع والعشرین من رجب ولیلۃ النصف من شعبان مائۃ رکعۃ فی کل رکعۃ عشر مرات

Marfat.com

بالاخلاص ولا تغتر بذکرھا فی قوت القلوب
واحیاء العلوم ولا بذکر الثعلبی فی تفسیرہ
وکذا فی شرح الاوراد موضوعات کبیر ص۴۷۶

اسی طرح نماز عاشورا اور صلوۃ الرغائب بالاتفاق موضوع ہیں
اور اسی طرح رجب کی بقیہ راتوں کی نمازیں، اور شعبان رجب
کی نماز اور نصف شعبان کی شب میں سو رکعت نماز اور ہر
رکعت میں دس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھنا یہ سب موضوع ہیں
"قوت القلوب" اور "احیاء العلوم" میں جو ان کا تذکرہ ملتا ہے۔
اسی طرح ثعلبی نے جو اپنی "تفسیر" میں ان کا ذکر کیا ہے۔ یا
"شرح الاوراد میں" جو یہ مذکور ہیں ان سے دھوکہ نہ کھانا۔
علامہ محمد طاہر بن علی الہندی ۹۸۶ھ اپنی "تذکرۃ الموضوعات" میں
رقم طراز ہیں۔

فی المختصر حدیث صلوۃ نصف شعبان باطل .....
وفی اللالی مائۃ رکعۃ فی نصف شعبان بالاخلاص
عشر مرات مع طول فضلہ للدیلمی وغیرہ موضوع
وجمہور رواتہ من الطرق الثلاثۃ مجاھیل وضعفاء
والحدیث محال۔ "تذکرۃ الموضوعات ص۴۵"

مختصر میں ہے نصف شعبان کی نماز باطل ہے اور "اللالی"
میں ہے کہ نصف شعبان میں سو رکعت نماز پڑھنا اور ہر
رکعت میں دس بار سورۂ اخلاص پڑھنا اگرچہ دیلمی نے انھیں
روایت کیا ہے اور اگرچہ وہ صاحب علم و فضل بھی ہیں۔ لیکن
یہ سب روایات موضوع ہیں اور اس کی تینوں سندات کے
تمام رواۃ مجہول یا ضعیف ہیں اور یہ حدیث محال ہے۔

Marfat.com

آگے فرماتے ہیں۔

قال علی بن ابراھیم وصما احدث فی لیلۃ النصف الصلوۃ الالفیۃ مائۃ رکعۃ بالاخلاص عشر مرات بالجماعۃ واھتموا بھا اکثر من الجمع والاعیاد ولم یات بھا خبر ولا اثر الا ضعیف او موضوع ولا یغتر بھذہ لھا صاحب القوت والاحیاء وغیرھما ولا بذکر تفسیر الثعلبی انھا لیلۃ القدر وکان الحوام بھذہ الصلوۃ افتتان عظیم حتی التزم بسببھا کثرۃ الوقود وترتب علیہ من الفسوق وانتھاك ما یغنی عن وصفہ حتی خشی الاولیاء (ای العلماء) من الخسف وھرب بوافیھا الی البواری واول حدوث ھذہ الصلوۃ ببیت المقدس سنۃ ثمانٍ واربعین واربع مائۃ ..... وقال ابن رجبۃ احادیث صلوۃ لیلۃ البراءۃ موضوعۃ وواحد مقطوعۃ ومن عمل بخبر صح انہ کذب فھو من خدم الشیطان۔

علی بن ابراہیم کہتے ہیں نصف شعبان کی شب میں جو بدعات ایجاد ہوئیں ان میں صلوۃ الالفیہ بھی ہے جس میں سو رکعات پڑھی جاتی ہیں۔ ہر رکعت میں دس بار سورۃ اخلاص۔ یہ نماز جماعت سے ادا کی جاتی ہے اور اس کا اہتمام جمعہ اور عیدین سے بھی زیادہ کیا جاتا ہے اس نماز کے بارے میں نہ کوئی حدیث ہے اور نہ کسی صحابی کا قول (جتنی روایات سب ضعیف یا موضوع ہیں)" "قوت القلوب" اور "احیاء العلوم" کے مصنفین نے اور "ثعلبی" نے اپنی تفسیر میں جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ شب لیلۃ القدر ہے اس

Marfat.com

سے دھوکا نہ کھانا۔ عوام اس نماز کے ذریعہ بہت بڑے فتنے میں مبتلا ہیں۔ حتیٰ کہ اس کی وجہ سے بہت سے فسق و فجور پیدا ہو گئے اور بہت سے محرماتِ شرعیہ کی ہتک ہو رہی ہے۔ حتیٰ کہ اس نماز کے باعث اہلِ بلاد کو یہ خوف پیدا ہو گیا کہ وہ زمین میں نہ دھنسا دیے جائیں اور یہ لوگ اس رات میں دھنسائے جانے کے خوف سے جنگلات کو بھاگ جاتے ہیں۔ اس نماز کی بدعت بیت المقدس میں ۴۴۸ھ میں جاری ہوئی۔ ابن وجیہ کہتے ہیں۔ شب برات کی نماز کی احادیث سب موضوع ہیں اور ایک روایت منقطع ہے اور جو شخص کسی جھوٹی خبر (حدیث) کو سچ سمجھ کر اس پر عمل کرے وہ شیطان کے خادموں میں داخل ہے۔

قال علی بن ابراهیم وقد رایتا کثیرا ممن یصلی هذه الصلوة فی اللیلة القصیرة تفوتهم الفجر ویصبحون الکسالی۔ قال وقد جعلها ائمة المساجد مع صلوة الرغائب ونحوها شبکة لجمع العوام وطلب ریاسة التقدم وملأ یذکرها القصاص مجالسهم وکل عن الحق بمعزل ثم انه تعالیٰ ائمة الهدی فی سعی ابطال فتلاشی امرها الی ان صارت تصلی لعبا ولهوا وتکامل ابطالها فی البلاد المصریة فی اوائل السنی المائة الثامنة وقد ضعف ابن العربی حدیث عائشة فی صلوة النصف مطلقا وعتقاء النار بعدد شعر غنم کلب

تذکرۃ الموضوعات ص۴۵، ص۴۶

علی بن ابراہیم کہتے ہیں ہم نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ چھوٹی رات میں یہ نماز پڑھتے ہیں اور ان کی صبح کی نماز فوت ہو جاتی

Marfat.com

ہے اور تمام دن سُست رہتے ہیں۔ ان نمازوں کو ائمہ مساجد نے صلوٰۃ الرغائب اور اسی قسم کی نمازوں کے ساتھ شامل کر کے عوام کو جمع کرتے ہیں اور انھوں نے اپنی بڑائی قائم کرنے کا ایک جال پھیلایا ہے قصہ گو لوگ اپنی مجلسوں میں اس قسم کی روایات بیان کرتے ہیں اور یہ سب حق سے دُور ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ائمہ حق کو ان نمازوں کے بطلان کی توفیق عطا فرمائی۔ انھوں نے اس کی حقیقت تلاش کر کے بیان کی۔ حتیٰ کہ اب ان نمازوں کا مقام کھیل کود سے زیادہ نہ رہا۔ اور آٹھویں صدی کی ابتدا میں مصری شہروں میں اس نماز کو مکمل طور پر ختم کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ ابن العربی نے حضرت عائشہ رضہ کی اس حدیث کو جو مطلق نصف شعبان کے بارے میں ہے اور جس میں بنو کلب کی بھیڑوں کے بالوں کے برابر آگ سے آزادی کا ذکر ہے ضعیف قرار دیا ہے۔

تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی میں ہے۔

قال الملا علی قاری فی المرقاۃ ان مائۃ رکعۃ فی نصف شعبان اوالصلوۃ لہ یات بہا خبر ولا اثر الا وضعیف او موضوع۔ تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۵۳

ملا علی قاری مرقات میں لکھتے ہیں کہ نصف شعبان میں سو رکعت پڑھنا یا کسی قسم کی نماز پڑھنا اس سلسلہ میں نہ کوئی حدیث ہے اور نہ کوئی صحابی کا قول۔ جتنی روایات بھی ہیں سب ضعیف یا موضوع ہیں۔

علامہ عبدالحی لکھنوی ۱۳۰۴ھ رقم طراز ہیں۔

ومن ھذہ البدعات صلوۃ لیلۃ السابع والعشرین من رجب ومنھا صلوۃ لیلۃ النصف من شعبان

Marfat.com

الآثار المرفوعہ فی احادیث الموضوعہ ص ۱۰۸

ان بدعات میں سے شانزدہم رجب کی شب میں نماز پڑھنا اور شعبان کی نصف شب میں نماز پڑھنا بھی ہے۔

ان فیصلوں کی روشنی میں شیخ عبدالقادر کے فیصلے پر غور کیجئے کہ وہ اس کے مدعی ہیں کہ اسلاف یہ نماز باجماعت ادا کرتے اور پھر حسن بصری کا بلاسند یہ قول کہ تیس صحابہ نے ان سے فرمایا کہ اس نماز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سترحاجتیں پوری فرماتا ہے۔ حالانکہ گذشتہ روایت کا واضع علی بن الحسن بن بعیر الشوری ہے اور اس کی جماعت کے ساتھ ابتدا ۴۴۸ھ میں بیت المقدس میں ہوئی اور بعد میں اس کے لیے مختلف روایات وضع کرلی گئیں۔ اتفاق سے شیخ صاحب کی پیدائش ۴۷۱ھ ہے۔ یعنی یہ عمل ان کی پیدائش سے صرف بائیس سال قبل شروع ہوا لیکن انھوں نے اس کے نام بھی تجویز کرڈالے اور صحابہ کرام کو بھی اس میں گھسیٹ لیا گیا۔ حالانکہ ان کے ہم عصر اور ہم مسلک امام ابن الجوزی اس قسم کی نمازوں کو باطل قرار دے رہے ہیں۔

۱۲۔ شیخ صاحب نے حضرت علیؓ اور حسن بصری کی روایت کی کوئی سند بیان نہیں کی۔ اس طرح یہ دونوں روایات بلاسند اور معلق ہوئیں۔ کیونکہ حضرت علی ۴۰ھ میں شہید ہوتے اور حسن بصری کا انتقال ۱۱۰ھ میں ہوا۔ اور شیخ صاحب ۴۷۱ھ میں پیدا ہوتے اور ۴۸۸ھ میں تحصیل علم شروع فرمائی۔ اس طرح حضرت علیؓ اور شیخ صاحب کے درمیان چارسو چھیالیس سال کے رواۃ ہونے چاہئیں اس لحاظ سے شیخ صاحب اور حسن بصری کے درمیان تین سو چھیتر سال ہوتے۔ اور وہ ثقہ ہیں یا غیر ثقہ اور جب ہم اُوپر سے یہ دیکھتے چلے آرہے ہیں کہ ان کی بیان کردہ روایات کے اکثر رواۃ یا کذاب ہوتے ہیں یا مجہول تو اس صورت میں حضرت علیؓ اور حسن بصری کی جانب ان اقوال کی نسبت ایک صریح جھوٹ ہے یہ ہماری کوئی ذاتی

رائے نہیں۔ آپ مختلف علماء کے فیصلے اِس نماز کے سلسلہ میں پڑھ چکے ہیں۔
اب شیخ صاحب کی تصنیفات کے بارے میں امام ابن کثیر کا فیصلہ سُنیے۔

وقد صنف کتاب الغنیۃ وفتوح الغیب وفیھما
اشیاء حسنۃ وذکر فیھما احادیث ضعیفۃ و
موضوعۃ البدایہ والنہایہ ج۔ ۱۲ ص ۲۵۲

عبدالقادر نے غنیہ اور فتوح الغیب تصنیف کی۔ ان میں اگرچہ کچھ اچھی باتیں بھی ہیں۔ لیکن انھوں نے دونوں کتابوں میں ضعیف اور موضوع احادیث ذکر کی ہیں۔

۳:۔ شیخ صاحب نے اتفاق سے ایک فتویٰ بھی دیا ہے کہ یہ نماز جماعت سے پڑھی جائے، تو نوافل کا جماعت سے ادا کرنا (بجز تراویح کے) تمام ائمہ فقہاء کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے اور شیخ صاحب کے امام یعنی امام احمد بن حنبل کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ کیونکہ فقہاء نے "قاعدہ یہ بیان کیا ہے کہ جو شے شریعت سے عموم کے ساتھ ثابت ہو اس کے لیے کسی مخصوص کیفیت کا اہتمام کرنا بدعت و حرام ہے مثلاً نماز تہجد شریعت سے ثابت ہے۔ اس کے لیے جماعت کا اہتمام کرنا تمام ائمہ کے نزدیک ناجائز ہے۔ مجدد الف ثانی ایک ایسے فرقہ کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"نماز تہجد را بجماعت می گزارند از اطراف و جوانب دراں وقت مردم از برائے نماز تہجد جمع می گردند، و بجمعیت تمام ادا می نمایند و ایں عمل مکروہست بکراہت تحریمیہ! جمع از فقہاء کہ تداعی شرط کراہت داشتہ اند جواز جماعت نفل را مقید بناحیۂ مسجد ساختہ زیادہ از سہ کس را باتفاق مکروہ گفتہ اند۔" مکتوبات حصہ سوم ص ۱۰۱

یہ لوگ نماز تہجد جماعت سے پڑھتے اور تہجد کے وقت نماز تہجد کے لیے لوگ مختلف اطراف و جوانب سے جمع ہوتے اور اسے

جماعت سے ادا کرتے ہیں اور یہ عمل مکروہ تحریمی ہے۔ فقہاء کی وہ جماعت جو کراہت کے لیے بلانے کو شرط قرار دیتی ہے۔ وہ بھی نفل نماز کی جماعت کے لیے دو قید لگاتی ہے۔ ایک تو مسجد کے علیحدہ گوشے میں اور جماعت میں تین افراد سے زیادہ موجود نہ ہوں اگر تین سے زیادہ ہیں تو باتفاق مکروہ تحریمی ہے۔"

دیکھئے وتر واجب ہیں اور رمضان میں ان کا جماعت سے ادا کرنا ثابت بھی ہے، لیکن رمضان کے علاوہ کسی اور مہینہ میں ان کا جماعت سے ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ کبیری شرح منیۃ المصلی میں ہے۔

لانہ لم ینقل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا عن احد من الصحابۃ فتکون بدعۃ مکروھۃ۔

کبیری ص۴۰۱

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ میں سے کسی سے یہ منقول نہیں تو یہ بدعت و مکروہ ہوگی۔

حنفی فقہ کی مشہور کتاب "ردالمحتار" میں ہے کہ صلوٰۃ الرغائب اور نصف شعبان کی نمازیں بالتحقیق صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی سے منقول نہیں۔ ردالمحتار ص۴۱۲۔ امام نووی فرماتے ہیں یہ دونوں نمازیں بدعت مذمومہ اور منکر و قبیح ہیں۔

جب صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ مجتہدین سے یہ نمازیں مروی نہیں تو وہ کون سے اسلاف تھے جو اس نماز کو جماعت سے ادا کیا کرتے تھے۔ ہم نے تو اس کے رد میں اتنے نام گنا دیتے ہیں۔ لیکن شیخ صاحب نے تو ایک شخص کے نام تک کا ذکر نہیں کیا۔ کہیں اسلاف سے مراد ہبۃ اللہ اور ابو نصر جیسے لوگ تو نہیں۔ کیونکہ ان نمازوں کی جماعت کے ساتھ ابتدا انہی لوگوں کے زمانہ میں ہوئی۔ لیکن اتفاق سے ہبۃ اللہ کو اگرچہ محدثین نے کذاب کہا ہے۔ لیکن اس پر یہ الزام قائم نہیں کیا کہ وہ یہ نمازیں پڑھتا ہے۔

Marfat.com

صوفیاء کے بارے میں مجدد الف ثانیؒ کا فیصلہ

مجدد الف ثانیؒ نے ان بزرگوں کے بارے میں صحیح فرمایا تھا۔

عمل صوفیاء در حل و حرمت سند نیست ہمیں بس است کہ
ما معذور داریم و ملامت نہ کنیم، و مر ایشاں را بحق سبحانہ و تعالیٰ
مفوض داریم، اینجا قول امام ابی حنیفہ و امام ابی یوسف و امام
محمد معتبر است نہ عمل ابو بکر شبلی و ابو حسن نوری۔

مکتوبات دفتر اول ص ۳۳۵، مکتوب ص ۲۶۶

"حلت و حرمت میں صوفیاء کا عمل سند نہیں ہے۔ ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ ہم انھیں معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں۔ اور انھیں حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے سپرد کر دیں، اس جگہ امام ابو حنیفہ امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول معتبر ہوگا۔ نہ کہ ابو بکر شبلی اور ابو حسن نوری کا عمل۔"

مجدد صاحب کے اس فرمان سے ہمیں ایک حد تک اتفاق ہے۔ لیکن اگر صوفیاء دوسروں کی گمراہی کا سبب بن جائیں تو انھیں معذور سمجھنے کی کیا دلیل ہوگی۔

۴:۔ شیخ صاحب نے حسن بصری کا جو قول نقل کیا ہے اس میں لفظ نظر اللہ الیہ غلط ہے بلکہ قضی اللہ لہٗ ہونا چاہیئے تھا۔

۵:۔ حسن کا یہ دعویٰ کہ مجھ سے تیس صحابہ نے یہ بات بیان کی تو ان کا یہ جملہ بھی مشکوک ہے۔ کیونکہ اگر اس روایت کی سند بھی ثابت ہو جائے۔ تب بھی حسن بصری کا یہ دعویٰ قابلِ قبول نہیں۔ کیونکہ حسن مدلس ہیں اور عام طور پر درمیان سے کمزور راوی حذف کر کے اس قول کو صحابہ کی جانب منسوب کر دیتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں حدثنا ابوھریرۃ۔ حالانکہ ابو ہریرہؓ کو انھوں نے زندگی میں ایک بار بھی نہ دیکھا۔ اسی لیے امام احمد بن حنبل کا قول ہے۔

Marfat.com

مرسلات حسن بصریؒ

اضعف المرسلات مرسلات الحسن

سب سے کمزور ترین مرسلات حسن بصری کی مرسلات ہیں۔

امام حاکم معرفۃ علوم الحدیث میں فرماتے ہیں

ان الحسن لم یسمع من ابی ھریرۃ ولا من جابر ولا من ابن عمر ولا من ابن عباسؓ

معرفۃ علوم الحدیث ص۱۱۱

حسن بصری نے ابوہریرہؓ، جابرؓ، ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے کوئی حدیث نہیں سنی۔

حالانکہ یہ صحابہ ایک عرصہ دراز تک حیات رہے ہیں۔ یہی امام حاکم فرماتے ہیں۔

ان الحسن کثیرا ما کان یدخل بینہ وبین الصحابۃ اقواما مجھولین وربما دلس عن مثل عتی بن ضمرۃ وحنیف بن المنتجب وذغفل بن حنظلۃ وامثالھم

معرفۃ علوم الحدیث ص۱۰۹

حسن اکثر اپنے اور صحابہ کے درمیان مجہول لوگوں کو داخل کر دیتے ہیں اور لبسا اوقات عتی بن ضمرۃ، حنیف بن المنتجب اور ذغفل بن حنظلہ جیسے لوگوں کو درمیان سے گرا کر تدلیس کرتے ہیں۔

موضوع حدیث بیان کرنا حرام ہے

تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جھوٹی حدیث گھڑنا یا اسے بیان کرنا دونوں حرام ہیں۔ حتیٰ کہ بعض علماء تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ جو شخص جھوٹی روایت بیان کرنے کو حلال سمجھتا ہو وہ کافر ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے۔

Marfat.com

من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار

مسلم ج۔۱ص۸۔ ترمذی ج۔۲ ص۱۰۶

جس شخص نے مجھ پر عمداً جھوٹ بولا۔ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں تلاش کرے۔

امام نووی اِس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

یحرم روایۃ الحدیث الموضوع علی من عرف کذبہ موضوعا اوغلب علی ظنہ وضعہ فھو مندرج فی الوعید قال ولا فرق فی تحریم الکذب علیہ السلام بین ما کان فی الاحکام وما لا حکم فیہ کالترغیب والترھیب والوعظ وغیر ذلک من انواع الکلام فکلہ حرام من اکبر الکبائر واقبح القبائح باجماع المسلمین الذین یعتد بھم فی الاجماع الی ان قال وقد اجمع اھل الحل والعقد فکیف ممن قولہ شرع وکلامہ وحی والکذب علیہ ککذب علیہ تعالی قال عز وعلا وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى۔

مسلم ج۔۱ص۸

حدیث موضوع کا اِس شخص کے لیے روایت کرنا حرام ہے جو اس کے موضوع ہونے کو پہچانتا ہو یا اسے ظن غالب حاصل ہو تو وہ اس وعید میں داخل ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ احکام میں حضور پر جھوٹ بولنا حرام ہو اور غیر احکام میں جیسے ترغیب و ترہیب اور وعظ وغیرہ میں جائز ہو تو ایسا نہیں۔ سب صورتیں حرام ہیں اور سب سے بڑا گناہ اور سب سے قبیح ترین امر ہے اور اس پر تمام ان مسلمانوں کا اجماع ہے جن کا اجتماع قابلِ

اعتماد ہے اور تمام اہل حل وعقد اس پر متفق ہیں۔ بھلا جس کا ہر قول شریعت اور جس کا کلام وحی ہو اس پر جھوٹ بولنا ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنا۔ اللہ عزّ وجل کا ارشاد ہے۔ آپ خواہش نفس سے کلام نہیں کرتے وہ تو وہ وحی ہوتی ہے جو آپؐ کی جانب کی جاتی ہے۔

یہ بھی آپ حضرات اُوپر پڑھ چکے ہیں کہ روافض اور زنادقہ کی طرح صوفیاؒ بھی احادیث وضع کرنے میں پیش پیش تھے، اسی لیے محدثین کے نزدیک ان کی بیان کردہ احادیث ناقابلِ اعتبار ہیں اور جو صوفیاء احادیث وضع کرنے سے پرہیز کرتے وہ بھی اپنی لاعلمی اور غفلت کے باعث موضوع احادیث روایت کرتے تھے۔ کیونکہ وہ جو کچھ سُنتے اسے بلاتحقیق بیان کر دیتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع مسلم ج۔۱ ص۸

آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سُنی ہوئی بات بیان کرے۔"

"یہی سبب ہے کہ محدثین "قوت القلوب" "احیاء العلوم" "غنیہ" اور تصوف کی دیگر کتابوں میں مروی روایات کو ناقابلِ اعتبار سمجھتے ہیں اور کوئی حدیث اس وقت تک قابلِ قبول نہیں سمجھتے۔ جب تک وہ حدیث کی مشہور کتابوں میں سند صحیح کے ساتھ مروی نہ ہو اور ائمہ محدثین نے اس کی تصحیح نہ کی ہو۔ کیونکہ روافض زنادقہ اور قصہ گو صوفیاء نے لاتعداد احادیث وضع کی ہیں۔ عقیلی نے حماد بن زید المتوفی ۱۷۹ھ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

وضعت الزنادقۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اثنی عشر الف حدیث موضوعات کبیر ص۷۲ ملّا علی

زنادقہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بارہ ہزار احادیث وضع کیں۔

ابن عدی الجرجانی المتوفی ۳۶۵ھ نے اپنی کامل میں جعفر بن سلیمان سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے خلیفہ مہدی کو یہ کہتے سنا کہ ایک زندیق نے اسکے سامنے اس بات کا اقرار کیا کہ اس نے چار سو روایات وضع کر کے لوگوں میں پھیلائی ہیں (اتفاق سے یہ جعفر بھی اسی گروہ میں داخل ہے)

ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ کا بیان ہے کہ ایک شخص خلیفہ ہارون الرشید المتوفی ۱۹۲ھ کے سامنے پیش ہوا۔ جس پر احادیث وضع کرنے کا الزام تھا۔ خلیفہ نے اس کے قتل کا حکم دیا تو وہ بولا۔

یا امیر المؤمنین این انت عن اربعۃ الاف حدیث وضعتھا فیکم احوم فیھا الحلال واحل فیھا الحرام ما قال النبی علیہ السلام منھا حرفا۔

اے امیر المؤمنین آپ ان چار ہزار احادیث کا کیا کریں گے جو میں نے وضع کی ہیں۔ جن میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ایک حرف بھی نہیں فرمایا۔

اس پر ہارون الرشید نے جواب دیا۔

این انت یا زندیق عن عبد اللہ بن المبارک وابن اسحاق الغواریبری یخلونہ فینخوجانہ حرفا حرفا

موضوعات کبیر ص ۷۵ ملا علی۔

اے زندیق تو عبد اللہ بن المبارک ۱۸۱ھ اور ابن اسحاق الغواریری کو کیوں بھول گیا۔ وہ ان موضوعات کا ایک ایک حرف نکال باہر پھینک دیں گے۔"

عقیلی نے کتاب الضعفاء میں ذکر کیا ہے کہ یعلی بن عبد الرحمان الواسطی

Marfat.com

نے اپنی موت کے وقت اس بات کا اقرار کیا کہ اس نے حضرت علیؓ کی فضیلت میں ستر احادیث وضع کی ہیں۔

قرآن کی ہر ہر سورت اور ہر ایک آیت کی فضیلت میں ابن عباسؓ سے جتنی روایات مروی ہیں وہ سب نوح بن ابی مریم صوفی نے وضع کیں اور اس نے خود اس کا اقرار کیا۔

اسی طرح ابن عباسؓ کی وہ تفسیر جو ان سے ابو صالح کے ذریعہ مروی ہے سب کلبی کی وضع کردہ ہے جو آج تفسیر ابن عباسؓ کے نام سے مشہور ہے۔ ایسی صورت میں احادیث کے لیے کتنی احتیاط اور کتنی تحقیق کی ضرورت ہوگی۔

قارئین کرام اس کا خود اندازہ فرمالیں نہ کہ جو منہ میں آیا اسے حضورؐ کی جانب منسوب کر دیا جائے۔ تبلیغی جماعت کے ایک ایسے عالم نے کہ جو ایک عربی مدرسہ میں ایک مدت دراز تک درس دیتے رہے اور اب بھی ایک دوسرے مدرسہ میں اس کام کو انجام دے رہے ہیں۔ مجھ سے فرمایا تھا حدیث موضوع اور جھوٹی کیوں نہ ہو۔ جب اس کی حضورؐ سے نسبت ہو گئی تو وہ بھی ہمیں محبوب ہے۔

ان حضرت نے یہ نہ سوچا کہ حضورؐ کی جانب اس کی نسبت کرنا جہنم کا ایک ذریعہ ہے۔ اسی طرح میں نے متعدد تصوف زدہ علماء کو یہ کہتے سنا کہ جب ان سلسلوں کی حضورؐ کی جانب نسبت ہو گئی (خواہ وہ غلط ہوں) تو ہمارا بھی حضورؐ سے روحانی تعلق پیدا ہو گیا۔

تعجب ہے کہ جو سلسلے اور سندات صحت کے ساتھ ثابت ہیں ان کے ذریعہ تو روحانی تعلق پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن جھوٹے سلسلوں اور جھوٹی نسبتوں سے یہ تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ ضرور پیدا ہوتا ہوگا۔ لیکن حضورؐ سے نہیں بلکہ شیاطین سے۔

جوزقانی کی روایت

انبانا ابراهیم بن محمد الاوزجی انبانا الحسین بن

Marfat.com

ابراهیم انبانا ابوالحسین علی بن محمد بن حسین
الکرجی نا ابوعبد اللہ الحسین بن علی بن محمد
الخطیب انبانا الحاکم ابوالقاسم عبد اللہ بن
علی بن احمد الحسکانی حدثنی ابوالقاسم عبد
الخالق بن علی المؤذن حدثنا ابوجعفر محمد بن
بسطام القومسی نا ابوجعفر احمد بن محمد بن
جابر نا احمد بن عبد الکریم نا خالد الحمصی عن
عثمان بن ابی سعید بن کثیر عن محمد بن المهاجر
عن الحکم بن عتیبة عن ابراهیم قال قال علی
بن ابی طالب رضی اللہ عنہ رایت رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم لیلة النصف من شعبان قام فصلی
اربع عشرة رکعة ثم جلس بعد الفراغ فقرأ بام
القرآن اربع عشرة مرة و قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اربع
عشرة مرة و قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ اربع عشرة مرة
و آیة الکرسی مرة ولقد جاءکم رسول الآیة فلما
فرغ من صلوته سألته عما رایته من صنعه !
فقال من صنع مثل الذی رایت کان له کعشرین
حجة مبرورة وکصیام عشرین سنة مقبولة فان
اصبح فی ذلک الیوم صائما کان کصیام ستین
سنة ماضیة وسنة مستقبلة۔

ہم سے ابراہیم بن محمد الارجی نے بیان کیا، ان سے حسین بن
ابراہیم نے، ان سے ابوالحسین علی بن محمد بن حبیب الکرجی نے
ان سے ابوعبد اللہ الحسین بن علی بن محمد الخطیب نے، ان سے

حاکم ابو القاسم عبداللہ بن احمد الحسکانی نے! ان سے ابوالقاسم عبدالخالق بن علی المؤذن نے، ان سے ابوجعفر محمد بن لبطام القومسی نے، ان سے ابوجعفر احمد بن محمد بن جابر نے، ان سے احمد بن عبدالکریم نے ان سے خالد الحمصی نے وہ عثمان بن ابی سعید بن کثیر سے روایت کرتے ہیں وہ محمد بن مہاجر سے وہ حکم بن عتیبہ سے وہ ابراہیم سے، ابراہیم کہتے ہیں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نصف شعبان کی شب میں دیکھا۔ آپؐ کھڑے ہوتے اور چودہ رکعت نماز پڑھی۔ پھر نماز سے فراغت پاکر آپؐ بیٹھ گئے اور چودہ بار سورۂ فاتحہ، چودہ۔ بار قل ہو اللہ، چودہ بار قل اعوذ برب الفلق، چودہ بار قل اعوذ برب الناس اور ایک بار آیۃ الکرسی تلاوت فرمائی۔ پھر ایک بار یہ آیت تلاوت کی۔ ولقد جاءکم رسول آخر آیت تک۔ جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے۔ میں نے آپؐ کو جو کچھ کرتے دیکھا تھا اس کے بارے میں سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا جس شخص نے اس طرح عمل کیا جس طرح تو نے مجھے کرتے دیکھا ہے۔ اسے بیس مقبول حج اور بیس سال کے مقبول روزوں کا ثواب ملے گا اور جو شخص اس روز صبح کو روزہ رکھے گا وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے ساٹھ سال قبل اور ساٹھ سال آئندہ کے روزے رکھے ہوں۔

امام ابن الجوزی اسے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

هذا موضوع ایضا واسناده مظلم وکان واضعه یکتب من الاسماء ما وقع له ویذکر قوما ما یعرفون وفی الاسناد محمد بن مهاجر قال ابن حنبل یضع الحدیث

وقد رویت صلوات اخر موضوعۃ فلم ار التطویل بذکرہ
الا لخفی بطلانہ۔ موضوعات ابن جوزی ج-۲ ص۱۳۰

یہ حدیث موضوع ہے اور اس کی سند تاریک ہے اس کا وضع کرنیوالا جو بھی نام خیال میں آتا گیا ہے وہ لکھتا چلا گیا ہے اور ایک ایسی جماعت کے اس نے نام لیے ہیں جنہیں کوئی نہیں جانتا اور اس کی سند میں محمد بن مہاجر بھی ہے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں وہ احادیث وضع کرتا تھا۔ اس سلسلہ میں اور بھی موضوعات مروی ہیں۔ میں نے طوالت کے خوف سے انھیں نظر انداز کر دیا ہے۔ اور صرف ان روایات کا ذکر کیا جن کا بطلان ظاہر نہ تھا۔

حافظ ابن عراق الکنانی اپنی "التنزیہ الشریعۃ فی احادیث الشنیعۃ الموضوعۃ" میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

واسنادہ مظلمۃ وفیہ محمد بن مہاجر تنزیہ الشریعہ ج-۲ ص۹۳

اس کی سند تاریک ہے اور اس میں محمد بن مہاجر ہے۔

امام بیہقی شعب الایمان میں اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔

یشبہ ان یکون موضوعاً "تنزیہ ج-۲ ص۹۳

یہ موضوع ہونے کے لائق ہے

امام ذہبی محمد بن مہاجر کے حال میں لکھتے ہیں۔

محمد بن مہاجر شیخ متاخر وضاع ھو الطالقانی
یعرف باخی حنیف یروی عن ابی معاویۃ وغیرہ کذبہ
صالح جزرۃ وغیرہ میزان الاعتدال ج-۴ ص۳۹

محمد بن مہاجر متاخرین میں سے وضاع الحدیث ہے یہ محمد بن مہاجر طالقانی ہے جو حنیف کے بھائی کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ ابو معاویہ وغیرہ سے روایت کرتا ہے۔ صالح جزرہ وغیرہ نے اسے

کذاب کہا ہے

ابن حبان المتوفی ۳۵۴ھ اور ابوالفضل المقدسی المتوفی ۵۰۷ھ فرماتے ہیں کہ وہ احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ اس روایت میں محمد بن مہاجر کے علاوہ بقیہ تمام رواۃ مجہول ہیں۔

نیز کوئی ابراہیم نامی ایسا شخص نہیں ہے جس نے حضرت علیؓ سے روایات سُنی ہوں اور ابراہیم لاتعداد ہیں۔ جب تک اس کا اتا پتا معلوم نہ ہو اُسے کیسے قبول کیا جا سکتا ہے۔ تعجب ہے کہ ایک روزہ اور ایک نماز سے زندگی بھر کے روزوں سے چھٹکارا مل گیا۔ پاکستانیوں کو تو بغیں بجانی چاہئیں۔ دین اسلام میں ایسا سستا سودا نہیں پایا جاتا۔ ہاں دین صرفیار میں پایا جاتا ہو تو جداگانہ بات ہے

باقرؒ کی روایت

انبانا محمد بن ناصر انبانا ابو علی بن البناء انبانا ابو عبد اللہ الحسین بن عمر العلاف نا ابو القاسم الشامی نا علی بن بندار البزدعی نا ابو یوسف یعقوب بن عبد الرحمن نا محمد بن عبید اللہ قال سمعت ابی یقول نا علی بن عاصم عن عمرو بن مقدام عن جعفر بن محمد عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قرأ لیلۃ النصف من شعبان الف مرۃ قل ھو اللہ احد عشر مرات لم یمت حتی یبعث اللہ الیہ مائۃ ملک ثلاثون یبشرونہ بالجنۃ وثلاثون یؤمنونہ من النار وثلاثون یقومونہ ان یخطئ وعشرا ملاد یکتبون اعداءہ

موضوعات ابن الجوزی ج ۲ ص ۱۲۸

Marfat.com

ہم سے محمد بن ناصر نے بیان کیا۔ ان سے ابو علی بن البناء نے ان سے ابو عبداللہ الحسین بن عمر العلاف نے ان سے ابوالقاسم الغانی نے ان سے علی بن بندار البروعی نے، ان سے ابو یوسف یعقوب بن عبدالرحمان نے، ان سے محمد بن عبیداللہ نے۔ اس سے اس کے باپ نے اس سے علی بن عاصم نے وہ عمرو بن مقدام سے روایت کرتا ہے۔ وہ جعفر بن محمد سے وہ اپنے والد سے یعنی باقر سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے نصف شعبان کی شب میں ایک ہزار دس بار قل ہو اللہ احد پڑھی۔ وہ اس وقت تک نہ مریگا جب تک اللہ تعالیٰ اس کے پاس سو فرشتے نہ بھیجے۔ تیس تو اسے جنت کی بشارت دیں گے، تیس اسے جہنم سے امن دیں گے، تیس اسے خطاؤں سے بچائیں گے اور دس اس کے دشمنوں کو لکھیں گے۔

ابن الجوزی اس روایت کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

هذا حديث لا نشك انه موضوع وجميع رواته مجاهيل وفيهم ضعفاء

اس حدیث کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں اور اس کے تمام راوی مجہول اور ضعیف ہیں۔

اس کے تمام روات مجہول ہونے کے علاوہ یہ روایت باقر پر ختم ہو جاتی ہے اور آگے کی سند غائب ہے۔ کیونکہ باقر یا زین العابدین تو کجا حضرت حسینؓ نے بھی حضورؐ سے کوئی روایت نہیں سنی۔

نیز جعفر بن محمد ۱۴۸ھ یعنی جعفر صادق کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام مالک ۱۷۹ھ اور امام بخاری ۲۵۶ھ نے ان سے روایت نہیں لی اور یحیی بن سعید القطان ۱۹۸ھ نے انھیں ضعیف قرار دیا ہے (میزان ج ۔ ۱ ص ۴۱۷) اور حب،

Marfat.com

یہ روایت منقطع ہوئی تو کیسے قابلِ قبول ہو گی۔

جعفر سے روایت کرنے والا عمرو بن مقدام نام کا اسماء الرجال میں کوئی فرد بشر نہیں پایا جاتا۔ اور عمرو بن مقدام سے نقل کرنے والا علی بن عاصم ۲۰۱ھ ہے۔ ابن حجر فرماتے ہیں۔

یخطئ ویصر علیٰ بالتشیع تقریب ص ۲۴۷

خطا کرتا ہے اور پھر اس پر اصرار بھی کرتا ہے اور اس پر تشیع کا الزام ہے۔

امام ذہبی میزان میں لکھتے ہیں۔ یزید بن ہارون ۲۰۶ھ فرماتے ہیں۔

مازلنا نعرفہ بالکذب وقال ابن معین لیس بشیئ و قال النسائی متروک الحدیث وقال البخاری لیس بالقوی عندھم یتکلمون فیہ میزان ج ۳ ص ۱۳۶

ہم ہمیشہ اسے جھوٹا سمجھتے رہے ہیں۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں وہ کچھ نہیں۔ نسائی کہتے ہیں متروک الحدیث ہے۔ بخاری کہتے ہیں وہ محدثین کے نزدیک قوی نہیں۔ انھوں نے اس میں کلام کیا ہے۔

فرضی نمازوں کی معنوی حیثیت

اب ان فرضی نمازوں کی معنوی حیثیت پر غور فرمائیے

۱۔ شب برات میں سو رکعت نفل ادا کرنے سے بدبخت انسان سعادتمند ہو جاتا ہے۔ حالانکہ سعادت عمل صالح پر موقوف ہے اور اس کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ مرتے دم تک عمل صالح پر قائم رہے اور اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت پر موقوف ہے۔ یعنی عمل صالح سے ایک ظن غالب تو ضرور پیدا ہوتا ہے لیکن اسے یقینی ذریعہ تصور نہیں کیا جا سکتا۔ کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ کسی گناہ کی پاداش میں اسے رد فرما دیں یا اس میں دنیا ہی مطلوب ہو تو ایسی صورت میں ایک رات کے نوافل سے ہمیشہ کی سعادت کیسے حاصل ہو گی۔

Marfat.com

۲:- اس نماز کو ادا کرنے والے کے لیے ستر ہزار فرشتے نیکیاں لکھتے رہتے برائیاں مٹاتے رہتے اور درجات بلند کرتے رہتے ہیں اور آئندہ شب برات تک یہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہوا کہ اگر کوئی شخص پورے سال بھی گناہ کرتا رہے گا تب بھی اس کا فائدہ ہی فائدہ ہے۔ کیونکہ ستر ہزار فرشتے اس کی برائیاں مٹانے میں مصروف رہتے ہیں۔ حالانکہ انسان دن بھر میں زیادہ سے زیادہ جتنی بھی برائیاں کر سکتا ہے اگر وہ دل کھول کر کرے تو اس کے مٹانے کے لیے ایک فرشتہ بھی کافی ہے۔ دراصل اس قسم کی روایات اسلام کا مذاق اڑانے کے لیے وضع کی گئی ہیں۔ حالانکہ برائیاں مٹانا اور درجات بلند کرنا فرشتوں کا فعل نہیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ فرشتوں کا کام تو صرف اتنا ہے کہ انسان جو فعل انجام دے یا جو الفاظ زبان سے نکالے اُسے تحریر کریں ارشاد ربانی ہے۔

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۝ ق

انسان جو لفظ بھی زبان سے نکالتا ہے تو اس کے پاس ایک سخت نگہبان ہوتا ہے۔

اور ارشاد ہے۔

كِرَامًا كَاتِبِينَ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۝ مطففین

معزز کاتبین وہ تمام باتیں جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔

۳:- اعمال لکھنے والے فرشتے صرف دو ہوتے ہیں نہ کہ ستر ہزار

۴:- ہم جب موضوعات پر غور کرتے ہیں تو بکثرت روایات میں ستر کا عدد نظر آتا ہے۔ کہیں صرف ستر ہوتا ہے، کہیں ستر ہزار اور کہیں ستر لاکھ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کے واضعین کسی مخصوص طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اور ان سب کے تخیلات ایک ہیں۔ یا تو یہ اول درجہ کے زندیق ہیں جن کا مقصود اسلام کی بیخ کنی ہے یا اول درجہ کے جاہل اور احمق ہیں اور ممکن ہے کہ دونوں ہی

Marfat.com

صورتیں پائی جاتی ہوں۔

۱۵۔ ہم جب اس پر غور کرتے ہیں کہ فرائض کا درجہ نوافل سے بڑھ کر ہے لیکن کسی فرض کے بارے میں حضورؐ نے اس قسم کا کوئی ارشاد نہیں فرمایا تو نوافل پر اتنا اجر کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ تو اس لحاظ سے یہ تمام لغویات خود بخود باطل ہو جاتی ہیں۔

۱۶۔ نوافل میں سب سے اعلیٰ مقام شب قدر کی نوافل، رمضان کی تراویح اور تہجد کی نماز کا ہے۔ لیکن ان نمازوں میں سے کسی نماز کے بارے میں حضورؐ نے اس قسم کی کوئی بات نہیں فرمائی۔ بلکہ رمضان اور لیلۃ القدر کی عبادت کے سلسلے میں صرف اتنی بات فرمائی۔

من قام رمضان ایمانا واحتسابا غفرلہ ما تقدم من ذنبہ۔ مسلم ج۔ ا ص ۲۵۹، بخاری ج۔ ا ص ۲۶۹ نسائی ج۔ ا ص ۲۲۱ ابوداؤد ج۔ ا ص ۲۰۱

جس نے بھی رمضان میں ایمان لاتے ہوئے اور ثواب کی غرض سے قیام کیا اس کے گذشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

نیز فرمایا۔

من قام لیلۃ القدر ایمانا واحتسابا غفرلہ ما تقدم من ذنبہ نسائی ج۔ ا ص ۲۲۲، مسلم ج۔ ا ص ۲۵۹ بخاری ج۔ ا ص ۲۷۰، ابوداؤد ج۔ ا ص ۲۰۱

جس نے لیلۃ القدر میں ایمان لاتے ہوئے اور ثواب کی غرض سے قیام کیا اس کے گذشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

سوچیئے اور غور کیجئے کہ جس شب کی فضیلت قرآن نے بھی بیان کی حضورؐ نے اس کی فضیلت میں صرف چند جملوں پر اکتفا فرمایا۔ لیکن جس رات کا کوئی ثبوت ہی نہیں اس کے لیے کیا کیا خرافات وضع کی گئیں۔ ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان تمام امور سے غرض لیلۃ القدر کی عظمت گھٹانا اور لوگوں سے رمضان کی عبادت ترک

Marfat.com

کرنا مقصود ہے۔ کیونکہ ان وضعی فضائل کی رُو سے شب برارت کا مقام لیلۃ القدر سے لاکھوں گنا بڑھ جاتا ہے اور ایک اعلیٰ شے کو چھوڑ کر ادنیٰ شے کو اختیار کرنا ایک انتہائی احمقانہ فعل ہے۔

۷:۔ ہماری موجودہ سیاست کا ایک اصول ہے کہ جھوٹ اس حد تک بولو کہ لوگ اسے حقیقت سمجھ لیں۔ غالباً یہ اصول صوفیاء کی انھی کہانیوں سے حاصل کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں اہل سیاست کے پیشوا اصل یہی لوگ ہیں۔ الفضل للمتقدم۔

۸:۔ اگر کوئی فرض ترک ہو جاتے تو اس کا گناہ بندے کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوتا۔ تاوقتیکہ اس فرض کو ادا نہ کر لے کجا کہ فرضی نفلوں سے تمام سال نیکیاں لکھی جانا اور گناہ مٹائے جانا یہ خلاف عقل و نقل ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں کا انتقال ہو گیا اور اس کے ذمہ کچھ فرض روزے باقی تھے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اگر اس کے ذمہ کچھ قرض ہوتا تو کیا تو اُسے ادا نہ کرتا۔ اس نے عرض کیا ضرور ادا کرتا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

فدین اللہ احق ان یقضیٰ بخاری ج ۱ ص ۲۶۲،
مسلم ج ۱ ص ۳۶۲

اللہ کا قرض اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ حقوق العباد قطعاً معاف نہیں ہوتے اور نہ فرائض الٰہی معاف ہو سکتے ہیں۔ بلکہ مرنے کے بعد بھی مرنے والے کے وارث اسے ادا کریں گے، خواہ روزہ رکھ کر یا ابو حنیفہ کے نزدیک فدیہ دے کر وہ ستر ہزار فرشتے جو برائیاں مٹانے پر مامور کئے گئے تھے یا وہ ستر ہزار فرشتے جو نیکیاں لکھنے پر متعین تھے کہاں چلے گئے تھے جو حضورؐ نے اس کا ذکر نہیں کیا یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم نہ تھا۔ عیاذاً باللہ ہر دو صورت میں

Marfat.com

یہ تمام کہانیاں باطل قرار پاتی ہیں۔ دراصل اس قسم کی تمام روایات بے دینی پھیلانے کے لیے وضع کی گئی ہیں۔

۹:۔ حافظ بیچارہ سالہا سال تک محنت کر کے قرآن حفظ کرتا ہے تو اس کے لیے ارشاد رسولؐ ہے۔

من قراء القرآن فاستظهره فاحل حلاله وحرم حرامه ادخله الله به الجنة وشفعه فی عشرة من اهل بيته كلهم قد وجبت له النار ترمذی ج ۲ ص ۱۳۴

جس نے قرآن پڑھا اور اس پر غور کیا اور اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام گردانا۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا اور اس کے گھر والوں میں سے ایسے دس آدمیوں کی شفاعت قبول فرمائے گا جن کے لیے جہنم واجب ہو چکی ہو گی۔

اس غریب بے چارہ کو اتنی محنت شاقہ کے بعد صرف دس آدمیوں کی شفاعت کی اجازت دی جاتی ہے اور وہ بھی اس شرط سے کہ قرآن کے مفہوم اور معانی کو سمجھ کر اس پر عامل بھی ہو اس کے حلال کردہ امور کو حلال مانے اور اس کے حرام کردہ امور کو حرام مانے۔ نہ زندگی میں کسی حرام کا ارتکاب کیا ہو اور نہ کسی حلال شے کو اپنی طبیعت سے اپنے اوپر حرام کیا ہو۔ تب اسے دس آدمیوں کی شفاعت کی اجازت ہو گی۔ لیکن وہ شخص جو شب برات میں سو رکعت فرضی نفلیں پڑھے خواہ وہ تمام زندگی دل کھول کر گناہ کرتا رہے تو اس کا مقام توہم و ادراک سے بھی بالاتر ہے۔ بلکہ اس کے ماں باپ کو بھی یہ حق دیا جائیگا کہ وہ تین بار ستر ستر ہزار انسانوں کی شفاعت کر سکتے ہیں۔ یعنی ان میں سے ہر ایک دو لاکھ دس ہزار انسانوں کی۔ گویا کہ مجموعی تعداد چار لاکھ بیس ہزار ہو گی اور ان کی شفاعت بھی قبول ہو گی۔ اس لحاظ سے ہمیشہ یہ نماز پڑھنے والا غالباً پوری نسل انسانی کو اپنے ساتھ جنت میں لے جائے گا۔

Marfat.com

کیونکہ جب سال بھر تک اس کی کوئی برائی نہیں لکھی گئی۔ بلکہ اس کے برعکس اس کی نیکیاں لکھی جاتی رہیں اور درجات بلند ہوتے رہے اور بلا محنت مزدوری ملتی رہی۔ گویا یہ ایک رشوت تھی جسے ادا کر کے پورے سال کا ٹیکس جو عبادت کی صورت میں اس پر عائد تھا معاف کرا لیا گیا۔ حتیٰ کہ کراماً کاتبین کو بھی اس کی بدعملی لکھنے کی ممانعت کر دی گئی۔ کیا خوب اللہ کا انصاف ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ

اللہ تعالیٰ ایک ذرّہ کے برابر بھی ظلم نہیں فرماتا۔

اگر اسی کا نام انصاف ہے تو پھر ظلم کی تعریف کیا ہو گی۔ اس کا فیصلہ خود قارئین فرمالیں۔ ہمارے نزدیک تو اللہ تعالیٰ ظلم سے منزہ ہے اور ظالم وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ بولتے ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ط اعراف

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ بولے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُکُمُ الْکَذِبَ ھٰذَا حَلٰلٌ وَّ ھٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ ہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ہ نحل

اپنی زبان سے تم جو یہ باتیں کہتے ہو کہ فلاں شے حلال ہے اور فلاں حرام اور اس طرح اللہ پر جھوٹی تہمتیں لگاتے ہو۔ وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔

۹:۔ ان روایات سے ایک نئی بات یہ معلوم ہوتی کہ بیچارے فرشتے معماری کی خدمات بھی انجام دیتے ہیں۔ وہی جنت کے محل تیار کرتے ہیں تو عرض یہ ہے کہ مالی گیری اور مزدوری کی خدمات کون انجام دیتا ہے؟ اینٹیں کون بناتا ہے اور انھیں ڈھو کر کون لاتا ہے؟ پوری بات واضح ہونی چاہیئے تھی۔ یا ان شیاطین کو اس کا علم نہ تھا۔ لیکن انھیں شاید یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان تمام احتیاجات

سے منزہ ہے اس کے ہاں نہ کوئی معمار ہے نہ کاریگر۔ وہاں تو صرف ایک حکم کی دیر ہے۔

اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۝ بقرۃ

وہ جب کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔

۱۰۔ قارئین کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ جنت کے محل فرشتوں کی تعمیر کا نتیجہ نہیں ہوتے اور نہ وہاں کے درخت کسی باغبان کی کاریگری کا ثمرہ ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ سب انسان کی کاریگری اور ہنرمندی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ انھیں انسان اپنے ہاتھوں تیار کرتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جنت کی زمین بنجر ہے (نہ اس میں کوئی پودا ہے نہ کوئی محل)

وَغَرْسُھَا سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ ۝ ترمذی ج۔۲ ص۲۰۶

اس کے پودے سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر ہیں۔

جب ان تسبیحات سے جو ایک نفلی کام ہے جنت میں پودے اگ آتے ہیں اس سے اندازہ فرمایا لیجیے کہ فرائض کے ذریعہ لازماً محلات تیار ہوتے ہوں گے۔ اعمال صالحہ میں سے کچھ اعمال زیب و زینت کا ذریعہ ہوں گے۔ یعنی یہی اعمال ہیں جو ایک تمثیلی صورت اختیار کر لیں گے۔ اگر اعمال نہیں تو جنت کی زمین بنجر ہے۔ نہ اس میں حوریں ہیں، نہ غلمان، نہ نہریں ہیں، نہ باغات، نہ محلات ہیں اور نہ شرابِ طہور۔

۱۱:۔ "صحیح بخاری" میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آکر عرض کیا یا رسولؐ اللہ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جو جہاد کے برابر ہو (یعنی میں جہاد میں شرکت کئے بغیر اس کا اجر حاصل کر سکوں) آپؐ نے فرمایا۔

ھل تستطیع اذا خرج المجاھد ان تدخل مسجدک

فتقوم ولا تفتر وتصوم ولا تفطر قال ومن يستطيع

ذالك ۔ بخاری ج ۱ ص ۳۹۱ ، مسلم ج ۲ ص ۱۳۴

کیا تو اس کی طاقت رکھتا ہے کہ جب مجاہد گھر سے نکلے تو تُو اپنے مصلّے پر پہنچ کر نماز کے لیے قیام کرے اور روزہ رکھ لے اور جب تک مجاہد واپس نہ آجائے اس وقت تک نہ نماز کا سلام پھیرے اور نہ روزہ افطار کرے۔

دُنیا جانتی ہے کہ شہادت کا درجہ جہاد سے بلند تر ہے بلکہ جہاد تو شہادت کا ایک ذریعہ ہے اور حضورؐ فرماتے ہیں۔ ایسا کوئی عمل نہیں جو جہاد کے مساوی ہو سکے۔ اگر جہاد کے مساوی کوئی عمل ہو سکتا ہے تو وہ عمل صرف ایک ہے کہ جس وقت مجاہد جہاد کے لیے نکلے اور جب تک واپس نہ آئے۔ خواہ پچاس سال کیوں نہ گزر جائیں۔ اس وقت سے ایک انسان روزہ رکھ کر نماز کی نیت باندھ لے اور جب تک مجاہد واپس نہ آجائے اس وقت تک نہ تو نماز کی نیت توڑے اور اور نہ روزہ افطار کرے۔ تو ایسا شخص تو جہاد کا ثواب حاصل کر سکتا ہے اور جس طرح یہ عمل محال ہے اسی طرح جہاد کیے بغیر جہاد کا ثواب حاصل کرنا بھی محال ہے۔

حضورؐ کے اس فرمان پر غور کیجئے اور سوچیئے کہ ایک فرضی شب میں ایک فرضی نماز ادا کرنے سے سو شہیدوں کا اجر ملتا ہے۔ گویا اگر اس نے دو رکعت بھی پڑھ لیں تو ایک شہید کا اجر اُس نے حاصل کر لیا۔ قربان جائیے ان صوفیاء پر کہ جہاد سے فرار کا کیا بہترین طریقہ اختیار کیا ہے۔ یہ بھی سوچیئے کہ ابتدائی دور میں مسلمانوں کی تمام شان و شوکت اور ان کا رعب و دبدبہ اسی جہاد کا رہینِ منت تھا اور اُسی جہاد کی اس فرضی نماز کے ذریعہ جڑ کاٹی جا رہی ہے۔

آپ حضرات یہ بھی ذہن نشین رکھیں کہ یہ نمازیں جیسا کہ محدثین نے بیان کیا ہے ۴۸ھ میں بیت المقدس میں وضع کی گئیں اور ۴۹۰ھ میں بیت المقدس پر عیسائیوں

نے قبضہ کر لیا یہ ان کا آخری قبضہ تھا ورنہ اس صلیبی جنگ کی ابتدا اس سے پیشتر ہو چکی تھی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ نمازیں عیسائیوں کی سازش سے تیار کی گئی ہوں اسی لیے لوگوں کو نماز اور چلہ کشی کا درس دے کر اپنی فتوحات کا دروازہ کھولا گیا ہو

یہ بھی ممکن ہے کہ اس میں عیسائیوں کی سازش کو دخل نہ ہو بلکہ یہ ایک ایرانی سازش ہو اور یہ اسی سازش کا ایک ذریعہ ہو جو ابن سبا، ابو مسلم خراسانی اور برامکہ کے ذریعہ ظہور میں آئی اور برابر اندرون خانہ پھیلتی رہی جس کے نتیجہ میں مصر میں خلافت بنی فاطمہ قائم ہوئی اور جب ۵۷۰ھ میں عماد الدین زنگی نے عیسائیوں پر حملہ کیا اور صلاح الدین جو اس وقت مصر میں موجود تھا اس کو لکھا کہ مصر سے فوج لے کر تم دشمن کی پس پشت سے حملہ آور ہو تو عین اس وقت جب صلاح الدین نے کوچ کا ارادہ کیا تو فاطمیوں نے بغاوت کر دی اور عیسائیوں سے ساز باز کر لی جس کے نتیجہ میں صلاح الدین نے فاطمی خلافت کو ختم کیا اور پھر ۵۸۳ھ میں بیت المقدس فتح کیا۔

یہ وہی سازش ہے جو حضرت عثمان غنی کے خلاف کی گئی تھی اور اسی سازش کے ذریعہ ہزار ہا روایات وضع کر کے مسلمانوں کو جہاد سے متنفر اور دین سے بیزار بنایا گیا۔ جس کے نتیجہ میں چلہ کشی، خرقہ پوشی اور مجاورت وجود میں آئی جیسے بیعت اور شجرات کے ذریعہ فاطمی حکومت، خلافت بنی عبید اور قرامطیوں کی حکومت عمل میں آئی۔ یہ تمام امور عجمی سازش کا نتیجہ ہیں اور آج تک اُمّت مسلمہ کو اس سے چھٹکارا نہیں ملا۔ بلکہ اب تو علماء بھی اس سازش کا شکار ہو چکے ہیں

۱۲۔ یہ اجر تو سو رکعت پر ہے اور اگر کوئی چودہ رکعت نماز پڑھے تو اُسے بیس مقبول حج اور بیس سال کے روزوں کا اجر مل جائے گا اور اگر اتفاق سے پندرہ شعبان کا روزہ بھی رکھ لیا تو اسے ایک سو بیس سال کے روزوں کا ثواب ملیگا کیا سستا سودا ہے کہ ایک روزہ رکھ لیا اور زندگی بھر کے لیے نجات مل گئی۔ ایک نماز پڑھ لی حج کا اجر بھی حاصل ہو گیا شہادت بھی مل گئی نہ تکلیف اُٹھانی

پڑی نہ پیسہ خرچ کرنا پڑا۔ گھر بیٹھے بیٹھے ہر شے کا پروانہ مل گیا۔

۱۳:۔ باقر رضہ کی روایت میں ہے کہ تیس فرشتے اسے خطاؤں سے محفوظ رکھنے کے لیے مامور کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ خطا و نسیان سے تو انبیاء بھی معصوم نہیں ہوتے حضرت آدمؑ سے بھی خطا ہوئی، حضرت یونسؑ سے بھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد خطائیں تو قرآن میں مذکور ہیں۔ ہاں انبیاء گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ شیعوں کے نزدیک چونکہ انکے امام معصوم عن الخطا ہوتے ہیں تو ممکن ہے کہ ان کے طریقۂ کار پر چلنے والا بھی معصوم ہو۔

۱۴:۔ باقر کی روایت میں ہے کہ جو شب برات میں ایک ہزار قل ہو اللہ پڑھے تو مرنے سے قبل تیس فرشتے آکر اُسے جنت کی بشارت دیتے ہیں اور تیس اسے دوزخ سے امن دیتے ہیں۔ ہمیں تو اس کا قطعاً علم نہیں۔ ہاں آئندہ مرتے ہوتے کسی شب برات سے ضرور پوچھیں گے کہ اب تجھے کتنے فرشتے نظر آرہے ہیں۔

۱۵:۔ جب گرمیوں میں رات چھوٹی ہوتی ہے تو عشار کے بعد سے صبح صادق تک صرف چھ ساڑھے چھ گھنٹے کا وقفہ ہوتا ہے۔ اگر فی رکعت دو منٹ رکھے جائیں تو سو رکعت کے لیے دو سو منٹ درکار ہوتے ہیں۔ اس طرح سے تعداد پوری کرنے کے لیے وقفہ تو ضرور مل جائے گا۔ لیکن دو منٹ میں سورۂ فاتحہ اور دس بار قل ہو اللہ پڑھنا ممکن نہیں۔ پھر رکوع و سجود اور قومہ کس طرح ادا کیا جائے گا۔ اگر ان میں جلدی کی گئی جیسا کہ عام مرض ہے تو حضورؐ کا ارشاد ہے۔

لَا تنقروا کنقرۃ الغراب ابوداؤد ج۔۱ ص ۱۳۲

کوّے کی طرح ٹھونگے نہ مارو

نیز آپؐ نے صحابہ سے دریافت کیا۔ تم جانتے ہو کہ سب سے بدترین چور کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا۔ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔

من لا یتم الرکوع ولا السجود مؤطا امام مالک ص ۵۹

جو رکوع اور سجدہ پورا نہ کرے۔

نیز صحابہ نے آپؐ کی نماز کی کیفیت یہ بیان کی ہے

قیامہ ورکوعہ وسجودہ سواء

آپؐ کا قیام اور رکوع وسجود مساوی ہوتے

یہی صورتحال تلاوت قرآن کے ساتھ ہوگی کہ وہ آرام وسکون کے ساتھ پڑھا گیا یا اس کے گلے پر چھری پھیری گئی۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔

رب قال یقراء القرآن والقرآن یلعنہ

بہت سے قرآن پڑھنے والے قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن اُن پر لعنت بھیجتا ہے۔

ان امور کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اگر یہ سو رکعات ادا کی گئیں تو کم از کم ہر رکعت کے لیے پانچ منٹ درکار ہوں گے اور اس صورت میں پوری رات میں پچاس رکعات بھی ادا نہ ہو سکیں گی اور اگر ان امور کا قطعاً خیال نہیں کیا گیا تو وہ نماز نماز نہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک مذاق ہے۔

وَلَا تَتَّخِذُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ھُزُوًا

اور اللہ کی آیات کا مذاق نہ بناؤ

۱۶۔ غور فرمائیے کہ کہیں ایسا ہوتا ہے کہ جتنے دربان ہوں اتنے ہی داروغہ ہوں یعنی ہر چوکیدار پہ ایک افسر ہو۔ ایسا دنیا میں کہیں نہیں ہوتا۔ لیکن راوی کہتا ہے کہ ستر ہزار دربانوں پر ستر ہزار داروغہ ہوں گے۔ حالانکہ افسران کی تعداد ہمیشہ کم ہوتی اور ماتحتوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے یہ روایت وضع کرنے والے یا تو اول درجہ کے احمق تھے جنہیں کسی بات کی خبر نہیں تھی یا پکے چالاک بدمعاش تھے جو دوسروں کو بیوقوف بنا کر چلے گئے۔

راوی کہتا ہے کہ قل ہو اللہ کے ہر حرف کے بدلے ستر ہزار حوریں۔

Marfat.com

ستر ہزار سنگار کرنے والیاں، ستر ہزار سنگار کرنے والے، ستر ہزار لڑکے، ستر ہزار دربان، ستر ہزار داروغہ اور ستر ہزار غلام ملیں گے۔ یہ تو صرف ایک حرف کا صلہ ہے اور سورہ اخلاص میں چھیالیس حروف ہیں اور اس سورت کو رات بھر میں ایک ہزار بار پڑھنا ہے۔ اس کا اندازہ ایک رات میں بیس کھرب حوروں سے زیادہ ہوگا اور اسی تعداد میں دربان، داروغہ، غلام، لڑکے وغیرہ ہوں گے اور اگر کوئی شخص زندگی بھر اس نماز کو پڑھتا رہا تو اس کی تعداد کا اندازہ قارئین خود فرمالیں اور اگر قارئین سے اس کا حساب ممکن نہ ہو تو کمپیوٹر درآمد کرلیں

۱۷۔ راوی کہتا ہے۔

ان اللہ یبعث فی کل ساعۃ من ساعات اللیل والنہار وھی اربع وعشرون ساعۃ سبعین الف ملک یسلمون علیہ ویصافحونہ ویدعون لہٗ

اللہ تعالیٰ شب و روز کے چوبیس گھنٹوں میں سے ہر گھنٹے ستر ہزار فرشتے اس کے پاس بھیجتا ہے جو اسے سلام کرتے، اس سے مصافحہ کرتے اور اس کے لیے دُعا کرتے ہیں۔

گویا عالم آخرت میں بھی یہی شب و روز ہوں گے اور شب و روز کی گھنٹوں پر یہی تقسیم ہوں گی۔ وہاں بھی دھوپ نکلے گی، گرمی سردی ہوگی پھر ہر گھنٹہ میں ستر ہزار فرشتے آکر اس سے مصافحہ کریں گے۔ سلام کریں گے۔ اور اس کے لیے دعا کریں گے۔ شب براتی بھائیوں کو چاہیئے کہ ابھی سے مشق شروع کردیں ورنہ ایک گھنٹہ میں دو چار ہزار کا نمٹانا بھی ناممکن ہو جائیگا اور جب یہ عمل مسلسل جاری رہے گا تو بیچاری حوریں تو راہ ہی تکتی اور کلیجہ مسوستی رہینگی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کسی ایسے شخص کے ساتھ فرار ہو جائیں جس کو ہمہ وقت مصافحہ کی زحمت سے دوچار نہ ہونا پڑے۔

۱۸۔ روایت میں ہے کہ ستر ہزار حوروں کا سنگار کرنے والے ہوں گے

Marfat.com

وہ کوئی حور نہ ہوگی جو اپنے جسم پر اتنے مردوں کے ہاتھ لگواتی ہو وہ تو کوئی طوائف ہوگی ہمیں ایسی حوروں کی ہرگز بھی ضرورت نہیں وہ صوفیاء ہی کو مبارک ہوں جن کے نزدیک عشق مجازی عشق حقیقی کا ایک ذریعہ ہے۔ اسی لیے حافظ شیرازی، اور سعدی جیسے صوفیاء تمام زندگی لونڈوں سے عشق کرتے رہے اور اُن کی شان میں اشعار لکھتے رہے۔

حضرت علیؓ کی ایک دُعا

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے "غنیہ میں" حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایک عمل اور ایک دُعا بھی نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

كان على بن ابى طالب يفرغ نفسه للعبادة فى اربع ليال فى السنة وهى اول ليلة من الرجب وليلة النصف من شعبان وكان من دعائه فيه، اللهم صلى على محمد وآله مصابيح الحكمة ومرا لى النعمة ومعادن العصمة واعصمنى بهم من كل سوء ولا تأخذنى على غرة ولا على غفلة ولا تجعل عواقب امرى حسرة وندامة وارض عنى فان مغفرتك للظالمين وانا من الظلمين اللهم اغفر لى مالا يضرك واعطنى مالا ينفعك فانك الوسيعة رحمته، البديعة حكمته، فاعطنى السعة والدعة والامن والصحة والشكر والمعافاة والتقوى والصبر والصدق عليك وعلى اوليائك ان اعطنى اليسر مع العسر واعمهم بذلك اهلى وولدى واخوانى فيك ومن ولد فى المسلمين والمسلمات والمؤمنين والمؤمنات۔ غنیہ ج-۱ ص ۶۵۶

Marfat.com

حضرت علیؓ بن ابی طالب سال بھر میں چار راتوں میں اپنے آپ کو عبادت کے لیے فارغ کر لیا کرتے تھے۔ ماہ رجب کی پہلی شب شب عید الفطر، شب عید الضحےٰ اور نصف شعبان کی شب، اور اس رات میں حضرت علیؓ یہ دعا مانگتے اے اللہ محمد اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما جو حکمت کے چراغ، نعمت کے مالک اور عصمت کی کانیں ہیں اور مجھے ان کے واسطہ سے ہر برائی سے محفوظ رکھ۔ مجھے دھوکہ اور فریب میں نہ پکڑ اور میرے کام کے انجام کو حسرت اور ندامت نہ بنائے اور مجھ سے راضی ہو جائے۔ کیونکہ آپ کی مغفرت ظالموں کے لیے ہے اور میں ظالموں میں سے ہوں۔ اے اللہ میری ان گناہوں کی مغفرت فرما جو آپ کو ضرر نہیں پہنچا سکتے اور مجھے مال عطا فرما جو آپ کو نفع نہیں دے سکتا۔ کیونکہ آپ کی رحمت وسیع اور آپ کی حکمت نئی ہے۔ مجھے وسعت، امن، صحت، شکر، عفو، تقویٰ، صبر اور صداقت عطا فرما۔ اپنے اور اپنے اولیاء پر لازم کر لے (اس کا کوئی مفہوم ظاہر نہیں ہوتا، لیکن اس جملہ کے معنی یہی ہیں) یہ بات کہ مجھے تنگی کے ساتھ آسانی عطا فرما اور اسے میرے گھر والوں، میرے لڑکے اور میرے اُن بھائیوں پر بھی عام کر جو آپ کی وجہ سے میرے بھائی ہیں (ہم نے یہ معنی زبردستی کئے ہیں ورنہ لفظ فیہ غلط ہے اور اگر یہی معنی مقصود ہیں تو اس کے لیے لہ استعمال کرنا چاہیئے تھا) اور ان لوگوں پر بھی عام فرما جو مسلمان مردوں اور عورتوں، مومن مردوں اور عورتوں کے یہاں پیدا ہوئے۔

حضرت علیؓ کے اس عمل کے بارے میں اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ شیخ صاحب

نے اس کی کوئی سند بیان نہیں فرمائی اور بلا سند روایت کوئی قابل قبول نہیں۔ کیا شیخ صاحب نے حضرت علیؓ کو یہ عمل کرتے دیکھا تھا۔ آخر پانچ سو سال کے رواۃ کہاں گئے۔ ظاہر ہے کہ پہلی روایات کی طرح اس کے راوی بھی فرضی ہوں گے یا کذاب ہوں گے۔ پہلے تو اس کی سند بیان کی جائے۔ پھر ہر راوی کا ثقہ ہونا ثابت کیا جائے اور ان دونوں کاموں کے بعد یہ ثابت کیا جائے کہ ہر راوی نے دوسرے راوی سے حدیث سُنی ہے۔ صوفیاء اس جوتے شیر لانے میں جتنا وقت صرف کریں گے۔ اتنی دیر میں شیریں کسی اور کی ملکیت ہو جائے گی۔ ایسی کہانی حضرت علیؓ کی جانب منسوب کرنا ایک افترا ہے۔

آیئے ذرا اس کے معانی و مفہوم پر غور فرمالیجئے۔

دُعا کے ابتدائی الفاظ ہیں۔

اللھم صل علی محمد وآلہ مصابیح الحکمۃ وموالی!
النعمۃ ومعادن العصمۃ واعصمنی بھم من کل سوء

اے اللہ محمد اور آل محمد پر رحمت بھیج جو حکمت کے چراغ، نعمت کے مالک اور عصمت کے کان ہیں، اور مجھے ان کے واسطہ سے ہر برائی سے محفوظ رکھ۔

یہاں آلِ محمد سے کیا مراد ہے۔ اگر آپ کی مراد حضورؐ کے نواسے ہیں تو اس سلسلہ میں چند معروضات ہیں۔

۱:۔ اگر وہ حکمت کے چراغ ہیں تو بقیہ صحابہ کرام کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ اگر وہ بھی حکمت کے چراغ ہیں تو لفظ آل کی تخصیص کی کیا وجہ ہے۔ اگر آپ کے نزدیک ایسا نہیں ہے تو حضورؐ کا ارشاد ہے۔

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم

میرے صحابہ تاروں کی طرح ہیں جس کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

Marfat.com

اور فرمایا میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے۔ ایک فرقہ کے علاوہ باقی جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ وہ نجات پانے والا فرقہ کون سا ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا۔

ما انا علیہ واصحابی جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

ان ہر دو احادیث میں ہدایت و نجات کے لیے حضورؐ نے کسی کی کوئی تخصیص نہیں فرمائی۔ پھر یہ تخصیص کیسے ثابت ہوگی یہ تو خالص شیعہ مذہب ہے۔

۲:۔ نعمت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے کسی مخلوق کو منعم قرار دینا کھلا شرک ہے۔ دراصل شیعہ حضرات نے جس طرح حضرت علیؓ کو "مولیٰ" بنایا ہے۔ اسی طرح ان کی اولاد کو بھی مولیٰ بنا دیا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَنَّ اللّٰہَ مَوْلٰکُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ۝ انفال

اللہ ہی تمہارا مولیٰ ہے۔ وہ بہترین مولیٰ اور بہترین مددگار ہے

نیز ارشاد ہے۔

اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ۝ بقرۃ

آپ ہی ہمارے مولےٰ ہیں۔ کافروں کے مقابلہ پہ ہماری مدد فرمایئے

اور ارشاد ہے۔

بَلِ اللّٰہُ مَوْلٰکُمْ وَھُوَ خَیْرُ النّٰصِرِیْنَ ۝ آل عمران

بلکہ اللہ ہی تمہارا مولیٰ ہے اور وہ بہترین مددگار ہے۔

۳:۔ عصمت کی کانیں انبیائے کرام ہیں۔ یہ بھی خالص شیعوں کا عقیدہ ہے کہ ان کے ائمہ معصوم ہیں پھر ان میں بھی زبردست اختلاف ہے ایک فرقہ جسے کیسانیہ کہا جاتا ہے وہ تو حضرت علیؓ کے بعد محمد بن حنفیہ اور ان کی اولاد کو معصوم مانتا ہے۔ حسنؓ و حسینؓ کو اس میں داخل تصور نہیں کرتا اور جو لوگ حسنؓ و حسینؓ کو معصوم سمجھتے ہیں وہ بھی حسنؓ کی اولاد کو معصوم نہیں سمجھتے۔ بلکہ اسے صرف حضرت حسینؓ کی اولاد کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں۔ پھر ان میں سے اثنا عشریہ اس

Marfat.com

عصمت کو بارہ اماموں پر ختم کر دیتے ہیں اور اسمٰعیلی یعنی آغاخانیوں کے ہاں اِس عصمت کا سلسلہ آج تک قائم ہے یہ دعا جس نے بھی وضع کی ہے وہ یا تو اسمٰعیلی ہے یا اثنا عشری شیعہ ہے۔

۴:۔ بقول راوی حضرت علیؓ یہ دعا فرما رہے ہیں کہ مجھے آل رسول کے واسطہ ہر برائی سے محفوظ رکھ۔ تو کیا آپ کے نزدیک اولاد علیؓ کا درجہ حضرت علیؓ سے زیادہ ہے۔ ذرا سوچ کر جواب دیا جائے وہ تو بقول مولائے کائنات ہیں۔

۵:۔ اگر اولاد علی کا مقام حضرت علیؓ سے زیادہ ہے تو دعا کے آخر میں ہے۔

وَاَعمِم بذلک اھلی وولدی

اور اس نعمت کو میرے گھر والوں اور میرے لڑکے پر عام فرما۔

تو اب لڑکے کے لیے نعمت کی دعا کی کیا ضرورت ہے اور دعا اس کے لیے کی جاتی ہے جو نعمت کا مالک نہ ہو اور جو خود نعمت کا مالک ہو اس کے لیے دعا نہیں ہوتی بلکہ اس سے تو سوال کیا جاتا ہے۔ اور اگر وہ نعمت کے مالک تھے تو حضرت حسنؓ کی دستبرداری کے بعد کیوں امیر معاویہؓ اور یزیدؒ سے خرچہ لیتے رہے؟

۶:۔ اس میں لفظ ولد قابلِ غور ہے۔ کیونکہ یہ لفظ واحد ہے اور حضرت علیؓ کی متعدد اولادیں تھیں۔ تو عرض یہ ہے کہ یہ کونسا لڑکا مراد ہے۔ ظاہر ہے کہ شیعوں کی مراد اس سے صرف حضرت حسینؓ ہوں گے۔ کیونکہ حضرت حسنؓ کی دستبرداری سے ان کی اولاد میں امامت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ بالکل اسی طرح کہ جیسے ہمارے علماء خطبوں میں بنو عباس کے لیے یہ دعا پڑھتے ہیں۔

اللھم اغفر للعباس وولدہٖ

اے اللہ عباس اور ان کے بیٹے کی مغفرت فرما۔

یہ دعا خلفائے بنو عباسؓ نے شروع کرائی تھی اور چونکہ وہ عبداللہ بن عباسؓ کی اولاد تھے اور حضرت عباسؓ کی بقیہ اولاد کو حقدارِ خلافت تصور نہ کرتے

تھے۔ اسی لیے ولد واحد کا لفظ استعمال کر کے عباسؓ کی بقیہ اولاد، فضلؓ، عبیداللہؓ، قثم اور تمام وغیرہ کو خارج کر دیا۔ اسی طرح شیعوں نے حضرت حسینؓ کے علاوہ حضرت علیؓ کے تمام لڑکوں کو ولدیت سے خارج کر دیا لیکن کربلا کے میدان میں پہنچ کر سترہ لڑکوں میں سے ایک لڑکا عباس یاد آیا اگر وہ بیچارہ کربلا نہ آتا تو وہ بھی کبھی کا عاق ہو چکا ہوتا۔ لیکن ہم نے شروع دعا کے جو الفاظ نقل کئے ہیں ان میں ہر جگہ جمع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہاں جو واحد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ عربی سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ شیخ صاحب عجمی ہیں۔ عربی ان کی مادری زبان نہیں اور اس کے مزید ثبوت اس دعا میں موجود ہیں۔

۷۔ دعا میں ایک جملہ ہے والصدق علیک یہاں علیّ ہونا چاہیئے تھا

۸:۔ چوتھی صدی تک نیک اور پرہیزگار شخص کے لیے زاہد، عابد، تقی اور صالح وغیرہ کی اصطلاحات استعمال کی جاتی تھیں۔ اولیاء کی اصطلاح خالص عجمی اصطلاح ہے۔ ہاں دور جاہلیت میں کفار عرب یہ اصطلاح ضرور استعمال کرتے تھے۔ جس کی برائی قرآن میں جگہ جگہ کی گئی۔ ارشاد ہے۔

لَا تَتَّخِذُوا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْٓ اَوْلِیَاءَ

میرے علاوہ میرے بندوں کو اولیاء نہ بناؤ

نیز ارشاد ہے۔

وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَاءَ اعراف

اللہ کو چھوڑ کر اولیاء (دوستوں) کی اتباع نہ کرو۔

اور ارشاد ہے۔

اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْٓ اَوْلِیَاءَ

کیا کافروں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو

Marfat.com

اولیاء بنالیں۔
ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَوْلِیَاءَ کَمَثَلِ الْعَنْکَبُوْتِ۔

ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اللہ کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں مکڑی کی طرح ہے۔

ایک مقام پر کفار کی اولیاء پرستی کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

اِنَّھُمُ اتَّخَذُوا الشَّیَاطِیْنَ اَوْلِیَاءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ مُّھْتَدُوْنَ۔ اعراف

اِن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیاطین کو اولیاء بنا لیا تھا۔ اور یہ سمجھتے تھے کہ وہ ہدایت پر ہیں۔

ایسی صورت میں کیا حضرت علیؓ یہ لفظ استعمال فرما سکتے تھے حاشا وکلا

۹:۔ حضرت علیؓ نے آسانی کے ساتھ "تنگی کی دعا بھی فرمائی ہے۔ حالانکہ ارشادِ رسولؐ ہے۔

سل ربک العافیۃ والمعافاۃ فی الدنیا والاخرۃ ترمذی ج۔۲ ص۲۱۳

اپنے پروردگار سے دنیا و آخرت میں عافیت کا سوال کر

اِس صورت میں یہ دعا ہی ناجائز ہو گی۔ کیونکہ یہ حکم خلافِ رسول ہوگی

۱۰:۔ حضرت علیؓ نے صبر کی دعا مانگی ہے اور صبر نزول مصیبت کے بعد ہوتا ہے۔ اس کی دعا مانگنا تاوقتیکہ مصیبت نازل نہ ہو حرام ہے۔ قرآن میں جہاں جہاں صبر کی دعا آئی ہے وہ نزولِ مصیبت کے بعد آئی ہے۔ مثلاً جب حضرت موسیٰؑ پر ایمان لانے والوں کو سولی دی جانے لگی تو انھوں نے دعا فرمائی۔

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ۔ اعراف

اے ہمارے پروردگار ہم پہ صبر بہا دیجئے اور ہمیں اسلام کی حالت میں وفات دیجئے۔

اور صحابہ کی دعا نقل کی گئی۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

۱۱:۔ حضرت علیؓ چار راتوں کو شب بیداری فرماتے تو عرض یہ ہے کہ رمضان المبارک کی راتیں اور خاص طور پر لیلۃ القدر کہاں گئی؟ عرض یہ ہے کہ حضرت علیؓ لیلۃ القدر میں عبادت فرماتے تھے یا نہیں؟ اگر فرماتے تھے تو اس روایت کا جھوٹا ہونا ثابت ہوگا اور اگر نہیں فرماتے تھے تو انھوں نے کیسے اللہ و رسولؐ کی نافرمانی کی۔ عیاذا باللہ

۱۲:۔ اس سے قبل حضرت عائشہؓ کی ایک روایت میں چار راتوں کا تذکرہ تھا۔ لیکن ان میں رجب کی پہلی رات داخل نہ تھی۔ بلکہ اس کے بجائے شب عرفہ تھی اس طرح ان دونوں کی مجموعی تعداد پانچ ہوئی نہ کہ چار۔ ورنہ دوسری صورت میں ہر روایت دوسری روایت کی تردید کر رہی ہے۔ سچ ہے۔ دروغ گو را حافظہ نباشد۔ آئندہ جو روایت آنے والی ہے اس میں چودہ راتوں کا ذکر ہے۔

۱۳:۔ شب عید الفطر، شب عید الاضحیٰ، شب عرفہ وغیرہ کے بارے میں جو روایات ہیں ان کا حال تو شب برات کی مروجات سے بھی بدتر ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا ثبوت پیش کرنے کی ضرورت ہے۔

Marfat.com

گمنام علماء کا فتوے

شیخ صاحب نے بعض گمنام علماء کا ایک فتوٰی بھی نقل فرمایا ہے وہ بھی ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں۔

قد جمع بعض العلماء رحمہ اللہ علیہم اللیالی اللتی یستحب احیاءھا فقال انہا اربعۃ عشرۃ لیلۃ فی السنۃ وھی اوّل من شہر المحرم ولیلۃ عاشوراء واوّل لیلۃ من الشہر رجب ولیلۃ النصف منہ ولیلۃ سبع وعشرین منہ ولیلۃ النصف من شعبان ولیلۃ العرفۃ ولیلتا العیدین وخمس لیال منہا رمضان وھن لیالی العشر الاخر وکذٰلک مواصلۃ سبعۃ عشر یوما بالاوراد والمواظبۃ علی العبادۃ فیہا وھی یوم عرفۃ ویوم عاشوراء ویوم النصف من شعبان ویوم الجمعۃ ویوم العیدین والایام المعلومات وھی عشر ذی الحجۃ والایام المعدودات وھی ایام التشریق واکدھا یوم الجمعۃ ورمضان

غنیہ ج ۱ ص ۶۵۴

بعض علماء نے ان راتوں کو جمع کیا ہے جن میں شب بیداری مستحب ہے! وہ کہتے ہیں کہ ایسی راتیں سال میں چودہ ہیں۔ محرم کی پہلی رات، عاشورا کی شب، رجب کی پہلی رات، رجب کی پندرہویں شب، شب عرفہ، شب عید الفطر، شب

Marfat.com

عیدالاضحیٰ اور رمضان کی پانچ راتیں اور وہ آخر عشرہ کی راتیں ہیں۔ اسی طرح سترہ دن ایسے ہیں جو اوراد و وظائف اور عبادت کے لیے مخصوص ہیں۔ یوم عرفہ، یوم عاشوراء، پندرہ شعبان، یوم جمعہ، یوم العیدین، ایام معلومات یعنی ذی الحجہ کے دس دن۔ ایام معدودات یعنی ایام تشریق اور ان میں مؤکد جمعہ کا دن اور رمضان ہے۔

ہم علماء کے اس فتوے پر بحث کرنے سے قبل امام جزری کا ایک قول پیش کرتے ہیں۔ جسے ملا علی قاری حنفی نے اپنی موضوعات میں نقل کیا ہے۔

وکذا صلوٰۃ عاشوراء وصلوٰۃ الرغائب موضوع بالاتفاق کذا بقیۃ صلوات لیالی رجب ولیلۃ السابع والعشرین من رجب ولیلۃ النصف من شعبان۔ موضوعات کبیر ص ۴۷۵

اسی طرح نماز عاشوراء، صلوٰۃ الرغائب بالاتفاق موضوع ہیں، اسی طرح رجب کی باقی راتوں کی نمازیں، ستائیسویں رجب کی نماز اور شعبان کی پندرہویں شب کی نمازیں موضوع ہیں۔ موضوعات کبیر ص ۴۷۵

اس سے قبل ہم آپ کی خدمت میں ابن دحیہ، ابن حجر ۸۵۲ھ، ابن تیمیہ ۷۵۱ھ، ابن جوزی ۵۹۷ھ، ذہبی ۷۴۸ھ، عینی حنفی ۸۰۰ھ، محمد طاہر پٹنی حنفی ۹۸۶ھ، ملا علی قاری حنفی ۱۰۱۴ھ، وغیرہ علماء کرام کے اقوال پیش کر چکے ہیں کہ یہ سب نمازیں موضوع اور باطل ہیں۔ ان مشہور علماء کے فتاویٰ کی موجودگی میں ان گمنام علماء کا فتویٰ کیا حیثیت رکھتا ہے اور وہ بھی بلا سند اور بلا دلیل۔

۱۲۔ اگر یہ فتویٰ امام احمد بن حنبل کا ہوتا جن کے مسلک پر شیخ عبدالقادر

Marfat.com

ہیں تو ہم اس پر ضرور غور کرتے۔ لیکن اتفاق سے ذہبی، ابن جوزی اور ابن قیم بھی حنبلی ہیں۔ ان کے بقول تو امام احمد کے زمانہ میں ان کا وجود بھی نہ تھا۔ کہیں ان علماء سے مراد ہبتہ اللہ اسقطی اور ابو نصر کذاب تو نہیں اگر ایسا ہے تو ان کے ناموں کو پردۂ اخفا میں کیوں رکھا گیا۔ کیا وہ ان سے بھی زیادہ جاہل اور بدنام ہیں۔

۲:۔ لطف یہ ہے کہ یہ فتویٰ دینے والے متعدد حضرات نہیں بلکہ ایک ہی حضرت ہیں، کیونکہ آگے جب شیخ صاحب نے قول نقل کرنا شروع کیا تو فرمایا فَقَالَ (اس نے کہا) یہ واحد کا صیغہ ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی صاحب کی گپ ہے۔ گویا شیخ صاحب کو جمع اور واحد کی بھی خبر نہیں۔

۳:۔ جب فضیلت کی راتیں چودہ تھیں تو کیا امام الاولیاء حضرت علیؓ کو اس کا علم نہ ہو سکا تھا۔ جو انھوں نے صرف چار راتوں پر اکتفا فرمائی۔ پھر یہ دس راتوں کا بعد میں کیسے اضافہ ہوا۔ اس طرح یہ فتویٰ حضرت علیؓ کے عمل کے خلاف ہونے کے باعث مردود ہوا۔ یا اس فتوے کی رُو سے حضرت علیؓ کا عمل غلط ہوا۔ اس کا فیصلہ شب برات خود فرمائیں۔ ہمارے نزدیک صحابی کا قول و عمل زیادہ قابلِ قبول ہے۔

۴:۔ اس سے قبل ایک حدیث نقل کر چکے ہیں جس میں چار رات کی فضیلت بیان کی گئی تھی۔ اور وہ چار راتیں۔ شبِ برأت، شبِ عرفہ، شبِ عید الفطر اور شبِ عید الاضحیٰ تھیں۔ لیکن حضرت علیؓ کا جو عمل ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں ماہِ رجب کی پہلی شب بھی داخل تھی۔ اور شبِ عرفہ ان چار راتوں سے خارج تھی۔ اس صورت میں آپ حدیث کو قبول کریں گے یا حضرت علیؓ کے عمل کو، یا گمنام علماء کے فتویٰ کو جس میں یہ سب راتیں جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے

۵:۔ اس فتوے میں رمضان کے آخر عشرہ کی پانچ راتوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ پانچ راتیں کون سی ہیں۔ کیونکہ عشرہ میں دس راتیں

ہوتی ہیں اور بقیہ رمضان کی راتوں کو اس عبادت سے خارج کیا گیا ہے۔

۶:۔ جہاں تک سترہ ایام کا تعلق ہے اس میں جمعہ کی فضیلت سے انکار نہیں لیکن جمعہ کی خصوصی عبادت نماز جمعہ اور درود کی کثرت ہے نہ کہ اور قسم کے اوراد و وظائف۔ عیدین کے دن عبادت کے دن نہیں خوشی کے دن ہیں۔ اس روز صرف دو رکعت نماز عید کے علاوہ دوسری نماز نفل تا ظہر جائز نہیں اور عید الاضحیٰ کے دن نماز کے علاوہ سب سے بڑی عبادت قربانی ہے۔ رہا عرفہ کا روز تو غیر حاجیوں کے لیے اس میں کوئی عبادت نہیں صرف روزہ مستحب ہے اور حاجیوں کی عبادت تکبیر و تہلیل ہے۔ عاشوراء یعنی دس محرم کے دن صرف روزہ امیر معاویہؓ اور ابن عباسؓ کے نزدیک مستحب ہے اگرچہ عبداللہ بن مسعود، ام المؤمنین عائشہؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ نو اس کے بھی منسوخ ہونے کے قائل ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی اور عبادت نہیں۔ ۵ار شعبان کو روزہ رکھنے کی جتنی روایات ہیں سب موضوع ہیں اور کسی قسم کی عبادت موضوع روایات میں بھی موجود نہیں۔

۷:۔ عشرہ ذی الحجہ میں غیر حاجی کے لیے کوئی عبادت نہیں اور اس سلسلہ میں جتنی روایات ہیں سب باطل ہیں اور حاجی کے لیے عبادت اس وقت شروع ہوگی جب وہ احرام باندھے گا۔ خواہ وہ ذی الحجہ شروع ہونے سے قبل احرام باندھے یا آٹھ تاریخ کو احرام باندھے۔ جب تک احرام نہیں باندھتا اس وقت تک کوئی عبادت نہیں اور احرام باندھنے کے بعد ان کی عبادت راہ میں صرف تلبیہ ہے اور مکہ پہنچ کر طواف کعبہ، سعی بین الصفا والمروہ، قیام مزدلفہ، قیام عرفہ اور تسبیحات و تہلیلات ہی اصل عبادات ہیں۔ ان عبادات کا اوراد و وظائف سے کوئی تعلق نہیں۔

۸:۔ ایام معلومات سے مراد شیخ صاحب اور ان کے گمنام مفتی کے نزدیک عشرہ ذی الحجہ ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں قربانی کے دنوں کو ایام معلومات کہا گیا

Marfat.com

ہے۔ ارشاد ہے۔

وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ الحج

اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو جو چوپائے بطور رزق عطا فرمائے ہیں۔ ان پر معلوم دنوں میں اللہ کا نام لو (یعنی اللہ کا نام لے کر ذبح کرو)

اور یہ تاریخیں ۱۰۔ ۱۱ اور بارہ ہیں۔ اس طرح ۱۱ اور ۱۲ تو عشرۂ ذی الحجہ سے خارج ہوئیں اور ان ایام سے اور اوراد و وظائف کا کوئی تعلق نہیں۔ ان دنوں کی عبادت صرف قربانی ہے۔

۹۔ ایام معدودات سے ایام تشریق مراد لینا ایک حماقت ہے۔ قرآن میں ایام معدودات سے رمی کے دن مراد ہیں اور وہ تین دن ہیں۔ دس گیارہ اور بارہ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدَاتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى ۝ بقرہ

اور گنتی کے دنوں کے بیچ اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔ پھر اگر جانے کی کوئی جلدی کرے تو دو دن ہیں اور اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو تاخیر کرے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں اس شخص کے لیے جو پرہیزگاری اختیار کرے۔

تمام محدثین و مفسرین اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ آیت رمی کے بارے میں نازل ہوئی۔ اگر کوئی شخص مجبوری کے باعث تین دن کے بجائے دو دن رمی کر کے چلا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور ایام تشریق نو سے شروع ہو کر تیرہ پر ختم ہوتے ہیں۔ گویا ایام تشریق کا پہلا دن عرفہ ہوا اور دوسرا دن عشرہ میں

داخل ہوا۔ اور اگر انھیں داخل مانا جائے۔ تب ان افضل دنوں کی تعداد اٹھارہ ہو گی۔ ورنہ انیس بنے گی۔ سترہ کسی صورت میں نہ ہو گی۔

۱۰:۔ جمعہ کے علاوہ بقیہ تمام دن سال بھر میں ایک بار آئیں گے اور جمعہ ہر ماہ میں کم از کم چار بار آئے گا۔ اس طرح پورے سال میں کم از کم ۴۸ جمعے آئیں گے۔ کیا یہ فرضی مفتی صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ جمعہ بھی سال بھر میں ایک بار آتا ہے۔

۱۱:۔ ان تمام دنوں میں بقول مفتی سب سے زیادہ مؤکد جمعہ اور رمضان ہے اور رمضان کسی دن کا نام نہیں۔ بلکہ مہینہ کا نام ہے اور مہینہ کم از کم ۲۹ دن کا ہوتا ہے۔ اس طرح سال بھر میں عبادت کے دنوں کی تعداد سو سے متجاوز ہو گی۔ پیرانِ پیر کے مفتی صاحب کو چاہیئے تھا کہ تھوڑی بہت گنتی ہی سیکھ لیتے۔

ان امور سے یہ بات ضرور ثابت ہو گئی ہے کہ ہمارے صوفیاء جہاں قرآن حدیث اور تاریخ و رجال سے محض جاہل تھے وہاں وہ حساب سے بھی کورے تھے اور قرآن و سنت کے عام احکامات کا بھی انھیں علم حاصل نہ تھا۔ اعاذنا اللہ من ھذا الھذیان

عمر بن عبدالعزیز پر افترا

روی ان عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کتب الی الحجاج بن ارطاۃ وھو علی البصرۃ وقیل الی عدی بن ارطاۃ علیک باربع لیالٍ فی السنۃ فان اللہ تعالی یفرغ فیھن الرحمۃ افراغا وھی اول لیلۃ من رجب ولیلۃ النصف من شعبان ولیلۃ السابع والعشرین من رمضان ولیلۃ الفطر!

فیہ ج-۱ ص ۶۵۳

Marfat.com

روایت کیا گیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے حجاج بن ارطاۃ کو خط لکھا جو بصرہ کا امیر تھا۔ ایک ضعیف قول یہ بھی ہے کہ یہ خط عدی بن ارطاۃ کو لکھا۔ کہ سال میں چار راتوں کو پکڑ لے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان راتوں میں خوب رحمت بہاتا ہے۔ رجب کی پہلی شب، شعبان کی پندرھویں شب، رمضان کی ستائیسویں اور عید الفطر کی رات۔

ہمیں اس قول پر متعدد اعتراضات ہیں۔

۱:۔ حضرت عائشہؓ سے جن چار راتوں کے بارے میں روایات ذکر کی گئی تھیں ان میں لیلۃ الفطر، لیلۃ الاضحیٰ، شب عرفہ اور شب برارت کا ذکر تھا۔ اور حضرت علی کی روایت میں لیلۃ الفطر، لیلۃ الاضحیٰ، شب برأت اور رجب کی پہلی تاریخ تھی اور عمر بن عبدالعزیز کے قول میں شب عید الفطر، شب عید براءت، رمضان کی ستائیسویں شب اور رجب کی پہلی شب ہے اس طرح یہ تینوں روایات باہم متضاد ہوئیں۔ صرف دو راتیں ایسی باقی رہیں جو تینوں روایتوں میں مشترک ہیں اور وہ شب برات اور شب عید الفطر ہیں۔ بقیہ راتیں روایات میں اختلافات ہونے کے باعث ثابت نہیں ہوتیں حالانکہ ان میں رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتیں بھی ہیں۔ جن میں لیلۃ القدر بھی ہے۔ اتفاق سے شب برات سے ہمیں اختلاف ہے اور شب عید الفطر کے بارے میں اتنی روایات بھی نہیں پائی جاتی ہیں اور اگر شب عید الفطر عبادت کی رات ہوتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو شوال کا چاند دیکھ کر اعتکاف ختم فرمایا کرتے تھے تو آپؐ کو یہ اعتکاف عید کی صبح کو ختم کرنا چاہیے تھا۔ حالانکہ کوئی عالم بھی اس کا قائل نہیں۔ اس لحاظ سے یہ ایک رات بھی ثابت نہ ہو گی۔

۲:۔ اصول یہ ہے کہ تابعی کا قول صحابی کے قول کے مقابلہ میں رد ہو جاتا

Marfat.com

ہے اور صحابی کا قول و عمل حدیث رسول کے مقابلہ میں مردود ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے عمر بن عبدالعزیز کا قول اور حضرت علیؓ کا عمل اس حدیث عائشہ کے باعث جو پیش کی جاتی ہے، رد ہو گیا ہے۔ حدیث کے مقابلہ میں کسی صحابی یا تابعی کا قول پیش کرنا حدیث کا انکار اور حضورؐ پر اس شخص کی فوقیت جتانا ہے اور یہ کھلا کفر ہے۔

۳:۔ جب آپ کے بعض علماء کے بقول چودہ راتوں کی شب بیداری مستحب تھی تو عمر بن عبدالعزیز اور حضرت علیؓ نے اس استحباب کو کیوں ترک کیا اور جب انھوں نے اسے ترک کیا تو کیا ان فرضی علماء کا یہ قول باطل نہیں ہو گیا؟ کیونکہ یہ قول صحابی اور قول تابعی کے خلاف ہے۔

۴:۔ شیخ صاحب نے اس قول کی بھی کوئی سند بیان نہیں کی تو یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ یہ عمر بن عبدالعزیز ۱۰۱ھ ہی کا قول ہے۔

۵:۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ خط حجاج بن ارطاۃ کو تحریر کیا۔ یہ حجاج وہی راشی ہے جس نے حضرت عائشہؓ کی پہلی حدیث روایت کی ہے اور جس پر جرح گذر چکی اور وہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں کسی عہدہ پر فائز نہ تھا بلکہ گورنر تو وہ زندگی میں کبھی نہیں بنا۔ بلکہ مہدی عباسی کے زمانہ میں بصرہ کا قاضی بنا ہے۔ امام ذہبی نے عبداللہ بن ادریس کا قول نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

کنت اری الحجاج بن ارطاۃ یفلی ثیابہ ثم خرج
الی المہدی ثم قدم معہ اربعون راحۃ علیہا احمالہا

میزان ج۔۱ ص۴۶۷

میں حجاج بن ارطاۃ کو دیکھتا تھا کہ وہ اپنے کپڑوں میں خود پیوند لگایا کرتا تھا۔ پھر وہ خلیفہ مہدی کے پاس گیا جب واپس آیا تو اس کے ساتھ چالیس اونٹوں پر سامان لدا ہوا تھا۔

مہدی ۱۵۸ھ میں خلیفہ ہوا جب کہ عمر بن عبدالعزیز کی وفات ۱۰۱ھ

ہے۔ جہاں تک عدی بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے وہ ضرور عمر بن عبدالعزیز کے عامل تھے۔ لیکن آپ نے خود اِس قول کو ضعیف قرار دیا ہے۔ کیونکہ عدی کا نام لفظ قیل سے نقل کیا گیا ہے جو ضعف کے لیے آتا ہے۔ گویا گنگا الٹی اوپر کو بہہ رہی ہے کہ صحیح تو ضعیف اور ضعیف صحیح۔ پھر عدی بن ارطاۃ بھی اتفاق سے ضعیف ہے۔

۶:۔ لیلۃ القدر رمضان کے آخر عشرہ میں طاق راتوں میں گھومتی رہتی ہے تائیسویں شب کے ساتھ مخصوص نہیں۔ یہ مسلک شیخ صاحب کے امام، امام احمد بن حنبل کا ہے۔ گویا شیخ صاحب کو اپنے امام کا مسلک بھی معلوم نہیں، اور اگر معلوم ہے تو شیخ صاحب ان کے قول کا کیا جواب دینگے رہا احناف کا سوال تو امام ابوحنیفہ تو اس بات کے قائل ہیں کہ۔

انہا تدور فی السنۃ کلہا

وہ تمام سال میں گھومتی رہتی ہے۔

اِس صورت میں ابوحنیفہ کے نزدیک کسی رات کی کوئی خصوصیت نہیں، ان خاص راتوں میں مختلف عبادتیں انجام دینے والے اپنے امام کو کیا جواب دیں گے یا یہ ثابت کریں گے کہ امام ابوحنیفہ کا یہ قول غلط ہے اور اس صورت میں یہ بھی بیان فرمادیں کہ ابوحنیفہ کے قول کو رد کرنے کے بعد وہ حنفی باقی رہیں گے یا نہیں؟

ایک نیا شگوفہ

لطف یہ ہے کہ شیخ صاحب نے جہاں بہت سی موضوع روایات اور اقوال نقل کئے ہیں۔ ان میں ایک ایسا قول بھی نقل کیا ہے جس سے تمام صوفیاء اور علماء کی کرائی محنت سب اکارت جاتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

قیل ان للملائکۃ لیلتی عید فی السماء کما ان للمسلمین یوصی عیدین فی الارض لیلۃ البرأۃ

ولیلۃ القدر وعید المؤمنین یوم الفطر
الاضحیٰ وعید الملائکۃ باللیل لانہم لاینامون
وعید المؤمنین بالنہار لانہم ینامون غنیہ ج۔ا ص ۶۹۴
کہا جاتا ہے کہ فرشتوں کے لیے آسمان میں دو راتیں عید کی
ہوتی ہیں۔ جس طرح زمین میں مسلمانوں کے لیے دو دن عید کے
ہوتے ہیں۔ وہ دو راتیں شب برات اور شب قدر ہیں۔ اور
مؤمنین کی عید، عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہیں۔ فرشتوں کی
عید رات میں ہوتی ہے، کیونکہ وہ سوتے نہیں اور مؤمنین کی
عید دن میں ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ سوتے ہیں۔

چونکہ بیچارے مؤمنین راتوں کو سوتے ہیں اور شب بیداری سے انھیں
تکلیف ہوتی ہے۔ اس لیے پیران پیر نے اپنے ماننے والوں کے لیے آسان
ذریعہ آرام کرنے کا بتا دیا ہے۔ ان کے معتقدین کو چاہیئے کہ وہ شب برات
اور شب قدر میں آرام کی نیند سوئیں خواہ قوالی میں۔ بیشک ساری رات جاگتے
رہیں۔ لیکن ان راتوں میں انھیں جاگنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ راتیں
فرشتوں کے لیے مخصوص ہیں اور قرآن میں جن احکامات کے نزول کا ذکر ہے
یا جن روایتوں میں موت و رزق وغیرہ لکھے جانے کا ذکر ہے وہ انسانوں کے
لیے نہیں بلکہ فرشتوں کے لیے ہے۔ شیخ صاحب کی محبت کا دعویٰ کرنیوالے
فضول یہ محنت برداشت کرتے ہیں اور شیخ صاحب بلاوجہ ایک عرصہ دراز
تک ایک ٹانگ پہ کھڑے رہے۔ جہاں تک ہمارا معاملہ ہے تو ہمارے نزدیک
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کے علاوہ کسی کا قول حجت نہیں
اور شیخ صاحب کے قول کے مقابلہ میں ہم امام ابو حنیفہ ۱۵۱ھ اور امام احمد بن
حنبل ۲۴۰ھ کے قول کو ترجیح دیتے ہیں اور ان حضرات نے ہمیں شب برات
کے بارے میں کسی قسم کا کوئی حکم نہیں دیا۔ افسوس اس پر ہے کہ یہ سب کام

Marfat.com

حنفی انجام دیتے ہیں، حالانکہ امام ابوحنیفہ ۱۵۰ھ تو اس بات کے قائل ہیں کہ تمام سال شب بیداری کرو تب شب قدر حاصل ہو گی۔

کتب احادیث میں جہاں اِس شب کی فضیلت میں روایات آرہی ہیں۔ ہم نے آج تک ان کتابوں میں اِس رات کا کوئی نام نہیں پڑھا۔ اِس رات کو شب برات سے موسوم کرنے والے صرف صوفیاء ہیں اور صوفیاؔ پر ہمیشہ تشیع کا غلبہ رہا ہے اور شیعیت نے اس شب تیرا کی فضیلت کی اشاعت انھی صوفیاء کے ذریعہ کی ہے۔ کیونکہ تصوّف تشیع کی اشاعت کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ بلکہ تشیع کی ایک بہت بڑی شاخ ہے۔

ابراہیم بن ابی بخیح کا قول

شیخ عبدالقادر جیلانی نے حضرت عائشہؓ کی وہ روایت جس میں چار راتوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ شب عید الاضحیٰ، شب عید الفطر، شب نصف شعبان، اور شب عرفہ اور جس کی حیثیت پر پہلے بحث کی جا چکی ہے نقل کر کے فرماتے ہیں۔

قال سعید قال لی ابراھیم بن ابی بخیح خمس فیھا لیلۃ الجمعۃ غنیہ ج ۱ ص ۶۹۱

سعید کہتا ہے مجھ سے ابراہیم بن ابی بخیح نے کہا کہ وہ پانچ راتیں ہیں۔ جن میں شب جمعہ بھی داخل ہے۔

یعنی فضیلت کی پانچ راتیں ہیں۔ شب عید الاضحےٰ، شب عید الفطر، شب نصف شعبان، شب عرفہ۔ ان راتوں کی فضیلت اتفاق سے حضورؐ کی جانب منسوب کی گئی ہے۔ لیکن چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی تکمیل نہیں فرمائی تھی اور آپؐ کا دین ناقص تھا اور نہ آپؐ اتنا علم رکھتے تھے۔ (عیاذاً باللہ) اس لیے تکمیل دین کے لیے دوسروں کے اقوال کی ضرورت پیش

Marfat.com

آئی۔ اسی لیے ابراہیم نے اس میں شب جمعہ کا بھی اضافہ کیا۔

حضرت علیؓ نے یہ چار راتیں بیان فرمائیں۔ شب عید الفطر، شب عید الاضحیٰ شب نصف شعبان اور شب یکم رجب۔ اس طرح یہ چھ ہو گئیں اور گمنام علیؓ نے چودہ راتیں بیان کیں۔ شب یکم محرم، شب عاشورہ، شب یکم رجب، شب نصف رجب، ستائیس رجب، ۱۵ شعبان کی شب، شب عرفہ، شب عید الفطر اور شب عید الاضحیٰ اور رمضان کی پانچ راتیں۔

گویا ان علماء نے تمام راتوں کو تو جمع کیا، لیکن شب جمعہ کو بھول گئے جسے ابراہیم بن ابی بکیح نے پورا کر دیا۔ اس طرح کل پندرہ ہوتیں۔ ہماری سمجھ سے یہ باہر ہے کہ کس کے قول پر عمل کریں۔ کیونکہ بقول شیخ عبدالقادر حضورؒ نے تو صرف چار راتیں بیان کی تھیں اب یہ پندرہ ہو گئیں اور اگر ان میں رمضان کی بقیہ راتوں کو داخل کر لیا جائے کیونکہ حضورؒ نے ان میں قیام کا حکم دیا ہے تو ان کی تعداد چالیس ہو جائے گی۔

اب آئیے ذرا ابراہیم کے قول پر غور کریں۔

۱:۔ شیخ صاحب نے سعید تک کوئی سند ذکر نہیں کی حتیٰ کہ یہاں تو ابو منصر اور اس کے باپ کا بھی ذکر نہیں کیا اور پھر سعید کا کوئی اتہ پتہ نہیں بتایا کہ یہ سعید کون ذات شریف ہیں۔ ان کے ابا جان کون تھے اور یہ کہاں کے باشندہ تھے۔ تاکہ کوئی زندگی میں اس قول کی حقیقت معلوم نہ کر سکے۔ "میزان الاعتدال" میں ذہبی نے ایک سو اٹھتر ان سعید نامی اشخاص کا ذکر کیا ہے۔ جن پر جرح ہے اور جو سعید جرح سے پاک ہیں وہ ان کے علاوہ ہیں اور کچھ ایسے سعید بھی ہیں جن کا ذہبی نے ذکر نہیں کیا۔ اس طرح ان کی تعداد کم از کم تین سو ہو گی۔ حافظ ابن حجر نے "تقریب التہذیب" ۱۷۷ سعید نامی اشخاص کا ذکر کیا ہے۔ یہ وہ سعید ہیں جن کی روایات، امام مالک، بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے لی ہیں اور وہ سعید جن سے اوروں نے روایات لی ہیں یا جو تیسری

Marfat.com

صدی ختم ہونے کے بعد گذرے ہیں وہ ان کے علاوہ ہیں۔ اس طرح شیخ صاحب نے سعید کے باپ کا نام حذف کر کے پوری امت کو ایک زبردست فریب میں مبتلا کر دیا ہے۔

۲:۔ ہم نے آج تک ابراہیم بن ابی بخیح نام کا تاریخ میں کوئی شخص نہیں پایا۔

۳:۔ شریعت میں کسی کا قول حجت نہیں تاوقتیکہ وہ قول قرآن وسنت سے ثابت نہ ہو۔ ورنہ ہر وہ قول مردود ہوگا جو حدیث کے خلاف ہوگا۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں۔

اذا جاء قولی خلوفا للحدیث فارموہ بالحجر

جب میرا کوئی قول خلاف حدیث ہو تو اسے پتھر پہ مار دو

اسی طرح یہ قول خلاف حدیث ہونے کے باعث بھی پتھر پر مار دینے کے قابل ہے۔ کیونکہ امام مسلم ۲۶۱ھ نے حضرت ابوہریرہ ۵۷ھ سے روایت کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لا تختصوا لیلۃ الجمعۃ بقیام من بین اللیالی
ولا تختصوا یوم الجمعۃ بصیام من الایام الا
ان یکون فی صوم یصوم احدکم مسلم ج۔ ۱ ص ۳۶۱

جمعہ کی شب کو قیام کے لیے خاص نہ کرو، اور نہ روز جمعہ کو روزے کے لیے خاص کرو۔ لیکن اگر کوئی شخص روزے سے رکھتا آرہا ہو اور درمیان میں جمعہ آجائے تو درست ہے۔

اس لحاظ سے اگر کوئی شخص شب جمعہ میں مخصوص طور پہ نفلیں پڑھنے کا حکم دیتا ہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف اور دشمن سمجھا جائے گا اور دین میں اختراع کرنے والا اور ایسا شخص زندیق و دجال کہلائے گا۔

امام نووی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

وفی ھذا الحدیث النھی الصریح من تخصیص

لیلۃ الجمعۃ من بین اللیالی ویومہا بصوم و
ھذا متفق علی کراھتہ مسلم ج۔۱ ص۳۶۱

اس حدیث میں شب جمعہ کو قیام کے لیے مخصوص کرنے اور روزِ جمعہ کو روزے کے لیے مخصوص کرنے کی ممانعت ہے اور اس کی کراہت پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔

بقول امام نووی المتوفی ۶۷۶ھ اس رات کو عبادت کے لیے مخصوص کرنا تمام علماء کے نزدیک متفقہ طور پر مکروہ تحریمی ہے اور امام نووی کے نزدیک اتفاق سے متاخرین علماء کا اتفاق مراد نہیں، بلکہ چاروں ائمہ کرام یعنی امام ابوحنیفہ ۱۵۰ھ، امام مالک ۱۷۹ھ، امام شافعی ۲۰۴ھ، امام احمد بن حنبل ۲۴۱ھ اور ان علماء کا اتفاق مراد ہے۔ جو ان حضرات کے دور میں فقیہہ و محدث گذرے ہیں۔ مثلاً مکحول ۱۱۸ھ، اوزاعی ۱۵۷ھ، سفیان ثوری ۱۶۱ھ، لیث بن سعد ۱۷۵ھ، ابن ابی لیلیٰ ۱۴۸ھ، ابوثور ۲۴۰ھ، ابویوسف ۱۸۲ھ اور محمد بن الحسن ۱۸۹ھ وغیرہ اور جس شیئے کے ناجائز ہونے پر ان تمام حضرات کا اجماع ہو چکا ہو۔ اس کی مخالفت خیر القرون کی مخالفت ہے اور اتفاق سے شیخ عبدالقادر حنبلی ہیں اور حنابلہ کا بھی اس کی کراہت پر اتفاق ہے اور شیخ صاحب نے بلا دلیل اپنے امام کا قول ترک کیا ہے یا ان کو اپنے امام کی قول کی بھی خبر نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کی جہالت سے محفوظ رکھے۔

قاری شریف احمد صاحب خطیب مسجد سٹی ریلوے اسٹیشن کراچی نے اپنے رسالہ فضیلت ماہ شعبان و شب برأت میں تحریر کیا ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے "ماثبت بالسنہ" میں امام شافعی کا یہ قول نقل کیا ہے۔

امام شافعی کے قول کی تحقیق

ان الدعاء یستجاب فی خمس لیالٍ لیلۃ الجمعۃ

والعیدین واول لیلۃ من رجب ونصف شعبان

رسالہ فضیلت ماہ شعبان ص۲۲

پانچ راتوں میں دعا قبول ہوتی ہے، شب جمعہ، عیدین کی دونوں راتیں، رجب کی پہلی اور شعبان کی پندرھویں شب،

لیکن قاری صاحب نے کتابوں کے نام تو ضرور تحریر کر دیئے ہیں لیکن پوری کتاب میں کسی صفحہ کا حوالہ تحریر نہیں کیا۔ اور جو روایات مختلف حوالات سے نقل کی ہیں ان میں سے بہت سے حوالے غلط ہیں۔ ہمیں نہیں معلوم کہ یہ غلطی قاری صاحب کی ہے یا عبدالحق دہلوی کی۔ کیونکہ شافعی مذہب کے زبردست فقیہہ و محدث یعنی امام نووی جمعہ کی شب میں کسی خاص قسم کی عبادت کو حرام سمجھتے ہیں اور اس پر تمام ائمہ کا اتفاق نقل کرتے ہیں۔ افسوس کہ عبدالحق دہلوی ۱۰۵۲ھ اور قاری شریف صاحب کو اپنے امام کے مسلک تک کی خبر نہیں۔ ان لوگوں کی عقل کو شوق عبادت اور تصوف نے سلب کر لیا ہے۔

عبدالرزاق بن ہمام نے اپنی مصنف ج۔۴ ص۲۱۴ پر اس قول کو حضرت عبداللہ بن عمر کی جانب منسوب کیا ہے اور اس کی سند بھی بیان کی ہے۔ اس سند پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے وہ فرماتے ہیں۔

مجھ سے ایک ایسے شخص نے بیان کیا جس نے بیلمانی سے سنا تھا اور بیلمانی اپنے باپ کے واسطہ سے ابن عمر سے روایت کرتا ہے کہ پانچ راتیں ایسی ہیں جن میں دعا رد نہیں ہوتی۔ شب جمعہ، ماہ رجب کی پہلی شب، نصف شعبان کی شب اور عید الفطر اور عید الاضحےٰ کی راتیں۔

عبدالرزاق نے کس سے یہ حدیث سنی ہے۔ اس کا نام انھوں نے غائب کر دیا ہے، ممکن ہے کہ وہ امام غائب کا کوئی نمائندہ ہو، کیونکہ عبدالرزاق خالص شیعہ ہے۔ اس طرح پہلا راوی مجہول ہوا۔ اور مجہول کی روایت قطعاً

Marfat.com

قابلِ قبول نہیں۔ ممکن ہے اس روایت کا واضع وہی شخص ہو جسے غائب کر دیا گیا ہے۔ اور اگر وہ کسی زمانہ میں حاضر بھی ہو جائے اور اس کا ثقہ بھی ہونا ثابت ہو جائے۔ تب بھی یہ روایت صحیح نہ ہو گی۔ اس لیے کہ اس کا دوسرا راوی بیلمانی ہے۔

بیلمانی کا اصل نام محمد بن عبدالرحمان ہے یہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے۔ بخاری اور ابو حاتم کہتے ہیں یہ منکر الحدیث ہے۔ دار قطنی وغیرہ کہتے ہیں ضعیف ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں۔ اس نے اپنے باپ سے دو سو کے قریب موضوع احادیث روایت کی ہیں۔ میزان ج۔۳ ص۶۱۷ گویا اس روایت کا واضع یہ خود بیلمانی یا اس کا باپ ہے۔ ابن عدی فرماتے ہیں یہ بیلمانی جتنی بھی روایات بیان کرتا ہے ان میں تمام آفات اسی کی ڈھائی ہوئی ہوتی ہیں۔ گویا یہ خود ان کا واضع ہوتا ہے۔

اس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ یہ امام شافعی کا قول نہیں بلکہ یہ بیلمانی کی بکواس ہے اور امام شافعی بیلمانی کے ہم عصر ہیں اور چونکہ بیلمانی بدنام تھا۔ اسی لیے کسی افترا پرداز نے اس کا قول امام شافعی کی جانب منسوب کر دیا اور وہاں سے عبدالحق دہلوی اسے لے اڑے اور پھر قاری شریف صاحب نے اسے بزرگ پرستی کے مرض میں مبتلا ہو کر بلا سوچے سمجھے نقل کر دیا۔

سب سے مزید لطف کی بات یہ ہے کہ ابو بخیح کے بیٹے کا نام ابراہیم نہیں بلکہ عبداللہ ہے۔ یہ تبع تابعی ہے۔ اگرچہ اس سے تمام صحاح ستہ میں روایات مروی ہیں، لیکن یہ پکا معتزلی اور قدری تھا اور فرقہ معتزلہ کے بانی مبانی عمرو بن عبید کے پاس بیٹھا کرتا تھا۔ بلکہ امام یحییٰ بن سعید القطان ۱۹۸ھ فرماتے ہیں۔ معتزلہ مذہب کے جو داعی تھے ان کا سردار تھا۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں۔

عبد اللہ بن ابی بخیح کان یتہم بالاعتزال والقدر

میزان ج۔۲ ص۵۱۵

Marfat.com

عبداللہ بن ابی بکیح پر اعتزال اور قدر کی تہمت ہے۔
سنہ ۱۳۱ھ یا سنہ ۱۳۲ھ میں اس کی وفات ہوئی۔
ہمیں شیخ عبدالقادر، غزالی، ابوطالب مکی اور سلمی اور دیگر صوفیاء سے یہی شکایت ہے کہ جب آپ حضرات کو حدیث و تاریخ اور رجال سے قطعاً واقفیت نہیں، حتیٰ کہ یہ لوگ ایک نام تک صحیح یاد نہیں رکھ سکتے تو ان لوگوں کو حدیث روایت نہیں کرنی چاہیئے تھی۔ تاکہ حضورؐ پر جھوٹ لازم نہ آتا۔ آخر آن کا زہد و تقویٰ اور خوفِ الٰہی حضورؐ پر جھوٹ بولنے کے سلسلہ میں کہاں چلا جاتا ہے۔ ہماری عقل آج تک یہ سمجھنے سے قاصر ہے اور یہ انھی کی خصوصیت نہیں بلکہ تابعین ہی کے دور سے جن پر علیہ عبادت رہا ہے وہ اس موذی مرض میں ضرور مبتلا ہو کر رہے ہیں اور یہ چھوت کی بیماری ایک سے دوسرے کو لگتی رہی۔ یہ حضرات تبع متاخرین میں سے ہیں جو صرف ناقل اور اندھے مقلد ہیں۔

روایت حضرت اُم سلمہؓ

اِس زیرِ بحث مضمون میں ایک روایت ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ سنہ ۶۲ھ کی جانب بھی منسوب کی جاتی ہے جو ہم ذیل میں غنیہ کے حوالہ سے پیش کرتے ہیں۔

اخبرنا ابو نصر عن والدہ باسناد ہ عن عطاء بن یسار عن ام سلمۃ قالت لم یکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصوم فی شھر بعد رمضان اکثر من صیامہ فی شعبان وذلک انہ کلہ من یموت فی ذلک السنۃ فینسخ اسمہ فی شعبان من الاحیاء الی الاموات وان الرجل یسافر وقد ینسخ اسمہ فی من یموت ،

غنیہ ج-۱ ص ۶۷۷

ہم سے ابو نصر نے بیان کیا وہ اپنے باپ کی سند کے ذریعہ عطاء بن یسار سے روایت کرتا ہے وہ ام سلمہؓ سے حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے علاوہ شعبان سے زیادہ کسی مہینے میں روزے نہ رکھتے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سال مرنے والوں کے نام شعبان میں زندوں کی فہرست سے کاٹ کر مردوں کی فہرست میں تحریر کر دیئے جاتے ہیں۔ بعض انسان سفر کرتے ہیں۔ لیکن ان کے نام مردوں کی فہرست میں درج ہوتے ہیں۔

۱:۔ اس سلسلہ میں پہلی عرض یہ ہے کہ اس کے ابتدائی راوی وہی ابو نصر اور اس کے ابا جان ہیں اور ان کے ابا جان نے اپنے اور عطاء بن یسار کے درمیان سے تمام راوی حذف کر دیتے ہیں۔ عطاء کی وفات ۹۷ھ میں ہوئی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابو نصر کے گمنام ابا جان یہ وصیت کر کے مرے تھے کہ بیٹا میری سند کبھی نہ بیان کرنا۔ کہیں اتفاق سے اگر تم نے راویوں کے نام لے دیئے تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔

۲:۔ اس روایت میں ابو نصر نے تحریف سے کام لیا ہے۔ ورنہ اصل حدیث کتب احادیث میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے

عن ام سلمۃ قالت مارایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصوم شہرین متتابعین الا شعبان ورمضان ترمذی ج۔۱ ص۱۲۲

ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لگاتار دو ماہ کے روزے رکھتے نہیں دیکھا سوائے شعبان اور رمضان کے۔

اور نسائی کی روایت میں یہ جملہ بھی ہے۔

کان یصل شعبان برمضان نسائی ج۔۱ ص۲۴۸

Marfat.com

آپؐ شعبان کو رمضان سے ملا دیتے۔

اِس حدیث میں حضورؐ نے کوئی وجہ بیان نہیں فرمائی اور جو وجہ بیان کی جارہی ہے وہ حضور کا فرمان نہیں بلکہ راوی کی خود ساختہ وجہ ہے۔

۳:- اِس روایت کو امّ سلمہ سے نقل کرنے والے عطاء بن یسار نہیں بلکہ ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن بن عوف الزہری ہیں۔ جن کی وفات ۹۴ھ میں ہوئی۔ اور عطاء بن یسار کی روایت میں امِ سلمہؓ کا کوئی ذکر نہیں۔ کیونکہ عطاء کی روایت عبدالرزاق بن ہمام نے اپنی مصنف ج ۴ ص ۲۱۴ پر ان الفاظ میں روایت کی ہے۔

روایت عطاء بن یسار

عبدالرزاق عن ابن عیینۃ عن مسعر عن رجل عن عطاء بن یسارٍ قال تنسخ فی النصف من شعبان الاجال حتّٰی ان الرجل لیخرج مسافرو قد نسخ من الاحیاء الی الاموات ویتزوج وقد نسخ من الاحیاء الی الاموات

عبدالرزاق نے ابن عیینۃ کے واسطہ سے مسعر سے روایت کیا ہے۔ مسعر ایک نامعلوم شخص کے ذریعہ عطاء بن یسار سے نقل کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ نصف شعبان میں اموات لکھی جاتی ہیں۔ حتّٰی کہ ایک شخص سفر میں جاتا ہے اور اس کا نام زندوں میں سے کاٹ کر مُردوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔ کوئی نکاح کرتا ہے۔ حالانکہ اس کا نام زندوں کی فہرست سے کاٹ کر مُردوں کی فہرست میں لکھ دیا جاتا ہے۔

یہ روایت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ اس قول سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المؤمنین ام سلمہؓ سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ عطاء بن یسار

کا اپنا قول ہے اور عطاء بن یسار تابعی ہیں۔

اتفاق سے اس کے رواۃ میں امام سفیان بن عیینہ اور مسعر بن کدام رجیسی ہستیاں ہیں۔ لیکن مسعر نے یہ نہیں بتایا کہ عطاء سے نقل کرنے والا کون ہے اور خود انھوں نے عطاء سے سُنا نہیں۔ کاش وہ اس کا نام بیان کر دیتے تو اس روایت کی اصل حقیقت ظاہر ہو جاتی۔ اب یہ دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو اس غائب شخص کی بکواس ہے اور عطاء کی جانب اس کی غلط نسبت کی گئی ہے اور اگر یہ نسبت درست ہے تب بھی غیبی امور میں تابعی یا بعد کے کسی شخص کا قول کوئی درجہ نہیں رکھتا اور نہ ان کا قول شریعت میں حجت ہو سکتا ہے

پھر لطف یہ ہے کہ انہی کے ہم عصر عبداللہ بن ابی ملیکہ ہیں عبدالرزاق نے ان سے صحیح سند سے نقل کیا ہے کہ کسی نے ان سے عرض کیا کہ زیاد المنقری جو ایک قصہ گو واعظ تھا۔ اس کا دعویٰ ہے کہ شب برات کی فضیلت شب قدر کی طرح ہے۔ ابن ابی ملیکہ نے یہ سُن کر فرمایا۔

لو سمعتہ یقول ذلک وفی یدی عصا لضربتہ بہا

کہ اگر میں اسے یہ بات کہتے ہوئے سنتا اور میرے ہاتھ میں لاٹھی ہوتی تو میں اس کا سر توڑ دیتا۔ مصنف عبدالرزاق ج ۴ ص ۲۱۴

یہ واقعہ عبدالرزاق نے معمر کے ذریعہ ایوب سے روایت کیا ہے اور معمر اور ایوب کا وہی مقام ہے جو مدینہ میں امام مالک کا ہے۔

یہ زیاد المنقری کون تھا جس نے یہ بکواس کی تھی۔ عبدالرزاق کے الفاظ ہیں

وکان قاصًا — یہ ایک قصہ گو واعظ تھا

یہ ایک داستان گو تھا۔ محدثین کے نزدیک ان لوگوں کو قاص کہا جاتا تھا جو بغیر تحقیق کے منبر پہ چڑھ کر احادیث بیان کرتے۔ محدثین نے ایسے لوگوں کو بدترین قسم کا کذاب قرار دیا ہے۔ بلکہ وضاعین حدیث میں یہ پورا طبقہ شامل ہے گویا محدثین کی نظر میں اس قسم کی روایت کی حیثیت ایک داستان سے زیادہ نہیں

Marfat.com

یہی وجہ ہے کہ عبدالرزاق نے شب برات کی تمام روایات نقل کرکے آخر میں ابن ابی ملیکہ کا یہ جملہ نقل کر دیا ہے گویا بالفاظ دیگر وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ان تمام روایات کی حیثیت افسانوں سے زیادہ نہیں عبدالرزاق بخاری و مسلم کے استاذ الاستاذ ہیں۔

۴:۔ اس روایت میں کسی دن یا تاریخ کا ذکر نہیں کیا گیا جس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ مُردوں کے نام پورے مہینے میں لکھے جاتے ہیں اور اس کے لیے کوئی دن مخصوص نہیں۔ اس طرح یہ روایت دیگر موضوعہ روایات کے خلاف ہو گی اور اس پر عمل اسی وقت ممکن ہو گا۔ جب پورے شعبان کے روزے رکھے جائیں۔ حالانکہ اس کے شب برات کے بھی قائل نہیں۔ کیونکہ متواتر دو ماہ کے روزے اور شب بیداریاں ان کے نصب العین کے خلاف ہیں اور بس سے باہر ہیں۔

۵:۔ اس روایت سے ایک فائدہ تو ضرور ہوا کہ شب برات کی شب بیداری سے نجات مل گئی۔ کیونکہ مرنے والوں کے نام دن میں لکھے جاتے ہیں رات میں نہیں۔ اگر رات میں لکھے جاتے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پورے شعبان روزے رکھنے کے بجائے پورے شعبان شب بیداری فرماتے اور ایسا نہیں ہوا۔ معلوم ہوا کہ وہ نام دن میں لکھے جاتے ہیں۔ اس لیے شب برات میں کہ بوقت مغرب نہ قبرستان جانے کی ضرورت ہے اور نہ کراچی کے نئی جیٹی پُل بھاگنے کی۔ اس روایت سے اُلٹا ہمارا مقصود حل ہو گیا ہے کہ اس رات کی کوئی فضیلت نہیں۔

۶:۔ اس روایت میں ایک نکتہ اور قابلِ غور ہے وہ مسلمان جو عیش و عشرت کی زندگی گذار رہے ہیں یا جن کا بینک بیلنس ابھی پورا نہیں ہوا انھیں چاہیئے کہ وہ اس ماہ کے پورے روزے رکھا کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ الکاذم مُردوں کے دفتر میں تحریر کر دیا جائے اور ان کو پتہ تک نہ چلے۔ یہ بھی یاد رکھیئے کہ

Marfat.com

یہ ایک قسم کی جسمانی رشوت ہے اور جو لوگ مفلوک الحال ہیں اور اپنی زندگی سے نالاں ہیں وہ خودکشی کرنے کے بجائے شعبان میں مطلقاً روزے نہ رکھیں کہ ان کا نام داخل دُرد دفتر کر لیا جائے اور اس طرح حرام موت کے بجائے حلال موت نصیب ہو۔

حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت

طبرانی ۳۶۰ھ نے اپنی "معجم اوسط" اور "معجم کبیر" میں حضرت سہلؓ بن سعد سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصوم حتی نقول لا یفطر ویفطر حتی نقول لا یصوم وکان اکثر صومہ فی شعبان — مجمع الزوائد۔ ج ۳ ص ۱۹۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے رکھتے حتیٰ کہ ہم کہتے کہ اب آپ افطار نہ کریں گے اور افطار فرماتے تو ہم کہتے کہ اب آپ روزے نہ رکھیں گے اور آپ کے اکثر روزے شعبان میں ہوتے

امام ہیثمی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

فیہ عمر بن صہبان متروک — ج ۳ ص ۱۹۲

اس میں عمر بن صہبان متروک ہے۔

اس روایت پر کسی بحث کی ضرورت بھی نہیں۔ اس لیے کہ یہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر شعبان کے روزے رکھتے اس کی وجوہات کیا تھیں اس پر ہم حضرت عائشہؓ کی مرویات میں بحث کر چکے ہیں۔

ذہبی میزان ۷۴۸ھ میں لکھتے ہیں۔ یہ عمر بن صہبان الاسلمی المدنی ہے۔

اس کو عمر بن محمد بن صہبان بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی کنیت ابو جعفر اسلمی ہے۔ نافع اور زید بن اسلم سے روایت کرتا ہے۔ امام احمد ؒ فرماتے ہیں لم یکن بشئ (یہ کچھ نہیں) یحیٰی بن معین ؒ کا قول ہے لا یساوی فلسا (یہ تو ایک پیسہ کے برابر بھی نہیں) بخاری کہتے ہیں منکر الحدیث ہے ابو حاتم ؒ اور دار قطنی ؒ کہتے ہیں متروک الحدیث ہے۔ میزان ج۔۳ ص۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ ضعیف ہے ۱۵۷ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ تقریب ص۲۵۴

یہ حدیث اگرچہ رواۃ کے لحاظ سے ضعیف ہے لیکن اکثر شعبان میں روزے رکھنا چونکہ حضرت عائشہ ؓ اور حضرت ام سلمہ ؓ سے صحیح طور پر ثابت ہے۔ اسی طرح لگاتار روزے رکھنا اور لگاتار افطار کرنا حضرت عائشہ ؓ، حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن عباس ؓ وغیرہ کی احادیث سے ثابت ہے اس لیے یہ روایت معنوی لحاظ سے صحیح ہے لیکن حضرت سہل بن سعد ؓ کی جانب اس کی نسبت مشکوک ہے۔ ہمارے خیال میں یہ حضرت عائشہ ؓ اور حضرت انس ؓ کی احادیث کا مکسچر تیار کر کے اسے حضرت سہل ؓ کی جانب منسوب کر دیا گیا ہے۔

پہلے بھی ہم بارہا عرض کر چکے ہیں کہ ہمیں مطلق شعبان کے روزوں سے انکار نہیں۔ وہ خود ہمارے نزدیک ثابت شدہ ہیں۔ بلکہ ہمیں اختلاف چودہ یا پندرہ شعبان کے روزے سے ہے اور اس کا کوئی ثبوت نہیں، بلکہ یہ بلا دلیل آباؤ اجداد اور پیروں کی رسم پر عمل ہو رہا ہے۔

حضرت انس ؓ کی مرویات

امام احمد نے اپنی "مسند" اور طبرانی نے "اوسط" میں انس بن سیرین سے روایت کیا ہے۔

اتینا انس بن مالک فی یوم خمیس فدعا بمائدتہ
فدعاھم الی الغداء فتناول القوم وامسک بعضھم
فقال لھم انس لعلکم اثنا یون لعلکم تمسیون
کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یصوم ولا یفطر حتی نقول ما فی نفس رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ان یفطر العام ثم یفطر
حتی نقول ما فی نفسہ ان یصوم العام وکان احب
الصوم الیہ فی شعبان مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۹۲

ہم جمعرات کے روز حضرت انسؓ کی خدمت میں پہنچے انھوں نے
دسترخوان لگوایا اور لوگوں کو صبح کے کھانے کی دعوت دی، بعض
نے کھانا کھایا اور بعض نے ہاتھ روک لیا۔ حضرت انسؓ نے فرمایا
شاید تم لوگ دوشنبہ والے ہو اور شاید تم جمعراتی ہو۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم روزے رکھتے اور افطار نہ کرتے حتی کہ ہم کہتے
کہ اس سال آپ افطار کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے اور جب افطار
کرتے تو روزے نہ رکھتے حتی کہ ہم کہتے کہ اس سال آپؐ روزے
ہی نہ رکھیں گے اور آپؐ کو شعبان میں روزے رکھنا زیادہ محبوب تھا۔

امام ہیثمی اسے نقل کرکے فرماتے ہیں۔

فیہ عثمان ابن رشید الثقفی وھو ضعیف

اس روایت میں عثمان بن رشید الثقفی ضعیف ہے۔

ذہبی میزان میں فرماتے ہیں

یروی عن انس بن سیرین ضعفہ یحیٰی بن معین

میزان ج ۳ ص ۳۳

عثمان بن رشید انس بن سیرین سے روایت کرتا ہے یحیٰی بن

Marfat.com

معین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دوشنبہ اور جمعرات کے روزے پر تو اعتراض فرمایا حالانکہ وہ حضورؐ سے ثابت ہیں۔ اس کی تفصیل حضرت اسامہؓ کی حدیث میں آئے گی۔ صحیح مسلم میں ابو قتادہؓ انصاری سے مروی ہے۔ آپؐ سے دوشنبہ کے روزے کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا

فیہ ولدت وفیہ انزل علی۔ مسلم ج۔۱ ص ۳۶۸

اسی دن میں پیدا ہوا اور اسی دن مجھ پر وحی نازل ہوئی۔

شعبان کے روزے اگرچہ حضورؐ سے ثابت ہیں۔ لیکن اس کی وجہ شعبان کی محبت نہیں۔ اس کی وجہ پر کسی اور جگہ تبصرہ کیا جا چکا اور حضرت انسؓ کا یہ فرمان کہ حضورؐ کو شعبان میں روزے محبوب تھے۔ اول تو یہ ان کی ذاتی رائے ہوگی جس سے حضرت عائشہؓ کو اختلاف ہے۔ ثانیاً حضرت انسؓ کی روایت میں یہ الفاظ عثمان بن رشید نے زیادہ کئے ہیں۔ ورنہ اصل حدیث بخاری میں اس طرح مروی ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفطر من الشھر حتی نظن ان لا یصوم منہ ویصوم حتی نظن ان لا یفطر منہ وکان لا تشاء ترانہ من اللیل مصلیا الا رایتہ ولا نائما الا رایتہ

بخاری ج۔۱ ص ۲۶۴، ترمذی ج۔۱ ص ۱۲۵

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ماہ افطار فرماتے حتی کہ ہم یہ خیال کرتے کہ اس ماہ آپؐ روزے نہ رکھیں گے اور جب آپؐ روزے رکھتے تو ہم گمان کرتے کہ اب آپ افطار نہ فرمائیں گے اور جب کوئی رات کو آپؐ کو نماز پڑھتے دیکھنا چاہتا تو نماز پڑھتے دیکھ لیتا اور جب آپؐ کو سوتے دیکھنا چاہتا تو سوتا دیکھ لیتا

اس حدیث میں حضرت انسؓ نے مہینہ کا ذکر کیا ہے نہ کہ سال کا، یعنی

Marfat.com

ہر ماہ آپؐ کی یہی صورت حال ہوتی۔ یہ نہیں کہ جب آپؐ روزے رکھتے تو پورے سال رکھتے رہتے اور جب افطار کرتے تو پورے سال افطار کرتے رہتے یہ عثمان بن رشید کی جہالت کا کرشمہ ہے کہ اس نے لفظ شہر کو عام سے تبدیل کر دیا اس طرح واقعہ کا تعلق مہینہ کے بجائے سال بھر سے پیدا ہو گیا وھذا انک عظیم اور نہ اس حدیث میں شعبان کی محبوبیت کا ذکر ہے۔ یہ بھی عثمان بن رشید نے اضافہ کیا ہے۔

حضرت انس رضؓ سنہ ۹۱ کی ایک اور روایت

اس مضمون کی ایک اور روایت، ترمذی میں بھی پائی جاتی ہے جسے حافظ منذری نے "ترغیب و ترہیب" میں اور شیخ عبدالقادر نے "غنیہ" میں ذکر کیا ہے۔ حافظ منذری اور شیخ صاحب کے الفاظ ہیں۔

سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای الصوم افضل بعد رمضان قال شعبان لتعظیم رمضان

غنیہ ج ۲ ص ۶۷۸، ترغیب و ترہیب ج ۲ ص ۲۹

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا رمضان کے بعد کون سا روزہ افضل ہے۔ آپؐ نے فرمایا رمضان کی تعظیم کے باعث شعبان کا روزہ۔

حافظ منذری سنہ ۶۵۶ھ اسے نقل کر کے فرماتے ہیں۔ امام ترمذی سنہ ۲۷۹ھ کا قول ہے۔

ھذا حدیث غریب یہ حدیث خبر واحد ہے۔

حافظ منذری نے اس میں دو غلطیاں کی ہیں۔

۱: ترمذی کی پوری روایت نقل نہیں کی۔

۲: ترمذی نے جو اس پر جرح کی تھی وہ بھی ادھوری نقل کی۔ ہم ذیل میں

Marfat.com

ترمذی کی پوری روایت نقل کرتے ہیں۔

حدثنا محمد بن اسمعیل نا موسی بن اسمعیل نا صدقۃ بن موسٰی عن ثابت عن انس قال سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای الصوم افضل بعد رمضان قال شعبان لتعظیم رمضان قال فای الصدقۃ افضل قال صدقۃ فی رمضان۔ ترمذی ج ۱ ص ۱۱۲

ہم سے محمد بن اسمٰعیل بخاری نے بیان کیا، ان سے موسٰی بن اسمٰعیل نے، ان سے صدقۃ بن موسٰی نے وہ ثابت سے روایت کرتے ہیں وہ حضرت انسؓ سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا۔ رمضان کے بعد کون سا روزہ افضل ہے۔ آپؐ نے فرمایا رمضان کی تعظیم کے لیے شعبان کا روزہ۔ سوال کیا گیا۔ کونسا صدقہ افضل ہے آپؐ نے فرمایا۔ رمضان میں صدقہ کرنا۔

اس کے بعد امام ترمذی ۲۷۹ھ فرماتے ہیں۔

ھذا حدیث غریب وصدقۃ بن موسٰی لیس عندھم بذلک القوی

یہ حدیث خبر واحد ہے اور صدقۃ بن موسٰی محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہے۔

اتفاق سے یہ روایت طحاوی ۳۲۱ھ نے "معانی الآثار" میں ان الفاظ میں روایت کی ہے۔

حدثنا ابن ابی داؤد نا موسٰی بن اسمعیل نا صدقۃ بن موسی عن ثابتٍ عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال افضل الصیام بعد رمضان شعبان

معانی الآثار ج۔ ۱ ص ۳۴۱

ہم سے ابن ابی داؤد نے بیان کیا۔ ان سے موسیٰ بن اسمٰعیل نے ان سے صدقہ بن موسیٰ نے وہ ثابت کے ذریعہ حضرت انسؓ سے نقل کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان کے بعد شعبان کا روزہ افضل ہے۔

طحاوی کی روایت میں تعظیم رمضان کا کوئی ذکر نہیں۔ جب کہ ترمذی کی روایت میں تعظیم رمضان کا ذکر ہے۔ اِس طرح ایک ہی روایت میں تضاد پیدا ہو گیا اور پہلی روایت جو حضرت انس سے مروی تھی وہ اس کے بالکل خلاف تھی اِس روایت سے محسوس ہوتا ہے کہ شعبان کو بالذات کوئی فضیلت حاصل نہیں اور صرف رمضان کی عظمت میں شعبان کے روزے رکھے جاتے ہیں اور پہلی روایت سے معلوم ہوتا تھا کہ آپؐ کو شعبان کے روزے محبوب تھے۔

۲:۔ حضرت انس سے اِس حدیث کو۔ سوائے ثابت ۱۲۰ھ کے کوئی روایت نہیں کرتا۔ کیونکہ انس بن سیرین ۱۱۸ھ نے شعبان کے روزے محبوب ہونے کی روایت بیان کی اور حمید ۱۴۳ھ نے شعبان کا کوئی ذکر تک بھی نہیں کیا جیسا کہ بخاری کی روایت میں گذر چکا ہے۔ پھر ثابت سے بجز صدقہ کے اسے کوئی روایت نہیں کرتا اور صدقہ ضعیف ہے اور صدقہ سے موسیٰ بن اسمٰعیل کے علاوہ اور کوئی روایت نہیں کرتا۔ اِس طرح یہ روایت تین زبانوں تک خبر واحد رہی۔ موسیٰ بن اسمٰعیل سے اسے روایت کرنے والے دو شخص ہیں۔ محمد بن اسمٰعیل بخاری اور احمد بن ابی داؤد۔ اور ان دونوں کے الفاظ میں اختلاف ہے۔ ایسی صورت میں یہ روایت کیسے حجت ہو گی۔

۳:۔ صدقہ بن موسیٰ بقول امام ترمذی محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہے امام ذہبی فرماتے ہیں یہ صدقہ بصرہ کا باشندہ ہے۔ اس کی کنیت ابو المغیرہ ہے امام ابو حاتم فرماتے ہیں۔

یکتب حدیثہ ولیس بقوی میزان ج ۔ ۲ ص ۳۱۲

اس کی حدیث تو لکھ لی جاتے لیکن یہ قوی نہیں ہے۔

اور نسائیؒ اور ابن معین وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام ہیثمی مجمع الزوائد میں فرماتے ہیں۔

اخرجہ الترمذی وغرب حدیثہ ولیس بذلک القوی عندھم وقال البیھقی ضعفہ احمد وابن معین

مجمع الزوائد ج۔۳ ص۱۹۰

ترمذی نے اس سے روایت لی ہے اور اس کی حدیث کو غریب قرار دیا ہے اور یہ محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہے، بیہقی کہتے ہیں۔ اسے امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے ضعیف قرار دیا ہے

۴:۔ یہ روایت حدیث صحیح کے بھی خلاف ہے۔ بخاری، مسلم اور ترمذی وغیرہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

افضل الصیام بعد صیام شھر رمضان شھر اللہ المحرم مسلم ج۔۱ ص۳۶۸، ترمذی ج۔۱ ص۱۲۲

رمضان کے روزوں کے بعد سب سے افضل روزہ محرم کا کا روزہ ہے۔

حدیث صحیح کی موجودگی میں حدیث ضعیف کو کیسے قبول کیا جا سکتا ہے اسی باعث حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح بخاری" میں ابوہریرہؓ کی روایت پر بحث کرتے ہوئے ترمذی کی اس روایت کا رد کیا ہے۔

۵:۔ اس حدیث سے پورے شعبان کے روزے ثابت ہوں گے نہ کہ صرف پندرہ شعبان کا۔ اور بحث پندرہ شعبان کے روزے اور پندرھویں شب کی شب بیداری پر ہے۔ پورے شعبان پر بحث نہیں۔ اگر ہمارے علماء یہ سوچ کر کہ حضورؐ نے شعبان کے روزے رکھے ہیں پورے شعبان کے روزوں کا حکم دیں تو ہمیں ہرگز کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ تکلیف آپ ہی کو ہوگی۔

Marfat.com

۱۶۔ مصنف "غنیہ" نے اِس روایت کو حسبِ عادت ابونصر اور اس کے باپ سے روایت کیا ہے اور اُوپر کی سند غائب کر دی ہے۔ اس لیئے غنیہ" کی روایت کو کسی شیئے کے ثبوت میں پیش کرنا حلال نہیں۔

حضرت انسؓ پر ایک نیا بُہتان

شیخ عبدالقادر جیلانی نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

فضل رجب علی سائر الشھور کفضل القرآن علی سائر الکلام وفضل شعبان علی سائر الشھور کفضلی علی سائر الانبیاء وفضل رمضان علی سائر الشھور کفضل اللہ علی سائر خلقہ

غنیہ ج-۱ ص۶۸۰

رجب کی تمام مہینوں پر فضیلت ایسی ہے جیسے قرآن کی تمام کلاموں پر اور شعبان کو تمام مہینوں پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے مجھے تمام انبیاء پر اور رمضان کو تمام مہینوں پر ایسی فضیلت ہے جیسے اللہ کو تمام مخلوق پر۔

شیخ صاحب نے اس کی سند ہی غائب کر دی ہے۔ لیکن یہ روایت دیلمی نے بھی نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا راوی ہبتہ اللہ السقطی ہے جسے شیخ صاحب اپنا امام اور شیخ قرار دیتے ہیں۔ ممکن ہے کہ جن روایتوں کی شیخ صاحب نے سندات ذکر نہیں کیں وہ سب اسی سے مروی ہوں۔ حافظ ابن عراق الکنانی نے اپنی کتاب "التنزیہ الشریعہ" میں فرماتے ہیں۔

رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس من حدیث انس وفی سندہ من لم اعرفہ وفیہ ھبۃ اللہ السقطی

Marfat.com

قال ابن ناصر لیس بثقة وظھر کذبہ ۔

تنزیہ الشریعہ ج ۱ ص ۱۲۳

دیلمی نے اسے فردوس میں حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں بعض رواۃ ایسے ہیں جنہیں میں نہیں پہچانتا۔ اور اس میں ہبۃ اللہ السقطی ہے۔ ابن ناصر کہتے ہیں وہ ثقہ نہیں ہے اور اس کا جھوٹ ظاہر ہو چکا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ "تبلیین العجب فی ماورد فی رجب" میں رقم طراز ہیں۔

فیہ ھبۃ اللہ السقطی فھو الوافۃ "تنزیہ الشریعہ ج ۱ ص ۱۶۰

اس میں ہبۃ اللہ السقطی ہے وہ تو آفت ہے۔

علامہ ابن السمعانی المتوفی ۵۰۳ھ جو اس ہبۃ اللہ کے ہم عصر ہیں اور شیخ صاحب سے عمر میں بہت بڑے ہیں اور شیخ صاحب کی جوانی میں ان کا انتقال ہوا ہے فرماتے ہیں۔

غیر انہ ادعی السماع من شیوخ لم یرھم ! فرأیت فی معجمہ اخبرنا ابو محمد الجوھری قرأۃ علیہ وھذا محال مالحقہ ولاسنۃ تحتملہ ۔

میزان ج ۔ ۴ ص ۲۹۲

اس نے ایسے شیوخ سے سماع حدیث کا دعویٰ کیا جنہیں اس نے دیکھا تک نہ تھا۔ میں نے اس کی معجم میں دیکھا ہے وہ کہتا ہے ہمیں ابو محمد الجوہری نے خبر دی اور ان کے سامنے حدیث پڑھی گئی۔ یہ محال ہے کیونکہ ہبۃ اللہ نے نہ تو ابو محمد سے ملاقات کی اور نہ اس کی عمر اتنی تھی کہ ان سے ملاقات کر سکتا۔

اس ہبۃ اللہ کا انتقال ۵۰۹ھ میں ہوا اور حافظ جوہری ۴۴۷ھ میں وفات فرما گئے۔ اس طرح ہبۃ اللہ کی عمر کم از کم دو سو ستر سال ہونی چاہیئے۔

ملا علی قاری حنفی اپنی موضوعات کبیر میں فرماتے ہیں۔

قال العسقلانی ھوموضوع موضوعات کبیر ص۲۷۸

ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں یہ روایت موضوع ہے۔

۱۲۔ ان تین ماہ کی فضیلت تو بیان کر دی گئی کیونکہ اس وقت میلاد اور گیارہویں کا رواج نہ ہوا تھا۔ اب ان دونوں مہینوں کے لیے بھی کچھ نہ کچھ روایات ہونی چاہئیں۔ علماء اور صوفیاء اس پر بھی کچھ توجہ دیں۔ کیا یہ کہانیاں وضع کرنا پرانے پیروں ہی کا کام تھا؟ موجودہ دور کے پیر آخر کیا کرتے رہتے ہیں

۱۳۔ اللہ تعالےٰ نے چار مہینوں کو محرم فرمایا۔ ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ

توبہ: ۳۶

یقیناً اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں اس روز سے جب کہ اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا مہینوں کی تعداد بارہ ہے جن میں سے چار مہینے محترم ہیں۔ توبہ: ۳۶

یہ چار مہینے کون سے ہیں۔ ان کا بیان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سن لیجئے۔ ارشاد ہے۔

ان الزمان قد استدار کھیاتہ یوم خلق اللہ السموات والارض السنۃ اثنا عشر شھرًا منھا اربعۃ حرم ثلث متوالیات ذوالقعدہ وذوالحجۃ والمحرم ورجب مضر الذی بین جمادی و شعبان۔ بخاری ج۔۲ ص۶۷۲، ابوداؤد ج۔۱ ص۲۷۵

زمانہ آج کے دن گھوم کر اسی ہیئت پر آگیا ہے جس ہیئت پر اس وقت تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پیدا فرماتے

Marfat.com

سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے۔ جن میں سے چار محترم مہینے ہیں۔ تین تو لگاتار ہیں۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور چوتھا قبیلہ مضر کا رجب ہے جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔

اِس خبیث راوی نے چار میں سے صرف ایک کا ذکر کیا اور تین کو نظرانداز کر کے ان کی جگہ شعبان کا اضافہ کیا۔ حالانکہ ماہ ذی الحجہ اور خصوصاً اس کے ابتدائی دس دن تو تمام ایام سے افضل ہیں۔ اِس طرح حضورؐ نے جو ترتیب بیان فرمائی تھی یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم وہ صونیار نے تبدیل کر کے رجب، شعبان، اور رمضان کر دی، گویا عیاذاً باللہ حضورؐ کا فرمان غلط تھا۔ ہمارے علماء و صونیار نے حضورؐ کے فرمان کو چھوڑ کر ان زنادقہ کے اقوال کو اپنے سینوں سے لگا لیا ہے جو کہ لائقِ افسوس ہے۔

ان مہینوں کو محرم اس لیے کہا جاتا ہے کہ اہلِ عرب ان میں جنگ حرام سمجھتے تھے ابتدا میں اسلام میں بھی یہی حکم رہا جو بعد میں منسوخ ہو گیا۔ اس طرح ان مہینوں کی جو عظمت تھی وہ ختم ہو گئی۔ صرف ذی القعدہ اور ذی الحجہ کی عزت حج کے باعث باقی رہی۔

طبرانی ۳۶۰ھ نے خرشہ بن حر ۷۴ھ سے روایت کیا ہے۔ یہ خرشہ یتیم تھے۔ انھیں حضرت عمرؓ نے پرورش کیا تھا۔ ابوداؤد کہتے ہیں یہ صحابی ہیں ۷۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ تقریب ص ۹۲

رایت عمر بن الخطاب یضرب اکف الرجل فی صوم رجب حتی یضعوھا فی الطعام ویقول رجب و ما رجب انما رجب شھر کان یعظمہ اھل الجاھلیۃ فلما جاء الاسلام ترک۔

مجمع الزوائد۔ ج۔ ۳ ص ۱۹۳

میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ وہ ان لوگوں کے ہاتھوں پر جو رجب

میں روزہ رکھتے لکڑیاں مارتے اور انہیں کھانا کھانے اور روزہ توڑنے پر مجبور کرتے اور فرماتے یہ رجب رجب کیا بلا ہے۔ رجب ایسا مہینہ ہے جس کی اہلِ جاہلیت تعظیم کیا کرتے تھے۔ جب اسلام آیا تو وہ تعظیم ختم کر دی گئی۔

گویا اسلام جن امور کو مٹانے آیا تھا۔ صوفیاء نے انھی امور کو اسلام کا لبادہ اڑھا کر دوبارہ زندہ کر دیا۔ اب اسے تصوف کہا جاتے یا زندقہ والحاد۔ اس کا فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں۔

امام ہیثمی اسے نقل کر کے فرماتے ہیں۔

فیہ الحسن بن جبلۃ ولم اجد من ذکرہ وبقیۃ رجالہ ثقات

اس میں ایک راوی حسن بن جبلہ ہے اور کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ باقی تمام روات ثقہ ہیں۔

ابن ماجہ نے ابن عمر سے روایت کیا ہے۔

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن صیام رجب۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب کے روزوں سے منع فرمایا۔

۴:۔ ان تمام امور کو اگر نظر انداز بھی کر دیا جائے۔ تب بھی اس روایت سے کسی قسم کا کوئی عمل ثابت نہیں ہوتا۔ اس لحاظ سے بھی یہ روایت مہمل ہے اور پھر اس سے پورے شعبان کی فضیلت ثابت ہو گی اور اس صورت میں پورے شعبان کے روزے اور تمام شعبان کی شب بیداری لازم آئے گی اور فریق مخالف بھی اس کے قائل نہیں۔ ایسی صورت میں اس روایت کا پیش کرنا ہی حماقت ہے۔

Marfat.com

صلوۃ الرغائب

یہ ایک ایسی مشہور نماز ہے جو صوفیاء کی اکثر کتابوں میں پائی جاتی ہے۔ اس کا واضع علی بن عبداللہ بن جہضم ہے جو ایک مشہور صوفی تھا اور "بہجۃ الاسرار" کا مصنف ہے جو تصوف کی ایک اہم ترین کتاب سمجھی جاتی ہے شیخ عبدالقادر نے بھی یہ روایت سند کے ساتھ اسی سے نقل کی ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں۔

اخبرنا الشیخ ابوالبرکات ھبۃ اللہ السقطی انا القاضی ابوالفضل جعفر بن یحیی بن الکمال المکی انا ابوعبداللہ الحسین بن عبدالکریم بن محمد الجزری بمکۃ فی المسجد الحرام انا ابوالحسن علی بن عبداللہ بن جہضم الھمدانی انا ابوالحسن علی بن محمد بن سعید السعدی البصری انا ابی قال انا خلف بن عبداللہ الصفانی عن حمید الطویل عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجب شھر اللہ وشعبان شھری ورمضان شھر امتی قیل یارسول اللہ ما معنیٰ قولک شھر اللہ قال صلی اللہ علیہ وسلم لانہ مخصوص بالمغفرۃ وفیہ تحقن الدماء وفیہ تاب اللہ تعالیٰ علی انبیاء وفیہ نقض اولیاء من اعدائہ من صامہ استوجب علی اللہ تعالیٰ ثلاثۃ اشیاء مغفرۃ لجمیع ماسلف من ذنوبہ وعصمتہ مابقی من عمرہ واما الثالث یامن العطش یوم العرض الاکبر

Marfat.com

فقام شیخ ضعیف فقال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صم اول یوم منہ واوسط یوم منہ واخر یوم منہ فانک تعطی ثواب من صام کلہ فان الحسنۃ بعشر امثالہا ولکن لا تغفلوا عن اول لیلۃ جمعۃ فی رجب فانہا لیلۃ تسمیہا الملائکۃ الرغائب وذالک انہ اذا مضی ثلث اللیل لا یبقی ملک فی جمیع السموات والارضین الا ویجتمعون فی الکعبۃ وحوالیہا فیطلع اللہ تعالیٰ علیہم اطلاعۃ فیقول ملائکتی سلونی عما شئتم فیقول ربنا حاجتنا ان تغفر لصوام رجب فیقول اللہ تعالیٰ قد فعلت ذلک ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فما من احد یصوم یوم الخمیس اول خمیس فی رجب ثم یصلی فی ما بین المغرب والعشاء العتمۃ یعنی لیلۃ الجمعۃ اثنتی عشرۃ رکعۃ یقرأ فی کل رکعۃ بفاتحۃ الکتاب مرۃ وَاِنَّا اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ ثلاث مرات وَقُلْ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اثنتی عشرۃ مرۃ ویفصل بین کل رکعۃ بتسلیمۃ فاذا فرغ من صلوٰتہ صلی علیّ سبعین مرۃ یقول اللہم صل علی محمد نبی الامی وعلی آلہ وسلم ثم یسجد سجدۃ یقول فی سجودہ سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح سبعین مرۃ ثم یرفع راسہ فیقول رب اغفر وارحم، وتجاوز عما تعلم، فانک انت العزیز الاعظم، ثم یسجد الثانیۃ فیقول فیہا ما قال فی السجدۃ الاولیٰ ثم یسال اللہ تعالیٰ

Marfat.com

حاجتہٗ فی سجودہٖ فانہا تقضی، قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہٖ مامن
عبدٍ ولا امۃ صلّی ھذہٖ الصلوٰۃ الا غفر اللہ لہٗ،
جمیع ذنوبہٖ ولو کانت مثل زبد البحر والرمل
ووزن الجبال وعدد قطر الامطار وورق الاشجار
وشفع یوم القیمۃ فی سبع مائۃ من اھل بیتہٖ
فاذا کان اوّل اللیلۃ فی قبرجاءہٗ ثواب ھذہٖ
الصلوٰۃ بوجہ طلق ولسان ذلق فیقول یاحبیبی
البشر فقد بخوت من کل شدۃ فیقول من انت
فواللہ مارایت رجلا احسن وجہا من وجہک
ولا سمعت کلامًا احلیٰ من کلامک ولا شممت
رائحۃ اطیب من رائحتک فیقول لہٗ یاحبیبی
انا ثواب تلک الصلوٰۃ التی فی لیلۃ کذا فی شھر
کذا فی سنۃ کذا جئت الیلۃ لاقضیٰ حاجتک
وانس وحدتک وارفع عنہٗ وحشتک فانا نفخ
فی الصور اظلتک فی عرصۃ القیمۃ علی رأسک
فابشر فلن اتقدم الخیر من مولاک ابدًا۔

غنیہ ج ۱ ص ۶۶

ہم سے شیخ ابوالبرکات ہبۃ اللہ السقطی نے بیان کیا۔ وہ ابوالفضل جعفر بن یحییٰ بن الکمال المکی سے نقل کرتا ہے وہ ابوعبداللہ الحسین بن عبدالکریم بن محمد الجزری سے جس نے یہ روایت مکہ میں مسجد حرام میں بیان کی (جھوٹ کے لیے کیا مسجد حرام سے بڑھ کر کوئی اور جگہ نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ ان دروغ گوؤں پر اپنی لعنت نازل فرماتے) وہ کہتا ہے ہم سے علی بن عبداللہ بن جہضم الہمدانی

Marfat.com

نے بیان کیا۔ وہ ابوالحسن علی بن محمد بن سعید السعدی البصری سے روایت کرتا ہے۔ وہ اپنے باپ سے وہ خلف بن عبداللہ الصغانی سے وہ حمید الطویل سے وہ انس بن مالک سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ رجب اللہ کا مہینہ، شعبان میرا مہینہ اور رمضان میری امت کا مہینہ ہے۔ دریافت کیا گیا یا رسول اللہ! اللہ کے مہینے سے کیا مراد ہے۔ آپ نے فرمایا یہ مہینہ مغفرت کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسی میں خونوں کا بدلہ لیا جاتا ہے اور اسی ماہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کی توبہ قبول کی اور اسی ماہ میں اپنے اولیاء کو اپنے دشمنوں سے بچایا۔ (نقض کے معنی بچانے کے نہیں آتے توڑنے کے آتے ہیں اور اس جگہ اولیاء اللہ سے مراد شیعہ ہیں اور دشمنوں سے مراد امیر معاویہؓ ہیں، کیونکہ ماہِ رجب میں ان کا انتقال ہوا۔ اور یہ کونڈے اسی خوشی میں کیے جاتے ہیں اسی لیے ماہ رجب کو یہ تمام فضائل حاصل ہیں) جس شخص نے اس ماہ کے روزے رکھے اس کے لیے اللہ تعالیٰ پر تین چیزیں لازم ہونگی۔ اول تمام گذشتہ گناہوں کی مغفرت، دوئم باقی عمر گناہوں سے عصمت (یعنی یہ روزے رکھنے والے انبیاء کی طرح معصوم ہیں۔ لیکن انبیاء کی عصمت وہبی ہے اور انکی عصمت کسبی ہے، تیسری بڑی پیشی یعنی روز حساب میں پیاس سے مامون رکھنا۔ ایک کمزور بوڑھے نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ میں تمام ماہ کے روزے رکھنے سے عاجز ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ یکم، پندرہ اور آخر دن کا روزہ رکھ لیا کر۔ اس طرح تجھے پورے ماہ کے روزوں کا اجر دیا جائے گا۔ کیونکہ ہر نیکی کا دس گنا ثواب ملتا ہے۔ لیکن رجب کے پہلے جمعہ کی شب سے غافل نہ ہو

Marfat.com

کیونکہ فرشتوں نے اس کا نام رغائب رکھا ہے اور صورت یہ ہے کہ جب پہلی رات گذر جاتی ہے کہ ہر زمین اور ہر آسمان کے تمام فرشتے کعبہ میں یا اس کے اردگرد جمع ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر طلوع فرماتا ہے اور کہتا ہے تم جو چاہو مجھ سے سوال کرو۔ وہ عرض کرتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہماری خواہش تو صرف یہ ہے کہ آپ رجب کے روزے رکھنے والے کی مغفرت فرما دیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے ان کی مغفرت کی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص رجب کی پہلی جمعرات کا روزہ رکھے اور جمعہ کی شب میں مغرب و عشاء کے درمیان بارہ رکعت نماز پڑھے۔ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ ایک بار، انا انزلناہ فی لیلۃ القدر تیرہ بار اور قل ہو اللہ احد بارہ بار پڑھے اور ہر رکعت پر سلام پھیرے اور نماز سے فارغ ہو کر مجھ پر ستر مرتبہ درود پڑھے اور کہے۔ اے اللہ نبی امی محمد اور ان کی آل پر درود و سلام بھیج (پھر سجدہ کرے اور سجدہ میں ستر مرتبہ سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح پھر اپنا سر اٹھا کر یہ دعا پڑھے۔ اے میرے پروردگار مغفرت فرما اور رحم فرما اور ان گناہوں سے درگذر فرما جنھیں آپ جانتے ہیں۔ کیونکہ آپ غالب اور بڑے ہیں۔ پھر دوسرا سجدہ کرے اور دوسرے سجدے میں بھی اسی طرح کہے۔ پھر سجدے میں اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت کا سوال کرے تو وہ سوال پورا کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ کوئی بندہ اور بندی ایسی نہیں جو یہ نماز پڑھے

Marfat.com

اللہ تعالیٰ اس کے تمام گذشتہ گناہ معاف کر دیتا ہے۔ خواہ وہ سمندر کے جھاگ یا ریت کے ذرات یا پہاڑوں کے وزن، یا بارش کے قطروں اور درختوں کے پتوں کے برابر کیوں نہ ہوں۔ قیامت کے روز اس کے سات سو گھر والوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول کی جائے گی اور جب قبر میں اس کی پہلی رات ہو گی تو اس نماز کا ثواب آئے گا۔ جس کا چہرہ نہایت حسین ہو گا اور شیریں زبان میں گفتگو کرتا ہو گا اور کہے گا اے میرے دوست خوش ہو جا تو نے ہر شدت سے نجات پائی۔ نماز پڑھنے والا سوال کرے گا تو کون ہے۔ اللہ کی قسم میں نے آج تک تجھ سے زیادہ حسین اور تجھ سے زیادہ شیریں کلام نہیں دیکھا اور نہ تیری خوشبو سے زیادہ بہتر کوئی خوشبو سونگھی وہ اس سے کہے گا کہ اے میرے دوست میں تیری اس نماز کا ثواب ہوں کہ جو تو نے فلاں فلاں مہینہ فلاں سال پڑھی تھی۔ میں تیرے پاس اس لیے آیا ہوں کہ تیری حاجت پوری کروں، تیری تنہائی میں تیرا مونس بنوں اور تیری وحشت دور کر دوں۔ جب قیامت کے روز صور پھونکا جائے گا تو میں میدانِ قیامت میں تیرے سر پر سایہ کر دوں گا۔ تو خوش ہو جا۔ تیرے مولا کی جانب سے تیرے لیے خیر کبھی معدوم نہ ہو گی۔

اس روایت کے بارے میں پہلے آپ دیگر علماء کے فیصلے ملاحظہ فرمالیں ملا علی قاری حنفی نے اپنی "موضوعات کبیر" میں امام محمد بن الجزری الشافعی مصنف "حصن حصین" سے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

وکذا صلوٰۃ عاشوراء وصلوٰۃ الرغائب موضوع بالاتفاق وکذا بقیۃ صلوات لیالی رجب ولیلۃ

النصف من شعبان مائۃ رکعۃ فی کل رکعۃ
عشر مرات بالاخلاص ولاتغتر بذکرھا فی
قوت القلوب واحیاء العلوم ولا بذکر الثعلبی
فی تفسیرہ وکذا فی شرح الاوراد موضوعات کبیر ص ۲۷۶

اسی طرح نماز عاشورا اور صلوٰۃ الرغائب بالاتفاق موضوع ہیں جس طرح رجب کی بقیہ راتوں کی نمازیں موضوع ہیں۔
اسی طرح شعبان کی پندرہویں شب میں سو رکعت نماز اور ہر رکعت میں دس بار سورۃ اخلاص پڑھنا یہ بھی موضوع ہے۔
اور یہ روایات "قوت القلوب" اور "احیاء العلوم" میں دیکھ کر دھوکہ نہ کھانا۔ اور ثعلبی نے انھیں جو اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے یا "شرح الاوراد" میں جو یہ روایات مذکور ہیں ان سے بھی دھوکہ نہ کھانا (اور غنیہ کے نام سے بھی دھوکہ نہ کھانا)

"قوت القلوب" ابو طالب مکی کی تصنیف ہے اور تصوف پر ایک قیمتی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ تصوف کی اکثر خرافات کا ماخذ یہی ہے۔

"احیاء العلوم" امام غزالی المتوفی ۵۰۵ھ کی مشہور کتاب ہے۔ "غنیہ" کی طرح اس میں اگرچہ کچھ باتیں عمدہ ہیں۔ لیکن یہ تمام موضوعات اس میں بھری ہوئی ہیں۔ بلکہ یہ کتاب صوفیاء کی خلاف علم و عقل کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ حافظ عراقی المتوفی ۸۰۶ھ نے اس پر تخریج لکھی ہے۔ جس میں "احیاء" کی روایات پر بحث کی گئی ہے اور امام ابن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے اپنی "تلبیس ابلیس" میں احیاء کی ان کہانیوں کا فقہی لحاظ سے رد کیا ہے جو انھوں نے صوفیاء کے بارے میں لکھی تھیں۔ حاصل کلام یہ کہ محدثین اور فقہاء محققین کے نزدیک یہ کتابیں ناقابل اعتبار ہیں۔

امام ذہبی نے حافظ سعید بن عمرو البرذعی کا بیان نقل کیا ہے کہ میں

Marfat.com

امام الرجال، حافظ الحدیث ابوزرعہ رازی المتوفی ۲۶۴ھ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ان سے صوفی حارث محاسبی المتوفی ۲۴۳ھ کی کتابوں کے بارے میں استفسار کیا۔ انھوں نے فرمایا۔

ایاک وھذہ الکتب ھذہ کتب بدعۃ وضلالات علیک بالاثر فانک تجد فیہ ما یغنیک۔

تو ان کتابوں سے پرہیز کر، یہ بدعت و گمراہی کی کتابیں ہیں تو حدیث کو لازم پکڑ تجھے احادیث میں ہر وہ شئے مل جائے گی جو تجھے دوسری چیزوں سے بے نیاز کر دے گی۔

امام ذہبی ۷۴۸ھ امام ابوزرعہ رازی کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

این مثل الحارث فکیف لورای ابوزرعۃ تصانیف المتاخرین کالقوت لابی طالب واین مثل القوت کیف رای بہجۃ الاسرار لابن جہضم وحقائق التفسیر للسلمی طارلیہ کیف لورای تصانیف ابی حامد الطوسی (غزالی) فی ذلک علی کثرۃ مافی الاحیاء من الموضوعات کیف لورای الغنیۃ للشیخ عبدالقادر کیف لورای فصوص الحکم وفتوحات المکیۃ بلی لما کان الحارث لسان القوم فی العصر کان معاصرہ الف امام فی الحدیث مثل احمد بن حنبل وابن راھویہ ولما صار ائمۃ الحدیث مثل ابن الدخیمسی وابن شمانۃ کان قطب العارفین کصاحب الفصوص وابن سفیان نسال اللہ العفو والمسامحۃ آمین

میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۳۱

Marfat.com

حارث کی کیا مثال۔ اگر ابو زرعہ متاخرین کی کتابیں دیکھ لیتے جیسے ابو طالب کی "قوت القلوب" اور یہ بھی کوئی اتنی گہری ہوئی نہیں ہے۔ اگر ابو زرعہ ابن جہضم کی "بہجۃ الاسرار" اور ابو عبدالرحمان سلمی کی "حقائق التفسیر" دیکھ لیتے تو ان کی عقل ہی اُڑ جاتی اور اگر بالفرض وہ ابو حامد غزالی کی کتابیں دیکھ لیتے کہ کس طرح انھوں نے "احیاء العلوم" میں موضوعات کا انبار لگایا ہے۔ اگر وہ عبدالقادر کی "غنیہ" دیکھ لیتے اور اگر وہ ابن عربی کی "فصوص الحکم" اور "فتوحات المکیہ" کا مطالعہ کر لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا۔ حالانکہ حارث جب اپنے ہم خیال لوگوں کی زبان بن کر سامنے آتے تو اس وقت ایک نہ ار حدیث کے امام ان کے معاصر تھے (یعنی ان کا جواب دینے کے لیے) جیسے امام احمد بن حنبل المتوفی سنہ ۲۴۰ھ اور امام اسحاق بن راہویہ سنہ ۲۳۸ھ، لیکن جب ابن الدخیمسی اور ابن شاہین جیسے (لاعلم) لوگ حدیث کے امام بن گئے تو "فصوص الحکم" کا مصنف (ابن عربی) اور ابن سفیان جیسے لوگ قطب العارفین بن گئے۔ ہم اللہ سے معافی اور درگذر کے طالب ہیں۔ آمین

ملا علی قاری حنفی المتوفی سنہ ۱۰۱۴ھ نے اپنی "موضوعات کبیر" کے آخر میں علامہ ابن قیم جوزی سنہ ۷۵۱ھ کا ایک مضمون نقل کیا ہے۔ موصوف اس میں فرماتے ہیں۔

وکذلک احادیث صلوۃ الرغائب اول جمعۃ من رجب کلہا کذب وامثلہا ما رواہ عبد الرحمن بن مندۃ وہو صدوق عن ابن جہضم وہو واضع الحدیث حدثنا علی بن محمد بن

سعید البصری ثنا ابی ناخلف بن عبد اللہ الصغانی
عن حمید بن انس یرفعہ رجب شہر اللہ وشعبان شہری
ورمضان شہر امتی الحدیث وفیہ لا تغفلوا عن
اول جمعۃ من رجب فانہا تسمیہا الملائکۃ الرغائب
وذکر الحدیث بطولہ قال ابن الجوزی اتہموا
بہ ابن جہضم ونسبوہ الی الکذب قال وسمعت
عبد الوہاب الحافظ یقول رجالہ مجہولون
فتشت علیہم جمیع الکتب فما وجدتہم۔

موضوعات کبیر مترجمہ ص ۵۳۹

اسی طرح صلوٰۃ الرغائب کی احادیث جو رجب کے پہلے جمعہ کی شب میں پڑھی جاتی ہیں سب جھوٹ ہیں اور اس کی مثال وہ روایت ہے جو عبدالرحمان بن مندہ نے جو بالذات سچے آدمی ہیں روایت کی ہے۔ وہ ابن جہضم سے نقل کرتے ہیں جو واضع الحدیث ہے۔ وہ علی بن محمد بن سعید البصری سے وہ خلف بن عبد اللہ الصغانی سے وہ حمید بن انس سے وہ اسے مرفوعاً بیان کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رجب اللہ کا مہینہ ہے اور شعبان میرا مہینہ، اور رمضان میری امت کا مہینہ (اور بقیہ مہینے کس کے ہیں) رجب کے پہلے جمعہ کی شب سے غافل نہ ہو۔ کیونکہ فرشتوں نے اس رات کا نام رغائب رکھا ہے۔ پھر اس نے ایک طویل حدیث بیان کی۔ ابن جوزی فرماتے ہیں۔ محدثین کہتے ہیں کہ اس روایت کو صوفی ابن جہضم نے وضع کیا اور ان محدثین نے اس ابن جہضم کو جھوٹا قرار دیا ہے۔ ابن جوزی کہتے ہیں۔ میں نے حافظ عبدالوہاب سے سنا

Marfat.com

وہ فرماتے تھے اس کے تمام روات مجہول ہیں۔ میں نے تمام کتابیں تلاش کیں۔ لیکن ان ناموں کے افراد میں نے کسی کتاب میں نہیں پائے۔

(میں نے تمام کتب رجال کا مطالعہ کیا ہے لیکن جعفر بن یحییٰ بن الکمال اور عبدالکریم بن محمد الجزری کا حال کہیں نظر نہیں آیا یہ اس روایت کو ابن جہضم سے نقل کر رہے ہیں)

امام ذہبی ان روات کے بارے میں فرماتے ہیں۔

بل لم یخلقوا بلکہ یہ وجود میں بھی نہ آئے تھے

حافظ ابن حجر "تبیین العجب فی ما ورد فی رجب" میں فرماتے ہیں۔

ان ابن جہضم مشہور بوضع الحدیث وشیخہ وابوہ وشیخ ابیہ مجہولون "تنزیہ الشریعہ ج۔۲ ص۹۰

ابن جہضم احادیث وضع کرنے میں مشہور رہے اور ابن جہضم کا شیخ اور اس کے شیخ کا باپ اور اس کے باپ کا شیخ تینوں مجہول ہیں۔

حافظ ابن عراق الکنانی رقم طراز ہیں۔

علی بن عبداللہ بن جہضم الزاہد متہم بالوضع للحدیث "تنزیہ ج۔۲ ص۹۰

علی بن عبداللہ بن جہضم جو ایک زاہد (یعنی صوفی) ہے اس پر وضع حدیث کا اتہام ہے۔

امام نووی شرح صحیح مسلم میں اس کا ذکر خیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قاتل اللہ واضعہا ومخترعہا صحیح مسلم ج۔۱ ص۳۶۱

اللہ تعالیٰ اس روایت کے وضع کرنے والے اور بنانے والے کو قتل کرے۔

Marfat.com

امام ابن القیم فرماتے ہیں۔

کذاب خبیث کذاب ہے، جھوٹا ہے

اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ بولنے اور افترا بازی میں سب سے اول نمبر صوفیاء کا ہے۔ اگرچہ شیعہ اس مرض میں مشہور ہیں لیکن ان کا جھوٹ اہل بیت کی مدح اور صحابہ کرام کی اہانت تک محدود ہے جبکہ صوفیاء نے اپنے جھوٹ میں کسی مضمون کو باقی نہیں چھوڑا۔ ان میں سے بعض حضرات عمداً تو جھوٹ نہ بولتے تھے اور نہ ان پر وضع حدیث کا اتہام ہے۔ بلکہ ان کا جھوٹ صرف اس حد تک تھا کہ جو کچھ سنا بلا تحقیق روایت کر دیا۔ خواہ بیان کرنیوالا کذاب وخبیث ہی کیوں نہ ہو۔ شیخ عبدالقادر جیلانی اور غزالی وغیرہ کا یہی حال ہے۔ ان لوگوں کا حدیث اور رجال سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ ان میں ایک گروہ ایسا ہے کہ اس نے روایات تو مشہور محدثین سے سنیں لیکن انھیں صحیح طور پر یاد نہیں رکھ سکے۔ جنید بغدادی، عبدالواحد بن زید وغیرہ اس صف میں داخل ہیں۔ تیسرا گروہ ان نادان صوفیاء کا ہے کہ جس نے حدیث سننے کے بعد جب اسے بیان کیا اور کسی نے ان کو تنبیہ دیا کہ یہ الفاظ نہیں بلکہ فلاں الفاظ ہیں تو ان لوگوں نے اسے قبول کر کے اصل حدیث کے بجائے اسے بیان کرنا شروع کر دیا۔ ان تینوں طبقوں میں ایک شے سب میں مشترک ہے اور وہ ہے علم حدیث سے ناواقفیت اور بالائے حیرت یہ ہے کہ ابن جہضم خبیث کی کتاب "بہجۃ الاسرار" کا شیخ صاحب نے باقاعدہ درس دیا اور شاگردوں کو اس کے درس کی اجازت دی۔ جیسا کہ صوفی نیاز احمد دہلوی نے شاہ عبدالقادر وغیرہ سے نقل کیا ہے۔

ان میں سب سے بدترین فرقہ وہ ہے جو احادیث وضع کرتا اور اسے جائز تصور کرتا اور جب اس کی گرفت کی جاتی تو یہ عذر تراشتا کہ ہمارا مقصود حضورؐ پر جھوٹ بولنا نہیں۔ بلکہ ہم حضورؐ کی مدد کے لیے جھوٹ بول رہے

Marfat.com

ہیں۔ اِس طبقہ میں ابوعبدالرحمان سلمی، اور ابن جہضم وغیرہ ہیں۔ ابوداؤد الاعمی صوفی، غیاث بن ابراہیم، نوح بن ابی مریم اور سعید المصلوب نے ہزار ہا احادیث گھڑیں اور اسی جرم میں خلفائے بنو امیہ اور بنی عباس نے سعید المصلوب اور نوح بن ابی مریم وغیرہ کو پھانسی پر چڑھایا۔

ہمارے نزدیک اس جھوٹ کی ایک مخفی وجہ یہ بھی ہے کہ تمام صوفیاء عجمی النسل تھے یا جن کا عرب قبائل سے تعلق بھی تھا۔ لیکن ان قبائل نے حضورؐ کی حیات میں اسلام قبول نہ کیا تھا اور اسلام کی شان و شوکت اور اس کے رعب و دبدبہ سے مرعوب ہو کر بظاہر تو اسلام لے آئے لیکن بباطن اسلام کے پردہ میں اسلام کی بیخ کنی کرتے رہے۔ عبداللہ بن سبا، حسن بن صباح، برامکہ اور ابومسلم خراسانی وغیرہ کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں اور ان سب کے پس پشت وہی شیعوں کی سیاست کارفرما تھی۔ اسی لیے ہر پیر کو زبردستی سید بنایا گیا۔ حالانکہ ان میں سے اکثر و بیشتر کا اہل عرب سے کوئی دور کا بھی تعلق نہ تھا جیسے شیخ عبدالقادر جیلانی۔ جو ترک غلاموں کی نسل سے تھے

اسلام نے علم کی روشنی پھیلا کر زمانہ جہالت کی تمام رسومات کا قلع قمع کر دیا تھا۔ لیکن جن لوگوں نے دل سے اسلام قبول نہ کیا تھا انھوں نے خلفائے ثلثہ کے خاتمہ کے بعد انہی مردہ رسومات کو اسلام کا لبادہ پہنا کر اور حضورؐ و صحابہ کا نام لے کر پیش کرنا شروع کیا اور بعد میں یہ سلسلہ نسل در نسل چلتا رہا۔

ماہِ رجب کی کفار کے دلوں میں بہت عظمت تھی۔ اس ماہ میں جنگ حرام تھی۔ کفارِ عرب اس ماہ میں مختلف قسم کی قربانیاں اور نذر و نیاز دیتے، اور اس ماہ کے روزے رکھتے۔ ان کی ان رسومات کو فرع، عتیرہ اور رجبیہ کہا جاتا اسلام نے ان سب کو ختم کر دیا تھا اور اعلان کیا تھا۔

لا فرع ولا عتیرۃ فی الاسلام نسائی ج۔۲ ص۱۶۶

ابوداؤد ج۔۲ ص۳۵

Marfat.com

اسلام میں فرع اور عتیرہ نہیں

لارجبیۃ فی الاسلام اسلام میں رجبیہ نہیں

اسی باعث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب کے روزوں کی ممانعت فرمائی۔ ابن ماجہ نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے۔

نھیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن صیام رجب۔ ابن ماجہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب کے روزوں سے منع فرمایا۔

طبرانی ؒ نے خرشتہ بن حر ؓ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

رایت عمر بن الخطاب یضرب اکف الرجل فی صوم رجب حتی یضعونہ فی الطعام ویقول رجب ومارجب انما رجب شھر کان یعظمہ اھل الجاھلیۃ فلما جاء الاسلام ترک۔

مجمع الزوائد۔ ج ۳ ص ۱۹۱

میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ وہ رجب میں روزہ رکھنے والوں کے ہاتھوں پر ڈنڈے مارتے حتیٰ کہ وہ کھانے پر ہاتھ نہ بڑھا دیتے اور فرماتے یہ رجب رجب کیا شے ہے۔ رجب ایک ایسا مہینہ ہے۔ جس کی اہلِ جاہلیت تعظیم کرتے تھے۔ لیکن جب اسلام آیا وہ تو وہ عظمت ترک کر دی گئی۔

اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان صوفیاء کو یہ روایات بیان کرتے دیکھ لیتے تو کذب علی الرسول کے جرم میں شاید ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑتے اور جب محدثین کرام نے ان روایات کی تردید شروع کی تو انہوں نے پینترا بدل

Marfat.com

کر ماہِ رجب کو معراج کا مہینہ قرار دیدیا اور اس طرح ستائیسویں رجب کی فضیلت بظاہر ثابت کر کے لکھی روزہ وضع کر لیا گیا۔ اعاذنا اللہ من ھذا الطغیان۔

صحیح مسلم میں ہے کہ امام سعید بن جبیر ۹۴ھ تابعی سے کسی نے رجب کے روزوں کے بارے میں دریافت کیا۔ انھوں نے جواب دیا مجھ سے ابن عباسؓ ۶۸ھ نے بیان کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی خاص دن یا کسی خاص ماہ کے روزوں کے پابند نہ تھے۔ بلکہ آپؐ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب آپؐ روزے رکھتے تو لگاتار رکھتے چلے جاتے اور جب چھوڑتے تو لگاتار چھوڑتے۔ مسلم ج ۱ ص ۳۶۵

حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی ماہ کے خاص طور پہ روزے رکھتے۔ انھوں نے فرمایا۔

لا واللہ ان صام شھرا معدوما سوا رمضان
حتی مضی لوجھہ ولا افطر حتی یصیب منہ

مسلم ج ۱ ص ۳۲۵ ، نسائی ج ۱ ص ۲۲۰

اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے علاوہ کسی متعینہ مہینے کے کبھی روزے نہیں رکھے اور نہ کوئی ایسا مہینہ گذرا جس میں مکمل افطار کیا ہے۔

یعنی آپؐ کی یہ عادت نہ تھی کہ پندرہ شعبان، یا رجب کی پہلی جمعرات یا ستائیسویں تاریخ ہی کو روزہ رکھا جاتے۔ بلکہ جب بھی موقعہ ملتا تو نفلی روزے رکھ لیتے اور جب رکھتے تو صرف ایک یا دو روزہ رکھ کر نہ چھوڑتے۔ متعینہ مہینہ تو صرف رمضان کا ہے جس میں آپؐ روزے رکھتے۔

ان دشمنانِ دین نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر جھوٹی روایات گھڑ لیں اور انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی جانب منسوب کر دیا اُن

کے چیلوں نے انھیں اولیاء اللہ اور پیر بنا کر پیش کیا اور اس جھوٹ کا نام علم سینہ بسینہ اور کشف رکھا گیا۔ رفتہ رفتہ یہ زہر اتنا پھیلا کہ ہمارے علماء بھی اس رَو میں بہہ گئے۔ انھیں بھی اپنے آباؤ اجداد اور احبار و رہبان کی اندھی تقلید یاد آنے لگی۔ نتیجۃً سب کے سب اس آیت کا مصداق بن گئے

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے پادریوں اور بزرگوں کو رب بنا لیا ہے۔

۱۲۔ ابن حبہنم نے اس نماز کے لیے رجب کے پہلے جمعہ کی شب کو خاص کیا ہے حالانکہ "صحیح مسلم" میں حضورؐ کا یہ فرمان موجود ہے۔

لا تختصوا ليلة الجمعة بقيام من بين الليالى
ولا تختصوا يوم الجمعة بصيام من بين الايام
الا ان يكون فى صوم يصوم احدكم

راتوں میں سے جمعہ کی رات کو قیام کے لیے خاص نہ کرو۔ اور دنوں میں جمعہ کے دن کو روزے کے لیے خاص نہ کرو۔ ہاں اگر جمعہ تمہارے روزوں کے درمیان واقع ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

مسلم ج۔۱ ص ۳۶۱

امام نووی رحمۃ اللہ المتوفی ۶۷۶ھ "شرح صحیح مسلم" میں اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

وفى هذا الحديث النهى الصريح عن تخصيص
ليلة الجمعة من بين الليالى ويومها بصوم و
هذا متفق على كراهية واحتج به العلماء على
كراهية هذه الصلوٰة المبتدعة اللتى تسمى
الرغائب قاتل الله واضعها ومخترعها فانه بدعة

Marfat.com

منکرۃ من ابدع اللتی ھی ضلالۃ وجھالۃ وفیھا
منکرات ظاھرۃ وقد صنف جماعۃ من الائمۃ
مصنفات نفیسۃ فی تقبیحھا وتضلیل مصلیھا
ومبتدعھا ودلائل قبحھا وبطلانھا وتضلیل فا
علیھا اکثر من ان تحصر۔ مسلم ج۔۱ ص۳۶۱

اس حدیث میں تمام کے لیے جمعہ کی رات کو خاص کرنے اور روزوں کے لیے جمعہ کے دن کو خاص کرنے کی صریح ممانعت ہے اور اس کی حرمت پر اتفاق ہے۔ علماء نے اسی حدیث کے ذریعہ اس بدعت نماز کی حرمت پر استدلال کیا ہے جسے صلوٰۃ الرغائب کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس نماز کے وضع کرنے والے اور گھڑنے والے کو قتل کرے۔ کیونکہ یہ ایک بدعت منکرہ ہے اور ان بدعات میں داخل ہے جو خالص گمراہی اور جہالت پر مبنی ہوتے ہیں۔ ائمہ کرام کی ایک جماعت نے اس نماز کے رد میں عمدہ کتابیں تصنیف کی ہیں۔ جس میں اس نماز کی قباحت، اس نماز پڑھنے والے کی گمراہی اس کے بدعت و باطل ہونے اور یہ نماز پڑھنے والے کے گمراہ ہونے پر اتنے دلائل پیش کیے ہیں جو حد و شمار سے باہر ہیں۔

بقول امام نووی رحمہ اللہ متقدمین نے اس مفروضہ نماز کے رد میں بہت سی کتابیں لکھیں لیکن ہمیں افسوس موجودہ دور کے علماء پر ہے جنہوں نے آنکھوں پر سیاہ پٹی باندھ کر ان کتابوں کو دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی اور ان سے زیادہ تعجب غزالی ۵۰۵ھ اور عبد القادر ۵۶۰ھ جیسے لوگوں پر ہے جنھوں نے بلا تحقیق اپنی کتابوں میں اس قسم کی روایات کو جگہ دی اور خصوصاً غزالی پر بہت ہی زیادہ تعجب ہے کہ وہ فقہ شافعیہ کے امام تھے اور

Marfat.com

سب سے زیادہ تعجب ان لوگوں پر ہے جو اپنے آپ کو اہلِ حدیث کے نام سے منسوب کرتے ہیں اور غنیہ جیسی مہمل کتاب کا ترجمہ کر کے اپنے مکتبہ سے شائع کرتے ہیں۔ جس کی صرف دو ہی وجوہات ہو سکتی ہیں۔

۱:۔ یا تو یہ کتاب شائع کرنے والوں کے پیشِ نظر دین نہیں بلکہ تجارت ہے۔ کیونکہ ان کی جماعت ان مہملات کی قائل نہیں۔ تو اگر یہ غرض ہے تو اس سے کہیں بہتر تھا کہ ابن صفی کے جاسوسی ناول شائع کرتے۔ آمدنی بھی زیادہ ہوتی اور بدعات کی ترویج سے بھی محفوظ رہتے۔

۲:۔ چونکہ شیخ عبدالقادر نے "غنیہ" کے شروع میں رفع یدین اور آمین بالجہر وغیرہ کے موضوع پر مردود روایات جمع کی ہیں۔ اس لیے انھوں نے اسے احناف کا جواب تصور کر لیا۔ نیز عبدالقادر جیلانی نے امام ابوحنیفہؒ اور ان کے متبعین کو گمراہ فرقوں میں شمار کیا ہے۔ اس لیے غیر مقلدین نے اپنی ابوحنیفہ دشمنی کے باعث اس کتاب کا ترجمہ کرا کر شائع کیا اور یہ سمجھے کہ ہم نے میدان سر کر لیا ہے۔ لیکن کجا ابوحنیفہ اور کجا عبدالقادر۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

اگر بریلوی انہی روایات کو پیش کر کے غیر مقلدین سے جواب طلب کریں تو غیر مقلدین بغلیں جھانکتے نظر آئیں گے۔ ہمیں ان باتوں سے غرض نہیں صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور ہوتے ہیں کھانے کے اور۔

۳:۔ ابن جہضم صوفی سے اُوپر کے تمام رواۃ عالمِ وجود میں بھی نہ آتے تھے۔ وہ تو فرضی نام ہیں۔ رہا ابن جہضم اس کا پورا نام علی بن عبداللہ بن جہضم ہے۔ جو مکہ میں صوفیاء کا شیخ سمجھا جاتا تھا۔ حدیثیں گھڑنے میں مشہور تھا۔ ۴۱۴ھ میں اس کی موت واقع ہوئی۔ (میزان ج ۳ ص ۱۴۲) شیخ صاحب اور ابن جہضم کے درمیان اس روایت میں تین راوی ہیں۔ پہلا راوی وہی ابوالبرکات

Marfat.com

ہبتہ اللہ ہے جو مشہور کذاب ہے۔ بقیہ دونوں راوی یعنی ابو الفضل جعفر بن یحییٰ بن الکمال المکی اور ابو عبداللہ حسین بن عبدالکریم بن محمد الجزری دونوں مجہول ہیں۔ گویا وہ بھی عدم سے وجود میں نہ آتے تھے۔

۴: ابن جہضم نے بیان کیا تھا کہ حضرت انسؓ ۹۱ھ سے اس حدیث کا راوی حمید بن انس ہے جو ایک فرضی نام تھا۔ لیکن ہبتہ اللہ نے اسے حمید الطویل سے تبدیل کر دیا اور حمید الطویل ۱۴۳ھ حضرت انسؓ کے شاگرد ہیں۔ لیکن خالی حمید کی تبدیلی سے روایت صحیح نہ ہو جائے گی۔ بقیہ رواۃ کا کیا کیا جائے گا۔

ہم نے اس روایت پر جو یہ طویل بحث کی ہے بظاہر یہ مضمون سے غیر متعلق معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس روایت کے ابتدا میں یہ الفاظ تھے کہ شعبان شہری۔ جس سے واضع نے شعبان کی فضیلت کی جانب اشارہ کیا تھا۔ ہم نے سوچا کہ دونوں کام ایک ساتھ ادا ہو جائیں۔ ورنہ اگر رجب پر بحث ہوتی تو ہم اس روایت کی اور بھی خامیاں پیش کرتے۔ لیکن چونکہ مقصود حاصل ہو چکا ہے۔ اس لیے ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

شعبان کی وجہ تسمیہ

عبدالقادر جیلانی نے غنیہ میں اور ابو الشیخ نے کتاب الثواب میں حضرت انسؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔

تدرون لم سمی شعبان لانہ ینشعب فیہ لرمضان خیر کثیر وانما سمی رمضان لانہ یرمض الذنوب ای یذھبھا عن الحی

غنیہ ج ۱ ص ۶۷۸

تم جانتے ہو کہ شعبان کو شعبان کس لیے کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں رمضان کے لیے خیر کثیر پھوٹتی ہے اور رمضان کو رمضان

Marfat.com

اِس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ گناہوں کو جھاڑ دیتا ہے۔ یعنی گرمی سے دُور کرتا ہے۔

شیخ عبدالقادرؒ نے تو بے پَر اُڑنے کی کوشش لاحاصل فرماتی ہے۔ یعنی اِس روایت کی کوئی بھی سند بیان نہیں کی۔ امام محمد بن سیرین المتوفی سنہ ۱۱۰ھ کا ارشاد ہے۔

الاسناد دینٌ فانظروا عمن تاخذون دینکم

سند بھی دین ہے۔ تم غور کر لیا کرو کہ اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو۔

لیکن ابوالشیخ نے اس کی سند بیان کی ہے۔ ان کی سند میں زیاد بن میمون الثقفی البصری الفاکہی ہے۔ حافظ ابن عراق الکنانی "تنزیہ الشریعہ" میں اس روایت کے موضوع ہونے پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فیہ زیاد بن میمون الثقفی الفاکہی عن انس ویقالُ لہ زیاد بن ابی حسان وزیاد بن ابی عمار وزیاد ابوعمار ھالکٌ اعترف بالکذب۔

اس کی سند میں زیاد بن میمون الثقفی الفاکہی ہے جو حضرت انسؓ سے روایت کرتا ہے۔ اس کو زیاد بن ابی حسان، زیاد بن ابی عمار اور زیاد ابوعمار بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ایک تباہ کن شخص ہے۔ اس نے اپنے جھوٹ کا اعتراف کیا تھا۔

"تنزیہ الشریعہ ج ۲ ص ۶۱"

امام ذہبی رقم طراز ہیں کہ اس نے اپنے باپ کے مختلف نام اور مختلف کُنیتیں رکھی تھیں۔ تاکہ لوگوں کو اس کا صحیح حال معلوم نہ ہو۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں۔ یہ تو ایک معمولی شے کے برابر بھی نہیں، یزید بن ہارون کہتے ہیں کذاب ہے۔ بخاری کہتے ہیں۔ محدثین نے اس کی روایت کو ترک

Marfat.com

کر دیا ہے دار قطنی کہتے ہیں ضعیف ہیں۔ ابوزرعہ ۲۶۴ھ کہتے ہیں۔ اس کی حدیث ردی ہے۔ ابوداؤد طیاسی ۲۰۴ھ کا بیان ہے۔

اتیتہ فقال استغفراللہ وضعت ھذہ الاحادیث
میں اس کے پاس گیا۔ تو بولا میں اللہ سے استغفار کرتا ہوں
میں نے ہی یہ احادیث وضع کی ہیں۔

بشر بن عمر الزہرانی ۲۰۹ھ کا بیان ہے کہ میں اس زیار کے پاس گیا اور اس سے حضرت انس کے بارے میں دریافت کیا تو کہنے لگا۔

احسبونی کنت یھودیا او نصرانیا قد رجعت عما
کنت احدث بہ عن انس لم اسمع من انس
شیئا۔

تم مجھے یہودی سمجھو یا نصرانی۔ میں نے حضرت انسؓ سے جتنی احادیث بیان کی ہیں سب سے رجوع کر لیا ہے۔ کیونکہ میں نے حضرت انسؓ سے کوئی حدیث نہیں سنی۔

شیخ عبدالقادرؒ نے انہی باتوں کی وجہ سے سند ہی ارڈادی ہے۔ تاکہ ابن سمعانی اور ابن جوزی ۵۹۷ھ وغیرہ ان سے روات پر بحث نہ کرنے لگیں جو شیخ صاحب اور ان کے ہمنواؤں کے بس کا روگ نہیں۔

یزید بن ہارون ۲۰۶ھ کا بیان ہے کہ میں نے اس سے روایت نہ کرنے کی قسم کھائی ہے۔ کیونکہ اس نے مجھ سے ایک بار حدیث بیان کی اور بولا کہ یہ بکر بن عبداللہ سے مروی ہے۔ جب میں اس کے پاس دوبارہ گیا تو میں نے اس سے اس حدیث کے بارہ میں دوبارہ پوچھا تو بولا مجھ سے یہ مورق نے بیان کی ہے۔ میں سہ بارہ گیا اور پھر اس سے اسی حدیث کے بارہ میں دریافت کیا تو کہنے لگا مجھ سے حسن بصری نے بیان کی ہے۔

ابوداؤد طیاسی ۲۰۴ھ کا بیان ہے کہ میں اور عبدالرحمان بن مہدی ۱۹۸ھ

Marfat.com

زیاد بن میمون کے پاس گئے اور ہم نے اس سے دریافت کیا کہ تم یہ حضرت انسؓ سے کیسی حدیثیں بیان کرتے ہو۔ بولا۔ بتاؤ اگر کوئی توبہ کرے تو کیا اللہ اس کی توبہ قبول نہ کرے گا۔ ہم نے جواب دیا کیوں نہیں کہنے لگا۔

ما سمعت من انس من ذا قلیلا ولا کثیرا فانتما لا تعلمان انی لم الق انسا انا لم یعلم الناس

میں نے حضرت انسؓ سے کوئی حدیث نہیں سُنی۔ نہ تھوڑی نہ زیادہ تم بھی اسی طرح یہ بات نہیں جانتے جس طرح اور لوگ نہیں جانتے کہ میں نے حضرت انسؓ سے ملاقات تک نہیں کی۔

ابوداؤد طیاسی ۲۰۴ھ کا بیان ہے کہ اس اقرار کے بعد بھی اس نے پھر دوبارہ حضرت انسؓ سے حدیثیں نقل کرنی شروع کر دیں۔ ہم دوبارہ اس کے پاس گئے وہ بولا کہ میں اب توبہ کرتا ہوں۔ لیکن اس کے بعد پھر وہی حضرت انس ۹۱ھ سے روایات بیان کرنی شروع کر دیں۔ میزان ج ۔۲ ص ۹۴

یہ روایت ویسے بھی خلاف عقل ہے۔ اس لیے مہینوں کے یہ نام زمانۂ کفر سے چلے آرہے ہیں۔ لا رمّا ان کی وجہ تسمیہ کچھ اور ہوگی۔ لغویین کا بیان ہے کہ رمض کے معنی چھوڑتا ہیں اور رمضان کو رمضان اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ مہینہ عرب میں نہایت شدید گرمی میں آتا اور اونٹنی گرمی کے باعث اپنے بچوں کو بھی اپنے پاس نہ آنے دیتی اس لیے اسے رمضان کہا جاتا ہے اور رجب میں چونکہ جنگ حرام سمجھی جاتی تھی۔ اس لیے جب شعبان شروع ہوتا تو قبائل جنگ کے لیے نکل کھڑے ہوتے اس لیے اسے شعبان کہا جاتا ہے۔

بعض علماء کی رائے ہے کہ چونکہ یہ مہینہ گناہوں کو مٹاتا ہے۔ اس لحاظ سے بھی اسے رمضان کہا جاسکتا ہے لیکن یہ علماء کی ایک رائے تھی جسے شیخ صاحب نے اپنی لاعلمی سے حدیث بنا کر پیش کر دیا۔

Marfat.com

ایک دُعا

شیخ صاحب نے حضرت انسؓ سے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رجب کا مہینہ آتا تو یہ دعا فرماتے۔

اللھم بارک لنا فی رجب وشعبان وبلّغنا رمضان

غنیہ ج ۱ ص ۶۵۳

اے اللہ ہمارے لیے رجب وشعبان میں برکت فرما اور ہمیں رمضان تک پہنچا۔

اِس روایت کا راوی وہی ہبتہ اللہ کذاب ہے اور اس نے اوپر کی سند بیان نہیں کی۔ ایسی روایت تو قابلِ غور بھی نہیں ہوتی حضورؐ کا ارشاد ہے۔

کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع مسلم ج ۱ ص ۸

آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ہر سُنی ہوئی بات بیان کر دے۔

صحابۂ کرام کا دستور

شیخ عبدُالقادرؒ کی زبانی

عبدالقادر جیلانیؒ نے حضرت انسؓ سے ایک اور روایت نقل کی ہے جس کا مضمون یہ ہے۔

کان اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا نظروا الی ھلال شعبان اکبوا علی المصاحف یقرؤنھا واخوج المسلمون زکوۃ اموالھم لیتقوی بہ الضعیف والمسکین علی صیام شھر رمضان

Marfat.com

ودعا الولاۃ اھل السجن فمن کان علیہ حد قاموا
علیہ والا خلوا سبیلہ وانطلق التجار فقضوا
ما علیھم وقبضوا مالھم حتی اذا نظروا الی
ھلال رمضان اغتسلوا واعتکفوا۔ غنیہ ج۔ا ص ۶۸۱۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جب شعبان کا چاند دیکھتے تو مصحفوں پر ان کو پڑھنے کے لیے جھک جاتے اور مسلمان اپنے اموال کی زکوٰۃ نکالتے۔ تاکہ ضعیف و مسکین رمضان کے روزے رکھنے کی قوت حاصل کر لیں۔ حکام قیدیوں کو طلب کرتے اور اگر ان پر کوئی حد ہوتی تو اسے قائم کرتے ورنہ ان کا راستہ چھوڑ دیتے یعنی بری کر دیتے، تاجر لوگ اپنا قرض آدا کرتے اور دوسروں سے اپنا قرضہ طلب کرتے۔ حتیٰ کہ جب رمضان کا چاند دیکھتے تو غسل کرتے اور اور اعتکاف فرماتے۔ غنیہ ج۔ا ص ۶۸۱

۱:۔ شیخ صاحب نے اس روایت کی کوئی سند بیان نہیں فرمائی اور بلا سند کوئی روایت قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ اس روایت میں اور بھی ایسے امور پائے جاتے ہیں جو صراحتاً حدیث اور تاریخ کے خلاف ہیں۔

۲:۔ قرآن مجید باقاعدہ مصحف کی صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر گئے تھے یہ نسخہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے پاس محفوظ رہا۔ اگرچہ اور دل کے پاس کچھ لکھے ہوتے قرآن موجود تھے لیکن وہ کامل قرآن نہ تھے۔ بلکہ مختلف صحابہ نے اپنی یادداشت کے لیے مختلف صورتوں کو بلا ترتیب یکجا لکھ لیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے بعد مصحف صدیقی حضرت عمر فاروق رضؓ کے پاس رہا۔ پھر حضرت عمر رضؓ کی شہادت کے بعد سے یہ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضؓ کے پاس محفوظ رہا۔

Marfat.com

جب حضرت عثمان کے دور میں افریقہ کے علاقہ میں مسلمانوں میں قرآن کے معاملہ میں اختلاف پیدا ہوا۔ اور حضرت عثمانؓ کو اس کی اطلاع دی گئی تو انھوں نے ام المومنین حضرت حفصہؓ سے مصحف صدیقی منگا کر اس کی چار نقلیں کرائیں۔ جن میں سے ایک کوفہ، ایک بصرہ، ایک شام اور ایک مکہ روانہ کی گئی اور اصل مدینہ میں محفوظ رکھی گئی۔ حضرت عثمان نے اس خطرہ کے باعث کہ کہیں اُمت میں قرآن کے معاملہ میں اختلاف نہ پیدا ہو جائے تو جن جن حضرات کے پاس اپنے اپنے تحریر کردہ قرآن موجود تھے وہ سب منگوا کر جلوا دیئے (بخاری)

اس طرح تمام صحابہ قرآن مجید کی حفظ تلاوت کرتے اور جہاں اشتباہ واقع ہوتا یا تو کسی سے دریافت کر لیتے یا اصل میں جا کر دیکھتے۔ اس طرح دورِ صحابہ میں مصاحف کی تعداد صرف پانچ رہی اور تمام صحابہ کا صرف پانچ مصاحف میں دیکھ کر تلاوت کرنا اور ان پر جھگڑنا خلاف عقل اور محال ہے اگر صرف یہ کہا جاتا کہ صحابہ اس میں قرآن مجید کی زیادہ تلاوت کرتے تو کچھ عقل کی بات ہوتی۔ لیکن جو الفاظ شیخ صاحب نے نقل کئے ہیں وہ خلافِ عقل بھی ہیں اور خلافِ تاریخ بھی اور جو روایت خلافِ عقل صریحہ یا خلاف تاریخ ہو وہ جھوٹی ہوتی ہے۔

۳:۔ کیا صحابہ کرام شعبان و رمضان کے علاوہ تلاوت نہ کیا کرتے تھے وہ چودھویں صدی کے ان حافظوں کی طرح نہ تھے جن کا گذارہ تراویح پڑھانے پر ہوتا ہے۔

۴:۔ صحابہ کرام کے دور میں نہ تو قید خانے عام تھے اور نہ محض شبہ پر کسی کو قید کیا جاتا تھا اور نہ قید خانے تعمیر کئے گئے تھے۔ خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں از روئے تاریخ صرف دو شخصوں کو قید کیا گیا۔ جن میں ایک ابو محجن ثقفی تھے جنھوں نے شراب پی تھی جنھیں حضرت سعد بن ابی وقاص ۵۵ھ نے

ایک مکان میں ان کو بند کر دیا تھا۔ کیونکہ جنگ قادسیہ جاری تھی۔ انھوں نے سوچا تھا کہ جنگ سے فراغت کے بعد ان پر حد جاری کی جائے گی لیکن جب جنگ نے شدت اختیار کر لی تو حضرت سعدؓ کی زوجہ سلمی نے ابو محجن کو رہا کر دیا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ ۲۳ھ شہید ہوئے تو عبید اللہ بن عمرؓ نے غصہ میں ان لوگوں کو قتل کرنا شروع کیا جن پر اپنے والد کے قتل کا شبہ تھا مثلاً ہرمزان وغیرہ تو حضرت سعد بن ابی وقاص ۵۵ھ نے انھیں پکڑ کر اپنے گھر میں بند کر دیا اور جب حضرت عثمان خلیفہ ۳۵ھ ہو گئے تو ان کے سامنے پیش کر دیا۔ حضرت عثمان نے ہرمزان کی دیت دے کر انھیں رہا کر دیا۔ پوری تاریخ میں یہ صرف دو واقعات ملتے ہیں اور جب قید خانوں کا وجود ہی نہ تھا تو کسی کو قید کرنے کا سوال ہی نہیں ہوتا۔

۱۵۔ اسلام ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ صرف شبہ میں کسی کو قید کر دیا جائے۔ اگر یہ جائز ہوتا تو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے قاتل ابو لؤلؤ فیروز کو قید فرماتے جو انھیں قتل کی دھمکی دے کر گیا تھا اور حضرت عثمان غنی ان لوگوں کو قید فرماتے جو ان کے خلاف سازش میں شریک تھے اور جن میں سے بہت سوں کو وہ جانتے تھے۔ لیکن انھوں نے کسی کو قید نہیں کیا۔

۱۶۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے زمانہ میں زکوٰۃ کی وصولیابی کے لیے کوئی مہینہ متعین نہ تھا۔ بلکہ جو قبیلہ اسلام لاتا گیا اس کے اسلام کے ایک سال بعد زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے آدمی روانہ کیا جاتا اور اس کا حساب ان کے اسلام سے ہوتا۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے سہولت کے لیے ماہِ رجب کا تعین فرمایا تاکہ سہولت کے ساتھ سب جگہ سے زکوٰۃ وصول ہو جائے۔ شعبان کا تعین کسی دور میں نہیں ہوا۔ زادی نے یہ روایت گھڑ کر پوری تاریخ کو جھٹلایا ہے۔ اسی لئے ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ صوفیاء کرام

Marfat.com

علم کے نام سے نابلد ہیں۔

۷:۔ تاریخ سے یہ کہیں ثابت نہیں کہ صحابۂ کرام رمضان میں تجارت ترک کر دیا کرتے تھے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو تمام کاروبار بند ہو جاتا اور جب کاروبار بند ہوتا تو افطار و سحر بھی کہاں سے میسّر آتا۔ چلئے ایک تاجر پیشہ تو پہلے سے انتظام کر کے رکھ لیتا لیکن غریب اور مزدور طبقہ کیا کرتا۔ اگر یہ کہا جاتا ہے کہ وہ رمضان میں مزدوری کرتا تو پھر یہ دعویٰ کیسے صحیح ہوگا کہ سب ہی اعتکاف کرتے حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں بھی سب صحابہ نے اعتکاف نہیں کیا۔ بلکہ جب ایک بار آپؐ نے اعتکاف کیا اور آپؐ کو دیکھ کر حضرت عائشہؓ نے بھی اعتکاف فرمایا اور حضرت عائشہ کی دیکھا دیکھی حضرت حفصہؓ اور حضرت زینبؓ نے بھی اعتکاف کے لیے اپنے خیمے لگا لیے اور حضورؐ کی ان خیموں پر نظر پڑی۔ آپؐ نے دریافت کیا یہ کیسے خیمے ہیں صحابہ نے آپؐ کو بتایا کہ یہ فلاں فلاں کے خیمے ہیں۔ آپؐ نے غصّہ میں فرمایا۔

آلبرھذا آلبرھذا ابوداؤد ج ۱ ص ۳۴۱

بخاری ج ۱ ص ۲۷۲

کیا نیکی یہی ہے؟ کیا نیکی یہی ہے؟

اور اس کے بعد اعتکاف توڑ دیا اور خیمے اکھاڑنے کا حکم دیا۔

اس واقعہ سے یہ ثابت ہوا کہ تمام مسلمانوں یا ان کی اکثریت کو اعتکاف میں بیٹھنا جائز نہیں اور نہ حضورؐ اسے پسند فرماتے۔ اسی لیے علماء کا قول ہے کہ اعتکاف فرض کفایہ ہے جو ایک شخص کے ادا کرنے سے پورے اہلِ محلہ پر سے فرض ساقط ہو جائے گا۔ یہ کوئی سنت مؤکدہ یا واجب یا فرض عین نہیں جس کا کرنا ہر شخص پر ضروری ہو۔ غالباً شیخ صاحب نے اسے سنت مؤکدہ تصور کر لیا اور پھر اسے ثابت کرنے کے لیے ایک فرضی کہانی بھی بیان کر ڈالی۔ ابھی تک تو ہم سمجھتے رہے تھے کہ صوفیاء علم حدیث سے

ناواقف ہوتے ہیں۔ لیکن ان واقعات نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ وہ فقہ اور تاریخ سے بھی لاعلم ہوتے ہیں۔

۸۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ سے پورے ماہ رمضان کا اعتکاف قطعاً ثابت نہیں۔ کیونکہ اعتکاف میں سنت دس دن ہیں نہ کہ پورا ماہ۔ حضورؐ نے پوری زندگی میں صرف ایک بار بیس روز کا اعتکاف فرمایا اور آپؐ کے چند صحابہ بھی آپؐ کے ساتھ شریک تھے اور جس کی اصل وجہ یہ تھی کہ جب آپؐ نے ایک سال اعتکاف شروع کرنے کے بعد توڑ دیا تھا جیسا کہ اوپر کے واقعہ میں گذرا ہے۔ آپؐ نے اگلے سال رمضان کے درمیانی عشرہ میں اعتکاف فرمایا۔ گویا دس دن قضا کے تھے اور بقیہ دس دن اس سال کا اعتکاف تھا۔ اس طرح بیس دن ہوئے۔ حضرت ابوسعید خدری کا بیان ہے۔

اعتکفنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العشر الاوسط من رمضان قال فخرجنا صبیحۃ عشرین فقال انی رایت لیلۃ القدر وانی نسیتھا فالتمسوھا فی العشر الاواخر من رمضان۔

بخاری ج۔۱ ص۲۷۲، مسلم ج۔۱ ص۳۷۰ ابوداؤد ج۔۱ ص۳۰۳

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ درمیان رمضان کا اعتکاف کیا۔ ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ بیس تاریخ کو اعتکاف گاہ سے باہر نکلے اور فرمایا مجھے لیلۃ القدر بتائی گئی تھی لیکن میں اسے بھول گیا۔ تم رمضان کے آخر عشرہ میں اسے تلاش کرو۔

گویا اس اعتکاف سے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ لیلۃ القدر کو معلوم کیا جائے اور آپ کو اس کا علم بھی دیدیا گیا تھا۔ لیکن آپؐ بھول گئے جس کی وجہ یہ پیش آئی تھی کہ جب آپؐ بیسویں تاریخ کی صبح کو اپنے خیمے

Marfat.com

سے باہر نکلے تو دو شخصوں کو مسجد میں لڑتے دیکھا جن کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا۔

خرجت لاخبرکم بلیلۃ القدر فتلاحیٰ فلان وّ فلان فرفعت وعسی ان یکون خیرا لکم فالتمسوھا فی التاسعۃ والسابعۃ والخامسۃ

بخاری۔ ج۔ ا ص ۲۷۱

میں تمہیں لیلۃ القدر کی خبر دینے کے لیے نکلا تھا تو فلاں فلاں شخص جھگڑ رہے تھے اس لیے وہ اُٹھا لی گئی (یعنی اس کا علم) اور ممکن ہے کہ یہ بات تمہارے لیے بہتر ہو۔ اب تم لیلۃ القدر کو انتیسویں، ستائیسویں اور پچیسویں میں تلاش کرو۔

حضرت عائشہؓ صدیقہ کا بیان ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یعتکف الاواخر من رمضان حتی توفاہ اللہ ثم اعتکف ازواجہٗ من بعدہٗ۔ بخاری ج۔ ا ص ۲۷۱، مسلم ج۔ ا ص ۳۷۱

ترمذی ج۔ ا ص ۱۲۸، ابوداؤد ج۔ ا ص ۳۴۱

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخر رمضان کا اعتکاف فرماتے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو وفات دی، پھر آپؐ کے بعد آپؐ کی ازواج بھی آخر رمضان کا اعتکاف کرتی رہیں۔

گویا حضورؐ نے ہمیشہ ایک بار کے علاوہ صرف دس روز کا اعتکاف فرمایا اور ازواجِ مطہرات بھی آپؐ کے بعد صرف دس روز کا اعتکاف کرتی رہیں اب پورے ماہ کے اعتکاف کا کیا مسئلہ باقی رہ گیا۔ یہ صحابہ پر بہتان ہے۔

حضرت ابوہریرہ سنہ ۵۷ھ کی حدیث میں یہ مضمون اور صراحت کے

ساتھ مروی ہے۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعتکف فی کل رمضان عشرۃ ایام فلما کان العام الذی قبض فیہ اعتکف عشرین۔ بخاری ج۔۱ ص۲۷۴، ترمذی ج۔۱ ص۱۲۸، ابوداؤد ج۔۱ ص۳۴۱

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رمضان میں دس روز کا اعتکاف فرماتے۔ لیکن جس سال آپؐ کی وفات ہوئی اُس سال آپؐ نے بیس روز کا اعتکاف فرمایا۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ دس روز کا اعتکاف فرمایا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ صحابہ کرام آپؐ کی سنت کے خلاف عمل کرتے اور یہ بھی یاد رکھیے کہ جب حضورؐ اور صحابہ سے پورے ماہ کا اعتکاف ثابت نہیں تو پورے ماہ کا اعتکاف کرنا بدعت و گمراہی ہے۔

۹:۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ رمضان کے روزے ۲ھ میں فرض ہوئے اور اسی کے ساتھ اعتکاف کا حکم نازل ہوا۔ بشرطیکہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ روزے کے بارے میں جتنی آیات نازل ہوئیں سب ایک ساتھ نازل ہوئیں۔ ورنہ ایک احتمال کا مزید اور اضافہ ہو جائے گا۔ تب بھی حضورؐ کی وفات تک آٹھ رمضان واقع ہوں گے۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ فتح مکہ رمضان میں واقع ہوئی اس سال اعتکاف تو کجا روزے بھی قضا کئے گئے اور ایک سال اور بھی اعتکاف ترک فرمایا جس کا ذکر اُوپر بخاری کے حوالے سے گذر چکا۔ اس طرح حضورؐ نے زندگی میں کل چھ اعتکاف فرمائے۔ کیونکہ جب آپؐ جہاد وغیرہ میں ہوتے تو اعتکاف ترک فرما دیتے۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ اعتکاف اس وقت ہو گا جبکہ جہاد یا اسی قسم کا اور کوئی دینی فریضہ اس میں حارج نہ ہو۔ ورنہ اعتکاف ترک کر دیا جائے گا۔

Marfat.com

صوفیاء صاحبان اَب ہمیں یہ بتادیں کہ صحابہ کرام ابوبکرؓ ۱۳ھ سے کے زمانے سے خلافت بنوامیہ تک کس وقت آرام سے بیٹھے رہے۔ بلکہ ان کا تمام وقت جہادوں میں گذرا حتّٰی کہ دارمی نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ جہاد کے باعث بارہ سال تک نماز قصر ادا کرتے رہے۔ یہ ہمیشہ کے اعتکاف اور وہ بھی پورے پورے ماہ کے صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کی میدانِ جنگ کو دیکھ کر روح قبض ہوتی ہو۔ ایسے لوگ چلّہ کشی اور تسبیحات گھمانے کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے صحابہ کرام سے حضورؐ کی وفات کے بعد قطعاً اعتکاف ثابت نہیں۔ مثلاً حضرت ابوبکرؓ ۱۳ھ، حضرت عمرؓ ۲۳ھ، حضرت عثمانؓ ۳۵ھ، حضرت علیؓ ۴۰ھ، حضرت ابوموسیٰ اشعری ۴۴ھ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ۳۲ھ، حضرت زبیرؓ ۳۶ھ، حضرت طلحہؓ ۳۶ھ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص ۵۵ھ وغیرہ کسی ایک بڑے صحابی سے "تو اعتکاف ثابت کیجئے۔ کجا کہ سب جہاد چھوڑ کر اعتکاف میں لگ جائیں۔

۱۰۔ یہ بھی بیان فرما دیجئے کہ کیا اعتکاف یا رمضان کے روزوں سے قبل غسل فرض ہے یا یہ بھی کوئی چلّہ ہے جس کے لیے صوفیاء کے یہاں غسل ضروری ہوتا ہے۔

عثمان بن مغیرہ کی روایت

عبداللہ بن صالح عن اللیث عن عقیل عن الزھری اخبرنی عثمان بن مغیرۃ بن اخنسٍ قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقطع الاجال من شعبان الی شعبان حتی ان الرجل لینکح ویولد لہ وقد اخرج اسمہٗ فی الموتیٰ

Marfat.com

عبداللہ بن صالح ۲۲۲ھ نے لیث ۱۷۵ھ سے روایت کیا ہے وہ عقیل ۱۴۴ھ سے روایت کرتے ہیں وہ زہری سے، زہری ۱۲۳ھ کہتے ہیں مجھ سے عثمان بن مغیرۃ بن اخنس نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایک شعبان سے دوسرے شعبان تک اموات لکھی جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ کوئی انسان نکاح کرتا اور کسی کی اولاد ہوتی ہے۔ حالانکہ اس کا نام مُردوں کی فہرست میں درج کیا جا چکا ہوتا ہے۔

اِس حدیث کا حوالہ حافظ ابن کثیر ۷۷۴ھ نے اپنی تفسیر میں دیا ہے وہ سورۂ دخان کی اول آیات کی تفسیر کرتے ہوئے اور یہ ثابت کرتے ہوئے کہ لیلۃ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے اس روایت کا ذکر کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔

فھو حدیث مرسل ومثلہٗ لا یعارض بہ المنصوص

ابن کثیر ج۔ ۱ ص ۱۳۸

یہ حدیث مرسل ہے اور اس قسم کی روایات نصوص قرآنیہ کے مقابلہ میں پیش نہیں کی جا سکتیں۔

یعنی یہ روایت نص قرآنی کے خلاف ہے۔ کیونکہ نص قرآنی سے یہ ثابت ہے کہ سال بھر کے احکامات لیلۃ القدر میں دیئے جاتے ہیں۔ اِس قسم کی روایات سے نص قرآنی کو رد نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ روایات نص قرآنی کے خلاف ہونے کے باعث خود مردود ہونگی۔

۲:۔ یہ روایت مرسل ہے کیونکہ عثمان بن مغیرۃ بن اخنس نے حضورؐ کو نہیں دیکھا۔ بلکہ حضورؐ کو دیکھنا تو کجا اس نے تو کسی صحابی کو بھی نہیں دیکھا حافظ ابن حجر ۸۵۲ھ تقریب میں فرماتے ہیں۔

عثمان بن مغیرۃ الثقفی مولاھم ابو المغیرۃ الکوفی وھو عثمان بن ابی زرعۃ ثقۃ من السادسۃ۔

Marfat.com

میزان ج ۳ ص ۵۶ ، تقریب ص ۲۳۶

عثمان بن مغیرۃ الثقفی ان کے مالک ابوالمغیرۃ الکوفی ہیں۔
اور وہ عثمان بن ابی زرعہ ہے ثقہ ہے۔ چھٹے طبقہ کے راوی ہیں
گویا یہ چھٹے طبقہ کا راوی ہے اور چھٹے طبقہ سے کیا مراد ہے یہ حافظ صاحب
کی زبانی سُن لیجئے۔

السادسة طبقة عاصروا الخمسة لكن لم يثبت لهم لقاء احد من الصحابة۔ "تقریب"

چھٹا طبقہ وہ ہے جو پانچویں طبقے کا ہم عصر ہو۔ لیکن اس طبقہ کے
کسی شخص کا کسی صحابی سے ملنا ثابت نہ ہو۔

یعنی چھٹے طبقہ میں وہ حضرات ہیں جنہوں نے کسی صحابی سے ملاقات
نہیں کی۔ اگرچہ کچھ صحابہ ان کے دور میں موجود ہوں اور لطف یہ ہے کہ
امام زہری ۱۲۳ھ جو اس عثمانؒ سے روایت کر رہے ہیں وہ خود پانچویں
طبقہ کے ہیں اور پانچویں طبقہ سے مراد یہ ہے کہ جس نے ایک یا دو صحابی کو دیکھا
ہو۔ اس طرح شاگرد کا مقام استاد سے بڑھ کر ہوا۔ پھر عثمان کا نام لینا ہی
بے کار ہے۔ اس طرح روایت میں سے کم از کم دو راوی چھوٹ گئے۔ ایک
صحابی اور ایک "تابعی"۔ اس طرح یہ روایت منقطع و مُرسل ہوئی اور لطف یہ ہے
کہ عقیل جو زہری سے روایت کر رہا ہے وہ بھی چھٹے طبقہ کا راوی ہے۔

حافظ ابن کثیر ۷۷۴ھ نے اس روایت پر صرف یہی ایک اعتراض
فرمایا کیونکہ انھوں نے اسے نص قرآنی کے مخالف ہونے کے باعث قابلِ
اعتنا ہی تصور نہیں کیا۔ اس طرح حافظ صاحب نے ایک اصول کی جانب
اشارہ کر کے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ جن روایات میں تقدیر لکھے جانے
رزق نازل ہونے، مردوں کی فہرست میں نام تحریر ہونے یا اور اسی قسم
کے امور مذکور ہیں وہ سب روایات نص قرآنی کے مخالف ہونے کے

باعث مردود ہیں۔

اس کا آخری راوی عبداللہ بن صالح ہے جو امام لیث بن سعد ؒ کا کاتب تھا۔ اس کی وفات ۲۲۲ھ میں ہوئی۔ حافظ ابن حجرؒ "تقریب" میں لکھتے ہیں کہ

صدوق کثیر الغلط ثبت فی کتابہ وکانت فیہ غفلۃ

تقریب التہذیب ص۱۷۷

سچا ہے لیکن غلطیاں بہت کرتا ہے۔ لکھی ہوئی شے میں تو قابل اعتماد ہے مگر اس میں غفلت پائی جاتی ہے۔

عبداللہ بن صالح کو اگرچہ بہت سے محدثین نے ثقہ قرار دیا ہے لیکن آخر میں اس کی مرویات میں منکرات پائی جاتی ہیں۔ امام احمد بن حنبل ؒ کا قول ہے۔

کان اول امرہ متماسکا ثم فسد باخرۃ یروی عن لیث عن ابن ابی ذئب ولم یسمع اللیث من ابن ابی ذئب شیئا

میزان ج ۲ ص۴۴

ابتداء میں تو بہت محتاط تھا۔ لیکن آخر میں خراب ہو گیا۔ وہ اس طرح کہ لیث کے ذریعہ ابن ابی ذئب سے روایت کرتا ہے۔ حالانکہ لیث نے ابن ابی ذئب سے کوئی حدیث نہیں سُنی۔

ابو حاتم ؒ ۲۷۷ھ فرماتے ہیں۔

اخرج احادیث فی اٰخر عمرہ انکروھا علیہ

اس نے آخر عمر میں ایسی احادیث بیان کیں جن کا محدثین نے انکار کیا۔

احمد بن صالح ؒ ۲۴۵ھ کا قول ہے۔

Marfat.com

متہم لیس بشیئ میزان ج۔۲ ص۴۴۱

متہم ہے کوئی شے نہیں۔

صالح جزرہ کا بیان ہے۔

کان ابن معین یوثقہ وھو عندی یکذب فی الحدیث میزان ج۔۲ ص۴۴۱

ابن معین ۲۳۳ھ تو اسے ثقہ کہتے لیکن میرے نزدیک تو وہ حدیث میں جھوٹ بولتا ہے۔

نسائی ۳۰۳ھ کہتے ہیں ثقہ نہیں۔ ابن مدینی ۲۳۴ھ کا قول ہے کہ میں اس سے کوئی روایت نہیں لیتا۔ امام ابن خزیمہ ۳۳۱ھ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن صالح کا ایک پڑوسی تھا جو ان سے دشمنی رکھتا۔ وہ لیث کے نام سے احادیث وضع کرتا اور عبداللہ کے خط میں خط ملا کر ان روایات کو لکھتا اور عبداللہ کے کتب خانہ میں پھینک دیتا۔ عبداللہ انھیں دیکھ کر یہ سمجھتے کہ یہ میری لکھی ہوئی احادیث ہیں۔ انھیں بیان کرتے۔ اس طرح ان کی روایات میں موضوعات شامل ہو گئیں اور اس قسم کی روایات سب لیث کے ذریعہ مروی ہیں۔ اتفاق سے یہ روایت بھی لیث کے ذریعہ مروی ہے مسلم ۲۶۱ھ و نسائی ۳۰۳ھ نے اس سے کوئی روایت نہیں لی بخاری نے روایت لی ہے لیکن انھوں نے تدلیس سے کام لیا ہے وہ اس طرح کہ ایک مقام پر باپ کا نام حذف کر دیا دوسری جگہ پر اس کا نام حذف کر کے معلقاً روایت کی۔

ابن عدی ۳۶۵ھ فرماتے ہیں۔

ھو عندی مستقیم الحدیث الا انہ یقع فی اسانیدہ ومتونہ غلط ولا یتعمد۔

وہ حدیث میں درست ہے لیکن اس سے سندات اور متن

Marfat.com

حدیث میں غلطیاں واقع ہوتی ہیں۔ اگرچہ وہ عمداً ایسا نہیں کرتا۔

یہ ہے اس روایت کا حال کہ عبداللہ بن صالح پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور آخر سے دو راوی غائب ہیں اور مجھے تو اس میں بھی اشکال ہے کہ امام زہری نے اسے عثمان بن مغیرۃ بن اخنس سے روایت کیا ہو اور محدثین کے نزدیک مرسلات زہری بھی قابل قبول نہیں کجا کہ عثمان بن مغیرہ کی مرسلات۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت

شعبان سے متعلق ایک روایت حضرت ابوسعیدؓ خدری کی جانب بھی منسوب کی گئی ہے۔ یہ روایت طویل داستان ہے، اس کا اکثر و بیشتر حصہ ماہ رجب سے متعلق ہے۔ لیکن ہم نے ہر اس روایت کو اپنی اس کتاب میں جگہ دی ہے جس کا شعبان سے معمولی سا بھی لگاؤ ہو۔

کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ کوئی روایت تحقیق کے بغیر باقی رہ جائے اور کوئی جواب دینے والا یہ نہ کہہ سکے کہ فلاں روایت باقی ہے۔ اس سے شب برأت کا ثبوت ملتا ہے۔

اس روایت کو حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ نے اپنی "امالی" میں اور عبدالقادر جیلانیؒ المتوفی ۵۶۱ھ نے "غنیہ" میں روایت کیا ہے۔ "غنیہ" کی روایت میں ابتدائی حصہ ابن عساکر کی روایت سے زیادہ ہے۔ اس لیے ہم اسے "غنیہ" کے حوالہ سے پیش کر رہے ہیں۔ محدثین میں سے ابن عساکر کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا اور یہ بھی عجب اتفاق ہے کہ اسے جتنے روایت کرنے والے ہیں، سب پانچویں صدی کی پیداوار ہیں۔ مثلاً غزالی المتوفی ۵۰۵ھ، ابن عساکر ۵۷۱ھ اور شیخ عبدالقادر ۵۶۱ھ۔ شیخ صاحب کے الفاظ ہیں،

Marfat.com

اخبرنا الشیخ الامام ھبۃ اللہ بن المبارک
السقطی رحمہ اللہ باسنادہٖ عن الاعمش عن
ابراھیم عن علقمۃ عن ابی سعید الخدری
عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ان عدۃ
الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا فی کتب اللہ
یوم خلق السموٰت والارض منھا اربعۃ حرم
فرجب یقال شھر اللہ الاصم وثلوث اخر متوالیات
یعنی ذوالقعدۃ وذوالحجۃ والمحرم

ہم سے شیخ امام ہبۃ اللہ بن المبارک السقطی رحمہ اللہ نے بیان کیا وہ اپنی سند کے ذریعہ اعمش سے روایت کرتے ہیں۔ وہ ابراہیم سے وہ علقمہ سے وہ ابو سعید خدری سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے جس روز زمین و آسمان پیدا فرمائے تھے اس روز سے لوح محفوظ میں مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔ جن میں سے چار مہینے معزز ہیں رجب کو شہر اللہ الاصم (اللہ کا گونگا مہینہ) کہا جاتا ہے اور بقیہ تین پے در پے ہیں۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔

روایت کے یہ الفاظ ابن عساکر میں نہیں ہیں۔ ان الفاظ کو صرف عبدالقادرؒ نے روایت کیا ہے۔ آگے دونوں کے الفاظ ہیں۔

الا ان رجب شھر اللہ وشعبان شھری ورمضان
شھر امتی فمن صام من رجب ایمانا واحتسابا
استوجب رضوان اللہ الاکبر واسکن الفردوس
الاعلی ومن صام فیہ یومین فلہ من الاجر ضعفان
ووزن کل ضعف مثل جبال الدنیا ومن صام

Marfat.com

من رجب ثلثة ايام جعل الله بينه وبين النار
خندقا طوله مسيرة سنة ومن صام من رجب
اربعة ايام عوفى من البلايا ومن الجنون والجذام
والبرص ومن فتنة المسيح الدجال ومن صام
منه خمسة ايام وقى من عذاب القبر ومن صام
ستة ايام خرج من قبره ووجهه اضوء من القمر
ليلة البدر ومن صام منه سبعة نان لجهنم
سبعة ابواب يغلق الله عنه كل يوم بابا من
ابوابها ومن صام منه ثمانية ابواب يفتح الله
بصوم كل يوم من ابوابها ومن صام منه تسعة
ايام خرج من قبره وهو ينادى اشهد ان لا اله
الا الله ولا يرد وجهه دون الجنة ومن صام منه
عشرين يوما جعل الله تعالى له على كل ميل فراشا
يستريح عليه ومن صام منه احد عشر لم يرفى
القيمة حسنتين المحلة الواحدة خير من الدنيا
وما فيها ومن صام من رجب ثلثة عشر يوما
يوضع له يوم القيمة مائدة فى ظل العرش
ياكل منها والناس فى شدة شديدة ومن
صام من رجب اربعة عشر يوما اعطاه الله عز و
جل ما لا عين رات ولا اذن سمعت ولا خطر على
قلب بشر ومن صام منه خمسة عشر يوما يوقفه
الله تعالى يوم القيمة موقف الامنين فلا يمر ملك
مقرب ولا نبى مرسل الا قال له طوبى لك انك
من الامنين -

خبردار رجب اللہ کا مہینہ ہے (لیکن گونگا) شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان میری امت کا مہینہ ہے (لیکن ہے بولتا ہوا) جس نے رجب کا ایک روزہ ایمان لاتے ہوئے اور ثواب کی غرض سے رکھا۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضا لازم ہو جائے گی۔ اور وہ فردوس اعلیٰ میں مقیم ہوگا اور جس نے رجب کے دو روزے رکھے اس کے لیے دُگنا اجر ہے اور ہر گنا دنیا کے تمام پہاڑوں کے برابر ہے اور جس نے رجب کے تین روزے رکھے۔ اللہ تعالیٰ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک خندق پیدا فرمادیگا جس کا طول ایک سال کی مسافت کے برابر ہوگا۔ جس نے رجب کے چار روزے رکھے اُسے ہر قسم کی بلاؤں، جنون، جذام، برص اور دجال کے فتنہ سے عافیت دی جائے گی اور جس نے پانچ روزے رکھے وہ عذاب قبر سے بچایا جائے گا اور جس نے چھ روزے رکھے تو جب وہ قبر سے نکلے گا تو اس کا چہرہ بدر سے زیادہ روشن ہوگا اور جس نے سات روزے رکھے تو جہنم کے سات دروازے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان روزوں کے بدلہ میں ہر روز ایک دروازہ بند فرماتا رہے گا۔ اور جس نے آٹھ روزے رکھے تو جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر روزے کے بدلہ ایک دروازہ کھولدے گا اور جس نے نو روزے رکھے وہ قبر سے اس حال میں نکلے گا کہ وہ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ پڑھتا ہوگا اور اسے جنت سے روکا نہ جائے گا اور جس نے دس روزے رکھے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر میل پر ایک فرش بچھائے گا جس پر وہ آرام کرے گا اور جس نے گیارہ روزے رکھے تو قیامت کے روز اس سے کوئی افضل نہ ہوگا۔ سوائے اس

Marfat.com

شخص کے جس نے رجب کے گیارہ یا اس سے زائد روزے رکھے ہوں اور جس نے بارہ روزے رکھے ہوں اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن دو حلے پہنائے گا۔ جن میں سے ہر حلہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا اور جس نے رجب کے تیرہ روزے رکھے۔ اس کے لیے قیامت کے دن عرش کے نیچے دسترخوان لگایا جائے گا اور وہ اس سے کھائے گا۔ حالانکہ لوگ اس وقت سخت شدت میں مبتلا ہوں گے اور جس نے رجب کے چودہ روزے رکھے اللہ تعالیٰ اسے وہ چیزیں عطا فرمائے گا جو نہ آنکھوں نے دیکھیں نہ کانوں نے سُنیں اور نہ انسان کے دل پہ ان کا خیال گذرا۔ اور جس نے پندرہ روزے رکھے۔ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن آمنین کے مقام پر ٹھہرائے گا اور جو بھی مقرب فرشتہ یا نبی مرسل اس کے پاس سے گذرے گا تو وہ کہے گا تیرے لیے خوشی ہو تو آمنین میں داخل ہے۔

ابن عساکر کی روایت صرف پندرہ روزوں تک ہے۔ شیخ صاحب نے پانچ روزوں کی کیفیت اور بھی بیان کی ہے وہ بھی سُن لیجئے۔

وفی لفظ اخر زیادۃ علی خمسۃ عشر وھی من صام منہ ستۃ عشر یوما کان فی اوائل من یمر والرحمان وینظر الیہ ویسمع کلامہ ومن صام منہ سبعۃ عشر یوما ینصب اللہ علی کل میل من الصراط مستراحا یستریح علیہ ومن صام منہ ثمانیۃ عشر یوما زاحم ابراھیم علیہ السلام فی قبۃ ومن صام منہ تسعۃ عشر یوما نبی اللہ لہ قصرا فی الجنۃ تجاہ قصر ابراھیم وادم علیہما

السلام وسلم علیہما وسلمان علیہ ورمن
صام منہ عشرین یوما نادای منادمن السماء
یاعبداللہ اما قد مضی غفراللہ لک فاستانف
العمل فی مابقی۔ غنیہ ج۔۱ ص۶۴۰

اور ایک روایت میں کچھ الفاظ پندرہ سے زیادہ ہیں اور جبلؑ
نے سولہ روزے رکھے تو وہ سب سے پہلا شخص ہوگا جو رحمٰن
کی زیارت کرے گا اُسے دیکھے گا اور اس کا کلام سُنے گا۔ اور
جس نے سترہ روزے رکھے اللہ تعالیٰ اس کے لئے پُل صراط پر
ہر میل پہ ایک آرامگاہ بنائے گا جس میں وہ آرام کریگا
(غالباً شیخ صاحب وہیں آرام فرما ہوں گے۔ دیکھیے قیامت کے
دن نظر بھی آتے ہیں یا نہیں) اور جس نے اٹھارہ روزے رکھے وہ
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بالمقابل ایک قبہ میں قیام کریگا
اور جس نے انیس روزے رکھے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں
ابراہیم اور آدم علیہما السلام کے بالمقابل محل تعمیر فرمائے گا۔
وہ ان دونوں کو سلام کرے گا اور یہ دونوں انبیاء اسے سلام
کریں گے اور جس نے بیس روزے رکھے تو ایک منادی آسمان
سے آواز دے گا۔ اے اللہ کے بندے جو کچھ پہلے گذر چکا۔
اللہ ان سب کی مغفرت کر چکا۔ اب بقیہ زندگی میں دوبارہ
سے عمل شروع کر (کیا یہ عمل پل صراط پہ ہوگا)

۱۔ امام ابن الجوزی ۵۹۷ھ رحمہ اللہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

ھذا حدیث موضوع علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم والکسائی لا یعوف والنقاش متہم۔

موضوعات ابن الجوزی۔ ج۔۲ ص۲۰۶

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ حدیث گھڑی گئی ہے اور کسائی کو کوئی نہیں جانتا اور نقاش پر وضع حدیث کا اتہام ہے

ابن عراق الکنانی تنزیہ الشریعہ میں رقم طراز ہیں

قال الحافظ بن حجر فی تبیین العجب الکسائی لا یعرف وقال ابن وحیۃ وفیہ علۃ اخری فانہ من روایۃ علقمۃ عن ابی سعید ولا یعرف لعلقمۃ سماع عن ابی سعید۔ وضعہ ابو بکر النقاش

"تنزیہ الشریعہ ج۔۲ ص۱۵۲"

حافظ ابن حجر تبیین العجب میں فرماتے ہیں۔ کسائی کو کوئی نہیں جانتا۔ ابن دحیہ کہتے ہیں اس میں ایک اور بھی خرابی ہے اور وہ یہ کہ یہ روایت علقمہ کے ذریعہ ابو سعیدؓ سے مروی ہے اور علقمہ کا ابو سعیدؓ خدری سے سماع معلوم نہیں۔ اسے ابو بکر النقاش نے وضع کیا ہے۔

امام ذہبی فرماتے ہیں۔ ابو بکر محمد بن الحسن النقاش وہ شخص ہے جس کی تفسیر نقاش ہے (یہ بھی مشہور صوفی ہے)

فانہ کذاب وھو اخر من الدجاجلۃ

وہ اول درجہ کا جھوٹا ہے بلکہ دجالوں میں سے آخری دجال ہے۔ "میزان ج۔۳ ص۵۱۶"

حافظ ابن عراق الکنانی یہ بھی لکھتے ہیں۔

وللحدیث طریق اخری واھیۃ وفی رواتھا مجاھیل۔

"تنزیہ ج۔۲ ص۱۵۲"

اس حدیث کی اور بھی ردی سندات ہیں اور ان سندات میں بھی مجہول راوی پائے جاتے ہیں۔

Marfat.com

۲۔ شیخ عبدالقادر جیلانی کی روایت کا حال اس سے بھی بدتر ہے اس لیے کہ اس کا ابتدائی راوی ہبتہ اللہ بھی کذاب ہے جس کا تذکرہ اوپر گذر چکا پھر اس کے ابتداءً انتہاءً اضافات بھی ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ اضافات ہبتہ اللہ کے وضع کردہ ہیں۔

۳۔ ہبتہ اللہ نے اعمش تک کی سند حذف کردی ہے جبکہ امام اعمش کی وفات ۱۴۸ھ میں ہے اور ہبتہ اللہ کی موت ۵۱۱ھ میں ہوئی۔ یہ پونے چار سو سال کا فاصلہ کیا ہوا کے دوش پر طے کیا جائے گا اور ظاہر ہے کہ درمیان سے کسائی اور ابوبکر النقاش کو جان بوجھ کر حذف کیا گیا ہے۔

جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اس جھوٹ سے پاک ہے، اسی طرح حضرت ابوسعید خدری رضؓ ۷۴ھ، علقمہ ۶۱ھ ابراہیم ۹۵ھ اور اعمش ۱۴۸ھ کی ذات بھی پاک ہے اور یہ ان کی جانب جھوٹی نسبت ہے۔ علقمہ نے اگرچہ کبار صحابہ سے احادیث سُنی ہیں لیکن ابوسعید خدری رضؓ اور چھوٹے صحابہ سے کوئی حدیث نہیں سُنی۔ چھوٹے صحابہ میں تو صرف ام المؤمنین عائشہ رضؓ ہیں جن سے انھوں نے حدیث سُنی ہے اور اتفاق سے علقمہ حضرت ابوسعید خدری رضؓ سے تیرہ سال قبل انتقال کر گئے تھے۔

۴۔ اس حدیث کا ابتدائی حصہ ہبتہ اللہ نے "صحیح بخاری" سے لے کر اس میں تحریف کر کے عبدالرحمان بن ابی بکرہ کے بجائے لے کے ابوسعید رضؓ کی جانب منسوب کر دیا ہے۔ حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں۔

ان الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السموٰت والارض السنۃ اثنا عشر شھرا منھا اربعۃ حرم ثلاث متوالیات ذوالقعدۃ وذوالحجۃ والمحرم ورجب مضر الذی بین جمادی وشعبان۔

بخاری ج۔۲۔ ص ۶۷۲

آج زمانہ گھوم کر اسی حالت پہ آگیا ہے جس حالت پر اس وقت تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پیدا فرماتے تھے۔ سال بارہ ماہ کا ہوتا ہے جن میں سے چار مہینے معزز ہیں تین ماہ پے در پے ہیں۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور قبیلہ مضر کا وہ رجب جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔

ہبتہ اللہ نے ابتدا میں ایک تو آیت قرآنی کا اضافہ کیا اور رجب مضر کو رجب شہر اللہ الاصم سے تبدیل کر دیا۔ حضورؐ نے ماہ رجب کو قبیلہ مضر کی جانب منسوب کیا تھا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب کر دیا۔ تیسرا کام یہ کیا کہ رجب کا ذکر ترتیب کے لحاظ سے بعد میں تھا اس کی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے اس کا پہلے ذکر کیا گیا۔

حیرت اس پر ہے کہ شیخ صاحب نے یہ روایت چند صفحات پہلے اِن الفاظ میں بیان کی تھی۔

فقد روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال فی بعض خطبتہ ان الزمان قد استدار کھیاتہ یوم خلق اللہ السمٰوٰت والارض السنۃ اثنا عشر شھرا منھا اربعۃ حرم ثلث متوالیات ذوالقعدۃ وذوالحجۃ والمحرم وواحد فرد ورجب مضر الذی بین جمادی وشعبان غنیہ ج ۱ ص ۶۳۷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے کہ آپؐ نے اپنے بعض خطبہ میں فرمایا زمانہ گھوم کر اسی حالت پر آگیا ہے جس حالت پر اُس روز تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پیدا فرماتے تھے۔ سال بارہ ماہ کا ہوتا ہے۔ ان میں سے چار ماہ معزز ہیں۔ تین متواتر ہیں۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ

Marfat.com

محرم اور ایک تہنا ہے ۔ سفر کا وہ رجب جو جمادی اور
شعبان کے درمیان ہے ۔

اس میں لفظ واحد فرد کا اضافہ ہے جو قطعاً بے جوڑ ہے ورنہ پوری روایت بخاری کی روایت ہے۔ اس طرح آپ حضرات غنیہ کی ایک ہی روایت میں تضاد ملاحظہ فرمالیجئے ۔

۴:۔ تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ شیخ صاحب نے حدیث موضوع کو تو ان الفاظ میں شروع کیا۔

اخبرنا الشیخ الامام ھبۃ اللہ بن المبارک السقطی رحمہ اللہ۔

ہمیں شیخ امام ہبۃ اللہ بن المبارک السقطی رحمہ اللہ نے خبر دی

گویا ابتدا ہی سے لوگوں پر شیخیت اور امامت کا رعب بٹھانے کی کوشش کی گئی تاکہ آپ اس فرضی کہانی کو حقیقت تصور کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ کیونکہ وہ خوب جانتے تھے کہ مسلمان شخصیت پرست واقع ہوا ہے اور بڑے بڑے القاب اسے مرعوب کرنے کے لیے کافی ہیں اور صحیح بخاری کی حدیث کو لفظ روی سے نقل کیا ہے جو ضعف پر دلالت کرتا ہے۔ اس طریقہ کار کی چند ہی وجوہات ہو سکتی ہیں۔

الف:۔ یا تو شیخ صاحب نے زندگی میں "صحیح بخاری" کبھی کھول کر نہیں دیکھی جو انھیں کچھ علم ہوتا۔

ب:۔ یا رجب کی فرضی فضیلت ثابت کرنے کے لیے عمداً ایسا کیا گیا ہے

ج:۔ یا شیخ صاحب عربی سے اتنے ناواقف ہیں کہ انھیں روی اور تیل کا محل استعمال تک معلوم نہیں۔

۵:۔ اور جب یہ صورتحال ہے تو کیا بعید ہے کہ انھوں نے لفظ شیخ اور امام اسی لیے استعمال کیا ہو کہ ہبۃ اللہ ایک کذاب اور بدنام شخص ہے۔

Marfat.com

اس کی علمیت اور پیری کا رعب لوگوں کے دلوں میں بٹھایا جاتے۔ بعینہٖ اسی طرح جیسے ایک یہودی اور جادوگر یعنی منصور کو ولایت کے مقام پر فائز کیا گیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہر کذاب اور جاہل مطلق کو پیر بنا دیا گیا ہے گویا تصوف ایک لبادہ ہے جو جھوٹ کو چھپانے کے لئے ہر کذاب و زندیق اور ہر شیعہ کو پہنا دیا جاتا ہے۔

۱۵۔ ہم گذشتہ سطور میں یہ بتا چکے ہیں کہ ابن عراق الکنانی، ابن جوزی، ابن دحیہ، ابن حجر، سیوطی اور ملا علی قاری یہ تمام حضرات ہر اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔ جن کا تعلق ماہِ رجب و شعبان کی فضیلت سے ہو۔ اب علامہ ابن القیم کا فیصلہ بھی سُن لیجئے۔

وکل حدیث فی ذکر صوم رجب و بعض صلوٰۃ اللیالی فیہ فھو کذب مفتری موضوعات کبیر ص ۵۴۱

اور ہر وہ حدیث جس میں رجب کے روزوں، یا رجب کی بعض راتوں میں نمازوں کا ذکر ہو وہ کھلی جھوٹ اور ایک اتہام ہے۔

آگے فرماتے ہیں۔

واقرب ما جاء فیہ ما رواہ ابن ماجۃ فی سننہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن صیام رجب موضوعات کبیر ص ۵۴۱ ملا علی

ان میں سب سے بہترین وہ حدیث ہے جسے ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب کے روزوں سے منع فرمایا۔

اس سے بھی زیادہ عمدہ حضرت عمرؓ کا عمل ہے جو طبرانی نے خرشتہ بن حر سے ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

رایت عمر بن الخطاب یضرب اکف الرجل فی صوم

Marfat.com

رجب حتی یضعونها فی الطعام ویقول رجب وما رجب انما رجب شهر کان یعظمه اهل الجاهلیة فلما جاء الاسلام ترک قال الهیثمی رجاله ثقات۔

مجمع الزوائد ج۔۳ ص۹۱۱

میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ جو شخص رجب کے روزے رکھتا اس کے ہاتھوں پر لکڑیاں مارتے حتیٰ کہ وہ کھانا نہ کھا لیتا اور فرماتے یہ رجب رجب کیا بلا ہے۔ رجب ایک ایسا مہینہ ہے جس کی اہلِ جاہلیت تعظیم کیا کرتے تھے۔ لیکن جب اسلام آیا تو یہ عظمت ترک کر دی گئی۔ ہیثمی کہتے ہیں اس کے تمام رُوات ثقہ ہیں۔

رجب میں روزوں کی ممانعت کی تفصیل ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس لیے اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن کبھی روزہ رکھنے والے ذرا اس روایت پر غور کر لیں اور پھر سوچیں کہ احمد رضا بریلوی کا قول زیادہ قابلِ قبول ہے یا حضرت عمرؓ کا قول اور یہ بھی سوچ لیں کہ صوفیا نے دین میں کس کس طرح تحریفات کی ہیں۔

آیئے اب اس روایت کی معنوی حیثیت پر بھی غور فرما لیجئے۔ تاکہ آپ کو اندازہ ہو جائے کہ ابوبکر النقاش اور ہبۃ اللہ جیسے خبیثوں نے قبر، روزِ جزا، حشر و نشر، جنت و دوزخ، حساب و کتاب، دیدارِ الٰہی اور قرآن و حدیث کا کس کس طرح مذاق اڑا دیا ہے۔ اگر یہ باتیں شروع دور کے خلفاء کے زمانہ میں کی جاتیں تو نوح بن ابی مریم صوفی کی طرح ان لوگوں کو بھی تختہ دار پر کھچنا پڑتا۔ ان خبیثوں کو تو جانے دیجئے ہمیں "تو تعجب عبدالقادر جیلانی پر ہے" قلم اجازت نہیں دیتا کہ کیا لکھوں۔ نہ گویم مشکل و گر نہ گویم مشکل اور اس سے بھی زیادہ تعجب اس شخص پر ہے جو فلسفہ و منطق، فقہ شافعیہ اور علم کلام کا

امام سمجھا جاتا ہے۔ لیکن ان خرافات کو نقل کرتے وقت اس کے منطق و فلسفہ فقہ اور علم کلام نے کچھ بھی اس کا ساتھ نہ دیا۔ بلکہ اس نے فلسفہ یونان اور ان خرافات کے اشتراک سے تصوف کا ایک نیا ملمع بہ پیش کیا اور اپنی فلسفہ دانی کے بل بوتے پہ جہلاء سے ان خرافات کو منوایا میری مراد ابو حامد غزالی سے ہے۔ جن کی کتابیں "احیاء العلوم" و "کیمیائے سعادت" "منہاج العابدین" اور "مشکوٰۃ الانوار" ان خرافات سے بھری ہوئی ہیں۔ جن میں خوب دل کھول کر اللہ اور رسول پر جھوٹ بولا گیا ہے۔ غزالی کی کتاب "مشکوٰۃ الانوار" کا ترجمہ میں نے ہی کیا ہے اور حاشیہ میں ان خرافات کا رد لکھا ہے۔

غزالی "مشکوٰۃ الانوار" میں کہتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ عوام کا کلمہ ہے (ہم جیسے) خواص کا کلمہ نہیں ہے۔ ہمارا کلمہ ہے لا ہو الا ہو ہے اسی قسم کی جہالت اور خرافات سے انکی کتابیں معمور ہیں۔ کاش ہند و پاکستان کے علماء اپنی آنکھوں پر سے اندھی تقلید کی پٹی اتار کر ان کتابوں کو دیکھتے۔ اعاذنا اللہ من ہذا الخرافات۔

۶۔ راوی کہتا ہے کہ رجب کا ایک روزہ رکھنے پر فردوس اعلیٰ حاصل ہوتی ہے اور چودہ روزے رکھنے پر وہ اشیاء حاصل ہوتی ہیں جو نہ آنکھوں نے دیکھی، ہوں نہ کانوں نے سُنی ہوں اور نہ دل میں ان کا خیال گذرا ہو۔ حالانکہ جنت کی ہر شے انہی صفات کے ساتھ متصف ہوتی ہے اور جب پہلے روزے پر جنت الفردوس مل گئی تو یہ نعمتیں بھی اسے خود بخود حاصل ہو گئیں کیونکہ یہ جنت کے ساتھ لازم ہیں۔ اب ان چیزوں کا چودہ روزے تک انتظار کرانا ایک حماقت ہے۔ کیا راوی یہ کہنا چاہتا ہے کہ جنت تو مل جائے گی لیکن یہ چیزیں دستیاب نہ ہوں گی تو پھر وہ جنت الفردوس نہ ہو گی بلکہ وہ جنت الحمقاء ہو گی یا حسن بن صباح کی جنت ہو گی یا فرید الدین گنج شکر کا جنتی دروازہ ہو گا۔ جس میں سے گزرنے کے لئے رشوت کے طور پر پیسے دینے پڑتے ہیں۔

بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر واقرءوا ان شئتم فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین

مسلم ج۔۱ ص ۳۷۸، بخاری ج۔۲ ص ۱۰۴۷

میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ آنکھوں نے دیکھیں، نہ کانوں نے سنیں اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال گزرا۔ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو کوئی نفس نہیں جانتا کہ اس کے لیے کیا کیا آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے۔

آیت کا آخری ٹکڑا یہ ہے۔

جزآءً بما کانوا یعملون ۝

یہ ان کے اعمال کی جزا ہے۔

جب یہ تمام چیزیں نیک بندوں کے لیے تیار کی گئی ہیں تو لازماً وہ انھیں جنت میں داخل ہوتے ہی حاصل ہو جائیں گی۔ کیونکہ انہی چیزوں کے مجموعہ کا نام جنت ہے یہ نہ ہوگا کہ بیچارہ جنت میں تو داخل ہو جائے لیکن رجب کے چودہ روزے نہ ہونے کے باعث وہ ان نعمتوں سے محروم رہے یہ کتنا احمقانہ تصور ہے کہ ایک انسان لندن تو چلا جائے لیکن نہ تو وہ لندن کی شاندار بلڈنگیں دیکھ سکے اور نہ وہاں کے حالات سن سکے۔ ایسے شخص کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ لندن جانے کی بجائے پہلے گدو بندر جا کر اپنے دماغ کا علاج کرالے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کو اعمالِ صالحہ پر موقوف رکھا ہے جس کا

Marfat.com

قرآن میں بھی اعلان کیا گیا ہے اور نبی آخرالزماں کی زبانی بھی اظہار کرایا گیا ہے ان چیزوں کو کسی ایک خاص عمل کا نتیجہ نہیں بتایا گیا ورنہ یہ ارشاد نہ فرماتے۔

جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

یہ ان کے اعمال کی جزا ہے

بلکہ یہ فرمانا چاہیئے تھا

جزاء لمن صام رجب اربعۃ عشر یوما

یہ اس شخص کا بدلہ ہے جو رجب کے چودہ روزے رکھے۔

یہ قرآن وسنت کا مذاق نہیں تو اور کیا ہے۔

۱۷۔ لطف یہ ہے کہ ابوبکر نقاش نے دس روزوں کا جو اجر بیان کیا تھا۔ ہبتہ اللہ نے دس روزوں کا اجر بھی وہی بیان کیا۔ پھر سترہ روزے کا بھی وہی اجر بیان کیا۔ پھر سترہ روزے رکھنے والا تو احمق ہوا کہ بلا فائدہ اس نے اتنی تکلیف برداشت کی۔

۱۸۔ جب انتیس روزوں کا یہ اجر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت آدمؑ کے مدمقابل اس کا محل ہوگا تو انتیس روزوں پر تو غالباً وہ عرش پر بیٹھا ہوگا۔ ہمیں افسوس ہے کہ شیخ صاحب نے بقیہ روزوں کا حال کیوں بیان نہیں کیا۔ آخر اس میں کیا راز تھا؟

۱۹۔ شب معراج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدمؑ کو پہلے آسمان پر اور حضرت ابراہیمؑ کو ساتویں آسمان پر دیکھا جس سے ان دونوں انبیاء کرام کے مدارج کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جنت میں دونوں کا درجہ بقول راوی ایک ہوگا۔ پھر تمام انبیاء یک جا ہونے چاہئیں۔ اس صورت میں ان دونوں کے یک جا ہونے کی خصوصیت کیا ہوگی۔

۲۰۔ آج تک تمام امت یہ سنتی چلی آئی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ پل صراط

بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا اور" صحیح مسلم" میں ہے کہ اس میں آنکڑے لگے ہوں گے جو بد عملوں کو پکڑ کر نیچے جہنم میں پھینک دیں گے۔ ہر شخص اس پر سے گذرے گا اور جیسا عمل ہوگا ویسی ہی اس کی رفتار ہوگی۔ اگر اس کے اعمال اچھے ہیں تو بجلی کی طرح اِدھر سے اُدھر پہنچ جائے گا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک کنارے کھڑے یہ دُعا فرماتے ہوں گے۔

اللّٰھم سلم اللّٰھم سلم مسلم ج۔ ا ص ۱۰۱

اے اللہ محفوظ رکھ، اے اللہ محفوظ رکھ

لیکن یہ خبیث راوی کہتا ہے کہ جو رجب کے دس روزے رکھے گا اس کے لیے پل صراط پر ہر میل پر ایک فرش بچھایا جائے گا جس پر وہ آرام کریگا کیونکہ وہ روزے رکھ رکھ کر تھک چکا ہوگا۔ بداعمالیوں کے باعث بجلی کی مانند اس پار سے اُس پار پہنچنے کے قابل نہ ہوگا۔ ہبتہ اللہ اور ابو بکر النقاش جیسے خبیثوں کے لیے واقعتاً وہی آرام کی جگہ ہے۔ اس طرح پُل صراط اور اس پر سے گذرنے کا مذاق اڑایا گیا ہے۔ کوئی شیخ عبدالقادر اور غزالی سے جا کر پوچھے کہ آپ نے وہاں کتنے فرش بچھوائے ہیں۔ اس لیے کہ ماشاء اللہ شیخ صاحب کی عمر نوے سال ہوئی ہے۔

۱۱۔ قیامت کے روز جب لوگ میدانِ حشر میں جمع ہوں گے۔ سورج سوا نیزے پر ہوگا۔ لوگوں کا پیاس کے مارے بُرا حال ہوگا۔ اور ہر شخص اپنی فکر میں غلطاں ہوگا۔

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُّغْنِيهِ العبس

ان میں سے ہر ایک کی اس روز ایسی حالت ہوگی جو دوسروں سے اسے بے پرواہ کر دے گی۔

یہ ایسا وقت ہوگا کہ انسان اپنے ماں باپ، اولاد، بھائی بہن اور بیوی سبھی کو بھول چکا ہوگا۔

Marfat.com

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ۔ العبس

جس روز آدمی اپنے بھائی، ماں باپ، بیوی اور بیٹوں سے بھاگے گا۔ (سورۃ العبس)

پھر یہ دن بارہ گھنٹے کا دن نہ ہوگا۔ اگرچہ شیخ صاحب کے نزدیک وہاں بھی دن رات چوبیس گھنٹے کے ہوں گے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ وہاں کوئی رات نہ ہوگی اور دن کتنا طویل ہوگا اسے کلام اللہ میں ملاحظہ فرمالیجئے۔

خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (سورۃ الحاقۃ)

پچاس ہزار سال کے برابر

اور یہ سب کچھ حساب و کتاب سے قبل ہوگا۔ جب لوگ اس حالت سے تنگ آجائیں گے تو سب مل کر آدمؑ کے پاس جائیں گے اور ان سے شفاعت کی درخواست کریں گے۔ وہ فرمائیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یہ سوال فرمالیا کہ تو نے ممنوعہ درخت کیوں کھایا تھا تو میں کیا جواب دوں گا۔

نفسی نفسی اذھبوا الی غیری اذھبوا الی نوح

میری جان بچ جائے میری جان بچ جائے۔ میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، نوحؑ کے پاس جاؤ۔

الغرض یہ حضرت نوحؑ کے پاس پہنچیں گے اور ان سے درخواست کرینگے وہ فرمائیں گے اگر خدا نے مجھ سے یہ سوال فرمالیا کہ تم نے اپنے بیٹے کے لیے کیوں درخواست کی تھی تو میں کیا جواب دونگا۔

نفسی نفسی اذھبوا الی غیری اذھبوا الی ابراھیم۔

میری جان بچ جائے میری جان بچ جائے، میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، ابراہیمؑ کے پاس جاؤ۔

Marfat.com

یہ ابراہیمؑ کے پاس جائیں گے اور ان سے درخواست گذار ہوں گے وہ فرمائیں گے۔ میں نے دنیا میں تین باتیں ایسی کی تھیں جو بظاہر جھوٹ محسوس ہوتی تھیں۔ اگر اللہ تعالےٰ نے مجھ سے میری اس غلطی پر مؤاخذہ فرمالیا تو میں کیا جواب دوں گا۔

نفسی نفسی اذھبوا الی غیری اذھبوا الی موسٰی

میری جان بچ جائے، میری جان بچ جائے۔ میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، موسیٰؑ کے پاس جاؤ۔

الغرض یہ سب موسیٰ کے پاس پہنچیں گے۔ حضرت موسیٰؑ فرمائیں گے اگر اللہ نے یہ سوال فرمایا کہ تم نے قتل کیوں کیا تھا تو میں کیا جواب دوں گا۔

نفسی نفسی اذھبوا الی غیری اذھبوا الی عیسٰی۔ ، مسلم ج ۱ ص ۱۰۸

میری جان بچ جائے میری جان بچ جائے، میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ۔ عیسیٰؑ کے پاس جاؤ۔

یہ سب عیسیٰؑ کے پاس پہنچیں گے تو وہ فرمائیں گے کہ اگر اللہ نے یہ سوال فرمالیا کہ کیا تو نے ہی اپنی امت کو یہ حکم دیا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو خدا کا شریک بنالینا اور واقعتاً ان سے یہ سوال ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور جب اللہ فرمائیگا۔ اے عیسیٰ بن مریم۔ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو الٰہ بنا لینا۔

تم کسی اور کے پاس جاؤ۔ میری جان بچ جائے یہی غنیمت ہے تم محمدؐ کے پاس جاؤ۔ یہ سب مل کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے حضور اکرمؐ شفاعت کے لیے تشریف لے جائیں گے۔ یہ شفاعت تمام امتوں کے لیے ہوگی تاکہ

Marfat.com

حساب کتاب جلد ہو جائے تو آپؐ بارگاہِ خداوندی میں سربسجود ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا فرمائیں گے تو آپؐ کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی۔

یہ تو وہ امور ہیں جو "صحیح بخاری"، "صحیح مسلم" اور "ترمذی" وغیرہ میں پائے جاتے ہیں اور "بیہقی" میں ہے کہ میں ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک سربسجود رہوں گا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہفتہ تک سربسجود رہیں گے۔ دیگر انبیائے کرام بازپرس سے گھبراتے ہوں گے تو عام لوگوں کا کیا حال ہوگا۔ قارئین کرام خود ہی غور کر لیں۔ وہاں کھانے پینے کا کسی کو کیا ہوش ہو سکتا ہے۔

لیکن یہ زندیق کہتا ہے کہ جو رجب کے تیرہ روزے رکھے اس کے لیے میدانِ حشر میں عرش کے نیچے دسترخوان بچھایا جائے گا اور وہ کھانا کھائے گا۔ عیاذاً باللہ انبیائے کرام منہ تکتے ہوں گے اور لوگ پسینوں میں نہاتے حتیٰ کہ بعض لوگ منہ تک پسینوں میں ڈوبے ہوں گے تو پھر نبوت، شہادت اور اعمال صالحہ سے آخر فائدہ کیا ہوا۔ انبیائے کرام جو گناہوں سے معصوم ہیں۔ انھوں نے یہ کام کیوں نہ انجام دیا جو اس پریشانی سے نجات پاتے۔ یہ ایک صریح کفر اور اللہ اور اس کے رسولؐ سے کھلا مذاق ہے یہ اللہ اور رسول کے احکامات کا تمسخر ہے لیکن ہمارے صوفیاء اتنے بے بصیرت ہیں کہ انھیں کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ کیا تصوف اسی کا نام ہے کہ انسان اپنی عقل کو کھو دے۔ اور اللہ و رسولؐ پر تبرا کرتا رہے؟ کیا اسی کا نام غوثیت و قطبیت ہے اور کیا اسی کام کے لیے بموجب تذکرہ اولیاء تمام اولیاء کی گردنوں پر پاؤں رکھ کر ان کی گردن دبائی گئی تھی۔ یہ بھی نہ سوچا کہ کھانا جنت میں ملے گا نہ کہ عرش کے نیچے۔

۱۲۔ ایک روزے پر فردوسِ اعلیٰ ملے گی۔ لیکن بیچارے کو اس وقت تک کوئی محل نہیں ملے گا جب تک وہ انیس روزے نہ رکھ لے اس وقت تک وہ کھلے میدان میں پڑا رہے گا۔ کیونکہ محل کی تیاری میں بھی تو کچھ وقفہ لگے گا۔ جب فرشتے محل تعمیر کر دیں گے تب ہی تو حاصل ہوگا۔ کیونکہ پہلے "غنیہ" کی ایک روایت

Marfat.com

ہیں گذر چکا ہے کہ جنت کے محلات فرشتے تعمیر کرتے ہیں۔ ان کی اجرت کیا ہو گی۔ یہ پیرانِ پیر سے جا کر پوچھتے اور اگر ان سے پوچھنے کی جرأت نہیں تو غزالی سے پوچھ لیتے۔ الغرض یہ پوری روایت اسی قسم کی لغویات سے معمور ہے۔ ہمارا مطمح نظر اگر ان خرافات کا رد نہ ہوتا تو ہم ہرگز بھی انھیں نقل نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے جاہل لوگوں کے سائے سے محفوظ رکھے۔ آمین

روایات حضرت ابوہریرہؓ

انبانا محمد بن ناصر انبانا ابوعلی بن البنّا انا احمد بن علی الکاتب انا ابو سہل عبد الصمد ابن محمد العطری نا ابوالحسن علی بن احمد الیونانی نا احمد بن عبد اللہ بن داؤد نا محمد ابن جیہان نا عمر بن عبد الرحیم نا محمد بن وہب ابن عطیۃ الدمشقی عن بقیۃ بن الولید عن لیث ابن ابی سلیم عن القعقاع بن مسور الشیبانی عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی لیلۃ النصف من شعبان ثنتی عشرۃ رکعۃ یقرأ فی کل رکعۃ قل ہو اللہ احد ثلاثین مرۃ لم یخرج حتی یری مقعدہٗ من الجنۃ ویشفع فی عشرۃ من اہل بیتہٖ کلہم وجبت لہ النار۔

موضوعات ابن جوزی ج-۲ ص۱۲۹

ہم سے محمد بن ناصر نے بیان کیا، ان سے ابو علی بن البنا نے، ان سے احمد بن علی الکاتب نے، ان سے ابو سہل عبد الصمد بن محمد العطری نے، ان سے ابوالحسن علی بن احمد الیونانی نے، ان سے احمد بن عبد اللہ بن داؤد نے، ان سے محمد بن جیہان نے

ان سے عمر بن عبدالرحیم نے ان سے محمد بن وہب بن عطیہ الدمشقی نے وہ بقیہ بن الولید سے ناقل ہیں۔ وہ لیث بن ابی سلیم سے وہ قعقاع بن مسور الشیبانی سے وہ ابوہریرہؓ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے ارشاد فرمایا۔ جس شخص نے نصف شعبان کی شب میں بارہ رکعت نوافل ادا کیں، اور ہر رکعت میں تیس بار قل ہو اللہ احد پڑھی وہ اس وقت تک دنیا سے نہیں جائے گا۔ جب تک اپنا جنت کا ٹھکانہ نہ دیکھ لے اور اپنے گھر والوں میں سے ان دس آدمیوں کی شفاعت کرے گا، جن کے لیے دوزخ واجب ہو چکی ہوگی۔

ابن جوزی فرماتے ہیں۔

هذا موضوع وفيه جماعة مجهولون وهذا قبل بقية والليث وهما ضعفاء فالبلاء ممن قبلهم

یہ حدیث موضوع ہے اور اس کی سند میں متعدد مجہول راوی ہیں اور یہ تمام مجہول روات بقیہ اور لیث سے پہلے ہیں اور بقیہ اور لیث بھی ضعیف ہیں اور یہ بلا بقیہ اور لیث کے بعد کے راویوں کی ہیں۔

لیجئے اب دنیا ہی میں جنت کے ٹھکانے نظر آنے لگے۔ اب ہر شخص یہ معلوم کر سکے گا کہ جنت میں اسے کس قسم کا محل ملے گا۔ لیکن افسوس کہ دوزخ کا ٹھکانہ معلوم کرنے کا کوئی طریقہ نہیں بتایا گیا۔ ایسے کذابوں کو دوزخ کا ٹھکانہ معلوم کرنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ حضور کا ارشاد ہے۔

من يقل على مالم اقل فيتبوأ مقعده من النار

بخاری ج ۱ ص ۲۱

جو شخص ایسی بات کہے جو میں نے نہ کہی ہو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں تلاش کرے۔

ملا علی قاری نے امام ابن القیم سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

والعجب ممن شم رائحۃ العلم بالسنۃ ان یغتر بمثل ھذہ الھذیان ویصلیھا وھذہ الصلوۃ وضعت فی الاسلام بعد الاربع مائۃ وثنتان من بیت المقدس فوضع لھا عدۃ احادیث إمنھا من قولہ لیلۃ النصف الف مرۃ قل ھو اللہ احد الحدیث بطولہ وقید بعث اللہ مائۃ الف ملک یبشرونہ وحدیث من صلی لیلۃ النصف من شعبان ثنتی عشر رکعۃ یقرأ فی کل رکعۃ ثلوثین مرۃ قل ھو اللہ احد شفع فی عشرۃ قد استوجبوا النار وغیر ذلک من الاحادیث التی لا یصح منھا شیئ۔ موضوعات کبیر ص ۵۴۲

جن لوگوں کو علم سنت کی خوشبو پہنچی ہو وہ اس قسم کی بیکواس سے دھوکہ کھا کر یہ نمازیں پڑھیں ان پر تعجب ہے۔ یہ نماز اسلام میں چار سو سال بعد وضع کی گئی اور اس کی ابتدا بیت المقدس سے ہوئی۔ پھر اس نماز کے لیے متعدد احادیث وضع کر لی گئیں جن میں سے ایک روایت یہ ہے کہ جس شخص نے نصف شعبان کی شب میں ایک ہزار بار قل ہو اللہ احد پڑھی۔ یہ طویل روایت ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے پاس ستر فرشتے بھیجتا ہے جو اسے بشارت دیتے ہیں اور یہ روایت کہ جس نے نصف شعبان کی شب میں بارہ رکعت نماز پڑھی اور ہر رکعت میں تیس بار قل ہو اللہ احد تلاوت کی وہ ان دس آدمیوں کی شفاعت کریگا جن کے لیے دوزخ واجب ہو چکی

Marfat.com

ہوگی اور اسی قسم کی دیگر روایات۔ ان میں سے کوئی بھی روایت صحیح نہیں ہے۔ موضوعات کبیر ص ۵۴۲

علامہ عینی حنفی ۸۵۵ھ شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔

واما لاحادیث التی فی صلوٰۃ النصف من شعبان فقال ابن وحیۃ انہا موضوعۃ فتح الملہم شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۷۴

اور وہ تمام روایات جو نصف شعبان کی شب میں نماز پڑھنے کے بارے میں مروی ہیں تو علامہ ابن وحیہ کہتے ہیں سب موضوع ہیں۔

اس مضمون پر علماء کے مختلف فیصلے پہلے بہت گزر چکے ہیں۔ آیئے اب ذرا حدیث ابی ہریرہؓ کے رواۃ پر بھی نظر ڈال لیجئے۔

اس کا ایک راوی احمد بن عبداللہ بن داؤد ہے جو عبدالرزاق بن ہمام کا بھانجا ہے۔ ابن حبان ۳۵۴ھ کہتے ہیں۔

کان یدخل علی عبد الرزاق الحدیث فکل ما وقع فی حدیث عبد الرزاق من المناکیر فیلیتہ منہ میزان ج ۱ ص ۱۰۹

یہ احمد بن عبداللہ اپنی جانب سے احادیث وضع کر کے عبدالرزاق کے سامنے پیش کرتا۔ عبدالرزاق ۲۱۱ھ کی روایات میں جتنی منکرات داخل ہوتیں وہ اسی کی ڈھائی ہوئی آفت ہیں۔ میزان ج ۱ ص ۱۰۹

امام احمد ۲۴۰ھ فرماتے ہیں۔ کان من اکذب الناس وہ لوگوں میں سب سے جھوٹا انسان ہے۔

یحییٰ بن معین ۲۳۳ھ کہتے ہیں ثقہ نہیں۔ ابن عدی کہتے ہیں اس کی

Marfat.com

اکثر احادیث منکر ہیں۔ میزان ج۔۱ ص۹۷۔ اس کے علاوہ یہ بھی اور عبدالرزاق بھی دونوں رافضی ہیں۔ اس کا ایک اور راوی محمد بن جیہان ہے۔ ابن مندہ کہتے ہیں۔

فی حدیثہ مناکیر۔ میزان ج۔۳ ص۵۰۳

اس کی حدیث میں بہت منکرات ہیں۔

اس کا ایک اور راوی محمد بن ناصر بن محمد ابنردی ہے۔ ذہبی کہتے ہیں۔

یقول بقد مالارواح میزان ج۔۴ ص۵۴

یہ روحوں کی آمد کا قائل تھا (کوئی جمعراتی ہوگا)

یعنی امام ذہبی کے نزدیک وہ صرف اس لیے ناقابلِ قبول ہے کہ وہ ارواح کی آمد کا قائل تھا افسوس کہ آج کل یہ ایمان کی دلیل ہے۔

بقیہ سے نیچے اور جتنے راوی ہیں سب مجہول ہیں اب ذرا بقیہ ۱۹۷ھ اور لیث ۱۴۸ھ کا حال بھی سن لیجئے۔

ابوالحسن بن القطان کہتے ہیں۔

بقیۃ یدلس عن الضعفاء ویسقیح ذلک وھذا ان صح مفسد لعدالتہ۔ میزان ج۔۱ ص۳۳۹

بقیہ ضعیف راویوں سے تدلیس کرتا (یعنی ان کے نام حذف کر کے اوپر کے ثقہ راوی کا نام ذکر کر دیتا) اور اسے جائز بھی سمجھتا۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو اس کی عدالت بھی باقی نہیں رہی۔

ابومسہر ۲۱۸ھ کا قول ہے

احادیث بقیۃ لیست نقیۃ فکن منھا علی تقیۃ میزان ج۔۱ ص۳۳۲

بقیہ کی احادیث عمدہ نہیں ہیں تو ان سے بچ کر ہی رہو۔

ابن حبان ۳۵۴ھ کہتے ہیں وہ یجاشع بن عمرو، سری بن عبدالحمید اور عمر بن موسیٰ المینی جیسے مجہولین سے روایتیں لیتا اور انھیں امام مالک اور شعبہ کے نام

Marfat.com

سے روایت کرتا۔ ابوحاتم کہتے ہیں وہ حجت نہیں ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں

کان مدلسا فاذا قال عن فلیس بحجۃ

میزان ج۔۱ ص۳۳۱

وہ مدلس ہے۔ وہ جب لفظ عن کے ذریعہ کوئی روایت بیان کرے تو حجت نہیں ہے۔

اب ذرا لیث کا حال بھی معلوم کر لیجئے۔ یہ شخص لیث بن ابی سلیم الکوفی اللیثی ہے۔ ابوبکر بن عیاش ۱۹۳ھ کہتے ہیں۔

کان لیث من اکثر الناس صلاۃ و صیامًا واذا وقع علی شیئ لم یردہ

لیث سب سے زیادہ نماز پڑھنے والا اور سب سے زیادہ روزہ رکھنے والا تھا۔ لیکن اگر کوئی غلط بات بیان کر دیتا تو کبھی اپنی غلطی قبول نہ کرتا۔

گویا یہ بھی ایک صوفی تھا اور صوفیاء کے اس گروہ سے تعلق رکھتا تھا جو اپنی غلطی کو تسلیم کرنا اپنی توہین تصور کرتے تھے۔

امام یحییٰ بن معین ۲۳۳ھ اور نسائی ۳۰۳ھ کہتے ہیں ضعیف ہے۔ دارقطنی ۳۸۵ھ کہتے ہیں اگرچہ پابند سنت تھا لیکن اس کی احادیث کا انکار اس لیے کیا گیا کہ اس نے یہ کہا تھا کہ عطاء، طاؤس اور مجاہد یکجا جمع ہوتے۔ حالانکہ یہ کبھی یکجا جمع نہیں ہوتے تھے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ وہ مضطرب الحدیث ہے۔ ابن ادریس کا بیان ہے کہ جب کبھی میں اس کے پاس جاتا اس سے نئی نئی روایات سنتا جو پہلے کبھی نہ سنی تھیں۔ امام احمد فرماتے ہیں امام یحییٰ بن سعید القطان ۱۹۸ھ تین شخصوں کے بارے میں اتنی بری رائے رکھتے تھے کہ کوئی ان کے بارے میں ان سے گفتگو بھی نہ کر سکتا تھا۔ لیث، محمد بن اسحاق اور ہمام۔ ابن معین کہتے ہیں۔ لیث ۱۴۸ھ عطاء بن السائب ۱۳۶ھ سے زیادہ

ضعیف ہے۔ عیسٰی بن یونس ۱۸۷ھ کا بیان ہے کہ آخر میں پاگل ہو گیا تھا۔ ہم عین زوال کے وقت جب گزرتے تو وہ مینارہ پر چڑھا اذان دیتا ہوتا۔
میزان ج ۳ ص ۴۲۰

یہ اس روایت کا حال ہے۔ اسی لیے تو شیخ صاحب اکثر سند چھوڑ جاتے ہیں۔ اگرچہ انھوں نے یہ روایت اپنی کتاب میں ذکر نہیں کی، لیکن اس نماز کا پڑھنا مستحب بتایا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی ایک اور روایت

ان بے سروپا روایات میں سے ایک اور روایت حضرت ابوہریرہؓ سے ان الفاظ میں مروی ہے۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال جاءنی جبریل علیہ السلام لیلۃ النصف من شعبان فقال لہ یا محمد ارفع راسک الی السماء قال قلت لہ ما ھذہ اللیلۃ قال ھذہ لیلۃ یفتح اللہ فیھا سبحانہ وتعالیٰ ثلاث مائۃ باب من ابواب الرحمۃ یغفر لکل من لا یشرک بہ شیئا الا ان یکون ساحرًا او کاھنا او مدمن خمر او مصرًا علی الربوا او الزنا فان ھؤلاء لا یغفر لھم حتی یتوبوا۔ فلما کان ربع اللیل نزل جبرئیل علیہ السلام وقال یا محمد ارفع رأسک فاذا ابواب الجنۃ مفتوحۃ وعلی الباب الاول ملک ینادی طوبی لمن رکع فی ھذہ اللیلۃ وعلی الباب

الثانی ملک ینادی طوبی لمن سجد فی ھذہ اللیلۃ
وعلی الباب الثالث ملک ینادی طوبی لمن دعا
فی ھذہ اللیلۃ وعلی الباب الرابع ملک ینادی
طوبی للذاکرین فی ھذہ اللیلۃ
وعلی الباب الخامس ملک ینادی طوبی لمن بکا من
خشیۃ اللہ فی ھذہ اللیلۃ وعلی السادس ملک،
ینادی طوبی للمسلمین فی ھذہ اللیلۃ وعلی
الباب السابع ملک ینادی ھل من مستغفر
فیغفرلہ فقلت یاجبرئیل الی متی تکون ھذہ
الابواب مفتوحۃ قال الی طلوع الفجر من اول
اللیل ثم قال یا محمد ان للہ تعالی فیھا عتقاء
من النار لعدد شعر غنم کلب۔ غنیہ ج ۱ ص ۶۰۵

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نصف شعبان کی شب میں میرے پاس جبریل آئے اور آپ سے فرمایا اے محمدؐ اپنا سر آسمان کی جانب اٹھائیے۔ میں نے پوچھا یہ کیسی رات ہے جبریل نے فرمایا۔ یہ ایسی رات ہے جس میں اللہ تعالیٰ رحمت کے دروازوں میں سے تین سو دروازے کھولتا ہے، مشرک، جادوگر، نجومی، شراب کے عادی، سود اور زنا پر اصرار کرنے والے کے علاوہ ہر شخص کی مغفرت فرماتا ہے ان کی مغفرت اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک توبہ نہ کر لیں۔ جب چوتھائی شب ہوئی تو جبریل علیہ السلام دوبارہ نازل ہوئے اور فرمایا اے محمدؐ اپنا سر اٹھائیے تو جنت کے دروازے کھلے ہوئے

Marfat.com

تھے، پہلے دروازے پر ایک فرشتہ ندا کر رہا تھا اس شخص کے لیے خوش خبری ہے جو اس رات میں رکوع کرے، دوسرے دروازے پر فرشتہ ندا کر رہا تھا خوش خبری ہے اس شخص کے لیے جو اس رات سجدہ کرے، تیسرے دروازے پر ایک فرشتہ ندا کر رہا تھا۔ خوش خبری ہے اس شخص کے لیے جو اس رات دعا کرے۔ چوتھے دروازے پر ایک فرشتہ ندا کر رہا تھا خوش خبری ہے اس رات میں ذکر کرنے والوں کے لیے پانچویں دروازے پر ایک فرشتہ ندا کر رہا تھا خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جو اس شب میں خوف الٰہی سے روتے چھٹے دروازے پر ایک فرشتہ ندا کر رہا تھا۔ اس شب میں مسلمین کے لیے خوش خبری ہے اور ساتویں دروازے پر ایک فرشتہ ندا کر رہا تھا ہے کوئی استغفار کرنے والا کہ اس کی مغفرت کی جائے۔ میں نے پوچھا اے جبرئیل یہ دروازے کب تک کھلے رہیں گے۔ جبرئیل نے فرمایا شروع شب سے صبح صادق تک۔ پھر جبرئیل نے فرمایا اس شب میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے بنو کلب کی بھیڑوں کے بالوں کے برابر لوگ دوزخ سے آزاد کیے جاتے ہیں۔

۱۔ شیخ صاحب نے اس روایت کی سند بیان نہیں کی اور عام طور پر جب وہ سند غائب کرتے ہیں تو وہ ہبتہ اللہ سے مروی ہوتی ہے۔ اگر یہ روایت ہبتہ اللہ سے مروی بھی نہ ہو تو ابو نصر سے مروی ہوگی۔ کیونکہ "غنیہ" کی تمام روایات انھی دو شخصوں سے مروی ہیں جن میں سے ہبتہ اللہ کذاب ہے اور ابو نصر تو عالم عدم سے وجود میں بھی نہ آیا تھا اور اگر یہ دونوں امام زمانہ بھی ہوتے تو کیا، ہمیں تو ساڑھے پانچ سو سال کے معتبر رواۃ درکار

ہیں۔ کاش شیخ صاحب کا کوئی پجاری ہمارے سامنے سند پیش کر دے۔
دراصل یہ روایت ابن عساکر المتوفی ۵۰۱ھ نے اپنی "امالی" میں ابی بن کعبؓ سے نقل کی ہے جس پر ہم آگے بحث کریں گے۔

۲۔ اس روایت میں یہ امر خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ منادی رکوع کرنے والوں، سجدہ کرنے والوں اور دعاؤ ذکر کرنے والوں کو بشارت دیتا ہے لیکن قیام کرنے والوں کے لیے کوئی بشارت نہیں۔ کیا نماز کی ابتداء رکوع سے ہوتی ہے؟ اور اگر کوئی شخص صرف رکوع پر اکتفا کرے تو کیا یہ فضیلت اسے بھی حاصل ہو جائے گی اور کیا صرف رکوع کرنا عبادت شمار ہو گا؟ علماء ذرا سوچ کر جواب دیں۔

۳۔ لطف یہ ہے کہ راوی یہ کہتا ہے کہ اس رات سود خور، شرابی، زانی، جادوگر اور مشرک کی مغفرت نہیں ہوتی "تاوقتیکہ توبہ نہ کرلیں"۔ ہماری عرض یہ ہے کہ توبہ کی صورت میں تو ہر وقت ہر گناہ کی مغفرت ہو سکتی ہے پھر اس رات کی خصوصیت کیا ہے اور کیا ان لوگوں کے علاوہ اور لوگوں کی توبہ کے بغیر مغفرت ہو جاتی ہے؟

۴۔ یہ بھی بیان فرمادیں کہ اوّل شب جب جبرئیل آئے تھے اور آسمانوں کی جانب آپؐ کا سر اٹھوایا تھا تو آپؐ نے کیا دیکھا تھا۔ راوی نے اسے بیان نہیں کیا۔ اگر کچھ دیکھا تھا تو وہ بیان کرنا چاہیئے تھا۔ ورنہ یہ سر اٹھوانا ایک بلا فائدہ کام تھا۔

۵۔ جبرئیل چوتھائی رات میں دوبارہ آتے اور یہ اطلاع دی کہ جنت کے دروازے کھل گئے ہیں۔ حالانکہ یہ اطلاع پہلی بار نہیں دی گئی تھی جس سے یہ ثابت ہوا کہ جنت کے دروازے اس وقت کھلتے ہیں جب چوتھائی شب گذر جاتی ہے۔ لیکن جب آخر میں حضورؐ یہ سوال کرتے ہیں کہ جنت کے دروازے کب کھلتے ہیں تو جبرئیل جواب دیتے ہیں کہ شروع رات سے کھل جاتے ہیں۔

Marfat.com

اس طرح ان دونوں باتوں میں تضاد ہوا۔ اور اس تضاد کو رفع کرنے کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ ہم یہ مان لیں کہ پہلی بار جبرئیلؑ بتانا بھول گئے تھے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ فرشتوں کو بھول واقع نہیں ہوتی تو ہمارا جواب یہ ہے کہ انسانوں کو تو بھول واقع ہوتی ہے۔ تو ہو سکتا ہے کہ جبرئیل نے تو بتایا ہو لیکن شیخ صاحب اس کا ذکر کرنا بھول گئے ہوں اور یہ بات چوتھائی شب کے وقت یاد آئی ہو۔ لیکن ایسی صورت میں دوبارہ جبرئیل کو طلب کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ ان کو بلائے بغیر بھی اس بات کا ذکر کیا جا سکتا تھا۔ یہ ان کی دوسری بھول ہے۔ ہم اس کا فیصلہ کہ دراصل بھولنے والا کون ہے شیخ صاحب کے پجاریوں پر چھوڑتے ہیں۔ کیونکہ اس میں ایک امکان یہ بھی ہے کہ شیخ صاحب اور جبرئیلؑ دونوں بھول سے پاک ہوں اور اللہ تعالیٰ ہی بھول گیا ہو۔ اگر یہ منطق آپ کی سمجھ میں نہ آتی ہو تو شیعوں کے پاس جا کر مسئلہ بداء کی حقیقت پوچھ لیں۔ وہ آپ کی زیادہ بہتر مدد کر سکیں گے۔

۶۔ چھٹے دروازے پر جو فرشتہ ندا کرتا ہے وہ تمام مسلمین کو خوشخبری سناتا ہے جو عام ہے خواہ وہ نیک ہوں یا بد۔ اس کی ندا میں کوئی شرط نہیں تو اس صورت میں اس خوشخبری میں زانی، شرابی، سود خوار اور جادوگر سب داخل ہونگے اور اگر کہتے ہو کہ یہ خوشخبری صرف نیک لوگوں کے لیے ہے۔ تو ہمارا سوال ہے کہ کیا چور، ڈاکو، راشی، ظالم، قاتل وغیرہ بھی اس سے خارج ہیں۔ اگر تمہارا جواب اثبات میں ہوگا تو تم نے پہلے صرف چھ قسم کے انسانوں کو مغفرت سے خارج کیا تھا۔ اب یہ کیسے خارج ہو گئے۔ اگر تمہارا جواب یہ ہے کہ یہ ابتداء ہی سے اس مغفرت میں داخل نہ تھے تو ہم عرض کریں گے کہ پھر صرف چھ قسم کے آدمیوں کی کیوں تخصیص کی گئی۔ کیا یہاں بھی کوئی بھول واقع ہوئی تھی۔

۶۔ آپ نے ذکر کیا ہے کہ جنت کے تیسرے دروازے پر فرشتہ دعا کرنے والوں کے لیے خوشخبری کا اعلان کرتا ہے اور ساتویں دروازے پر استغفار کرنے

Marfat.com

والوں کے لیے۔ کیا آپ کے نزدیک استغفار دعا سے خارج ہے۔ حالانکہ استغفار تو دُعا کی ایک قسم ہے۔ اگر استغفار دعا سے خارج اور جداگانہ شئے ہے تو ان دونوں کا فرق بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

رجب و شعبان کے روزے

ان بے سروپا روایات میں سے ایک اور روایت بھی حضرت ابوہریرہؓ کی جانب منسوب کی گئی ہے۔ جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

عن ابی هریرة انه قال لم یصم رسول الله صلی الله علیه وسلم شهراً بعد رمضان الا رجب و شعبان

ابوہریرہؓ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے بعد رجب و شعبان کے علاوہ کبھی روزے نہیں رکھے۔

قارئین کرام حضرت عائشہؓ کی مرویات میں پڑھ چکے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے روزے رکھتے۔ لیکن کسی روایت میں رجب کے روزے رکھنے کا ذکر نہیں۔ اس روایت میں رجب کا لفظ عمداً بڑھایا گیا ہے۔ حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے۔

ما رأیت النبی صلی الله علیه وسلم یصوم شهرین متتابعین الا شعبان ورمضان وکان یصل شعبان برمضان۔ نسائی ج ۱ ص ۲۴۸، ترمذی ج ۱ ص ۱۲۲

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شعبان و رمضان کے علاوہ دو ماہ کے پے در پے روزے رکھتے نہیں دیکھا اور آپؐ شعبان کو رمضان سے ملا دیتے تھے (یعنی روزوں سے)

Marfat.com

حضرت عائشہؓ کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں۔

مارایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استکمل صیام شہر الا رمضان وما رایتہ اکثر صیاما منہ فی شعبان۔ بخاری ج ۱ ص ۲۶۴

مسلم ج ۱ ص ۳۶۵ ۔ مؤطا امام مالک مترجمہ ص ۲۶۱

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رمضان کے علاوہ پورے ماہ کے پورے روزے نہیں رکھتے دیکھا اور شعبان سے زیادہ روزے کسی ماہ میں رکھتے نہیں دیکھا۔

اصل حدیث یہ تھی جس میں دو تحریفات کی گئیں اور لفظ رجب کا اضافہ کیا گیا تاکہ رجب کے روزے ثابت کئے جاسکیں، دوم یہ حدیث حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہؓ سے مروی تھی اسے حضرت ابوہریرہؓ سے منسوب کیا گیا۔ حالانکہ ابوہریرہ سے تو حضور کا امت کے لیے یہ فرمان مروی ہے۔

اذا انتصف شعبان فلا تصوموا ترمذی ج ۱ ص ۱۲۲

جب آدھا شعبان ہو جائے تو روزے نہ رکھو

رجب کی ممانعت میں جو احادیث مروی ہیں وہ آپ حضرات پہلے پڑھ چکے ہیں اور جن روایات میں رجب کے روزوں کا ذکر ہے ان پر جو محدثین نے بحث کی ہے وہ بھی آپ کی نظر سے گذر چکی اور یہ بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہ سب کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک افترا ہے۔

۲۔ شیخ عبدالقادرؒ نے اس روایت کی کوئی سند بیان نہیں کی جس پر بحث کی جاسکتی اور حدیث کی کسی کتاب میں یہ روایت موجود نہیں۔ نہ متقدمین نے اسے روایت کیا ہے نہ متاخرین نے۔

۳۔ اس روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے علاوہ

Marfat.com

صرف رجب وشعبان میں روزے رکھتے اور کسی ماہ میں نہ رکھتے۔ یہ ایک ایسا صریح جھوٹ ہے جس کی نظیر ملنی دشوار ہے۔ کیونکہ یہ بات آپ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ ہر ماہ کچھ نہ کچھ روزے رکھتے کوئی ماہ روزوں سے خالی نہ رہتا۔ عبداللہ بن شقیق ؒ کا بیان ہے کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے علاوہ کسی اور متعینہ مہینہ کے روزے رکھتے یا نہیں؟ انھوں نے جواب دیا۔

لا واللہ ان صام شھرا معلوما سری رمضان حتی مضی بوجھہ ولا افطرہ حتی یصیب منہ۔ مسلم ج۔ ا ص ۳۶۴ ، نسائی ج۔ ا ص ۲۲۰ ،

نہیں خدا کی قسم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی متعینہ مہینے کے کبھی روزے نہیں رکھے۔ حتی کہ آپ دنیا سے کوچ فرما گئے اور نہ کوئی ایسا مہینہ گذرا جس میں آپ نے کبھی روزے نہ رکھے ہوں۔

ترمذی نے حضرت عائشہ ؓ سے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتحری یوم الاثنین والخمیس ترمذی ج۔ ا ص ۱۲۳ ، نسائی ج۔ ا ص ۲۳۴

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ اور جمعرات کے دن کا روزوں کے لیے انتظار فرماتے رہتے۔

حضرت انس ؓ کا بیان ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفطر من الشھر حتی نظن ان لا یصوم منہ ویصوم

حتی نظن ان لا یفطر منہ بخاری ج۔ ا ص ۲۲۴
ترمذی ج۔ ا ص ۱۲۵

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ماہ میں افطار کرتے حتی کہ ہمیں یہ خیال گذرنے لگتا کہ آپؐ اس ماہ میں روزے نہ رکھیں گے اور جب روزے رکھتے تو اس طرح لگاتار رکھتے کہ ہم گمان کرتے کہ اب آپؐ افطار نہ فرمائیں گے۔

حضرت اسامہؓ بن زید ۵۴ھ اور انہی حضرت ابوہریرہؓ ۵۷ھ کا بیان ہے کہ حضورؐ سے جب دوشنبہ کے اور جمعرات کے روزے کی وجہ دریافت کی گئی تو آپؐ نے فرمایا۔

تعرض الاعمال یوم الاثنین والخمیس فاحب ان یعرض عملی وانا صائم ترمذی ج۔ ا ص ۱۲۳
طحاوی ج۔ ا ص ۳۴۰، نسائی ج۔ ا ص ۲۶۳

دوشنبہ اور جمعرات کے روز اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور میں یہ پسند کرتا ہوں کہ جب میرا عمل پیش ہو تو میں روزے سے ہوں۔

ان حوالوں کے بعد اب آپ "غنیہ" کی روایت کو دیکھئے۔ جس میں شیخ عبدالقادر المتوفی ۵۶۱ھ بلا سند ابوہریرہؓ کا دعویٰ نقل کر رہے ہیں کہ آپؐ تین ماہ کے علاوہ کسی مہینہ میں روزہ نہ رکھتے۔ دوسری جانب امام ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ ابوہریرہؓ ۵۷ھ سے بالسند یہ بات نقل کر رہے ہیں کہ حضورؐ ہر دوشنبہ اور جمعرات کا روزہ رکھتے اور اس کی تائید اسامہ بن زید ۵۴ھ بھی کر رہے ہیں اور حضرت عائشہ ۵۷ھ اور حضرت انس ۹۱ھ فرماتے ہیں کہ حضورؐ ہر ماہ میں کچھ نہ کچھ روزے ضرور رکھتے اور رمضان کے علاوہ آپؐ نے کبھی کسی ماہ کے پورے روزے نہیں رکھے۔ اب آپ حضرات خود ہی فیصلہ

فرمالیں کہ ان دونوں فریقوں میں سے کون سچا اور کون جھوٹا ہے اگر عبدالقادرؒ نے سچ کہا ہے تو حضرت عائشہؓ ۵۷ھ، حضرت انسؓ ۹۱ھ حضرت اسامہ بن زیدؓ ۵۴ھ حضرت ابوہریرہؓ ۵۷ھ حضرت ام سلمہؓ ۶۳ھ اور وہ تمام محدثین جنھوں نے ان صحابہ کی روایتیں نقل کی ہیں سب جھوٹے ہیں۔ مثلاً بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، طحاوی وغیرہ

نیز ہم نے تمام روایات نقل بھی نہیں کیں۔ ورنہ یہ مضمون ابن عباسؓ ۶۸ھ، ابن عمرؓ ۷۴ھ، اور جابرؓ ۷۳ھ وغیرہ سے بھی مروی ہے۔

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابن عباسؓ اشعری ۶۸ھ، ابوموسیٰ اشعریؓ ۴۴ھ، ابسر معاویہؓ ۶۰ھ اور بکثرت صحابہ کے ذریعہ یہ بھی مروی ہے کہ آپؐ دس محرم کا روزہ بھی رکھتے تو یہ بتاتے کہ آپؐ کے نزدیک دس محرم کا روزہ کیسا ہے۔ اگر آپ کہتے ہیں درست ہے تو اس روایت میں جو دعویٰ کیا گیا ہے وہ باطل ہوتا ہے اور اگر آپ کہتے ہیں غلط ہے تو ان احادیث اور صحابہ کی تکذیب لازم آتی ہے۔ جبکہ یہ حضورؐ کا یہ فرمان موجود ہے۔

افضل الصیام بعد شهر رمضان شهر الله المحرم۔ مسلم ج۔۱ ص۳۶۸، ترمذی ج۔۱ ص۱۲۲

رمضان کے بعد سب سے افضل روزہ اللہ کے مہینہ محرم کا روزہ ہے۔

اتفاق سے یہ حدیث بھی حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ اس قسم کا دعویٰ کرنے والے تمام صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ حدیث کی تکذیب کر رہے ہیں۔ گذشتہ روایت طبرانی نے "اوسط" میں بھی نقل کی ہے۔ لیکن ہیثمی فرماتے ہیں اس میں یوسف بن عطیۃ الصفار ضعیف ہے (مجمع الزوائد ج۔۴ ص۱۹۱) ذہبی لکھتے ہیں اس کے ضعف پر سب کا اجماع ہے نسائیؒ کہتے ہیں متروک ہیں، بخاری کہتے ہیں منکر الحدیث ہے۔ نیز ذہبی نے ایک

Marfat.com

روایت کے بارے میں دعوٰی کیا ہے کہ اس کا واضع یہی یوسف ہے، ابن عدی کہتے ہیں اس کی عام احادیث صحیح نہیں ۔ میزان الاعتدال ج ۴ ص ۴۶۸

حضرت ابی بن کعب رضہ ۳۲ھ کی روایت

ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ نے حضرت ابی بن کعب ۳۲ھ سے روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ان جبریل اتانی لیلۃ النصف من شعبان قال قم فصل وارفع راسک ویدیک الی السماء فقلت یا جبریل ما ھذہ اللیلۃ قال یا محمد تفتح فیھا ابواب السماء وابواب الرحمۃ ثلاث مائۃ باب فیغفر لجمیع من لا یشرک باللہ شیئا غیر مشاحن او عاشر او مد من خمر او مصر علی الزنا فان ھؤلاء لا یغفر لھم حتی یتوبوا فاما مشاحن فانہ یترک لہ بابا من ابواب الرحمۃ حتی یکلم صاحبہ فاذا کلمہ غفر لہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا جبریل فان لم یکلمہ حتی یمضی عنا النصف قال لو مکث الی ان یتغرغر بھا فی صدرہ فھو مفتوح فان تاب قبل منہ فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی بقیع الغرقد فبینا وھو ساجد یقول فی سجودہ اعوذ بعفوک من عقابک واعوذ برضاک من سخطک واعوذ

Marfat.com

بک منک جل ثناؤک ولا ابلغ الثناء
علیک انت کما اثنیت علی نفسک فنزل
جبریل علیہ السلام فی ربع اللیل فقال
یا محمد ارفع رأسک الی السماء فرفع رأسہ
فاذا ابواب الرحمۃ مفتوحۃ علی کل باب
ملک ینادی طوبی لمن سجد فی ھذہ
اللیلۃ وعلی الباب الثانی ملک ینادی
طوبی لمن رکع فی ھذہ اللیلۃ وعلی الباب
الثالث ملک ینادی طوبی لمن دعا ربہ فی
ھذہ اللیلۃ وعلی الباب الرابع ملک ینادی
طوبی لمن ناجی ربہ فی ھذہ اللیلۃ وعلی
الباب الخامس ملک ینادی طوبی للمسلمین
فی ھذہ اللیلۃ وعلی الباب السادس ملک
ینادی طوبی للموحدین وعلی الباب السابع
ملک ینادی ھل من تائب یتوب علیہ
وعلی الباب الثامن ملک ینادی ھل من
مستغفر فیغفر لہ وعلی الباب التاسع ملک
ینادی ھل من داع فیستجاب لہ ثم ان رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یا جبریل متی
ابواب الرحمۃ مفتوحۃ قال من اول اللیل الی
صلوٰۃ الفجر۔ تنزیہ الشریعہ ج-۲ ص۲۲۶

میرے پاس نصف شعبان کی شب میں جبرئیل آئے اور بولے
یا رسول اللہ آپ کھڑے ہو جائیے اور اپنا سر اور اپنے ہاتھ

Marfat.com

آسمان کی طرف اُٹھا ہتے۔ میں نے کہا اے جبرئیل یہ کون سی رات ہے۔ انھوں نے فرمایا اے محمد اس رات میں آسمان کے اور رحمت کے تین سو دروازے کھولے جاتے ہیں اور ان تمام لوگوں کی مغفرت کی جاتی ہے جو اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتے ہوں۔ سوائے کینہ پرور، عشر وصول کرنے والے شراب کے عادی اور زنا پہ اصرار کرنے والے کے ان کی اس وقت تک مغفرت نہیں کی جاتی جب تک یہ توبہ نہ کرلیں۔ کینہ پرور کے لیے رحمت کا ایک دروازہ چھوڑ دیا جاتا ہے تاوقتیکہ وہ اپنے ساتھی سے کلام نہ کرلے اور جب اس سے کلام کرلیتا ہے تو اس کی مغفرت کردی جاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے جبرئیل اگر وہ آدھی رات تک کلام نہ کرے۔

حضرت جبرئیل نے جواباً عرض کیا کہ اگر سینہ میں سانس اٹکنے تک بھی وہ ٹھہرا رہے تو وہ دروازہ کھلا رہتا ہے۔ اگر وہ توبہ کرلیتا ہے تو اس کی توبہ قبول کرلی جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع غرقد کی جانب تشریف لے گئے۔ آپ سجدہ میں فریاد رہے تھے۔ میں آپ کے عفو کے واسطہ سے آپ کی سزا سے، آپ کی رضا کے ذریعہ آپ کی ناراضگی سے اور آپ کے ذریعہ آپ کی ذات سے پناہ مانگتا ہوں۔ آپ کی تعریف بہت بڑی ہے۔ میں آپ کی ثنا نہیں کرسکتا آپ ویسے ہی ہیں جیسی آپ نے اپنی ثنا فرمائی ہے۔ پھر چوتھائی شب میں جبرئیل نازل ہوئے اور فرمایا اے محمد اپنا سر آسمان کی جانب اُٹھائیے آپ نے سر اُٹھایا تو رحمت کے دروازے

Marfat.com

کھلے رہتے تھے۔ ہر دروازے پر ایک فرشتہ ندا کر رہا تھا
اس شخص کے لیے خوشی ہو جو اس رات سجدہ کرے، دوسرے
دروازے پر ایک فرشتہ ندا کر رہا تھا اس شخص کے لیے
خوشی ہو جو اس رات سجدہ کرے، تیسرے دروازے پر
ایک فرشتہ ندا کر رہا تھا اس شخص کے لیے خوشی ہو جو اس
رات اپنے پروردگار کو پکارے۔ چوتھے دروازے پر ایک
فرشتہ ندا کر رہا تھا اس کے لیے خوشی ہو جو اس رات
مناجات کرے، پانچویں دروازے پر ایک فرشتہ ندا کر رہا
تھا اس رات میں مسلمین کے لیے خوشی ہو۔ چھٹے دروازے
پر ایک فرشتہ ندا کر رہا تھا موحدین کے لیے خوشی ہو ساتویں
دروازے پر ایک فرشتہ ندا کر رہا تھا۔ ہے کوئی توبہ کرنیوالا
کہ اللہ اس کی توبہ قبول کرے۔ آٹھویں دروازے پر ایک
فرشتہ ندا کر رہا تھا ہے کوئی استغفار کرنے والا کہ اس کی
مغفرت کی جائے اور نویں دروازے پر ایک فرشتہ ندا کر رہا
تھا ہے کوئی دعا کرنے والا کہ اس کی دعا قبول کی جائے پھر
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے جبرئیل یہ رحمت
کے دروازے کب تک کھلے رہتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا
ابتدائے شب سے صبح صادق تک۔

آیئے ذرا پہلے اس روایت کے معنوی مفہوم پر غور کر لیں کہ اس
حسین الفاظ میں کتنا زہر بھرا ہوا ہے۔

۱۔ حضرت جبرئیل کی دوبارہ آمد چوتھائی شب میں اس وقت ہوئی۔
جب کہ آپ بقیع جا کر سجدہ میں دعا کر کے واپس آ چکے تھے۔ اس لحاظ سے
پہلی آمد ابتداء شب میں ہو گی۔ اگر یہ پہلی آمد فوراً بعد المغرب تسلیم کر لی

Marfat.com

جاتے اور دس گھنٹہ کی رات تسلیم کرلی جاتے تو ان دونوں آمدوں کے درمیان زیادہ سے زیادہ ڈھائی گھنٹے کا فرق ہوگا جو اس آمد و رفت میں ختم ہو جائیگا سوال یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز کس وقت ادا فرمائی راوی نے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ کیا نماز عشاء پہلی آمد کے بعد ہوئی تھی یا دوسری آمد کے بعد؟ اگر کہا جائے کہ پہلی آمد کے بعد ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جبریل کی پہلی آمد کے فوراً بعد بقیع تشریف لے گئے تھے۔ جیسا کہ روایت کے الفاظ ظاہر کر رہے ہیں اور دوبارہ جبریل کی آمد بقیع میں ہوئی اور راوی نے واپسی کا کوئی تذکرہ نہیں کیا جس سے معلوم ہوا کہ نماز عشاء ان دونوں آمدوں کے درمیان یا بعد میں ہرگز نہیں ہوئی۔

اگر یہ کہا جائے کہ پہلی آمد عشاء کے بعد ہوئی تو چوتھائی شب تو پہلی آمد پہ ہو جائے گی اب یہ کہنا کہ دوسری آمد چوتھائی شب پہ ہوئی یہ غلط ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زندیق کو یہ بھی خبر نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چوتھائی شب کے وقت عشاء کی نماز پڑھاتے تھے یا اس جاہل کو یہ بھی معلوم نہیں کہ چوتھائی شب کب ہوتی ہے ورنہ جب رات اور چھوٹی ہوگی تو غروب آفتاب اور چوتھائی شب میں صرف دو گھنٹے کا فرق رہ جاتا ہے۔

۲۔ بقول راوی حضرت جبرئیلؑ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے اور آسمان کی جانب سر اٹھا کر ہاتھ پھیلانے کا حکم دیا۔ لیکن اس کے برعکس حضورؐ نے نہ تو نماز پڑھی، نہ آسمان کی جانب سر اٹھایا اور نہ ہاتھ بلند فرمائے بلکہ آپؐ بقیع تشریف لے گئے اور وہاں سجدے میں دعا فرمائی۔ گویا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی نافرمانی کی۔ عیاذاً باللہ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی یہ تو وہ وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے۔

Marfat.com

قُلْ اِنْ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰی اِلَیَّ انعام

میں تو اسی چیز کی اتباع کرتا ہوں جو میرے پاس وحی کی جاتی ہے

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ انعام

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو اس چیز کی اتباع کیجئے جو آپ پر وحی کی جاتی ہے۔

اس خبیث نے ان حسین الفاظ میں گویا یہ دعویٰ کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیاذاً باللہ خدا کے نافرمان تھے اور یہ کتاب یعنی قرآن مجید ایک جبری کتاب ہے یا اس کا نازل کرنے والا ..... عیاذاً باللہ۔ نقل کفر کفر نہ باشد

۳۔ سب سے زیادہ حیرت ناک امر یہ ہے کہ اس قسم کے جتنے واقعات پیش آتے ہیں وہ سب رات ہی کو پیش آتے ہیں۔ جب کہ سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں سوئے ہوئے ہوتے ہیں اور دن میں کوئی حکم پہلے سے نازل نہیں ہوتا اور نہ حضورؐ پہلے سے لوگوں کو مطلع فرماتے ہیں کہ دوسرے بھی اس نعمت میں شریک ہو جائیں اور وہ مغفرت و رحمت سے بہرہ ور ہوں بلکہ اس قسم کے تمام واقعات رات کو پیش آتے ہیں اور حضورؐ اس کا کوئی اعلان نہیں فرماتے بلکہ یا تو خاموشی سے بقیع چلے جاتے ہیں یا گھر میں عبادت میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ پہلے سے حضرت عائشہؓ کو بھی مطلع نہیں کیا جاتا جس کی وجہ سے تمام لوگ اس شب کی فضیلت سے محروم رہتے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے اس رات کو حضورؐ کے لیے مخصوص فرمایا جو اس اخفاء کی ضرورت پیش آئی تھی۔ اگر یہ عمل مخصوص ہے تو دوسروں کے لیے اس پر عمل کیسے جائز ہو گا۔

۴۔ حضرت عائشہؓ کی ایک روایت میں مذکور تھا کہ آپ صرف بقیع تشریف

لے گئے اور کسی قسم کا عمل انجام نہیں دیا۔ دوسری روایت میں بقیع میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔ تیسری روایت میں ہے کہ آپ بقیع تشریف ہی نہیں لے گئے۔ گھر پر عبادت فرمائی اور چوتھی روایت میں ہے آپ بقیع گئے اور گھر آکر نماز پڑھی۔ اس روایت میں ہے کہ آپ قبرستان گئے اور وہاں سجدہ کیا۔ ان تمام روایات میں اتنا تضاد ہے کہ اسے دور کرنا محال ہے۔

۵۔ دراصل وضاعین نے حدیث عائشہؓ میں کچھ اضافہ و ترمیم کر کے اور اس کی نئی سندات وضع کر کے اس روایت کو مختلف صحابہ کی جانب منسوب کر دیا ہے اور ان میں یہ فرق عمداً اس لیے رکھا گیا ہے تاکہ یہ ایک روایت محسوس نہ ہو اور لوگ یہ سمجھ کر کہ یہ تو متعدد روایات ہیں ان کو دل و جان سے قبول کر لیں اور واقعہ بھی کچھ اسی طرح پیش آیا ہے حتیٰ کہ علماء بھی تعدد روایات سے دھوکہ کھا گئے۔

۶۔ اس جاہل کو یہ بھی خبر نہیں کہ نماز میں رکوع پہلے ہوتا ہے یا سجدہ۔ کیونکہ اس نے پہلے سجدہ کا ذکر کیا ہے بعد میں رکوع کا اور قیام کو تب بھی ترک کر دیا ہے۔ حالانکہ نماز میں سب سے افضل جزء قیام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝ بقرہ

اور خدا کے لیے حکم بردار بن کر کھڑے ہو جاؤ۔

۷۔ حضرت عائشہؓ کی پہلی روایت میں کوئی مغفرت سے خارج نہ تھا۔ ایک روایت میں صرف ایک آدمی کو مغفرت سے خارج کیا گیا تھا۔ ایک میں دو اور ایک میں چار کا ذکر تھا اس میں چھ کا ذکر ہے اور جن جن روایتوں میں مغفرت سے خارج لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ بھی متعین نہیں ان میں بھی اختلاف ہے۔ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو بیسیوں قسم کے انسان مغفرت سے خارج ہو جائیں گے جن میں ایک عاشر بھی ہوگا اور عاشر عشر لینے والے کو

Marfat.com

کہا جاتا ہے۔

شریعت اسلامیہ نے ان زمینوں پر جو نہروں سے سیراب ہوتی ہیں عشر یعنی دسواں حصہ بطور زکوٰۃ متعین کیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام خلفاء یہ عشر وصول فرماتے رہے۔ اس زندیق کے نزدیک یہ سب حضرات مغفرت سے خارج ہیں کیونکہ یہ خبیث خود اپنی زمین کی زکوٰۃ دینا نہیں چاہتے تھے۔

قبر پرستی کی بنیاد

۸۔ اس روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضورؐ نے قبرستان جا کر سجدہ فرمایا۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لعن اللہ الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیائھم وصلحائھم مساجد انی انھکم عن ذلک،

مسلم ج۔ا ص۲۰۱، بخاری ج۔ا ص۶۲، نسائی ج۔ا ص۷۳

اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت بھیجے کہ انھوں نے اپنے انبیاء اور بزرگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔

ملا علی قاری حنفی "مرقات شرح مشکوٰۃ" میں فرماتے ہیں۔

اما لانھم کانوا یتخذون الصلوٰۃ للہ تعالیٰ فی مدافن الانبیاء والصلحاء والسجود علی مقابرھم والتوجہ الی قبورھم حالۃ الصلوٰۃ نظروا منھم بذلک الی عبادۃ اللہ وذلک ھو الشرک الخفی

حاشیہ مشکوٰۃ ص۶۶

یہ اس وجہ سے کہ یہ لوگ انبیاء و صلحاء کے مقابر میں اللہ کے لیے

Marfat.com

نمازیں پڑھتے اور ان کی قبروں کی جانب سجدہ کرتے اور حالتِ نماز میں ان کی قبروں کی طرف متوجہ رہتے۔ اگرچہ ان کا مقصود اللہ ہی کی عبادت تھی اور یہ عمل شرکِ خفی ہے۔

اگر اس روایت کو تسلیم کر لیا جاتے تو عیاذاً باللہ یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شرک میں مبتلا تھے۔ حالانکہ انبیاء علیہم السلام نبوت سے قبل بھی شرک سے پاک ہوتے ہیں اور یہ روایت کسی قبر پرست کی وضع کردہ معلوم ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

الارض کلہا مسجد الا المقبرۃ والحمام

ترمذی ج۔۱ ص ۶۶ مشکوٰۃ ص ۷۱، ابوداؤد ج۔۱ ص ۷۷

تمام زمین مقبرہ اور حمام کے علاوہ سجدہ گاہ ہے۔

نیز ارشاد ہے۔

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سبعۃ مواطن فی المزبلۃ والمجزرۃ والمقبرۃ وقارعۃ الطریق وفی الحمام وفی معاطن الابل وفوق ظہر بیت اللہ۔ مشکوٰۃ ص ۷۱

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات مقامات پر نماز پڑھنے کی ممانعت فرمائی، کوڑی، جہاں جانوروں کی اوجھڑی وغیرہ ڈالی جاتے، مقبرہ، درمیان راہ، حمام، اونٹ باندھنے کی جگہ اور بیت اللہ کی چھت پر

اس کے باوجود حضورؐ نے قبرستان میں سجدہ ادا فرمایا جو نماز کا اہم جزو ہے تو یہ سجدہ ناجائز ہوا۔ اور اگر پوری نماز ادا فرمائی تھی تو وہ بھی حضورؐ کے فرمان کے مطابق ادا نہیں ہوئی۔ انھی احادیث کے باعث چاروں ائمہ کا متفقہ فتویٰ ہے کہ قبرستان میں سجدہ یا نماز حرام ہے حتیٰ کہ اُس مسجد میں نماز تک جائز

نہیں جس میں قبر بنی ہو۔ بجز اس صورت کے کہ قبر پیچھے ہو۔ ورنہ قبر کا یا مسجد کا توڑنا لازم آئے گا۔ لیکن اس زندیق کے بقول حضورؐ کے قول و عمل میں تضاد ہے

۹۔ اس روایت میں مذکور ہے کہ دعا اس طرح کی جاتے کہ سر آسمان کی جانب اُٹھا ہو۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے۔

لینتهین اقوام عن رفعهم ابصارهم عند الدعاء فی الصلوٰۃ او لتخطفن ابصارهم ،

مسلم ج۔ا ص۱۸۱ ، بخاری ج۔ا ص۱۰۴ ، ابوداؤد ج۔ا ص۱۳۹ ، نسائی ج۔ا ص۱۲۷

یا تو لوگ نماز میں دعا کے وقت اپنی نگاہیں اُوپر اُٹھانے سے باز آجائیں یا ان کی بینائیاں اُچک لی جائیں گی۔

۱۰۔ راوی کہتا ہے کہ دعا کے وقت ہاتھ آسمان کی جانب اُٹھا لیے جائیں حالانکہ دعا کے وقت ہاتھ اونچے کرنا نماز استسقاء کے ساتھ مخصوص ہے۔

امام احمد نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

ان رفعکم ایدیکم بدعۃ ما زاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی هذا یعنی الی الصدر

مشکوٰۃ ص۱۹۶ ، حصن حصین ص۸۳

تمہارا اونچے ہاتھ اٹھانا بدعت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سینہ سے اوپر کبھی ہاتھ نہیں اُٹھائے۔

یعنی حضورؐ نے دعا کے وقت کبھی سینہ سے اوپر ہاتھ نہیں اُٹھائے۔ اگر اوپر اُٹھانے کا حکم ہوتا تو آپؐ اور اوقات میں بھی اٹھاتے۔

۱۱۔ راوی کہتا ہے کہ منبر سے دروازے پر ایک فرشتہ دعا کرنے والوں کے لیے بشارت دیتا ہے اور چھت سے دروازے پر مناجات کرنے والے کیلیے گویا راوی کے نزدیک دعا اور مناجات دو جداگانہ امور ہیں۔ حالانکہ ان دونوں کا

Marfat.com

مقصد ایک ہی ہے۔ ان دونوں کے لیے ایک ہی دروازہ کافی تھا۔

۱۲۔ استغفار اور توبہ بھی ایک ہی شئے ہے۔ ان دونوں کے لیے دو جداگانہ دروازوں کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

۱۳۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ نماز میں یہ تمام امور یکجا جمع ہو جاتے ہیں۔ یعنی رکوع، سجدہ، دعاؤ مناجات اور توبہ و استغفار۔ اس لحاظ سے ان سب اُمور کے لیے ایک دروازہ کافی تھا۔

۱۴۔ ہمیں افسوس ہے کہ راوی نے تین سو دروازوں میں سے صرف نو دروازوں کا ذکر کیا تو کیا اور دروازے ذکر کے قابل نہ تھے اور اگر وہ تمام ذکر کے قابل تھے تو ان نو کی تخصیص کی کیا وجہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ راوی کے دماغ نے ہی جواب دے دیا ہو جو بقیہ افسانہ وضع نہ کر سکا۔

۱۵۔ مسلمین اور موحدین میں کیا فرق ہے۔ ہم اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں غالباً اس نے آج کل کے مشرک مسلمانوں اور رہا بیوں کو دیکھ کر یہ بات کہی ہو گی تاکہ دونوں خوش ہو جائیں۔ ع بامسلمان اللہ اللہ با برہمن رام رام

"صحیح مسلم" میں حضرت جابر بن عبداللہ رضؓ سنہ ۷۳ اور حضرت ابوہریرہ رضؓ سنہ ۵۷ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ینزل ربنا تبارک وتعالی کل لیلۃ الی السماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الاخر فیقول من یدعونی فاستجیب لہ ومن یسالنی فاعطیہ ومن یستغفرنی فاغفرلہ وفی روایۃ انا الملک انا الملک من ذا الذی یدعونی فاستجیب لہ من ذا الذی یسالنی فاعطیہ من ذا الذی یستغفرنی فاغفرلہ فلا یزال کذلک حتی یطلع الفجر۔ مسلم ج۔ ۱ ص ۱۵۸ مؤطا ص ۴۷۔ بخاری ج۔ ۱ ص ۱۵۳

Marfat.com

ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات آسمان دنیا کی جانب نزول فرما ہوتا ہے جب آخری تہائی رات باقی رہ جاتی ہے اور فرماتا ہے کون ہے جو مجھ سے دعا کرے کہ میں اس کی دعا قبول کروں، کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اسے عطا کروں، کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اس کی مغفرت کروں۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ میں بادشاہ ہوں، میں بادشاہ ہوں، کون ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کروں، کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اسے عطا کروں۔ کون ہے جو مجھ سے استغفار کرے تو میں اس کی مغفرت کروں۔ فجر طلوع ہونے تک اسی طرح ہوتا رہتا ہے۔

یہ ہے وہ ندا جو روزانہ ہوتی ہے اور ندا بھی خود خدا تعالیٰ کرتا ہے لیکن ان خبیثوں نے اس روایت میں تغیر و تبدل کر کے اسے شب برات کے ساتھ مخصوص کر دیا اور اس طرح ان زنادقہ نے لوگوں کو تہجد سے ہٹانے کیلیے اسلام کے نام سے ایک نیا جال پھیلا دیا۔ جس میں ہر قسم کے پنچھی آکر پھنس گئے۔

۱۶۔ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ یہ تمام رحمت زندگی بھر کے عمل و عبادت پر موقوف ہے۔ لیکن ان کذابین نے اسے عام کر کے سب کیلیے معصیت کے دروازے کھول دیئے اور لوگوں کے ذہنوں میں یہ بٹھا دیا کہ تمام سال خواہ کچھ بھی کرتے رہو گے۔ لیکن جب تم شب برات میں نفلی نمازیں پڑھ لو گے یا قبر پر حاضری کر لو گے تو تمہارے لیے رحمت کے دروازے کھل جائینگے حالانکہ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ ۔ بقرہ

اے مسلمانو! کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ جنت میں ایسے ہی داخل ہو جاؤ گے۔ ابھی تو تم پر وہ تکالیف آئی بھی نہیں جو پہلی امتوں پر آئی تھیں جن کو تنگی اور تکالیف نے ہلا کر رکھ دیا تھا حتیٰ کہ اس وقت کے رسول اور مومن بھی کہنے لگے تھے کہ اللہ کی مدد کہاں ہے نیز ارشاد ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَکُوْا وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ جَاھَدُوْا مِنْکُمْ ۔ ابراءت

کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم ایسے ہی چھوڑ دیئے جاؤ گے جب تک اللہ یہ نہ جان لیں کہ تم میں سے مجاہد کتنے ہیں۔

اللہ تعالیٰ محدثین کرام پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے جنھوں نے اس قسم کی بے سروپا روایات کی چھان بین کر کے کھرا کھوٹا الگ کر دیا اور اس کے لیے اسماء الرجال جیسا اہم فن اور اصول حدیث وضع فرمائے کہ آئندہ تا قیامت بھی ہر قسم کی بے ہودگیوں کو ان اصولوں پر پرکھ کر حق و باطل کو جدا کیا جا سکتا ہے فجزاھم اللہ احسن الجزاء

سندی حیثیت

جلال الدین سیوطی نے "اللآلی المصنوعہ فی احادیث الموضوعہ" اور علامہ ابن عراق الکنانی نے "التنزیہ الشریعہ فی احادیث الموضوعہ" میں اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا ہے۔

ھذا حدیث موضوع وفیہ محمد بن حازم مجھول وعنہ ابراھیم بن عبداللہ البصری

Marfat.com

وعن هذا حامد بن محمود الهمذانی لم اعرفهما

تنزیہ الشریعہ ج ۲ ص ۱۲۶

یہ حدیث موضوع ہے۔ اس میں محمد بن حازم مجہول ہے اور اس سے روایت کرنے والا ابراہیم بن عبداللہ البصری اور اس سے روایت کرنے والا حامد بن محمود الہمدانی کو میں نہیں پہچانتا۔

گویا ابن عراق الکنانی کے نزدیک پے در پے اس کے تین راوی مجہول ہیں۔

ذہبی میزان میں فرماتے ہیں۔

محمد بن حازم عن اسماعیل السدی قال ابواحمد الحاکم مجہول۔ میزان ج ۳ ص ۵۰۶

محمد بن حازم اسماعیل السدی سے روایت کرتا ہے۔ ابواحمد الحاکم کہتے ہیں مجہول ہے۔

ذہبی کے الفاظ سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی کہ وہ خالی مجہول نہیں بلکہ سدی کذاب سے روایات نقل کرتا ہے۔

میرے نزدیک ابراہیم سے مراد ابراہیم بن عبداللہ بن السفرقع البصری ہے۔ کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی ابراہیم بن عبداللہ بصرہ کا باشندہ نہیں۔ ابن ابی الفوارس اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔

کذاب یضع الحدیث میزان ج ۱ ص ۴۲

نمبر ایک کا جھوٹا ہے۔ احادیث وضع کیا کرتا تھا۔

وہ تمام روایات جن میں شب برات کے سلسلہ میں یہ آرہا ہے کہ اس رات میں مردوں کے نام لکھے جاتے، یا سال بھر کے احکامات کے فیصلے کئے جاتے۔ یا رزق لکھا جاتا۔ یا سلامتی و مغفرت اور رحمت کا نزول ہوتا ہے یہ سب امور آیات قرآنیہ کے خلاف ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ ۝

فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ أَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا
إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۝ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ دخان

یقیناً ہم نے یہ قرآن ایک مبارک رات میں نازل کیا ہے۔
یقیناً ہم ڈرانے والے ہیں۔ اس رات میں ہماری جانب سے
ہر حکمت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ یقیناً ہم بھیجنے والے
ہیں آپ کے پروردگار کی جانب سے رحمت۔

نیز ارشاد ہے۔

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ
مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ
أَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا
بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ۝ سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ
مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝ القدر

ہم نے اس قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا ہے۔ آپ کو کیا
معلوم کہ لیلۃ القدر کیا ہے۔ لیلۃ القدر ایک ہزار ماہ سے
بہتر ہے۔ اس رات میں رُوح الامین اور فرشتے اپنے پروردگار
کی اجازت سے ہر حکم لے کر نازل ہوتے ہیں اور طلوع فجر تک
سلامتی کا نزول رہتا ہے۔

یہ سب لیلۃ القدر کی خصوصیات ہیں۔ تو جن روایات میں ان اُمور میں
سے کوئی امر پایا جاتا ہو تو وہ صراحتاً نص قرآنی کے خلاف ہونے کے باعث
باطل و مردود ہے۔

مرویات عبداللہ بن عمرؓ

انبانا ابراهيم بن محمد الازجي انبانا الحسين
ابن ابراهيم انبانا محمد بن جابر المذكر

Marfat.com

انبانا ابوبکر محمد بن علی بن زیرک انبانا
ابوسهل عبید اللہ بن محمد بن زیرک انبانا
ابوبکر بن ابی زکریا الفقیہ نا ابراهیم بن
محمد الدربندی نا احمد بن اصرم المزنی نا ابو
ابراهیم الترجمانی نا صالح الشمامی عن
عبد اللہ بن ضرار عن یزید بن محمد عن ابیہ
محمد بن مروان عن ابن عمر قال قال رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قرأ لیلۃ
النصف من شعبان الف مرۃ قل ھو اللہ احد
فی مائۃ رکعۃ لم یخرج من الدنیا حتی یبعث
اللہ الیہ فی منامہ مائۃ ملک ثلاثون یبشرونہ
بالجنۃ وثلاثون یومنونہ من النار وثلاثون
یعصمونہ من ان یخطئ وعشرون یکیدون من
عاداہ ۔

ہم سے ابراہیم بن محمد الازجی نے بیان کیا۔ ان سے حسین بن
ابراہیم نے ان سے محمد بن جابار المذکر نے ان سے ابوبکر محمد
بن علی بن زیرک نے ان سے ابوسہیل عبید اللہ بن محمد بن زیرک نے
ان سے ابوبکر بن ابی زکریا الفقیہ نے ان سے ابراہیم بن محمد
الدربندی نے ان سے احمد بن اصرم المزنی نے ان سے ابوابراہیم
الترجمانی نے ان سے صالح الشمامی نے وہ عبد اللہ بن ضرار سے
روایت کرتے ہیں۔ وہ یزید بن محمد سے وہ اپنے والد محمد بن مروان
سے وہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
ارشاد فرمایا جس نے شعبان کی پندرھویں شب میں سو رکعت

Marfat.com

میں ایک ہزار بار قل ہو اللہ احد پڑھی وہ دنیا سے اس وقت تک نہ جائے گا جب تک اللہ تعالیٰ خواب میں اس کے پاس سو فرشتے نہ بھیجدے۔ جن میں سے تیس فرشتے اسے جنت کی بشارت دیں گے، تیس فرشتے اسے دوزخ سے امن دینگے اور تیس فرشتے اسے خطاؤں سے محفوظ رکھیں گے اور دس فرشتے ان لوگوں کے خلاف تدابیر عمل میں لائیں گے جو اس نماز پڑھنے والے سے عداوت رکھتا ہو۔

ابن جوزی اسے نقل کر کے فرماتے ہیں۔

ھذا حدیث لا شک انہ موضوع وجھلوہ
روایۃ بجاھیل وفیھم ضعفاء۔

موضوعات ابن جوزی ج ۲ ص ۱۲۸

اس حدیث کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اس کے تمام روات مجہول ہیں اور کچھ ضعیف ہیں۔

یہ روایت محمد سنہ ۱۱۰ھ بن علی بن حسین سے بھی مروی ہے جو پہلے گذر چکی ہے اور دونوں سندات کا ایک ہی حال ہے۔ گویا یہ بھی ثابت کرنا مشکل ہے کہ یہ ابن عمرؓ سنہ ۷۴ھ سے مروی ہے یا محمد بن علی بن حسین سے۔ ابن عراق الکنانی کہتے ہیں۔

فی استادیھما مجاھیل ومتھمون تنزیہ الشریعہ ج ۲ ص ۹۳

اس کی دونوں سندات میں کچھ روات مجہول اور کچھ متہم بالکذب ہیں۔

یہ روایت ابن عمرؓ سے مروی ہے اور ان سے روایت کرنے والا محمد بن مروان ہے اگر اس سے مراد محمد بن مروان بن الحکم ہے تو وہ مجہول ہے تو اس سے کوئی روایت مروی نہیں اگر محمد بن مروان الواسطی ہے تو ابن ابی حاتم سنہ ۳۲۷ھ نے اسے بھی مجہول کہا ہے۔ میزان ج ۴ ص ۳۳۔ ہمارے نزدیک یہ محمد بن مروان السدی ہے جو مشہور کذاب ہے۔

یزید بن محمد بھی رد ہیں اور دونوں مجہول ہیں۔ میزان ج ۴ ص ۴۳۶

اس کی کیا وجہ ہے کہ ابن عمر ۷۴ھ سے مشہور روات اسے نقل نہیں کرتے، مثلاً سالم ۱۰۵ھ بن عبداللہ، موسیٰ ۱۴۱ھ بن عقبہ، نافع ۱۱۶ھ، عبداللہ ۱۲۷ھ بن دینار، مجاہد ۱۳۲ھ اور عطاء ۱۱۴ھ بن ابی رباح وغیرہ۔ پھر ان لوگوں کے جو مشہور شاگرد ہیں ان میں سے کوئی بھی اس روایت کو بیان نہیں کرتا۔ مثلاً زہری ۱۲۳ھ ابوحنیفہ ۱۵۰ھ مالک ۱۷۹ھ، لیث بن سعد ۱۷۵ھ سفیان ثوری ۱۶۱ھ، عمرو ۱۲۰ھ بن دینار، حماد ۱۷۹ھ بن زید عمرہ اور عقیل وغیرہ۔

یزید بن محمد سے اسے نقل کرنے والا عبداللہ بن فرار ہے۔ ابن معین ۲۳۳ھ اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔

لیس بشیئ ولا یکتب حدیثہ میزان ج ۴ ص ۴۴۸

وہ کچھ نہیں ہے اور نہ اس کی حدیث لکھی جاتی ہے۔

صالح السمانی، ابوابراہیم الترجمانی، احمد بن اصرم المزنی، ابراہیم بن محمد الدربندی، ابوبکر بن ابی زکریا۔ اور عبیداللہ بن محمد بن زیرک وغیرہ سب مجہول ہیں۔ گویا یہ سب حضرات عالم وجود میں تشریف بھی نہ لاتے تھے۔

معنوی حیثیت

۱۔ اس روایت میں سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ تیس فرشتے اس کام پر مامور ہوتے ہیں کہ یہ نماز پڑھنے والوں کو خطاؤں سے محفوظ رکھیں۔ حالانکہ خطا و نسیان سے تو انبیائے کرام بھی معصوم نہیں۔ انھیں بھی جو عصمت حاصل ہے وہ عصمت عن المعصیت ہے نہ کہ عصمت عن الخطاء۔ ورنہ اکثر انبیائے کرام سے خطا واقع ہوئی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی خطا سے ہر فرد بشر واقف ہے۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف خطائیں واقع ہوئیں۔ جن کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ مثلاً قیدیانِ بدر کو فدیہ لے کر آزاد کرنا اور اس پر تنبیہہ نازل

Marfat.com

ہونا عمرو بن ام مکتوم نابینا کو اس امید میں مجلس سے اٹھا دینا کہ شاید قریش ایمان لے آئیں اور اس پر سورہ عبس کی ابتدائی آیات میں تنبیہ نازل ہونا۔ عبداللہ بن ابی منافق کی نماز جنازہ پڑھانا اور بھی اسی قسم کے واقعات میں قرآن کی آیات نازل ہوتیں۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔

قد خطا آدم فخطئت ذریتہ ونسی آدم فنیست ذریتہ

آدمؑ نے خطا کی ان کی ذریت بھی خطا کرتی ہے۔ آدمؑ بھول گئے۔ ان کی ذریت بھی بھولتی ہے۔

حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یاعبادی کلکم ضال الا من ھدیتہ ..... یا عبادی انکم تخطئون باللیل والنہار۔ مشکوٰۃ ص ۲۰۳

اے میرے بندو تم سب گمراہ ہو ہاں میں جسے ہدایت کردوں اے اے میرے بندو تم دن رات خطائیں کرتے ہو۔

اور اسی باعث یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا بقرہ

اے ہمارے پروردگار اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر جائیں تو ہم سے مؤاخذہ نہ کر۔

انبیائے کرام جو معصیت اور گناہوں سے محفوظ رہتے ہیں وہ اُن کے عمل کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ توفیق الٰہی چونکہ ان کے شامل حال ہوتی ہے اس لیے وہ گناہوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ ارشاد ہے۔

وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ۝ إِذًا لَّأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ۝ بنی اسرائیل

Marfat.com

اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو آپ بھی ان کی جانب کچھ تھوڑا سا جھک جاتے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم آپ کو دنیاوی زندگی اور مرنے کے بعد دگنے عذاب کا مزا چکھاتے۔ پھر آپ ہمارے مقابلہ میں اپنا کوئی مددگار نہ پاتے۔

اس طرح اس روایت میں دو باتوں کا دعویٰ کیا گیا ہے۔

الف:۔ یہ نماز پڑھنے والا انبیاء کرام پر بھی فوقیت رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ خطا سے معصوم نہ تھے اور یہ نماز پڑھنے والا خطا سے معصوم ہو جائے گا۔

ب:۔ عصمت عن المعصیت اور عصمت عن الخطا توفیق الٰہی پر موقوف نہیں۔ بلکہ فرضی نمازوں پر موقوف ہیں۔ گویا یہ کسبی امور ہیں۔

۲:۔ کسی کی تائید یا مدد یا اسے خطاؤں سے بچانے کے لیے ایک فرشتہ تو ہر شخص کے ساتھ لگا رہتا ہے جو نیک باتیں اس کے دل میں ڈالتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک شیطان بھی ہوتا ہے۔ جو اس کے دل میں بری باتیں ڈالتا رہتا ہے

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا الشمس

اس کی بدی اور اس کا تقویٰ اسے الہام کیا۔

فرشتے کی جانب سے یہ تائید ہر کس و ناکس کو حاصل ہوتی ہے لیکن اس فرشتے کے علاوہ کوئی اور فرشتہ کسی کو خطاؤں یا گناہوں سے بچانے کے لیے مامور نہیں کیا جاتا۔ صرف تائید کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت جبرئیلؑ کو متعین کیا گیا تھا جو انہی کی خصوصیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۔ آلِ عمران

اور ہم نے ان کی پاک روح یعنی جبرئیل سے مدد کی۔

اگر عصمت کا یہی ذریعہ تھا تو کیا صحابہ نے دین میں خیانت سے کام لیا کہ ابن عمرؓ سے کے علاوہ کسی صحابی نے اسے روایت تک بھی نہیں کیا۔ پھر ابن عمرؓ سے ان کے صاحبزادے سالم بن عبداللہ اور ان کے مشہور شاگرد نافع ۱۱۶ھ

Marfat.com

عبداللہ بن دینار ۱۲۷ھ، مجاہد ۱۳۲ھ، عطاء ۱۱۴ھ، موسیٰ بن عقبہ ۱۴۱ھ وغیرہ نے بھی روایت نہیں کیا صرف ایک مجہول راوی روایت کر رہا ہے جس کے نسب اور وطنیت تک سے بھی کوئی واقف نہیں۔ یعنی محمد بن مروان۔ پھر ابن عمرؓ کے ان مشہور شاگردوں میں سے کسی کے شاگرد نے بھی اسے روایت نہیں کیا۔ مثلاً امام ابوحنیفہ ۱۵۰ھ، امام مالک ۱۷۹ھ، حماد بن زید ۱۷۹ھ، حماد بن سلمہ ۱۶۷ھ، سفیان ثوری ۱۶۰ھ، سفیان بن عیینہ ۱۹۸ھ، زہری ۱۲۳ھ اور عمرو بن دینار ۱۲۰ھ وغیرہ

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو آٹھ یا دس رکعت نوافل ادا فرماتے۔ اور دس سے زیادہ نوافل پڑھنا آپ سے ہرگز ثابت نہیں۔ آپ کی رکعات کی تعداد گیارہ ہوتیں اور قراءت طویل ہوتی۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے۔

لا یزید فی رمضان ولا فی غیر رمضان علی احدی عشرۃ رکعۃ۔ بخاری ج۔ ا ص ۱۵۴، مسلم ج۔ ا ص ۲۵۴، ابوداؤد ج۔ ا ص ۱۹۶ مؤطا ص ۴۲

رمضان ہو یا رمضان کے علاوہ کوئی اور مہینہ ہو۔ کبھی گیارہ رکعت سے زیادہ ادا نہ فرماتے۔

ہاں ابن عباسؓ وغیرہ کی روایت میں دس رکعات تک کا ذکر ہے۔ (مسلم ج۔ ص) آپ کی رکعات کی تعداد کم ہوتی اور قرأت طویل ہوتی۔ اسی طرح حضورؐ نے اُمت کو حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے۔

افضل الصلوٰۃ طول القنوت مسلم ج۔ ا ص ۲۵۸

ترمذی ج۔ ا ص ۷۶

سب سے افضل نماز طویل قیام ہے۔

اور اسی باعث احناف کا مسلک یہ ہے کہ کثرت تعداد سے طول قراءت افضل ہے۔

Marfat.com

۴:۔ تمام رات نماز پڑھنا خود شریعت کے خلاف ہے حضورؐ کا ارشاد ہے۔

انی ارقد واصلی فمن اعرض عن سنتی فلیس
منی بخاری ج۔۲ ص۷۵۷

میں سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں پس جس نے میری سنت سے اعراض کیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

نیز ارشاد ہے۔

ان لنفسک علیک حقا وان لعینیک علیک حقا وان لاھلک علیک حقا ۔ بمعناہ۔ مسلم ج۔۱ ص۳۶۶
بخاری ج۔۱ ص۲۶۵، ج۔۱ ص۱۵۵ ، ابوداؤد ج۔۱ ص۲۰۱

تجھ پر تیری جان کا بھی حق ہے، تیری آنکھوں کا بھی حق ہے اور تیرے گھر والوں کا بھی حق ہے (لہٰذا سب کا حق ادا کرو)

۵:۔ حضورؐ عمداً کسی آیت کی تکرار نہیں فرماتے تھے بلکہ اگر دوران تلاوت کوئی آیت عذاب یا آیت رحمت آجاتی اور اس کے تاثر کا حضورؐ پر غلبہ ہوتا تو آپؐ اسے بار بار پڑھتے رہتے۔ لیکن اس میں بھی کوئی تعداد معینہ نہ ہوتی۔ کسی متعینہ تعداد کے ساتھ کسی آیت کو عمداً نماز میں بار بار پڑھنا یہ چلہ کشوں کی بدعت ہے۔ اسلام کا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔

۶:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپؐ کا قیام اتنا طویل ہوتا کہ آپؐ کے قدم مبارک ورم کر آتے اور آپؐ کا قیام، رکوع و سجود اور قومہ و قعدہ سب مساوی ہوتے۔

براء بن عازبؓ کا بیان ہے۔

رمقت قیامہ فرکعتہ فاعتدالہ بعد رکوعہ فسجدتہ فجلستہ بین السجدتین فسجدتہ مابین التسلیم والانصراف قریبا من سواء (مسلم ج۔۱ ص۱۸۹)

Marfat.com

میں نے آپؐ کا قیام، آپؐ کا رکوع، قومہ، سجدہ، دونوں سجدوں کے درمیان کا جلسہ، دوسرا سجدہ اور دوسرے سجدے کے بعد کا قعدہ سلام پھیرنے تک میں نے سب کو مساوی پایا۔

اب آپ غور کیجئے کہ جب قیام کی صورت میں ثناء، سورہ فاتحہ اور سورۃ اخلاص دس مرتبہ پڑھی جائے گی اور صحت و ترتیل کے ساتھ تلاوت کی جائے تو کم از کم پانچ منٹ درکار ہوں گے۔ اسی طرح ہر رکعت میں رکوع، سجود، قومہ اور جلسہ میں پانچ پانچ منٹ درکار ہوں گے اور بصورت دیگر نماز کا خلاف سنت ہونا لازم آئے گا۔ اس طرح ہر رکعت کیلئے آدھا گھنٹہ درکار ہوگا اور سو رکعات کے لیے پچاس گھنٹے درکار ہونگے اور اگر قرأت میں جلدی کی گئی جس سے قواعد ترک ہوگئے تو یہ قرآن کی مخالفت ہوگی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا

اور قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھ

اور اگر رکوع و سجود اور قومہ و جلسہ میں جلدی کی گئی اور انھیں اطمینان سے ادا نہ کیا گیا تو نماز ہی باطل ہوگی۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔

اسوا الناس سرقۃ الذی یسرق فی صلوتہ
قالوا یارسول اللہ وکیف یسرق فی صلوتہ قال
لا یتم رکوعھا ولا سجودھا مؤطا امام مالک مترجمہ ص ۱۷

سب سے بدترین چور وہ ہے جو نماز میں چوری کرتا ہو۔ صحابہ نے عرض کیا یارسولؐ اللہ وہ نماز میں چوری کس طرح کرے گا۔ آپؐ نے فرمایا نماز کی چوری یہ ہے کہ نہ اس کا رکوع مکمل کرے اور نہ سجدہ۔

ایسا شخص نمازی شمار نہ ہوگا بلکہ نماز کا چور شمار ہوگا اور صحابہ کے نزدیک تو وہ دین اسلام سے خارج ہوگا۔ حضرت حذیفہ بن الیمان سنہ ۳۶ھ نے ایک

Marfat.com

شخص کو نماز پڑھتے دیکھا۔ جس کا نہ رکوع مکمل تھا۔ نہ سجدہ۔ جب وہ نماز پڑھ چکا تو حضرت حذیفہؓ نے اس سے فرمایا میرا خیال ہے کہ تو نے نماز نہیں پڑھی اس نے جواب دیا میں نے یہ نماز ہی تو پڑھی ہے۔ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا۔

ولو مت مت علی غیر الفطرۃ التی فطر اللہ محمدا صلی اللہ علیہ وسلم مشکوٰۃ ص ۸۳، بخاری ج ۱ ص ۵۶

اگر اس نماز پر تیری موت واقع ہو گی تو اس دین فطرت کے خلاف ہو گی جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے۔

"صحیح مسلم" میں ہے کہ ایک شخص نے مسجد میں آکر نماز پڑھی اور جلدی جلدی رکوع سجدہ کیا اور پھر فارغ ہو کر حضورؐ کو سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دے کر فرمایا۔

ارجع فصل فانک لم تصل

جا پھر دوبارہ نماز پڑھ، تو نے نماز نہیں پڑھی۔

اسی طرح اس نے تین بار نماز پڑھی اور حضورؐ ہر بار یہی فرماتے رہے کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ اس نے عرض کیا مجھے نماز کی تعلیم دیجئے آپؐ نے فرمایا

اذا قمت الی الصلوٰۃ فکبر ثم اقرء ما تیسر معک من القرآن ثم ارکع حتی تطمئن راکعا ثم ارفع حتی تعتدل قائما ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا ثم ارفع حتی تطمئن جالسا ثم افعل ذلک فی صلوتک کلہا۔ مسلم ج ۱ ص ۱۷۰

ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳۱، بخاری ج ۱ ص ۱۰۶

جب تو نماز کو کھڑا ہو تو پہلے تکبیر کہہ پھر جو قرآن تو آسانی سے پڑھ سکے وہ پڑھ، پھر رکوع کر حتیٰ کہ رکوع میں تجھے اطمینان حاصل ہو جائے۔ پھر رکوع سے اٹھ حتیٰ کہ اعتدال کے ساتھ کھڑا ہو جائے

Marfat.com

پھر سجدہ کر حتی کہ سجدہ میں اطمینان سے ہو جائے پھر سجدہ سے اُٹھ کر اطمینان سے بیٹھ جائے۔ پھر تمام نماز میں اسی طرح کر۔

جب رکوع و سجود کامل نہ ہوں گے تو نماز ہی نہ ہوگی اور ایک رات میں سو رکعت اور ایک ہزار بار سورۃ اخلاص کے ساتھ سنت کے مطابق ادا کرنا تو ناممکن ہے اور خلاف سنت ادا کرنے سے وہ نماز نہ ہوگی، بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ایک بے ہودہ مذاق ہوگا۔

ارشاد الٰہی ہے۔

لَا تَتَّخِذُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا۔ بقرہ

اور اللہ کی آیات کا مذاق نہ بناؤ

حضرت ابوبکرؓ صدیق کی روایت

عن عمرو بن الحارث عن عبد الملک بن عبید الملک انہ حدثہ عن المصعب بن ابی ذئب عن القاسم بن محمد عن ابیہ او عمہ عن جدہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ینزل اللہ لیلۃ النصف من شعبان الی السماء الدنیا فیغفر لکل نفس الا فی قلبہ لشحناء او مشرک باللہ۔

میزان ج ۲ ص ۶۵۹

عمرو بن الحارث نے عبد الملک بن عبد الملک سے اُس نے مصعب بن ابی ذئب سے اس نے قاسم بن محمد سے انھوں نے اپنے باپ یا چچا کے ذریعہ اپنے دادا حضرت ابوبکرؓ صدیق سے روایت کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب میں آسمانِ دنیا کی جانب

نزول فرماتا ہے اور ہر ذی نفس کی مغفرت فرماتا ہے بسوائے اس شخص کے جس کے دل میں کینہ ہو یا اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہو۔

سب سے پہلے غور طلب یہ امر ہے کہ کیا کینہ پرور اور مشرک دونوں مساوی ہوتے ہیں۔ جو مشرک کے ساتھ کینہ پرور کا ذکر کیا گیا۔ اور کیا زانی چور، جھوٹا، غاصب اور ظالم وغیرہ کینہ پرور سے کم ہیں جو وہ معاف کیے گئے۔ دلیسے بھی پھر مشرک کا ذکر بے کار ہے۔ اس لیے کہ اس کی مغفرت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

نیز یہ روایات دیگر روایات کے خلاف ہو گی۔ مثال کے طور پر ایک روایت میں قاتل کا بھی ذکر ہے اور مکحول کی روایت میں ہمیشہ شراب پینے والا قاطع رحم، ٹخنوں پر پاجامہ ڈالنے والا اور ماں باپ کے نافرمان کا بھی ذکر ہے۔ اس صورت میں یہ روایات متضاد ہوئیں اور جب ان مختلف قسم کے لوگوں کی مغفرت نہیں تو ان کی تو محنت ہی بیکار ہے اور وہ کونسا پاکستانی ہے جو ان امراض میں سے کسی مرض میں مبتلا نہیں۔ پاکستانیوں کو چاہیئے کہ پہلے اپنے اپنے امراض کا علاج کریں۔ اس کے بعد شب برات منائیں۔

اس روایت کا ایک راوی عبدالملک بن عبدالملک ہے۔ بخاری کہتے ہیں۔

فی حدیثہ نظر — اس کی حدیث پر اعتراض ہے۔

ابن حبان کا قول ہے۔

لا یتابع علی حدیثہ — میزان ج۔۲ ص ۶۵۹

اس کی حدیث کو کوئی اور روایت نہیں کرتا۔

دوسرا راوی عمرو بن الحارث الزبیدی المصری ہے۔ ذہبی اس کے بارے میں لکھتے ہیں۔

تفرد عنہ بالروایۃ اسحاق بن ابراھیم زبریق

Marfat.com

ومولاۃ لہ اسمہا علوۃ فھو غیر معروف العدالۃ
میزان جلد ۳ ص ۲۵۱

اس سے اسحاق بن ابراہیم زبیرق اور اس کی باندی علوہ کے علاوہ اور کوئی روایت نہیں کرتا۔ اس کا ثقہ و عادل ہونا غیر معروف ہے۔

تیسرا راوی مصعب بن ابی ذئب مجہول ہے۔

الغرض ایک راوی مجہول اور دو راوی مجروح ہیں۔

اس روایت کی سند میں ایک اور نکتہ بھی قابلِ غور ہے وہ یہ کہ قاسم بن محمد نے یہ روایت اپنے والد یا چچا سے نقل کی ہے۔ اگرچہ انھوں نے چچا کے نام کا ذکر نہیں کیا، لیکن اگر اس سے مراد عبدالرحمان ۵۳ھ بن ابی بکر الصدیق ہیں تو ان کا انتقال ۵۳ھ میں ہوا ہے۔ اور ان سے قاسم کا روایت کرنا ثابت نہیں۔

اگر قاسم نے یہ روایت اپنے والد سے نقل کی ہے تو اس صورت میں دو جگہ انقطاع لازم آئے گا۔ کیونکہ قاسم ۳۶ھ میں پیدا ہوئے اور ان کا باپ محمد بن ابی بکر ۳۸ھ میں مارا گیا۔ گویا کہ باپ کی موت کے وقت وہ سال یا ڈیڑھ سال کے تھے۔ بخاری نے تاریخ الصغیر میں ان کے حال میں لکھا ہے۔

قد قتل ابوہ وھو صغیر فربی عمتہ عائشۃ

تاریخ الصغیر ص

وہ بچہ تھے جب انھیں قتل کیا گیا۔ انھیں ان کی پھوپھی حضرت عائشہؓ نے پرورش کیا۔

اور قاسم نے جتنی بھی احادیث روایت کی ہیں وہ اکثر و بیشتر حضرت عائشہؓ سے کی ہیں۔

پھر محمد بن ابی بکر ان لوگوں میں داخل ہے جنھوں نے مصر و افریقہ میں

Marfat.com

حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت پھیلائی اور بغاوت کے وقت بھی یہ پیش پیش تھا اور حضرت عثمانؓ کی داڑھی پر اسی نے ہاتھ ڈالا تھا ایسے شخص کی روایت کیسے قابل قبول ہو سکتی ہے اور نہ حدیث کی کسی کتاب میں اس سے روایت ملتی ہے

نیز اس محمد بن ابی بکر نے اپنے والد یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نہیں دیکھا کیونکہ بخاری و مسلم اور تمام کتب احادیث میں حضورؐ کے حجۃ الوداع کے سلسلہ میں مذکور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شروع ذی الحجہ میں مدینہ سے نکلے، جب ذوالحلیفہ پہنچے۔

فولدت اسماء بنت عمیس محمد بن ابی بکر — مسلم ج۔ ا ص ۳۹۴ ، ابوداؤد ج۔ ا ص ۲۶۹

اسماءؓ بنت عمیس کے یہاں محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے۔

یعنی محمد بن ابی بکر۔ ذی الحجہ ۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات جمادی الثانی ۱۳ھ میں ہوئی۔ اس حساب سے محمد بن ابی بکر کی عمر اپنے والد کی وفات کے وقت دو سال سات ماہ سے کچھ کم ہوتی ہے۔ اس صورت میں والد کو دیکھنے یا ان سے حدیث سننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ اس روایت کے دو راوی مجروح، ایک مجہول، ایک قاتل عثمان ہے اور یہ روایت دو جگہ سے منقطع بھی ہے اس صورت میں اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت ابوبکرؓ کی جانب منسوب کرنا کیسے جائز ہوگا۔ بلکہ ہم تو اسے قاسم بن محمد کی جانب بھی منسوب کرنے کے لیے تیار نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اسے امام ترمذی نے روایت نہیں کیا۔ بلکہ حضرت عائشہؓ کی پہلی روایت نقل کر کے یہ اشارہ کر کے چھوڑ دیا۔

وفیہ عن ابی بکر

اس مضمون میں ابوبکر سے بھی روایت مروی ہے۔

جس کا مقصد یہ ہوا کہ انھوں نے اس روایت کو اس قابل تصور نہیں کیا کہ اسے روایت کیا جاتے یا اس پر بحث کی جاتے۔

امام ترمذی کے دو خاص اصول ہیں۔

۱۔ جب وہ باب باندھتے ہیں تو اس مضمون کی جو صحیح روایت ہوتی ہے اُسے پیش کرتے ہیں۔ اگر صحیح روایت نہیں ہوتی تو ضعیف روایتوں میں جو سب سے بہتر ہوتی ہے اسے بیان کر کے اس پر جرح کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے انھوں نے حضرت عائشہؓ کی پہلی روایت کو بیان کیا اور اس پر جرح کی یعنی ضعیف روایتوں میں اسے سب سے بہتر سمجھا اور باقی روایات کو اس قابل بھی تصور نہیں کیا کہ ان پر جرح بھی کی جاتے۔

۲۔ جن روایات کو وہ ترک کرتے ہیں ان کی جانب یہ کہہ کر اشارہ کرتے ہیں کہ اس مضمون میں فلاں فلاں صحابی سے روایت مروی ہے اور یہاں انھوں نے صرف ابوبکرؓ کا نام لیا جس سے یہ بات ظاہر ہوتی کہ امام ترمذی کو اس سلسلہ میں صرف دو ہی روایتوں کا علم تھا۔ ایک حضرت عائشہؓ کی روایت اور ایک حضرت ابوبکر کی روایت۔ گویا کہ تیسری صدی میں صرف دو چار ہی روایات پائی جاتی تھیں اور جب ان کے دور میں ان روایات کی تعداد اتنی محدود تھی۔ وہ بعد میں کیسے لامحدود ہو گئیں۔ قارئین اس کا فیصلہ خود فرمالیں۔

روایت حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ

اس مضمون کی ایک روایت ابن ماجہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے بھی نقل کی ہے۔ ہم وہ سند کے ساتھ ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

حدثنا راشد بن سعید بن راشد الرملی

ثنا الولید بن مسلم عن ابن لهیعة عن

الضحاک بن ایمن عن الضحاک بن عبد الرحمن بن عرزب عن ابی موسٰی الاشعری عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ یطلع فی لیلۃ النصف من شعبان فیغفر لجمیع خلقہ الا لمشرک او مشاحن۔

ہم سے راشد بن سعید بن راشد الرملی نے بیان کیا۔ ان سے ولید بن مسلم نے وہ ابن لہیعہ سے ناقل ہیں۔ وہ ضحاک بن ایمن سے وہ ضحاک بن عبد الرحمان بن عرزب سے وہ ابو موسٰی اشعریؓ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب میں طلوع فرماتا ہے اور مشرک اور کینہ پرور کے علاوہ تمام مخلوق کی مغفرت فرماتا ہے۔

ابن ماجہ نے اس کی ایک اور بھی سند نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

حدثنا محمد بن اسحق ثنا ابو الاسود النضر بن عبد الجبار ثنا ابن لهيعة عن الزبير بن سليم عن الضحاک بن عبد الرحمٰن عن ابيه عن ابی موسٰی نحوه۔ ابن ماجہ مطبوعہ اصح المطابع لکھنؤ ص ۱۰۱

ہم سے محمد بن اسحاق نے بیان کیا۔ ان سے ابو الاسود نضر بن عبد الجبار نے ان سے ابن لہیعہ نے وہ زبیر بن سلیم سے ناقل ہیں۔ وہ ضحاک بن عبد الرحمان بن عرزب سے ضحاک اپنے والد سے اور وہ ابو موسی اشعریؓ سے اس روایت کو نقل کرتے ہیں۔

ان دونوں سندات پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہیں کہ اس کی

Marfat.com

سند میں اختلاف ہے۔

۱۔ ابن لہیعہ ۱۷۴ھ کبھی تو یہ دعوی کرتا ہے کہ یہ روایت ضحاک بن ایمن سے مروی ہے۔ کبھی اسے زبیر بن سلیم کی جانب منسوب کرتا ہے۔

۲۔ کبھی کہتا ہے کہ یہ روایت عبدالرحمان بن عرذب نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے نقل کی ہے اور کبھی کہتا ہے کہ عبدالرحمٰن نے اپنے باپ سے نقل کی ہے اور عبدالرحمان کے باپ عرذب نے ابوموسیٰؓ سے

اس اختلافی نوعیت کے علاوہ اس کی سند میں اور بھی زبردست نقائص پائے جاتے ہیں۔

۱۔ اس روایت کو ابوموسیٰ اشعری سے ضحاک بن عبدالرحمان بن عرذب روایت کر رہا ہے اور علامہ ابوالحسن سندھی حنفی نے "شرح ابن ماجہ" میں امام ہیثمی سے نقل کیا ہے۔

ان الضحاک بن عبد الرحمن بن عرذب لم یلق ابا موسیٰ — ابن ماجہ مصری ج۔۱ ص ۴۲۲

ضحاک ۱۰۵ھ بن عبدالرحمان بن عرذب نے ابوموسیٰ اشعریؓ سے ملاقات نہیں کی۔

اور یہی بات حافظ منذری نے "الترغیب والترہیب" میں فرمائی ہے اس لحاظ سے یہ روایت منقطع ہے۔ لیکن چونکہ دوسری سند سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ضحاک نے یہ روایت اپنے والد سے نقل کی ہے اور انھوں نے ابوموسیٰ اشعری سے۔ لیکن ضحاک کے والد عبدالرحمان مجہول ہیں۔ اس صورت میں یہ روایت مجہول ہوگی۔ (تقریب ص ۲۰۶) اور اس عبدالرحمان سے ابن ماجہ کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کی۔

۲۔ پہلی سند میں ضحاک بن عبدالرحمان بن عرذب سے لے کر روایت کرنیوالا ضحاک بن ایمن الکلبی ہے۔ ذہبی اس کے بارے میں تحریر کرتے ہیں۔

Marfat.com

شیخ لابن لهیعة لا یدری من ذا فی لیلة النصف من شعبان میزان ج۔۲ ص۳۲۲

یہ ابن لہیعہ کا شیخ ہے۔ نہ معلوم کون شخص ہے۔ اس سے شب نصف شعبان کے بارے میں روایت مروی ہے۔

یعنی ضحاک بن ایمن غیر معروف ہے، دوسرے لفظوں میں یہ بھی مجہول ہوا۔ اور اس سے اس کے علاوہ اور کوئی روایت بھی مروی نہیں۔ ابن حجر تقریب میں فرماتے ہیں۔ ضحاک بن ایمن مجہول ہے۔ "تقریب ص۱۵۴

۳۔ دوسری سند میں ضحاک بن ایمن کے بجائے زبیر بن سلیم ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں۔

شیخ لا یعرف ما روی عنه غیر ابن لهیعة حدیثه فی نزول لیلة النصف میزان ج۔۲ ص۱۰۶

یہ شیخ بھی غیر معروف ہے اور اس سے ابن لہیعہ کے علاوہ کسی نے روایت نہیں لی اور وہ بھی صرف شب نصف شعبان کے بارے میں ہے۔

ابن حجر فرماتے ہیں۔ زبیر بن سلیم مجہول ہے۔ "تقریب ص۱۰۶

یہ بھی مجہول ہوا۔ اور ان دونوں سے ابن لہیعہ کے علاوہ کسی نے بھی کوئی روایت نہیں لی اور نہ انھیں کوئی جانتا پہچانتا ہے اور ابن لہیعہ نے بھی صرف شب برأت والی روایت ان دونوں سے نقل کی۔ ان دونوں کا کوئی وجود تھا یا یہ دونوں کوئی فرضی شخصیتیں تھیں۔ یہ تو اللہ بہتر جانتا ہے۔ لیکن یہ حدیث ہر صورت میں ساقط الاعتبار ہوئی اور اس روایت کو استدلال میں پیش کرنا دین کے ساتھ ایک بدترین مذاق ہے۔

۴۔ اب ذرا ابن لہیعہ کی حیثیت بھی دیکھ لیجئے۔

Marfat.com

ابن لہیعہ

ابن لہیعہ ۱۷۴ھ کا پورا نام عبداللہ بن لہیعۃ بن عقبۃ الحضرمی ہے۔ اس کی کنیت ابو عبدالرحمان ہے۔ مصر کا قاضی اور عالم تھا۔ اعرج۔ عمرو بن شعیب اور دیگر بڑے تابعین کا زمانہ پایا ہے۔ ابوداؤد، ابن ماجہ اور ترمذی نے اس سے روایتیں لی ہیں۔ لیکن بخاری، مسلم، اور نسائی نے اس سے کوئی روایت نہیں لی۔ ترمذی نے اس کی روایت نقل کر کے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں۔

ابن معین ۲۳۳ھ کا قول ہے یہ ضعیف ہے۔ اس کی حدیث حجت نہیں۔ حمیدی ۲۱۹ھ کا بیان ہے کہ یحییٰ بن سعید القطان ۱۹۸ھ اس کو کچھ نہ سمجھتے تھے۔ ابن مہدی ۱۹۸ھ فرماتے ہیں۔ میں نے ابن لہیعہ کی جتنی روایات سُنی ہیں انھیں کچھ نہیں سمجھتا۔ ہاں وہ روایات قابلِ اعتبار ہیں جو ابن لہیعہ سے ابن مبارک ۱۸۱ھ وغیرہ نقل کریں۔ علی المدینی ۲۳۴ھ کا بیان ہے۔ میں ابن لہیعہ سے کوئی روایت نہیں لیتا۔ کیونکہ اس نے مجھے ایک خط لکھا۔ جس میں تحریر تھا کہ فلاں حدیث ہم سے عمرو بن شعیب ۱۱۸ھ نے بیان کی ہے۔ لیکن جب میں ابن المبارک ۱۸۱ھ کی خدمت میں پہنچا اور انھیں یہ خط پڑھ کر سُنایا تو انھوں نے ایک اور خط نکال کر دکھایا جس میں اسی حدیث کے بارے میں یہ تحریر تھا کہ مجھ سے یہ حدیث عبداللہ بن ابی فروہ نے بیان کی ہے اور اس نے عمرو ۱۱۸ھ بن شعیب سے روایت کی ہے۔ یحییٰ ۲۲۶ھ بن بکیر کہتے ہیں کہ ۱۷۰ھ میں ابن لہیعہ کے مکان میں آگ لگ گئی اور اس کے مکتوبات جل گئے۔

عثمان بن صالح کہتے ہیں۔ اس کی کوئی کتاب نہیں جلی (یہ ابن لہیعہ نے جھوٹ بولا تھا) کیونکہ میں نے عمارۃ بن غزیہ کی تحریرات ابن لہیعہ کی کتابوں

سے نقل کہی ہیں اور میں نے یہ نقل اس کا گھر جلنے کے بعد ہی کی تھی۔ صرف چند وہ اجزا جل گئے تھے جنھیں وہ لوگوں کو پڑھ کر سُنایا کرتا تھا۔ میں اس کی بیماری کی اصل وجہ سے اچھی طرح واقف ہوں۔ واقعہ یہ تھا کہ میں اور عثمان بن عتیق جمعہ پڑھ کر آ رہے تھے۔ ہمارے آگے آگے ابن لہیعہ گدھے پر سوار جا رہا تھا۔ اچانک اس پہ فالج گرا۔ اور وہ گدھے سے گر پڑا۔ عثمان نے بھاگ کر اُسے اُٹھایا اور ہم اسے اٹھا کر گھر لے گئے۔ یہاں سے اس کی بیماری کی ابتدا ہوئی۔

امام احمد ؒ بن حنبل فرماتے ہیں۔ ابن لہیعہ مثنیٰ بن الصباح جیسے ضعیف شخص سے احادیث روایت کرتا اور اسے عمرو بن شعیب ؒ کی جانب منسوب کر کے بیان کرتا ہے۔

یحییٰ ؒ بن معین کہتے ہیں وہ ضعیف ہے۔ یحییٰ بن سعید القطان ؒ فرماتے ہیں کہ مجھے بشر بن السری ؒ نے نصیحت کی کہ اگر تیری ملاقات ابن لہیعہ سے ہو تو اس سے کوئی روایت نہ لینا۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں۔ وہ کتابیں جلنے سے قبل بھی ضعیف تھا اور بعد میں بھی ضعیف ہے۔ ابوزرعہ ؒ کہتے ہیں اس کی ابتدائی احادیث اور آخری سب مساوی ہیں۔ اس کی حدیث حجت نہیں۔ نسائی کہتے ہیں کہ ضعیف ہے۔

ابن ابی مریم کا بیان ہے کہ میں آخر عمر میں ابن لہیعہ کے پاس گیا۔ اس کے پاس اہلِ بربر کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے سامنے منصور، اعمش اور عراق کے محدثین کی حدیثیں پڑھی جا رہی تھیں۔ میں نے اس سے سوال کیا کہ اہلِ عراق کی احادیث کا تم سے کیا واسطہ (کیونکہ ابن لہیعہ کبھی عراق نہ گیا تھا) بولا کہ میں نے ایک زمانے میں یہ روایات سُنی تھیں۔ لیکن انھیں لکھ نہ سکا تھا۔ ابوزرعہ اور ابوحاتم کہتے ہیں اس کا حال مضطرب ہے۔

جوزجانی کا قول ہے کہ اس کی حدیث پہ کوئی نور نہیں ہوتا۔ اس کی حدیث قطعاً حجت نہیں۔

Marfat.com

امام ذہبی فرماتے ہیں اسے ۱۵۵ھ میں منصور نے مصر کا قاضی بنایا اور نو ماہ تک یہ قاضی رہا۔ تیس دینار ماہانہ اس کی تنخواہ متعین کی گئی۔ ابن عدی اور ذہبی نے اس کی بہت سی روایات کو منکر قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ۹۶ھ میں پیدا ہوا اور ۱۷۴ھ میں اس کی وفات ہوئی اور یہ ضعیف راویوں کو گرا کر حدیث کو مشہور رواۃ کی جانب منسوب کرتا ہے۔

ابن حبان کا بیان ہے کہ اس سے آخر میں جن لوگوں نے روایات لی ہیں ان میں بہت خلط ملط ہیں اور ضعیف راویوں کو گرا کر ثقہ رواۃ کی جانب منسوب کیا کرتا ہے اور اس طرح موضوع روایات بھی اس کی روایات میں داخل ہو گئیں۔ ابن عدی کا قول ہے وہ غالی شیعہ تھا اور حضرت علیؓ کی فضیلت میں احادیث وضع کیا کرتا تھا۔

ابن عدی کا دعویٰ ہے کہ یہ حدیث ابن لہیعہ نے وضع کی ہے۔ بخاری کہتے ہیں منکر الحدیث ہے۔ میزان ج۔۲۔ از ص ۴۷۵ تا ص ۴۸۳

حاصل کلام یہ کہ ابن لہیعہ ضعیف ہے اور احادیث میں سے ضعیف رواۃ کو گرا کر ثقہ راویوں کی جانب منسوب کرتا ہے۔ اس حدیث کا یہ تنہا راوی ہے اور جن لوگوں سے وہ یہ روایت نقل کر رہا ہے یعنی ضحاک بن ایمن اور زبیر بن سلیم دونوں مجہول ہیں اور آخری راوی ضحاک بن عبدالرحمان نے ابو موسیٰ سے ملاقات تک نہیں کی۔ اس طرح اس روایت کی ہر سند میں متعدد نقائص جمع ہو گئے ہیں۔ ایسی روایات کو حدیثِ رسولؐ کہنا بھی جائز نہیں اور ابن لہیعہ سے اس روایت کو نقل کرنے والا ولید بن مسلم بھی مدلس ہے اور ضعیف راویوں کو گرا کر ثقہ رواۃ کی جانب حدیث منسوب کرتا ہے ایسی صورت میں اس روایت سے شب برات کا وجود ثابت کرنا ایک فریب کاری سے کم نہیں۔

نیز محمد بن اسحاق سے مراد شاید محمد بن اسحٰق بن راہویہ ہیں جنہیں قرامطہ نے

Marfat.com

مکہ کی راہ میں ۲۹۴ھ میں قتل کیا۔ خلیلی ۴۴۶ھ کا بیان ہے۔

لم یرضوہ ولم یتفق علیہ اھل خراسان

میزان ج ۳ ص ۴۷۵

ان سے محدثین راضی نہ تھے اور نہ اہلِ خراسان کا ان پر اتفاق ہے۔

لیکن خطیب بغدادی ۴۶۳ھ کا قول ہے۔

عالم جمیل الطریقۃ مستقیم الحدیث

عالم ہیں اچھے طریقہ پر کاربند اور حدیث میں درست تھے۔

لیکن اگر محمد بن اسحاق کوئی اور شخص ہے تو اس کا بھی حال معلوم نہیں محمد بن اسحٰق بن خزیمہ اور محمد بن اسحاق بن مندہ ابن ماجہ کے بعد ہیں۔ رہا محمد بن اسحٰق بن راہویہ ان سے صحاح ستہ کے کسی مصنف نے روایت نقل نہیں کی۔ کیونکہ یہ ان تمام مصنفین سے عمر میں چھوٹے ہیں۔ اس لحاظ سے محمد بن اسحاق بھی مجہول ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ یہ محمد بن اسحاق بن عون العامری مراد ہوں۔ ان کی کنیت ابو بکر الکوفی ہے۔ ۲۶۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ان سے ابن ماجہ کے علاوہ کسی نے روایت نہیں لی۔ اگرچہ حافظ ابن حجر نے تقریب میں اسے صدوق قرار دیا ہے لیکن ذہبی نے میزان میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ لفظ صدوق (سچا) اس راوی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جس کی روایت کو بدرجۂ مجبوری قبول کیا جائے اور اس پر جرح کی کوئی وجہ موجود نہ ہو۔ کیونکہ جو راوی بہت زیادہ ثقہ اور معتبر ہوتا ہے اس کے لیے عام طور پر تین الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ اوثق الناس ثقۃ ثقۃ۔ حافظ ثقۃ۔ دوسرے درجہ کے رواۃ کے لیے یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ ثقۃ، متقن، عدل، ثبت، اور ثبت سے

Marfat.com

درجہ کے رواۃ کے لیے یہ الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ صدوق، لا بأس بہ، لیس بہ بأس۔ (اس میں کوئی حرج نہیں)

یہ اصطلاحات خود حافظ ابن حجر نے "نخبۃ الفکر" اور "تقریب" کے مقدمہ میں دی ہیں۔ دیکھئے تقریب صہ ۹

ان تشریحات سے یہ نتیجہ ظاہر ہوگا کہ اگر اس حدیث کے تمام رواۃ بھی ثقہ ہوتے تب بھی محمد بن اسحاق کے باعث یہ روایت مشکوک رہتی اور اس پر اطمینان نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن جب کہ اس میں ابن لہیعہ اور دیگر کئی رواۃ ضعیف ہیں۔ ایسی صورت میں یہ روایت ناقابل قبول ہوئی۔

ہم یہ پہلے بھی ایک جگہ عرض کر چکے ہیں کہ جس روایت میں ابن ماجہ منفرد ہوں اور خمسہ نے اسے روایت نہ کیا ہو وہ ابن حجر کے نزدیک اکثر ضعیف اور حافظ مزی کے نزدیک ہمیشہ ضعیف ہوتی ہے اور اتفاق سے یہ حدیث بھی خمسہ میں سے کسی نے بھی روایت نہیں کی اور اس کے رواۃ میں سے ضحاک بن ایمن اور زبیر بن سلیم کو خود حافظ ابن حجر نے مجہول قرار دیا ہے اور ابن لہیعہ کو صدوق یعنی تیسرے درجہ کا راوی پھر اس کے بارے میں یہ بھی فیصلہ دیا کہ اگر ابن لہیعہ سے ابن مبارک اور ابن وہب روایت کریں تو وہ قابل قبول ہے۔ ورنہ نہیں۔ تقریب صہ ۱۷۶

اس صورت میں اس کے دو راوی مجہول اور ایک کا سم چلاتا اور ایک ضعیف ہے۔

یہ بھی بتانا ضروری ہے کہ راشد بن سعید بن راشد الرملی بھی تیسرے طبقہ کا راوی ہے۔ اور اس سے بھی ابن ماجہ کے علاوہ کسی نے روایت نہیں لی۔ تقریب صہ ۹۹

Marfat.com

روایت عبداللہ بن عمرؓو بن العاص

اس سلسلے کی ایک کڑی عبداللہ بن عمرؓو بن العاص سے ۶۵ کی روایت ہے جو مسند احمد میں ان الفاظ میں پائی جاتی ہے۔

حدثنا عبداللہ حدثنا ابی ناحسن نا ابن لہیعۃ ناحی بن عبداللہ عن ابی عبدالرحمن الحبلی عن عبداللہ بن عمرو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یطلع اللہ عزوجل الی خلقہ لیلۃ النصف من شعبان فیغفر لعبادہ الا لاثنین مشاحن وقاتل نفس۔

مسند احمد۔ ج۔۲ ص۱۷۶

ہم سے عبداللہ نے حدیث بیان کی، ان سے ان کے والد (امام احمد بن حنبل) نے ان سے حسن نے ان سے ابن لہیعہ نے ان سے حی بن عبداللہ نے وہ ابوعبدالرحمان الحبلی سے نقل کرتے ہیں وہ عبداللہ بن عمرو بن العاص سے۔ وہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ عزوجل نصف شعبان کی شب میں اپنی مخلوق کی جانب طلوع فرماتا ہے اور کینہ پرور اور خودکشی کرنے والے کے علاوہ اپنے تمام بندوں کی مغفرت فرماتا ہے۔

حافظ منذری "الترغیب والترہیب" میں اسے نقل کرکے فرماتے ہیں۔

رواہ احمد باسنادلین "ترغیب وترہیب ج۳۰ ص۴۷۰

امام احمد نے اسے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔

اس روایت میں بھی وہی ابن لہیعہ ہے جو سابقہ روایات میں گذر

Marfat.com

چکا ہے۔ ممکن ہے کہ جس طرح اس نے عبد اللہ بن ابی فروہ کی حدیث عمرو بن شعیب کی جانب منسوب کر کے بیان کی۔ اسی طرح یہ روایت بھی دوسروں کی جانب منسوب کر کے ایک اور روایت تیار کر دی ہو۔ کیونکہ بعض روایات میں اس کا جھوٹ ثابت ہو چکا ہے اور اس کی مرویات بھی موضوعات بھی داخل ہیں۔

ابن لہیعہ کے علاوہ اس میں حسن نامی راوی مجہول ہے یہ کونسا حسن ہے کچھ معلوم نہیں۔ ذہبی نے میزان میں ۱۵۹۔ حسن نامی راویوں کے حالات لکھے ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی ابن لہیعہ سے روایت نہیں کرتا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ حسن بن صالح بن تمام ہوں جو مشہور فقیہہ ہیں لیکن یہ خلیفہ وقت کے خلاف بغاوت کو جائز سمجھتے اور جمعہ نہ پڑھتے تھے اور نہ جمعہ اور جہاد کو فرض سمجھتے تھے۔ انتہائی درجہ کے زاہد تھے۔ محدثین کے نزدیک یہ ثقہ ہیں۔ لیکن بعض محدثین ترک جمعہ اور خروج کے جواز کے باعث ان سے روایت نہیں لیتے تھے۔ بخاری نے بھی ان کی روایت سے گریز کیا ہے

ابن لہیعہ کا استاد حی بن عبد اللہ بن شریح المعافری المصری ہے بخاری کہتے ہیں اس کی حدیث پر اعتراض ہے۔ نسائی کہتے ہیں قوی نہیں۔ خود امام احمد کا قول ہے اس کی احادیث منکر ہیں۔ ابن عدی کہتے ہیں اس سے ابن لہیعہ نے دس اور بیس کے درمیان منکر روایات نقل کی ہیں۔ میزان ج ۱ ص ۶۲۴

گویا اس روایت کا ایک راوی مجہول اور دو شدید ضعیف ہیں۔

نیز ابو موسیٰؓ کی روایت میں مشرک کو مغفرت سے خارج کیا گیا تھا اور اس روایت میں مشرک کے بجائے خودکشی کرنے والے کو خارج کیا گیا ہے۔

نزول الٰہی تو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اگرچہ اس کی تاویل میں اختلاف ہے اور اس سے توجہ بھی مراد لی جا سکتی ہے۔ لیکن طلوع

الٰہی کا کیا مقصد ہے، یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے اور نہ کسی حدیث صحیح میں اس کا ذکر ہے۔

روایت ابی ثعلبہ خشنی رضؓ ۷۵ھ

اس مضمون کی ایک روایت ابو ثعلبہ خشنی سے مروی ہے جسے حافظ منذری نے "الترغیب والترہیب" میں ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یطلع اللہ الی عبادہ لیلۃ النصف من شعبان فیغفر للمؤمنین ویملی الکافرین ویدع اهل الحقد بحقدهم حتی یدعوہ۔ ترغیب ترہیب ج ۳ ص ۴۶۰

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب میں اپنے بندوں کی جانب طلوع فرماتا مؤمنین کی مغفرت فرماتا۔ کافروں کو مہلت دیتا اور کینہ پروروں کو ان کے کینہ پر چھوڑ دیتا ہے۔ تاوقتیکہ وہ اسے ترک نہ کر دیں۔

اس روایت میں صرف ایک کینہ پرور کو مغفرت سے خارج کیا گیا۔ باقی سب کی مغفرت عامہ کا پروانہ حاصل ہو چکا ہے۔ دیکھتے رہیئے کہ اس کی مغفرت کا پروانہ کس روز حاصل ہوتا ہے۔

ہم حضرت عائشہؓ کی مرویات میں مکحول ۱۱۲ھ کی چند روایات پیش کر چکے ہیں اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ مکحول نے کسی صحابی سے حدیث نہیں سنی۔ وہ صحابہ سے جتنی روایات نقل کرتے ہیں سب منقطع ہوتی ہیں۔ پھر کبھی وہ لمبی چوڑی روایت بیان کرتے ہیں اور اسے حضرت عائشہؓ کی جانب تدلیس کر کے منسوب کرتے، کبھی کثیر بن مرہ ۸۰ھ کی جانب اور کبھی ابی ثعلبہ خشنی کی جانب۔ اس طرح یہ سب روایات ایک ہیں اور ان کا دارومدار مکحول پر ہے

اور انھوں نے درمیان سے راوی حذف کر کے حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضؓ کی جانب منسوب کر دیا۔ اس طرح یہ حدیث منقطع ہوتی اور ساتھ ہی ساتھ اس میں اضطراب بھی پایا جاتا ہے۔ کیونکہ ہر روایت میں کچھ نہ کچھ امور ایک دوسرے سے متضاد واقع ہوئے ہیں۔

کثیر بن مرہ رضؓ کی روایت

کثیر بن مرہ کی روایت کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

ان فی لیلۃ النصف من شعبان یغفر اللہ عز وجل لاھل الارض الا لمشرک او مشاحن (ترغیب و ترہیب ج۔۳ ص۴۶۱)

مصنف عبد الرزاق ج۔۴ ص۲۱۴

نصف شعبان کی شب میں اللہ تعالیٰ مشرک اور کینہ پرور کے علاوہ تمام اہل زمین کی مغفرت فرماتا ہے۔

یہ روایت بھی مکحول ۱۱۲ھ کی روایت ہے اور کثیر بن مرۃ تابعی ۸۰ھ ہے اور اوپر سے صحابی کا نام حذف ہے۔ اس طرح یہ روایت مرسل ہوئی۔ اور اس میں نزول خداوندی اور طلوع خداوندی کا کوئی ذکر نہیں۔

نیز ابو موسیٰ اشعری رضؓ ۴۴ھ، عبداللہ بن عمرو رضؓ بن العاص ۶۵ھ اور کثیر بن مرہ ۸۰ھ ان چاروں کی مرویات میں نہ رات کی نماز کا کوئی ذکر ہے نہ دن میں روزے کا نہ بقیع جانے کا قصہ ہے اور نہ طویل سجدوں کا ذکر ہے اور نہ حضور نے یہ بات بیان فرمائی ہے کہ وہ کون سا عمل ہے جو اس مغفرت عامہ کا سبب ہے یا یہ مغفرت کسی عمل کے بغیر ہی حاصل ہو جاتی ہے۔ ان تمام باتوں سے یہ روایات خاموش ہیں۔

اس روایت کو عبد الرزاق بن ہمام نے اپنی مصنف میں دو سندات سے

Marfat.com

روایت کیا ہے۔ دونوں سندات میں اوپر کے راوی کثیر بن مرہ اور مکحول ہیں لیکن مکحول سے روایت کرنے والے محمد بن راشد اور قبیس بن سعد ہیں۔ محمد بن راشد کی روایت میں حضورؐ کا کوئی ذکر نہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ کثیر کا اپنا قول ہے نہ کہ حدیثِ رسولؐ اور قبیس بن سعد نے اُسے حدیث رسول بنایا ہے اور اس نے کثیر اور حضورؐ کے درمیان کسی راوی کا ذکر نہیں کیا اور اتفاق سے محدثین کے نزدیک نہ محمد بن راشد قابل قبول ہے اور نہ قبیس بن سعد۔

مکحول کے بارے میں ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ ان کے تفرد میں اختلاف ہے اور تدلیس میں وہ مشہور ہیں اور مدلس کی روایت عن قابل قبول نہیں ہوتی۔ اتفاق سے یہ روایت بھی عن کے ذریعہ مروی ہے۔

گویا اس روایت میں اول اختلاف تو یہ ہے کہ آیا یہ حدیث رسول ہے یا کثیر بن مرہ کی اپنی ذاتی رائے اور دونوں میں سے ایک بھی صحت کے ساتھ ثابت نہیں۔

روایت اسامہؓ بن زید ۵۴ھ

فضیلت شعبان کے بارے میں جتنی روایات مروی ہیں۔ میرے نزدیک ان میں سے بہتر روایت حضرت اسامہؓ بن زید کی روایت ہے جسے نسائیؒ نے اپنی "سنن" میں اور طحاوی نے "معانی الآثار" میں روایت کیا ہے۔ نسائی کے الفاظ ہیں۔

اخبرنا عمرو بن علی عن عبد الرحمن قال
حدثنا ثابت بن قیس ابو الغصن شیخ من
اهل المدینة قال حدثنی ابو سعید المقبری

قال حدثنی اسامۃ بن زید قال قلت یارسول
اللہ لم اراک تصوم من شھر من الشھور ما
تصوم شعبان قال ذاک شھر یغفل الناس
عنہ بین رجب ورمضان وھو شھر ترفع الاعمال
الی رب العلمین واحب ان یرفع عملی وانا
صائم۔ نسائی ج۔۱ ص۲۳۴، معانی الآثار للطحاوی ج۔۱ ص۳۴۷

ہم سے عمرو بن علی نے بیان کیا وہ عبدالرحمان سے روایت
کرتے ہیں۔ وہ ثابت بن قیس ابوالغصن سے جو اہل مدینہ کا
ایک شیخ ہے وہ ابوسعید المقبری سے وہ حضرت اسامہؓ بن زید
سے حضرت اسامہؓ فرماتے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ۔
میں جتنے روزے آپؐ کو شعبان میں رکھتے دیکھتا ہوں اتنے
کسی اور ماہ میں رکھتے نہیں دیکھتا۔ آپؐ نے فرمایا یہ ایک
ایسا مہینہ ہے جس سے لوگ غافل ہیں۔ یہ رجب و رمضان
کے درمیان ہے۔ یہ ایسا مہینہ ہے جس میں رب العالمین
کی جانب اعمال اٹھائے جاتے ہیں اور میں یہ پسند کرتا ہوں
کہ جب میرا عمل اٹھایا جائے تو میں روزے سے ہوں۔

اس روایت کے تمام رواۃ ثابت بن قیس کے علاوہ سب ثقہ ہیں
ثابت بن قیس کی کنیت ابوالغصن ہے اس کا تعلق قبیلہ غفار سے ہے۔ مدینہ
کا باشندہ ہے ۱۶۸ھ میں سو سال کی عمر میں اس کا انتقال ہوا۔ گویا اس کی
پیدائش ۶۸ھ میں ہوئی۔ یہ اس بات کا مدعی ہے کہ اس نے ابوہریرہؓ کو
دیکھا ہے۔ حالانکہ ابوہریرہؓ ۵۸ھ میں انتقال فرما چکے تھے اس نے حضرت
انسؓ صحابی کو تو یقیناً دیکھا ہے۔ لیکن اسامہؓ بن زید کو دیکھنا ممکن نہیں۔
کیونکہ ان کی وفات بھی ۵۴ھ میں ہوئی ہے بلکہ مدینہ کے کسی بھی صحابی کو دیکھنا

ممکن نہیں۔ کیونکہ مدینہ میں جو صحابہ مقیم تھے ان میں سب سے آخر انتقال سلمۃ بن الاکوع کا ہے جن کی وفات ۷۳ھ کے آخر میں ہوئی جس وقت کہ ثابت کی عمر پانچ سال کی تھی۔

امام احمد فرماتے ہیں یہ ثقہ ہے۔ نسائی کہتے ہیں اس کی روایت میں کوئی حرج نہیں۔ ابن حبان کہتے ہیں اس کی حدیث حجت نہیں۔ ابن معین نے ایک بار تو فرمایا اس کی روایت میں حرج نہیں۔ لیکن دوبارہ فرمایا ضعیف ہے

میزان ج ۔۱ ص ۳۶۶

ابن حجر "تقریب" میں فرماتے ہیں۔

صدوق یہم من الخامسۃ تقریب ص ۵۱

حاشیہ نسائی ج ۔۱ ص ۲۳۴

سچا ہے لیکن اسے وہم ہوتا ہے۔ پانچویں طبقہ کا راوی ہے

امام مالک، بخاری اور مسلم نے اس سے کوئی روایت نہیں لی۔ حالانکہ یہ مدینہ کا باشندہ تھا اور امام مالک نے اس کا زمانہ پایا ہے اگر یہ انکے نزدیک ثقہ ہوتا تو وہ ضرور اس سے روایت لیتے۔ لیکن انھوں نے اس کی کوئی روایت نہیں لی۔ ابن حبان اور یحییٰ بن معین کے نزدیک بھی یہ ثقہ نہیں۔ نسائی اسے "ثقہ" تو نہیں کہتے۔ لیکن اس کی روایت میں کوئی برائی بھی نہیں سمجھتے۔ گویا یہ اُن کے نزدیک ... اعلیٰ درجہ کا راوی نہیں صرف کام چلاؤ ہے۔ اس قسم کے راوی کی روایت بطور شہادت تو پیش کی جاسکتی ہے لیکن دلیل میں پیش نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ جن کے نزدیک یہ سچا بھی ہے ان کے نزدیک بھی اول تو اسے وہم ہوتا ہے۔ ثانیاً یہ پانچویں طبقہ کا راوی ہے۔

بخاری و مسلم نے صرف اول اور دوسرے طبقہ کی روایات لی ہیں۔ اگرچہ مسلم شہادت کے طور پر تیسرے طبقہ کی بھی روایات لے آتے ہیں لیکن ترمذی اور ابوداؤد وغیرہ میں پانچویں طبقہ کے رواۃ بھی بکثرت پائے جاتے

Marfat.com

ہیں۔ نسائی کے یہاں اِس طبقہ کے رواۃ معدودے چند ہیں۔ بلکہ میری نظر میں ثابت کے علاوہ کوئی نہیں۔ پانچویں طبقہ سے کیا مراد ہے۔ علامہ علی بن سلیمان المغربی المالکی الشاذلی اپنے رسالہ "نفع قوت المغتذی علی جامع الترمذی" میں فرماتے ہیں۔

الخامسۃ قوم من الضعفاء والمجہولین لا یجوز لمن یخرج الاحادیث علی الابواب ان یخرج لہم الا علی سبیل الاعتبار والاستشہاد عندہ۔ ترمذی ج۔۱ ص۱۵

پانچویں طبقہ سے مراد وہ ضعفاء اور مجہول لوگ ہیں کہ جن سے ایسے اشخاص کے لیے روایت کرنا جائز نہیں جو ابواب کی ترتیب پر احادیث بیان کرتے ہیں۔ ہاں بطور شہادت ایسے راوی کی روایت بیان کی جا سکتی ہے۔

علامہ علی بن سلیمان کی عبارت سے یہ بات ثابت ہوتی کہ پانچواں طبقہ خود ضعفاء میں شامل ہے اور اس طبقہ کی روایت بطور حجت پیش کرنا جائز نہیں اور ثابت میں تو وہم کا مادہ بھی پایا جاتا ہے اور اس کا ثبوت خود نسائی کی دو اور روایات ہیں جو نسائی نے خود اس روایت کے بعد نقل کی ہیں۔ غالباً امام نسائی جو فن رجال و علل کے امام ہیں اسی علت و خامی کی جانب اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی دوسری روایت بھی سن لیجئے۔

اخبرنا عمرو بن علی عن عبد الرحمن ثنا ثابت بن قیس ابو الغصن شیخ من اہل المدینۃ قال حدثنی ابو سعید المقبری قال حدثنی اسامۃ بن زید قال قلت یا رسول اللہ انک تصوم حتی لا تکاد تفطر

Marfat.com

وتفطرحتی لاتکاد ان تصوم الایومین
ان دخلا فی صیامک والاصمتہا قال ای
یومین قلت یوم الاثنین ویوم الخمیس
قال ذانک یومان تعرض فیہا الاعمال علی
رب العلمین فاحب ان یعرض عملی وانا صائم
نسائی ج ۔ ا ص ۲۳۴ ، معانی الآثار ج ۔ ا ص ۳۴۰

ہم سے عمرو بن علی نے بیان کیا۔ وہ عبدالرحمان سے ناقل ہیں۔ وہ ثابت بن قیس ابوالغصن سے جو مدینہ کا ایک شیخ ہے۔ وہ ابوسعید المقبری سے وہ حضرت اسامہ بن زیدؓ سے حضرت اسامہؓ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپؐ جب روزے رکھتے ہیں تو اس طرح لگاتار رکھتے ہیں گویا آپ افطار ہی نہ فرمائیں گے اور جب افطار فرماتے ہیں تو اس طرح افطار کرتے ہیں گویا اب آپؐ روزے ہی نہ رکھیں گے لیکن دو دن اگر درمیان میں آجاتے ہیں تو آپ ان کے روزے ضرور رکھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا وہ کون سے دن ہیں۔ اسامہؓ نے عرض کیا دوشنبہ اور جمعرات کا دن، آپؐ نے فرمایا۔ یہ دو دن ایسے ہیں جن میں رب العالمین کے سامنے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ جب میرا عمل پیش ہو تو میں روزے سے ہوں۔

دیکھئے ابتدا سے آخر تک ایک ہی سند ہے لیکن یہ روایت پہلی روایت کے بالکل برعکس ہے۔ اس روایت کا شعبان سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ گویا ثابت کبھی کچھ بیان کرتا ہے اور کبھی کچھ بیان کرتا ہے۔ یہی تو اس کے وہم کا ثبوت ہے۔ امام طحاوی نے بھی اس بات کو پیش نظر رکھا ہے اور

انھوں نے بتایا ہے کہ ثابت سے اس کی حدیث روایت کرنے والے دو شخص ہیں۔ ایک فن رجال کے امام عبدالرحمٰن بن مہدی ۱۹۸ھ اور دوسرے امام مالک کے شاگرد خاص عبداللہ بن مسلمۃ القعنبی ۲۲۱ھ عبداللہ بن مسلمہ نے ثابت سے صرف دوسری روایت نقل کی ہے۔ ان کے علاوہ ثابت سے اس روایت کو زید بن الحباب ۲۰۳ھ نے بھی نقل کیا ہے۔ زید کے الفاظ ہیں۔

اخبرنی ثابت بن قیس الغفاری حدثنی ابوسعید المقبری قال حدثنی ابوھریرۃ عن اسامۃ بن زید ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یسرد الصوم فیقال لا یفطر ویفطر فیقال لا یصام۔ نسائی ج ۱ ص ۲۳۷

مجھ سے ثابت بن قیس الغفاری نے بیان کیا۔ اُن سے ابوسعید المقبری نے ان سے ابوہریرہؓ نے وہ اسامہ بن زید سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لگاتار روزے رکھتے۔ حتیٰ کہ لوگ کہتے کہ اب آپؐ افطار نہ کریں گے اور جب افطار کرتے تو لگاتار کرتے حتیٰ کہ لوگ کہتے کہ اب آپؐ روزے نہ رکھیں گے۔

اِس طرح ثابت کی روایات میں زبردست اختلاف واقع ہوگیا ہے اور اس کی روایت ساقط الاعتبار ہوگئی ہے۔ کیونکہ اس سے تینوں رواۃ ایک دوسرے کے خلاف حدیث روایت کر رہے ہیں۔

ہمارے نزدیک آخر کی دونوں روایات صحیح ہیں۔ اس لیے کہ حضورؐ کا یہ معمول تھا کہ جب آپ روزے رکھتے تو لگاتار رکھتے اور جب کھولتے تو لگاتار کھولتے۔ حضورؐ کے اس معمول کو حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عباسؓ،

حضرت انسؓ اور متعدد صحابہ سند صحیح کے ساتھ نقل کر رہے ہیں جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔

رہا دوشنبہ اور پنج شنبہ کا روزہ، تو امام نسائی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتحری یوم الاثنین والخمیس ترمذی ج - ا ص ۱۲۳
نسائی ج - ا ص ۲۲۳

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ اور جمعرات کا انتظار فرماتے رہتے۔

پھر امام مسلمؒ سے روایت کیا ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصوم من کل شہر ثلثۃ ایام الاثنین والخمیس من ھذہ الجمعۃ والاثنین من المقبلۃ۔

نسائی ج - ا ص ۲۳۵، ابوداؤد ج - ا ص ۳۳۹، نسائی ج - ا ص ۲۴۰

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ تین دن کے روزے رکھتے۔ ایک ہفتہ میں دوشنبہ اور جمعرات کا اور دوسرے ہفتہ میں دوشنبہ کا۔

ترمذی نے حضرت ابوہریرہؓ سے دوشنبہ اور پنجشنبہ کے روزوں کی یہ وجہ نقل کی ہے۔

تعرض الاعمال یوم الاثنین والخمیس فاحب ان یعرض عملی وانا صائم ترمذی ج - ا ص ۱۲۳

دوشنبہ اور جمعرات کے روز اعمال پیش کیئے جاتے ہیں۔ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ جب میرا عمل پیش ہو تو میں روزے سے ہوں۔

Marfat.com

گویا یہ وہی وجہ ہے جو ثابت کی دوسری روایت میں پائی جاتی ہے اس لحاظ سے دوسری روایت صحیح ہوئی اور پہلی روایت غلط ہوئی اور امام نسائی نے یہ تمام روایات ثابت کی روایت کے بعد ہی بیان کی ہیں۔ گویا کہ وہ اس کی پہلی روایت کی تردید اور دوسری روایت کی تائید کر رہے ہیں۔ پھر حضرت حفصہ ؓ سے حضورؐ کا یہ عمل نقل کر رہے ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصوم من کل شھر یوم الخمیس ویوم الاثنین ومن الجمعۃ الثانیۃ یوم الاثنین۔ نسائی ج ۱ ص ۲۳۵

ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۹

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ جمعرات اور دوشنبہ کا روزہ رکھتے اور دوسرے ہفتے میں دوشنبہ کا۔

امام مسلم نے ابوقتادہ ؓ سے روایت کیا ہے کہ حضورؐ سے دوشنبہ کے روزے کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا۔

فیہ ولدت وفیہ انزل علی القرآن۔

مسلم ج ۱ ص ۳۶۸ ، ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۶

اسی دن میں پیدا ہوا ہوں اور اسی دن مجھ پر قرآن نازل کیا گیا ہے۔

امام نسائی نے زید بن الحباب کی روایت پیش کر کے ثابت کی روایت میں ایک اور عیب کی جانب بھی اشارہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلی دو روایتوں میں ثابت نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ میں نے یہ حدیث ابوسعید مقبری ؓ سے سنی اور ابوسعید نے اسامہ ؓ سے۔ حالانکہ ابوسعید المقبری ؓ کو اسامہ ؓ سے سماع حاصل نہیں وہ تو ابوہریرہ کے شاگرد ہیں۔ اس طرح پہلی دونوں روایتوں میں درمیان سے ایک راوی خذف ہوا۔

Marfat.com

اگر ثابت کی پہلی روایت کو تسلیم کر لیا جائے تو لازم آئے گا کہ پورے شعبان کے روزے رکھے جائیں اور ایک روزہ بھی ترک نہ کیا جائے۔ کیونکہ حضورؐ نے یہ فرمایا کہ اس ماہ میں اعمال اُٹھائے جاتے ہیں اور کسی دن کی تخصیص نہیں فرمائی اور جب دن کی تعیین نہیں کی گئی تو اس سے پندرہ شعبان کا روزہ قطعاً ثابت نہ ہوگا بلکہ یہ ثابت ہوگا کہ شعبان کا ایک روزہ بھی ترک نہ کیا جائے اور جب حضورؐ نے اپنی خواہش کا اظہار فرمایا تو اس پر عمل بھی ضرور کیا ہوگا۔ حالانکہ حضرت عائشہؓ کی مرویات میں یہ گذر چکا ہے کہ آپؐ نے پورے شعبان کے روزے کبھی نہیں رکھے۔ امام نسائیؒ ۳۰۳ھ نے ایک اعلیٰ سند کے ساتھ حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں۔

لا اعلم نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرا القرآن کلہ فی لیلۃ ولا قام لیلۃ حتی الصبح ولا صام شھرا قط کاملا غیر رمضان۔

نسائی ج۔۱ ص ۲۳۳ ، مسلم ج۔۱ ص ۲۵۶

میں نہیں جانتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات میں تمام قرآن ختم کیا ہو یا پوری رات صبح تک نماز پڑھی ہو۔ یا رمضان کے علاوہ کسی پورے ماہ کے روزے رکھے ہوں۔

اس مضمون کی پہلے بھی متعدد احادیث گذر چکی ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی اس حدیث سے تین اہم امور ثابت ہوتے ہیں۔

۱۔ آپؐ نے پورا قرآن ایک رات میں کبھی ختم نہیں فرمایا۔ گویا ایک رات میں قرآن ختم کرنا بھی خلافِ سنت ہے۔

۲۔ آپ نے پوری رات کبھی شب بیداری نہیں فرمائی۔ بلکہ پوری رات کی شب بیداری کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ لہٰذا جن روایات میں یہ ذکر

Marfat.com

ہو کہ حضورؐ صبح تک نماز میں مشغول رہے یا سجدہ میں مصروف رہے یا اس قسم کی نمازوں کا ذکر ہو جو پوری رات سے قبل پوری نہ ہوتی ہوں وہ سب روایات مردود ہیں۔

۳۔ جن روایات میں رمضان کے علاوہ پورے ماہ کے روزوں کا ذکر ہو وہ بھی سب غلط ہیں۔ ہاں حضورؐ اکثر شعبان کے روزے رکھتے جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

حضرت عمرانؓ بن حصین کی روایت ۵۲

عن عمران بن حصین ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لرجل ھل صمت من سرر ھذا الشھر شیئا یعنی شعبان قال لا قال فقال لہ اذا افطرت رمضان فصم یومین

بخاری ج ۱ ص ۲۶۶، مسلم ج ۱ ص ۳۶۸ ابوداؤد ج ۱ ص ۳۲۵

عمرانؓ بن حصین فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کیا تو نے اس ماہ یعنی شعبان کے "سرر" کے روزے رکھے؟ اس نے عرض کیا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا جب تو رمضان کے روزے رکھ لے تو دو دن روزے رکھ لینا۔

(اور ایک روایت میں ایک یا دو دن)

"سرر" شعبان سے کیا مراد ہے۔ علامہ عینی ۸۵۵ھ شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔

قال الجمھور المراد بہ اخر الشھر وتبویب علیہ البخاری وقیل اوسطہ وقیل ھو

Marfat.com

اول۔ والحدیث مقید بشهر شعبان
والمصنف اطلق فی الترجمة اشارة الی ان
ذلک لا یختص بشعبان بل یؤخذ من
الحدیث الندب الی صیام اواخر کل شهر
فان قلت هذا یعارض النهی بتقدم رمضان
بصوم یوم او یومین قلت اجابوا بان هذا
الرجل کان یعتاد الصوم اخر الشهر فترکه
لخوفه من الدخول فی النهی فبین له رسول
الله صلی الله علیه وسلم ان الصوم المعتاد
لا یدخل فی النهی وانما النهی عن غیر المعتاد۔

حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۲۶۸

جمہور کا قول ہے کہ "سرر" سے مراد آخر مہینہ ہے اور بخاری نے اس پر آخر ماہ کے روزوں کا باب باندھا ہے۔ ایک ضعیف قول یہ ہے کہ درمیان ماہ مراد ہے۔ اور ایک ضعیف قول یہ ہے کہ اول مہینہ مراد ہے۔ حدیث میں اگرچہ ماہ شعبان کا ذکر ہے۔ لیکن مصنف یعنی بخاری نے آخر ماہ کی سرخی قائم کر کے اس بات کی جانب اشارہ کیا کہ یہ شعبان کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ ہر ماہ کے آخر دنوں میں روزہ رکھنا مستحب ہے اگر یہ اعتراض کرے کہ یہ حدیث اس حدیث کے خلاف ہے جس میں رمضان سے ایک دو روز قبل روزے رکھنے کی ممانعت ہے۔ تو میرا جواب یہ ہے کہ یہ شخص جس سے حضورؐ نے سوال فرمایا آخر ماہ میں روزے رکھتا ہوگا اور اس نے اسی ڈر سے روزے چھوڑ دیتے ہوں گے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بیان

Marfat.com

فرمائی کہ عادتاً آخر ماہ میں روزے رکھنا اس ممانعت میں داخل نہیں۔ یہ ممانعت اس شخص کے لیے ہے جو عادی نہ ہو۔

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں رقم طراز ہیں۔

قال الاوزاعی وابوعبید وجمہور العلماء من اھل اللغۃ والحدیث والغریب المراد بالسرر اخر الشھر سمیت بذلک لاستتسرار القمر فیھا وروی ابوداؤد عن الاوزاعی سررہ اولہ وقال البیھقی الصحیح عن الاوزاعی اخرہ قال الھروی والذی یعرفہ الناس ان سررہ اخرہ۔ مسلم ج ۱ ص ۳۶۸

اوزاعی ۱۵۷ھ، ابو عبید اور تمام علماء لغت و حدیث اور تمام غریب الفاظ کے ماہرین کہتے ہیں کہ "سرر" سے مراد آخر ماہ ہے اور آخر دنوں کو سرر اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان راتوں میں چاند چھپ جاتا ہے۔ ابو داؤد ۲۷۵ھ نے اوزاعی سے روایت کیا ہے کہ "سرر" سے مراد اول ماہ ہے لیکن خطابی نے انھی اوزاعی ۱۵۷ھ سے روایت کیا ہے کہ "سرر" سے آخر ماہ مراد ہے۔ بیہقی ۴۵۸ھ کہتے ہیں۔ صحیح چیز یہی ہے کہ اوزاعی کے نزدیک آخر ماہ مراد ہے۔ ہروی کا قول ہے کہ لوگوں میں "سرر" کے معروف معنی آخر ماہ ہیں۔

الغرض سرر سے مراد آخر شعبان ہے۔ لیکن چونکہ آخر شعبان میں روزوں کی ممانعت فرمائی ہے اس لیے بعض علماء کو شبہ پیدا ہوا۔ لیکن جہاں آخر شعبان کے روزوں کی ممانعت کی گئی ہے۔ اس روایت میں اس شخص کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ جو ہمیشہ آخر ماہ میں روزے رکھتا ہو۔ یا کسی خاص دن کا روزہ رکھتا ہو

Marfat.com

اور وہ آخر شعبان میں واقع ہو جائے۔ مثلاً دوشنبہ یا جمعرات اس کے لیے آخر ماہ شعبان میں روزے رکھنا جائز ہے۔ کیونکہ ابن عباسؓ کی حدیث کے الفاظ ہیں۔

لا تتقدموا الشهر بصوم يوم ولا يومين
الا ان يوافق ذلک يوما كان يصومه احدكم
نسائی ج۔۱ ص ۲۱۹

رمضان سے ایک دو دن قبل روزے نہ رکھو۔ لیکن اگر کوئی مخصوص دنوں میں روزے رکھتا ہو اور آخر شعبان ان ایام میں واقع ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

اور ابو ہریرہؓ کی روایت کے الفاظ ہیں۔

لا يتقدمن احدكم الشهر بيوم ولا يومين
الا احد كان يصوم صياما فليصمه
نسائی ج۔۱ ص ۲۱۹، ابوداؤد ج۔۱ ص ۳۲۶، بخاری ج۔۱ ص ۲۵۶

کوئی شخص رمضان سے ایک یا دو دن قبل روزے نہ رکھے۔ مگر جو شخص پہلے سے روزے رکھتا ہو وہ رکھ سکتا ہے۔

اگر "سرر" سے مراد اول یا درمیان ماہ لیا جائے تو خود اس حدیث سے یہ خیال باطل ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں صورتوں میں رمضان تک کافی دن باقی رہتے ہیں اور حضورؐ یہ فرما سکتے تھے کہ اچھا اب روزے رکھ لو۔ لیکن اس کے بجائے یہ فرمایا۔

اذا افطرت رمضان فصم يوما او يومين
جب رمضان کے روزے رکھ لو تو ایک یا دو دن کا روزہ رکھ لینا۔

ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ "سرر" سے آخری شعبان مراد ہے اور چونکہ

اب رمضان شروع ہوچکا ہے اس لیے وہ نفلی روزے اب رمضان کے بعد رکھے جائیں۔ اسی لیے بخاری نے اس پر آخر ماہ کے روزوں کی سرخی "قائم" کی ہے۔

ثانیاً یہ حکم عام نہیں دیا گیا بلکہ آپ نے ایک خاص شخص کو مخاطب کرکے یہ بات فرمائی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکم مخصوص ہے اور اس کی تخصیص کی وجہ یہی ہوگی کہ حضور کو اس شخص کے بارے میں علم ہوگا کہ وہ آخر ماہ کے روزے رکھتا ہے۔ ورنہ حضور یہ خطاب عام فرماتے۔ لیکن آپ نے یہ حکم تمام افراد کو نہیں دیا۔ بلکہ صرف ایک شخص کو مخاطب کرکے یہ حکم دیا گیا جو اس کی تخصیص پر دلالت کرتا ہے۔ بعض غیر مقلدین حضرات نے جو اس سے چودہ پندرہ شعبان کے روزے پر استدلال کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ایک تو یہ حکم مخصوص ہے۔ دوسرے سر کے معنی آخر ماہ ہیں نہ کہ وسط ماہ۔ یہ ایک زبردستی کا استدلال ہے۔ حتیٰ کہ بخاری نے بھی آخر ماہ کا باب باندھ کر اس کی تردید کر دی ہے لیکن غیر مقلدین بخاری کا نام صرف ابوحنیفہ کے رد کے لئے لیتے ہیں۔ ورنہ بہت سے مسائل ہیں وہ خود بخاری پر عامل نہیں۔

ایک غور طلب امر یہ ہے کہ اس روایت کا تمام دارو مدار مطرف پر ہے اور مطرف سے روایت کرنے والے آپس میں اختلاف کر رہے ہیں کیونکہ غیلان بن جریر نے مطرف سے صرف اتنے الفاظ نقل کئے ہیں کیا تو نے اس آخر ماہ کے روزے رکھے" اور اس میں لفظ شعبان کا کوئی ذکر نہیں۔ جس سے ہر ماہ کا آخر مراد ہو سکتا ہے۔ مسلم نے ابوالعلاء سے بھی یہی الفاظ نقل کئے ہیں۔ لیکن ثابت البنانی نے آخر شعبان کے الفاظ روایت کئے ہیں۔ جب کہ شعبہ یہ الفاظ روایت کر رہے ہیں" کہ کیا تو نے اس ماہ کے آخر کے روزے رکھے یعنی شعبان کے" یہ لفظ یعنی شعبان کس کا

قول ہے۔ عمرانؓ بن حصین کا یا خود شعبہ کا۔

اس لحاظ سے اس میں تین اختلاف ہیں۔

۱۔ غیلان بن جریر اور ابو العلاء نے شعبان کا لفظ ذکر نہیں کیا۔ اور اسی لیے بخاری نے ایک عام سرخی قائم کی ہے۔

۲۔ ثابت نے شعبان کا ذکر کیا۔ اور بخاری نے ثابت کی روایت کو زیادہ صحیح قرار دیا۔

۳۔ شعبہ نے حدیث میں تو لفظ شعبان کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن اپنی جانب سے شعبان کا لفظ بڑھایا۔

ایسی صورت میں اسے شعبان کے ساتھ مخصوص سمجھنا کیسے درست ہو گا؟

دوسرا اختلاف اس میں یہ بھی ہو رہا ہے کہ ثابت کا بیان ہے کہ حضور نے یہ بات عمرانؓ سے فرمائی تھی۔ جب کہ غیلان بن جریر، ابو العلاء اور شعبہ کا بیان یہ ہے کہ عمرانؓ نے فرمایا کہ آپ نے یہ بات مجھ سے کہی یا کسی اور سے کہی۔ لیکن ہماری عقل میں ہرگز یہ بات نہیں آتی کہ اگر یہ حکم عمرانؓ بن حصین کو دیا گیا تھا تو وہ کیسے بھول گئے اور پھر اس حکم کی کوئی وجہ تو ہو گی۔ اور عمرانؓ نے کسی روایت میں اس وجہ کا ذکر نہیں کیا۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ بات کسی اور شخص سے کہی گئی تھی۔ اسی وجہ سے عمرانؓ اس وجہ کو بیان نہ کر سکے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ثابت نے اس روایت کو نقل کرنے میں غلطی کی ہے اور دیگر رواۃ جو دوسرے شخص کا ذکر کر رہے ہیں۔ وہ درست ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث سے کسی بات کی وضاحت نہیں ہو رہی ہے۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ یہ حدیث خبر واحد ہے اور حضرت عمرانؓ کے علاوہ اسے کوئی دوسرا صحابی روایت نہیں کرتا اور عمرانؓ سے مطرف کے

Marfat.com

علاوہ کوئی روایت نہیں کرتا۔ اور مطرف سے روایت کرنے والوں میں اختلاف ہے اور یہ تمام روات اس پر متفق ہیں کہ یہ آخر ماہ کا تذکرہ ہے۔ نہ کہ درمیان ماہ کا۔ اس لحاظ سے اسے شب برارت کے روزوں کے ثبوت میں پیش کرنا ایک بدترین دھوکہ ہے۔

کردوس کی روایت

عیسیٰ بن ابراھیم بن طھمان الھاشمی عن سلمۃ بن سلیمان الجزری عن مروان بن سالم عن ابن کردوس عن ابیہ قال قال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احیا لیلتی العید ولیلۃ النصف من شعبان لم یمت قلبہ یوم تموت القلوب میزان ج ۳ ص ۳۰۸

عیسیٰ بن ابراہیم بن طہمان الہاشمی سلمۃ بن سلیمان الجزری سے روایت کرتا ہے وہ مروان بن سالم سے وہ کردوس کے بیٹے سے وہ اپنے باپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جس نے عید اور نصف شعبان کی شب میں شب بیداری کی اس کا دل اس روز مردہ نہ ہوگا جس روز تمام دل مردہ ہو جائیں گے۔

یہ جناب کردوس کون ہیں۔ یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ صحابہ میں اس نام کا کوئی فرد نہیں ہے۔ اسماء الرجال میں صرف دو کردوس نامی اشخاص کا ذکر ملتا ہے۔

۱۔ کردوس الثعلبی۔ حافظ ابن حجر اُن کے بارے میں فرماتے ہیں۔

Marfat.com

هو مقبول من الثالثة تقریب ص ۲۸۵

یہ مقبول ہے تیسرے طبقہ سے متعلق ہے۔

یہ کون صاحب ہیں۔ ان کے والدِ محترم کا کیا نام ہے۔ انہیں کن اساتذہ سے سماع حاصل ہے۔ ان سے کون کون لوگ روایت کرتے ہیں۔ ان تمام امور سے کتب رجال خاموش ہیں اور یہ تیسرے طبقہ کے راوی ہیں۔ اور تیسرے طبقہ سے مراد وہ صغار تابعین ہیں جو کبار تابعین سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے تابعی اور صحابی کا کردوس نے ذکر نہیں کیا اور درمیان سے کم از کم دو رواۃ ترک ہوتے۔ اس طرح یہ روایت منقطع ہوئی۔ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں۔

هذا حدیث منکر مرسل میزان ج ۳ ص ۳۰۸

یہ حدیث منکر و مرسل ہے۔

اور چونکہ کردوس مستور الحال ہے۔ اس لیے یہ روایت شدید ضعیف ہوئی۔ کیونکہ اس میں دو قسم کی خامیاں پائی گئیں۔ اول روایت منقطع ہونا۔ دوم کردوس کا مستور الحال ہونا۔

۲۔ اگر کردوس سے مراد کردوس بن قیس ہے۔ جو کوفہ کا قاضی تھا۔ جس سے عبدالملک بن میسرہ روایت کرتا ہے تو ذہبی لکھتے ہیں۔

لا یعرف میزان ج ۳ ص ۴۱۱

وہ معروف نہیں

اور امام ذہبی کے نزدیک اس روایت کا راوی بھی یہی کردوس ہے اس لحاظ سے یہ روایت مجہول ہوئی۔ پھر اس کردوس سے اس کا بیٹا روایت کر رہا ہے۔ جس کا نہ نام معلوم ہے نہ اتا پتہ معلوم ہے۔

"تیسرا راوی مروان بن سالم اگر اس سے مراد مروان الغفاری ابو عبداللہ الجزری ہے" تو اس نے ابن کردوس کا زمانہ نہیں پایا۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں

Marfat.com

ان مروان متروک ورماہ الساجی وغیرہ بالوضع "تقریب ص ۲۳۲

مروان متروک ہے اور ساجی وغیرہ نے اس پہ وضع حدیث کا اتہام لگایا ہے۔

امام ذہبی اس کے حال میں لکھتے ہیں۔

قال احمد وغیرہ لیس بثقۃ وقال الدّار قطنی متروک وقال البخاری ومسلم وابو حاتم منکر الحدیث وقال ابو عروبۃ الحرانی یضع الحدیث وقال ابن عدی عامۃ احادیثہ لا یتابعہ الثقات علیہ میزان ج ۴ ص ۹

امام احمد وغیرہ فرماتے ہیں یہ ثقہ نہیں ہے۔ دار قطنی کہتے ہیں متروک ہے۔ بخاری، مسلم اور ابو حاتم کہتے ہیں منکر الحدیث ہے۔ ابو عروبۃ الحرانی کہتے ہیں احادیث وضع کرتا تھا ابن عدی کہتے ہیں اس کی عام روایت ایسی ہوتی ہیں کہ ثقہ روات ان کی متابعت نہیں کرتے۔

چوتھا راوی سلمۃ بن سلیمان الجزری ہے۔ وہ بھی مجہول ہے۔

آخری راوی عیسیٰ بن ابراہیم بن طہمان الہاشمی ہے امام بخاری اور نسائی فرماتے ہیں منکر الحدیث ہے یحییٰ بن معین کہتے ہیں۔ یہ کوئی شے نہیں ہے۔ ابو حاتم اور نسائی کہتے ہیں۔ متروک الحدیث ہے۔ میزان ج ۳ ص ۳۰۸

الغرض اس روایت کا ایک راوی بھی ثقہ نہیں اور ساتھ ساتھ منقطع بھی ہے۔

رہ گیا یہ امر کہ اس روز دا فعتاً دل مردہ ہو جائیں گے یا نہیں۔ تو قرآن و سنت تو اس قلب کی مردنی سے خاموش ہے، ہاں اگر یہ کہا جائے کہ بہت سے

Marfat.com

لوگوں کے پُرامید دِل ٹوٹ جائیں گے تو یہ کچھ بیجا نہ ہوگا۔

اوپر مختلف موضوع و منکر روایات میں عیدین کی راتوں میں شب بیداری کا ذکر گذر چکا ہے۔ اس سلسلہ میں صحاح ستہ میں صرف ایک حدیث ابن ماجہ میں ضرور پائی جاتی ہے اور اسی حدیث کو چوری کر کے اور اسی میں کچھ اضافات کر کے ابن کردوس کی جانب منسوب کر دیا گیا۔ حدیث کے الفاظ مع سند کے حسب ذیل ہیں۔

حدثنا ابواحمد المرار بن حمویۃ ثنا محمد ابن المصطفیٰ ثنا بقیۃ بن الولید عن ثور بن یزید عن خالد بن معدان عن ابی امامۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من قام لیلتی العیدین محتسبا للہ لم یمت قلبہٗ یوم تموت القلوب۔ ابن ماجہ مترجمہ ج۔ ۱ ص ۵۱۲

ہم سے ابو احمد المرار بن حمویہ نے بیان کیا۔ ان سے محمد بن المصطفیٰ نے، ان سے بقیۃ بن الولید نے، وہ ثور بن یزید سے، ثور خالد بن معدان سے، خالد ابو امامہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا جس نے ثواب کی نیت سے عیدین کی راتوں میں قیام کیا۔ اس کا دِل اس روز مُردہ نہ ہوگا۔ جس روز تمام لوگوں کے دِل مُردہ ہو جائیں گے۔

اِس روایت میں شب برات کا کوئی تذکرہ نہیں۔ دوسرا فرق اِس میں یہ ہے کہ شب عیدین میں قیام کا ذکر کیا جا رہا ہے نہ کہ شب بیداری کا۔ اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ شب بیداری تو عام ہے۔ وہ تو ناچ گانوں کے ذریعہ بھی حاصل ہو سکتی ہے، لیکن قیام صرف نماز میں ہوتا ہے۔

Marfat.com

پھر قیام کے لیے تمام شب کی بیداری شرط نہیں۔ بلکہ اگر کچھ دیر بھی نماز پڑھ لی جائے گی تو اسے قیام ہی کہا جائے گا۔

ارشاد الٰہی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝ المزمل - ۱-۲

اے چادر اوڑھنے والے رات کو قیام کر مگر پوری رات نہیں بلکہ آدھی رات یا اس سے بھی کم۔

جب کہ احیاء لیل کے لیے تمام رات کی شب بیداری شرط ہے۔

جہاں تک اس کے رواۃ کا تعلق ہے تو سب سے اول اعتراض محمد بن مصفی پر واقع ہوتا ہے۔ صالح الجزرہ کا بیان ہے کہ اگرچہ مجھے امید تو یہ ہے کہ وہ سچ بولتا ہے لیکن احادیث منکر روایت کرتا ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں سچا ہے۔ لیکن امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔ یہ انتہائی درجہ کا منکر الحدیث ہے۔ میزان ج ۴ ص ۴۳

حافظ ابن حجر تقریب میں فرماتے ہیں۔ یہ سچا ہے لیکن اس میں وہم بھی پایا جاتا ہے اور مدلس بھی ہے ۲۴۶ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ ص ۳۱۹ معلوم ہوا کہ اس کی احادیث وہم اور نکارت سے خالی نہیں ہوتیں۔ اس لحاظ سے اس کی حدیث حجت نہیں ہو سکتی۔

جہاں تک بقیہ صاحب کا تعلق ہے تو امام ابو ہم نے کیا خوب بات فرمائی ہے۔

احادیث بقیة لیست بنقیة فکن منها علی التقیة

بقیہ کی احادیث عمدہ نہیں ہوتیں تو اس سے تقیہ کر (یعنی بچ کر رہ)

Marfat.com

ابو اسحٰق جوزجانی کا قول ہے۔ اللہ بقیہ پہ رحم کرے کہ وہ اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ اپنی خرافات کس سے نقل کر رہا ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں وہ حجت نہیں۔ ابن المبارک کہتے ہیں وہ سچا ہے۔ لیکن ہر شخص سے روایت کرتا ہے۔ متعدد علماء کا قول ہے کہ وہ مدلس ہے اور جب وہ لفظ عن کے ذریعہ حدیث روایت کرے تو اس کی حدیث حجت نہیں۔ حسن اتفاق سے اس حدیث کو بھی وہ لفظ عن سے روایت کر رہا ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں۔ اس نے امام مالک اور امام شعبہ وغیرہ سے صحیح احادیث سنی تھیں۔ پھر کچھ کذابوں سے مالک اور شعبہ کی روایات سنیں۔ اس نے ان کذابوں کا نام حذف کر کے امام مالک اور امام شعبہ کی جانب سب کو منسوب کر دیا۔ امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں میں بقیہ کی روایت کو قابلِ حجت نہیں سمجھتا۔

عبدالحق کہتے ہیں اس کی حدیث حجت نہیں ہے۔

ابوالحسن بن القطان کہتے ہیں۔ وہ ضعیف رواۃ سے تدلیس کرتا اور اسے مباح سمجھتا ہے۔

اگر واقعتاً ایسا ہے، تو اس سے اس کی عدالت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ ۱۹۷ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ گویا کہ بقیہ محمد بن مصفی سے بھی زیادہ گیا گذرا ہے۔

اس کا تیسرا راوی ثور بن یزید ہے۔ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ وہ قدری ہے۔ لیکن حدیث اس کی صحیح ہوتی ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں۔ یہ تقدیر کے مسئلہ میں الجھا رہتا تھا۔ اسی لیے اہل حمص نے اسے شہر بدر کر دیا اور ابو مسہر کا بیان ہے کہ تقدیر پر اعتراضات کے باعث اہل حمص نے اس کے گھر کو آگ لگا دی۔ امام اوزاعی اس ثور اور ابن اسحاق کے بارے میں بہت بُری رائے رکھتے تھے۔ ۲۵۳ھ میں اس کی وفات ہوئی۔

Marfat.com

یہاں ایک مسئلہ اور بھی غور طلب ہے کہ محمد بن مصفی اس حدیث کو بقیہ سے روایت کر رہا ہے، بقیہ ثور بن یزید سے اور ثور بن یزید خالد بن معدان سے۔ جب کہ خالد بن معدان کی وفات ۱۰۳ھ میں ہے اور ثور کی وفات ۲۵۳ھ میں۔ ثور کا خالد سے روایت کرنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک یہ تسلیم نہ کر لیا جائے کہ ثور کی عمر کم از کم ایک سو ستر سال ہوئی۔ حالانکہ کسی محدث نے اس کی زیادتی عمر کی جانب کوئی اشارہ تک نہیں کیا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ثور کی وفات ۲۵۳ھ میں ہے جب کہ اس کا شاگرد ۱۹۷ھ میں عالم فانی کو کوچ کر چکا تھا۔ یعنی شاگرد استاد سے چھپن ۵۶ سال پہلے انتقال کر چکا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ بقیہ استاد ہو اور ثور اس کا شاگرد ہو۔ کیونکہ اس کے بغیر یہ مسئلہ حل نہ ہوگا۔ لیکن اس کے بعد ایک مصیبت یہ آئے گی کہ محمد بن مصفی کی وفات ۲۴۶ھ میں ہے جب کہ اس کا استاذ الاستاذ ۲۵۳ھ میں انتقال کرتا ہے۔ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی یہ ہے اُس روایت کا حال جس پہ عیدین کی شب کی فضیلت کا دار و مدار ہے۔

مرار بن حمویہ کا انتقال ۲۵۴ھ میں، محمد بن مصفی کا انتقال ۲۴۶ھ میں، ثور بن یزید کا انتقال ۲۵۳ھ میں، بقیہ کا انتقال ۱۸۷ھ میں اور خالد بن معدان کا انتقال ۱۰۳ھ میں ہے۔ اس میں تو کوئی اشکال نہیں کہ خالد بن معدان نے حضرت ابو امامہ سے حدیث سُنی ہو۔ اور خالد سب کے نزدیک ثقہ ہیں۔ لیکن ان کا شاگرد ۲۵۳ھ تک زندہ ہے۔ یعنی ثور بن یزید، اور یہ وہ دور ہے جب کہ ابنِ ماجہ خود حیات اور ادھیڑ عمر کے تھے۔ کیونکہ ابنِ ماجہ کا انتقال ۲۷۹ھ میں ہے۔ اس لحاظ سے یہ روایت

Marfat.com

انھیں خود ثور سے سُننی چاہیئے تھی۔ لیکن اس کے برعکس ثور سے ایک ایسا شخص یہ روایت نقل کر رہا ہے جو غالبًا اپنے استاد کی پیدائش سے قبل ہی دنیا سے کوچ کر گیا تھا۔ یعنی بقیۃ بن الولید جس کا انتقال ۱۸۷ھ میں ہے۔

شب برأت یا نفس پرستی

گذشتہ صفحات میں قارئین کرام پڑھ چکے ہیں کہ اس موضوع پر جتنی روایات ہیں، وہ تمام محدثین کے نزدیک موضوع اور منکر ہیں۔ ان میں سے ایک روایت بھی ایسی نہیں جس پر اعتماد کیا جا سکے۔ اسی لئے تمام ماہرین رجال و علل ان روایات کی تردید کرتے رہے ہیں۔ ابتداء میں تو اس قسم کی روایات صرف ایک کہانی کی حیثیت رکھتی تھیں۔ لیکن بعد کے آنے والے صوفیاء نے اس پر مزید حواشی چڑھا کر اسے دین کا ایک اہم جزئیہ بنا دیا۔ اور بعد کے آنے والے اندھے مقلدین نے ان صوفیاء کی کتابوں کو دیکھ کر یہ تصور کر لیا کہ یہ دین کا کوئی اہم رکن ہے۔ جس کا ترک گناہ کبیرہ ہے۔ حالانکہ یہ سب روایات شیعوں کی وضع کردہ تھیں، اور صوفیاء نے اسے عشق مجازی کا ایک ذریعہ بنایا تھا۔ جیسا کہ آئندہ سطور میں ہم اس راز پر سے پردہ اٹھائیں گے۔

یوسف کوکن عمری اپنی "سیرت ابن تیمیہ" میں رقم طراز ہیں۔

شعبان کی پندرھویں شب کو شام و عراق کے باشندے صلوۃ الالفیہ ہزارہ نماز پڑھتے تھے، یہ سو رکعت کی نماز تھی، ہر دو رکعت پر سلام پھیرا جاتا، اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص دس مرتبہ پڑھی جاتی۔ بعض لوگ سو رکعت کے بجائے صرف دس رکعت پڑھتے، اور ہر رکعت میں سو مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھتے۔

غزالی نے احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۸۲ پر تحریر کیا ہے کہ لوگ یہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھا کرتے

Marfat.com

تھے، اور اسے صلوٰۃ الخیر کہتے تھے، پھر حسن بصری سے یہ غلط روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ مجھ سے تیس سے زائد اصحاب رسول نے بیان کیا کہ جو کوئی یہ نماز پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کی طرف ستر مرتبہ نظر ڈالتا ہے، اور ہر نظر میں اس کی ستر حاجات پوری کرتا ہے۔ جن میں سے ایک ادنی حاجت مغفرت الٰہیہ ہے۔

یہ روایتیں عبدالقادر جیلانی کے حوالہ سے پہلی گزر چکیں، اور ان پر تفصیلی بحث بھی ہو چکی۔ ہمیں تعجب تو غزالی پر ہے کہ وہ فقہ شافعیہ کے امام ہیں، لیکن تصوف نے ان کی عقل کو اتنا ماؤف کر دیا ہے کہ ان کو ان نمازوں میں کوئی فقہی نقص بھی نظر نہیں آتا۔ حالانکہ چاروں ائمہ کے مسلک میں جماعت کے ساتھ نوافل ادا کرنا جائز نہیں۔ یہ ان کی فقہ دانی کا عالم ہے اور حدیث تو انہوں نے زندگی میں پڑھی بھی نہیں۔ جھوٹی کہانیوں کا نام انہوں نے حدیث رکھ لیا ہے۔

عمری صاحب آگے لکھتے ہیں۔

ابو طالب مکی، اور غزالی (اور عبدالقادر جیلانی) کے لکھنے سے عام مسلمانوں کو یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے کہ یہ نمازیں مستحب ہیں۔ اس بدعت کو سب سے پہلے ابن ابی الحمراء نے ۴۸۴ھ میں جاری کیا۔ یہ شخص نابلس کا رہنے والا تھا۔ اس نے اولاً یہ نماز تنہا پڑھنی شروع کی۔ پھر دوسرے اس کی اقتدا کرنے لگے۔

ان راتوں میں ہر گھر میں حلوے مانڈے پکائے جاتے، اور مسجدوں میں روشنی کا انتظام ہوتا۔ صحن مسجد اور اطراف میں بازار لگتا۔ ہر قسم کے لچے، بدمعاش جمع ہوتے، خوانچے والے مسجدوں میں صدا لگاتے اور سقے پانی لئے ہر طرف گھومتے، مرد اور بچوں کے ساتھ عورتیں بھی زرق برق لباس پہن کر اور عطر لگا کر ان نمازوں میں شریک ہوتیں، پندرھویں شعبان کو خاص طور سے عورتیں زیادہ آتیں، اور مزاروں پر حاضری دیتیں۔ سیرت ابن تیمیہ ص ۱۳۳

گویا یہ نمازیں آنکھیں سینکنے کا ایک ذریعہ تھیں۔ غالباً اسی لئے اس کا نام صلوٰۃ الخیر رکھا

Marfat.com

گیا تھا۔ اور اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے نام سے جھوٹی کہانیاں وضع کی گئیں۔ اور دین الٰہی کا مذاق اڑایا گیا۔ کوکن عمری صاحب نے تو ایک معمولی سا خاکہ کھینچا ہے۔ اس کی کچھ تفصیل علامہ محمد طاہر پٹنی کے ذریعہ سنئے۔ وہ فرماتے ہیں۔

واعظم منه مایوجد الیوم فی مجالس القصاص من اختلاط الرجال والنساء وتلاصق اجسادهم حتی یرد ان رجلا ضم امرأة من خلفه وعبث بها وآخر التزم المواة وغیرذلك من الفسوق واللغط والسرقة وتجنیس مواضع العبادات واهانة بیوت الله وکله بدعة قبیحة

تذکرة الموضوعات ص۴۶

بدترین جو شے پائی جاتی ہے، وہ مردوں اور عورتوں کا اختلاط اور باہم ایک دوسرے کے جسموں کا ٹکرانا ہے۔ حتیٰ کہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے پیچھے سے ایک عورت کو دبوچ لیا اور اس کے ساتھ کھیلتا رہا، اور دوسرے نے سامنے سے عورت کو اپنے سینے سے چپٹا لیا۔ اسی قسم کے فسق و فجور، لغویات اور چوری وغیرہ اس شب برات کی مجلس میں عام ہیں، عبادت گاہیں نجس ہوتیں اور اللہ کے گھر کی توہین ہوتی ہے۔ اور یہ سب بدعات قبیحہ ہیں۔

گویا صوفیاء اور سنی حضرات نے شیعوں کی عید غدیر کی نقل میں ایک نئی عید غدیر جاری کی تھی۔ اور اسی لئے اس شب کی فضیلت کے ہتھکنڈے کھیلے گئے تھے۔ یہ دین کے نام پر خواہش نفس کی تکمیل کا ایک ذریعہ تھا۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ علامہ مذکور ہندوستان کی حالت کا نقشہ بیان کر رہے ہیں۔ یہ مغلیہ دور تھا، اور اکبر و جہانگیر کا زمانہ تھا۔ کیونکہ علامہ مذکور کو جہانگیر کے دور میں عوام نے صرف چالیس سال کی عمر میں اس لئے شہید کر دیا کہ وہ ان امور کی مخالفت کرتے ہیں۔ گویا آج کل کی اصطلاح میں وہ خالص وہابی تھے۔

علامہ محمد طاہر فرماتے ہیں کہ یہی صورت حال رمضان میں ختم قرآن کے موقعہ پر ہوتی تھی۔

Marfat.com

گویا یہ امور عیاشی اور غنڈہ گردی کا ایک ذریعہ تھے۔جن کی ترویج کا سہرا، ابو طالب مکی، غزالی، اور عبدالقادر جیلانی کے سر بندھتا ہے۔ اگرچہ سنیوں میں بعینہ یہ صورت حال تو باقی نہیں رہی لیکن اس کے نقوش اب بھی باقی ہیں۔ ممکن ہے کہ نیٹی جیٹی (سمندر) پر یہی کام ہوتا ہو۔

سابقہ دور میں اور موجودہ دور میں فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے دور کے علماء ان نمازوں اور قبرستان جانے کے مخالف تھے۔اس میں صرف اوباش قسم کے لوگ یا صوفیاء شریک ہوتے، لیکن موجودہ دور میں علماء نے اسے دین کا ایک جزئیہ بنا دیا۔

یوسف کوکن عمری اور علامہ محمد طاہر پٹنی کی تحریرات سے یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ اس رات کا مقصود کیا تھا۔ اور کس لئے اس رات کے اتنے فضائل وضع کیگئے تھے۔ بہرصورت ہمیں موجودہ دور کے علماء پر افسوس ہے کہ انہیں یہ مناظر دیکھنے کو نہیں ملے اور ان کی دل کی حسرت دل ہی میں رہ گئی۔

کوکن صاحب لکھتے ہیں۔ ہر دور میں علماء نے ان بدعات کو بند کرنے کی کوشش کی۔ مگر عوام کی عقیدت کچھ ایسی تھی کہ وہ بند ہو کر پھر جاری ہوتی رہیں۔ امام ابن تیمیہ نے اپنی تقریروں اور تحریروں سے ان بدعتی نمازوں کو مسلمانوں سے ختم کرایا۔ (غالباً ملک شام اور ملک مصر سے) انہوں نے لکھا۔

اس سے بھی زیادہ سخت اور بری وہ سبوعی (ہفتہ واری) اور حولی (سالانہ) نمازیں ہیں۔ جن کی بنیاد ابو طالب مکی، غزالی اور عبدالقادر جیسے عجمیوں نے ڈالی ہے۔ اور ان کو سنت رسول بتایا ہے۔ جن میں صلوٰۃ الالفیہ ہزارہ نماز بھی ہے جو رجب و شعبان میں ادا کی جاتی ہے۔ اور ساتویں رجب، ۲۷ رجب، شب عاشورہ یا عیدین کی شب میں پڑھی جاتی ہیں۔ یہ تمام نمازیں بدعت ہیں۔ اور ان سے متعلق ساری حدیثیں اور روایتیں جھوٹی ہیں جو کوفی اور عجمی اختراع زیادہ نہیں۔ جو ان نمازوں کو غیر مشروع جان کر بھی پڑھے وہ مشرک و کافر ہے۔ سیرت ابن تیمیہ ص ۱۳۵۔ ۱۳۶

ان صوفیار نے ہر ہر دن کی علیحدہ علیحدہ نمازیں وضع کیں جنہیں اسبوعی یعنی نمازیں کہا جاتا ہے۔ اسی طرح ہر ماہ کی نمازیں جداگانہ وضع کی گئیں اور مخصوص راتوں کے لئے علیحدہ علیحدہ وضع ہوئیں۔ اس طرح نمازوں کی تعداد پانچ کے بجائے سینکڑوں میں تبدیل ہو گئی۔ گویا یہ صوفیار اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے پر راضی نہیں ہے کہ نمازوں کی تعداد پچاس سے کم کر کے پانچ کیوں کی گئی۔

اسی قسم کی ایک نماز صلوٰۃ الاوابین ہے۔ جس پر صوفیار مداومت کرتے ہیں۔ یہ بعد المغرب بیس رکعات ہیں۔ اور ان سب سے زیادہ مشرکانہ وہ نماز ہے جو عبدالقادر کی نیت سے پڑھی جاتی ہے۔ جسے صلوٰۃ الغوثیہ کہتے ہیں۔

شب برأت کے موجد شیعہ تھے، اور یہ لفظ تو صرف دھوکہ دہی کے لئے استعمال کیا گیا تھا، ورنہ دراصل یہ شب تبرا تھی۔ شیعوں نے سنیوں کو دھوکہ دینے کے لئے اس کے فضائل میں روایات وضع کر کے پھیلائیں اور صوفیار نے اپنی عادت کے مطابق ان کی ترویج کا کام انجام دیا۔ ان میں سے بعض صوفیار تو قرآن وسنت سے جاہل محض تھے، اور بعض باطنی طور پر شیعہ تھے لیکن تقیہ کر کے سنی بنے ہوئے تھے۔ اور عملی طور پر یہ دونوں طبقے دین کی بیخ کنی میں مبتلا تھے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور کے سنیوں پر تشیع کا غلبہ ہے۔

شیعوں کی کتاب تحفۃ العوام میں اس شب کی بے پناہ فضیلتیں درج ہیں۔ اس ماہ کو رجب سے زیادہ بابرکت شمار کیا گیا ہے۔ خاص کر تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کو۔ اس کے بارے میں تحفۃ العوام کا مصنف رقم طراز ہے۔

شب یانزدہم (پندرھویں شب) شب بیداری کرے کہ اول سے تا آخر شب حق تعالیٰ کی جانب سے ندا آتی ہے کہ آیا کوئی استغفار کرنے والا ہے کہ میں بخشوں، کوئی ہے کہ روزی طلب کرے کہ میں اس کی روزی کشادہ کروں، اور غسل اس شب میں باعث تخفیف گناہاں ہے۔ ارمغان عجم ص ۱۲۳

Marfat.com

افسوس کہ غزالی اور دیگر صوفیاء نے بھی اس شب غسل مستحب قرار دیا ہے۔

منجملہ اعمال اس شب کے زیارت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ہے کہ پیغمبران و ملائکہ اس شب خدا سے رخصت لے کر آنحضرت (حسین) کی زیارت کو آتے ہیں، پس خوشحال اس کا جو ان بزرگوں سے مصافحہ کرے۔

اس شب کی تقدیس کا اندازہ کیجئے کہ سب پیغمبران و ملائکہ کربلا جاتے ہیں۔ اور حضرت حسین سے مصافحہ کرتے ہیں۔ اگر آپ ان کی قبر کا نقشہ بنا کر زیارت حسین پڑھیں تو گویا آپ نے بھی سب سے مصافحہ کر لیا۔

گویا اس طبقہ کے نزدیک اصل حیثیت حضرت حسین کی ہے اور انبیاء کرام اور ملائکہ ایک ثانوی درجہ رکھتے ہیں۔ اسی لئے انبیاء کرام کو کربلا طلب کیا جاتا ہے۔ اسی لئے حضرت حسین نانا کی زیارت کو نہیں جاتے بلکہ نانا برخوردار نواسے کے سلام کے لئے حاضری دیتے ہیں۔ یہ ہے ان کا ایمان بالرسول۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ حضرت حسین اور ان کے ساتھیوں، بلکہ مخالفین کے مقتولین کو بھی ایک ہی گڑھے میں ڈال کر دفن کیا گیا تھا۔ یہ قبہ مامون الرشید کے زمانہ میں تیار کیا گیا۔ جسے بعد میں خلیفہ متوکل باللہ نے ۲۳۶ھ میں زمین کے برابر کرا دیا۔ اور وہاں کھیتی باڑی شروع کرا دی، جب ۳۲۲ھ میں بنو بویہ رافضی بغداد پر قابض ہوئے۔ تو ان میں سے معز الدولہ نے ۳۳۶ھ میں پورے سو سال بعد اس قبہ کی دوبارہ بنیاد رکھی۔ ایسی صورت میں اسے قبۂ حسین کہنا سراسر فریب ہے۔

پھر اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ انبیاء و ملائکہ زیارت حسین کے لئے آتے ہیں۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ امیر زیاد کے ساتھیوں کی زیارت کے لئے آتے ہوں جنہوں نے امیر المومنین یزید بن معاویہ کی حمایت میں جانیں قربان کیں اور اس طرح امت کے اتحاد کو پارہ پارہ ہونے سے بچا لیا۔

Marfat.com

پھر شیعوں کا یہ دعوی کہ انبیاء کرام حضرت حسین کی زیارت کے لئے آتے ہیں تو گویا وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاء کرام کی ارواح تو عالم بالا میں ہیں۔ جب کہ حضرت حسین بن علی کی روح ابھی کربلا ہی میں بھٹک رہی ہے۔

دراصل اس طبقہ کو نہ تو حضور سے کوئی تعلق ہے اور نہ حضرت حسین سے، یہ بات تو صرف اس لئے کہی گئی تھی تاکہ سنی حب حسین میں مبتلا ہو کر ان کا اگلا عقیدہ بھی تسلیم کر لیں۔ کیونکہ یہ مصنف آگے چل کر اس راز پر سے پردہ اٹھاتا ہے اور لکھتا ہے۔

کہ جملہ برکات متذکرہ اس شب کے صرف اس لئے ہیں کہ جناب صاحب الامر علیہ السلام کی اس شب ولادت ہے۔ ارمغان عجم ص ۱۲۴

قارئین کرام غور فرمائیں کہ اس شب کی تمام فضیلت صرف اس لئے ہے کہ رافضیوں کے بارھویں امام جو آج تک غائب ہیں اور انشاء اللہ تاقیامت غائب رہیں گے۔ اس رات ان کی ولادت ہوئی تھی۔ یعنی ان کی ماں سوسن جو دو سال تک پیٹ پھلا کر حکومت اور اہل خاندان کو دھوکہ میں مبتلا کئے رہی۔ اس کا راز فاش ہو گیا اور یہ زبردستی کا پھولا ہوا پیٹ خود بخود پچک گیا اور اس سے ایک چوہے کا بچہ بھی نمودار نہ ہوا۔ اور قاضی وقت نے حسن عسکری کو اولاد قرار دیدیا۔ اس کی میراث اس کے چچا کو دیدی۔ جس کے نتیجے میں ایک بچہ کو پکڑ کر اسے حسن عسکری کی اولاد قرار دیا گیا اور جب یہ خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں پکڑ دھکڑ نہ شروع ہو جائے تو اسے غائب کر دیا گیا۔

اس غائب شدہ بچے کو مختلف ناموں سے نوازا گیا ہے۔ اسے امام غائب، امام زماں امام مہدی، امام حاضر اور صاحب الامر کہا جاتا ہے۔ یہ امام آج تک رافضیوں کی نگاہوں سے غائب ہیں۔ اگرچہ بقول ان کے ہر جگہ حاضر ناظر ہیں۔ اسی لئے انہیں امام غائب اور امام حاضر دونوں کہتے ہیں۔ یہیں سے سنیوں نے مہدی کا عقیدہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ حاصل کیا۔

Marfat.com

شیعہ ان امام مہدی کو ایک ہزار سال سے طلب کر رہے ہیں۔ لیکن وہ وراثت سے محرومی کے سبب اتنے ناراض ہیں کہ وہ نکلنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ اور نہ انہیں اپنے معتقدین پر اعتماد ہے۔ کیونکہ یہ معتقدین ان کے جدامجد حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ کو دھوکہ دے چکے ہیں۔ اب وہ سہ بار یہ تلخ تجربہ کرنا نہیں چاہتے۔ اسی لئے اب اس طبقہ نے مجبور ہو کر اپنا ایک نمائندہ اور نائب تجویز کیا ہے۔ جو ایران کے سنیوں کو گولی مار رہا ہے۔ اور اس نے سنیوں کو غیر مسلم قرار دیا ہے۔

شیعوں کی دیکھا دیکھی سنیوں نے بھی ایک امام غائب وضع کر لئے ہیں۔ جو خضر کے نام سے جاہل صوفیاء کو راستے بتلاتے اور انہیں جنگلوں میں کھانے پہنچاتے ہیں۔ یہ حضرت دور صحابہ سے آج تک کسی عالم کو نظر نہیں آئے۔

رافضیوں کا عقیدہ ہے کہ امام غائب اس وقت ظہور پذیر ہوں گے، جب تین سو تیرہ پکے مؤمن پیدا ہو جائیں گے۔ (تاکہ جنگ بدرؓ کی یاد تازہ ہو) اور چونکہ آج تک وہ باہر تشریف نہیں لائے یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ابھی تک تین سو تیرہ پکے مؤمن پیدا ہی نہیں ہوئے۔ گویا پاکستان، ہندوستان اور عراق و ایران وغیرہ میں آج جتنے شیعہ پائے جاتے ہیں اور تاریخ میں جتنے گزر چکے یہ سب پکے منافق ہیں۔ ورنہ آج تک امام صاحب ضرور باہر آچکے ہوتے۔ لہٰذا ہماری شیعوں سے درخواست ہے کہ پہلے وہ اپنی جماعت کو منافقین سے پاک کریں۔ ورنہ امام صاحب، ہرگز نکلنے کے لئے تیار نہ ہوں گے اور سنیوں کو شیعہ یا نیم شیعہ بنانے سے رہی سہی امید بھی ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ اس طرح منافقین کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

پھر ان فرضی امام صاحب کو یہ خطرہ بھی لاحق ہے کہ بچپن میں تو ان پر مصحف فاطمہ جو ایک اونٹ پر لد کر جایا کرتا تھا، اور تمام ائمہ کے صحیفے لاد دیئے گئے تھے۔ اب موجودہ دور میں شیعوں کی کروڑہا کتابوں کو لادنا کیسے ممکن ہوگا۔ تو پہلے اس کا حل تلاش کیا جائے۔

Marfat.com

اس کی ایک امکانی شکل یہ ہے۔ کہ ان کے نائب کے سر پر یہ سب کتابیں لاد دی جائیں۔ کیونکہ ایک ہزار سالہ بوڑھا ان کتابوں کو قطعاً نہ اٹھا سکے گا۔

یہ تفصیلی بحث صرف اس لئے کی گئی تھی۔ تاکہ قارئین کو یہ معلوم ہو جائے کہ صاحب اولوالامر کون حضرت ہیں۔ جن کی پیدائش کی خوشی میں شب تبرا وضع کی گئی اور اسے سنیوں میں پھیلایا گیا۔

جناب محمود الحسن صاحب خسرو جولا کلاس حیدرآباد دکن کے اعزازی لیکچرار، اور مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے استاد رہے، اور مدراس یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہے۔ اپنی کتاب "قرآن مجید کا نزول اور وحی" میں لکھتے ہیں۔

شب برات میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ مختصر یہ کہ قرآن مجید کے نزول کو یا شعبان خاص کر شعبان کی پندرھویں شب یعنی شب برات سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے اور نہ اس مہینے اور اس کی رات میں قسمتوں اور تقدیروں کے فیصلے ہوتے ہیں۔ یہ سب کچھ شب قدر کی خصوصیتیں ہیں جو رمضان کی ایک خاص رات ہے۔ جیسا کہ اوپر ثابت ہو چکا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شعبان کی پندرھویں رات یعنی شب برات نہ کوئی فضیلت و عظمت کی رات ہے اور نہ یہ کسی عبادت و دعا کی شب ہے۔ واعظین اس رات کی تقریبات کے بارے میں جو حدیثیں بیان کرتے ہیں۔ ناقدین احادیث نے ان سب کو بدلائل رد کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ روایتیں حدیث کی صحیح اور مستند کتابوں میں جگہ نہ پا سکیں۔ (قرآن مجید کا نزول اور وحی ص ۱۳)

خسرو صاحب نے آگے چل کر امام ابن القیم اور ملا علی قاری کے اقوال پیش کئے ہیں جو ہم پہلے ہی ہدیۂ ناظرین کر چکے ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔

مختصر یہ کہ شب براءت کسی حیثیت و لحاظ سے کوئی مقدس رات نہیں۔ نہ اس رات میں قرآن نازل ہوا ہے۔ نہ اس رات اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر تشریف فرما ہو کر قبیلۂ کلب

Marfat.com

کی بھیڑوں کے بالوں انتے انسانوں کے گناہ معاف فرماتے ہیں۔ نہ اس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بقیع کے قبرستان تشریف لے جانا ثابت ہے۔ نہ اس رات جاگنا اور خاص نمازیں اور وظیفے پڑھنا ہے، اور نہ پندرھویں کے دن روزہ رکھنا ہے۔ کم درجہ کی کتابوں میں جو روایتیں بیان ہوئی ہیں۔ ان میں بعض موضوع (من گھڑت) اور بعض غیر صحیح ہیں۔ اسی لئے نقاد ائمہ حدیث نے انہیں مسترد کر دیا ہے۔ امام ابن العربی مالکی المتوفی ۵۴۳ھ نے اپنی تفسیر احکام القرآن ج ۲ ص ۲۱۴ میں پندرھویں شب کی رات کی تمام حدیثوں کو غیر معتبر ٹھہرایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

لیس فی لیلۃ النصف من شعبان حدیث یعول علیہ لا فی فضلھا ولا فی نسخ الاجال فیھا فلا تلتفتوا الیھا۔

نصف شعبان کی شب کی فضیلت میں کوئی ایسی حدیث موجود نہیں، جس پر اعتماد کیا جا سکے، نہ اس رات کی فضیلت میں اور نہ مردوں کے نام لکھے جانے کی بارے میں۔ ان روایات کی جانب قطعاً توجہ نہ دو۔

قرآن مجید کا نزول اور وحی ص ۱۴

حاصل کلام یہ کہ اس موضوع پر جتنی روایات ہیں وہ سب منکر و باطل ہیں۔ اصول حدیث اور علم الجرح والتعدیل کے قوانین کے تحت ایک روایت بھی درجۂ صحت پر پوری نہیں اترتی۔ اس رات یا دن میں کوئی عبادت انجام دینا یہ سراسر خلاف سنت اور بدعت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع۔

انسان کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات بیان کرے۔

حضور کے اس فرمان کی رو سے ان روایات کا بیان کرنا بھی جائز نہیں۔ کجا کہ انہیں دلیل بنا کر ان پر دین کی بنیاد قائم کرنا۔ اس قسم کی بلا تحقیق روایات پیش کرنے والے فن حدیث سے قطعاً جاہل ہیں۔ اعاذنا اللہ من ذلک۔

Marfat.com

آتش بازی یا آتش پرستی

نماز، اور روزہ تو بالذات ایک عبادت ہے، بشرطیکہ اسے شریعت کے مطابق اور اس کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے سرانجام دیا جائے۔ اگرچہ اس مخصوص شب، اور مخصوص دن میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ لیکن یہ آتش بازی اور چراغاں کس قسم کی عبادت ہے ؟ شریعت اسلامیہ نے کس وقت اور کون سے موقعہ پر اس آتش بازی اور چراغاں کا حکم دیا ہے ؟ بلکہ جب نمازوں کے لئے اذان کی ابتدا نہ ہوئی تھی، اس وقت کچھ صحابہ نے یہ مشورہ دیا تھا کہ نماز کے وقت آگ روشن کر دی جائے۔ تاکہ لوگ اسے دیکھ کر نماز کے لئے جمع ہو جائیں، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشورہ کو صرف اس لئے رد فرما دیا کہ یہ مجوسیوں کا شیوہ تھا۔ تاکہ ان سے کسی قسم کی مشابہت پیدا نہ ہو۔

مجوسی مذہب میں دو خداؤں کا وجود ہے۔ ایک کو خدائے یزداں اور ایک کو خدائے اہرمن کہتے ہیں۔ ان دونوں میں سے ہر ایک کو خدا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جو لوگ اللہ کی جگہ لفظ خدا استعمال کرتے ہیں وہ سخت غلطی میں مبتلا ہیں اور نہ لفظ خدا سے لفظ اللہ کا ترجمہ ادا ہوتا ہے۔ مذہب مجوسیت میں یزداں سے مراد نور اور اہرمن سے مراد ظلمت ہے۔ ان کے نزدیک ہر کار خیر کا خالق نور، اور ہر شر کا خالق ظلمت ہے اور آگ نور یعنی خدائے یزداں کا مظہر ہے۔

تاریخ اس پر شاہد ہے کہ ایران کے ایک ایک شہر میں آتش کدے بنے ہوئے تھے۔ خود ہمارے مولوی یہ داستاں بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے آتش کدۂ ایران بجھ گیا۔ دراصل یہ آپ کی والدہ آمنہ نے خواب میں دیکھا تھا اور اس کی تعبیر عمرؓ و عثمانؓ اور بنو امیہ کے زمانہ میں ظہور پذیر ہوئی۔ موجودہ ایران کے آتش کدے عمرؓ و عثمانؓ کے زمانہ

Marfat.com

میں ٹھنڈے کئے گئے، اور سمرقند و بخارا کے آتش کدے بنو امیہ کے دور میں سرد ہوئے۔ یہی وجہ ہے جو آج تک بنو امیہ کو گالیوں سے نوازا جاتا ہے۔

مجوسیوں کے مذہب میں ہر خوشی کے موقعہ پر آگ کا مظاہرہ ہوتا۔ اسی کی یادگار کے طور پر آج تک ایران میں نوروز منایا جاتا اور چراغاں کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ ہندوؤں میں جو دیوالی منائی جاتی ہے، وہ اسی آتش پرستی کی یادگار ہے۔

بنو عباس نے جب بنو امیہ سے اقتدار چھینا اور خلافت پر قبضہ کیا۔ تو انہوں نے عربوں کے مقابلے کے لئے عجمیوں اور ایرانیوں کا تعاون حاصل کیا اور اس طرح خود اپنے بھائیوں کے گلے پر چھری پھیری، جس کے نتیجہ میں عربوں کی قوت پاش پاش ہو گئی اور ایرانی اپنے اس منصوبے میں کامیاب ہو گئے کہ عربوں کو لڑا کر ان کی طاقت ختم کر دی جائے۔ یہ منصوبہ حضرت عمرؓ کے زمانہ سے جاری تھا۔ اسی لئے حضرت عمرؓ شہید کئے گئے، اور اسی لئے حضرت عثمانؓ کے خلاف محاذ آرائی کی گئی۔ جنگ جمل اور جنگ صفین اسی سیاست کا نتیجہ تھی۔ لیکن جب حضرت امیر معاویہؓ نے اس سیاست کو ناکام بنا دیا۔ تو وقتی طور پر یہ سازش دب گئی، لیکن بنو امیہ کے دور میں اولاً اولاد علیؓ کے نام سے اور آخر میں اولاد عباسؓ کو آلۂ کار بنا کر بنو امیہ کا خاتمہ کر دیا گیا اور اس طرح عباسیوں کے بھیس میں ایرانی خلافت پر قابض ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ عباسی دور میں تمام کلیدی عہدے ایرانیوں اور مجوسیوں کے پاس رہے۔ حتیٰ کہ بنو عباسؓ اور بنو علیؓ کے حرم میں ایرانی اور مجوسی عورتیں رہیں۔ ان مجوسیوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر جہاں عربوں کی قوت ختم کی، وہاں اسلام کی صورت تبدیل کرنے کے لئے ہزارہا قسم کی داستانیں وضع کیں، یونان اور ہندومت کا فلسفہ پھیلایا اور عقلیات کے نام سے اسلام کے خلاف مباحثہ اور جدال کا بازار گرم کیا اور اس طرح اسلام میں ہزارہا وہ امور داخل کئے جن کا اسلام سے دور کا کوئی واسطہ نہ تھا۔

ان مجوسی عہدہ داروں میں سب سے مشہور طبقہ برامکہ کا ہے۔ لفظ برامکہ برمک کی جمع ہے جو ان برامکہ کا جد اعلیٰ ہے۔ یہ بخارا کے آتش کدے کا مجاور تھا۔ جب بنو امیہ نے یہ آتش کدہ

بجھا دیا تو یہ برمک اور اس کی اولاد اسلام کا لبادہ اوڑھ کر بنو امیہ کے مدمقابل آگئی اور اس طرح عباسی حکومت میں انہیں عہدے حاصل ہو گئے۔ یہ عہدے مل جانے کے بعد انہوں نے مساجد میں چراغاں کی بدعت جاری کی۔ جسے جاہل عوام دینداری تصور کرتے رہے اور اصلاً مقصود یہ تھا کہ نماز کے بہانے سے آگ کی پوجا کی جائے۔ علامہ محمد طاہر پٹنی اپنی تذکرۃ الموضوعات میں لکھتے ہیں۔

قال علی بن ابراھیم واول حدوث الوقود من البرامکۃ وکانوا عبدۃ النار فلما اسلموا ادخلوا فی الاسلام مایموھون بہ انہ من سنن الدین ومقصودھم عبادۃ النیران ولم یات فی الشرع زیادۃ الوقود علی الحاجۃ فی موضع۔

تذکرۃ الموضوعات ص۴۶

علی بن ابراہیم کہتے ہیں کہ چراغاں کی بدعت سب سے پہلے برامکہ نے جاری کی، کیونکہ وہ اصل میں آگ کے پجاری تھے، جب وہ اسلام لائے تو انہوں نے اسلام میں وہ چیز داخل کر دی جس کی پوجا پر وہ فخر کیا کرتے تھے اور اسے اپنے دین کی ایک سنت قرار دیتے تھے، حالانکہ ان کا مقصود آگ کی پوجا تھی اور شریعت اسلامیہ میں کسی موقعہ پر بھی ضرورت سے زیادہ روشنی کی اجازت نہیں۔

شیخ ابراھیم حلبی حنفی اپنی کتاب "غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی" میں رقم طراز ہیں۔

قیل اول حدوث الوقود من البرامکۃ وکانوا عبدۃ النار فلما اسلموا ادخلوا فی الاسلام ما یموھون انہ من سنن الدین ومقصودھم عبادۃ النیران حیث رکعوا وسجدوا مع المسلمین ولم یات فی الشرع استحباب زیادۃ الوقید لا الحاجۃ فی موضع۔

کہا جاتا ہے کہ چراغاں کی بدعت سب سے اول برامکہ نے جاری کی، وہ آگ کے پجاری تھے، انہوں نے اسلام لانے کے بعد اسلام میں وہ شے داخل کر دی جس پر وہ فخر کرتے، اور اپنے دین کی ایک سنت تصور کرتے تھے اور ان کا مقصود رکوع و سجود کے وقت آگ کی پوجا تھی۔ جب وہ مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور شریعت

Marfat.com

تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی ج ۲ ص ۵۳ میں کسی موقع پر ضروری سے زیادہ روشنی کا استحباب ثابت نہیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی مرحوم "فتح الملہم شرح صحیح مسلم" امام عینی حنفی کی شرح بخاری کی "عمدۃ القاری" سے ناقل ہیں۔

واما الوقود فی تلك اللیلة فزعم ابن وحیة ان اول ما کان ذلك زمن یحیی بن خالد بن برمك انهم کانوا یوقدون به علی الطعام قال ولما اجتمعت بالملك الکامل وذکرت ذلك له قطع وابرهذه البدعة المجوسیة من سائر اعمال بلاد المصریة فتح الملہم شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۷۲

شب برات میں چراغاں کی ایجاد کا سہرا، بقول امام ابن وحیہ یحیی بن خالد بن برمک کے سر پر ہے۔ یہ برامکہ لوگوں کو کھانے کھلا کر آگ پر فخر کیا کرتے تھے۔ جب ملک الکامل حاکم ہوا تو میں نے اس کے ایجاد کی وجہ اس سے بیان کی، اس نے ملک مصر کے تمام شہروں سے اس مجوسی بدعت کی جڑ کاٹ دی۔

امام ابن وحیہ کی کوششوں سے مصر سے آتش پرستی کی بدعت کا قلع قمع ہو گیا اور امام ابن تیمیہ کی سعی سے ملک شام سے اس کا خاتمہ ہوا اور اللہ کے فضل ہے کہ یہ ممالک شب تبراء کے نام پر آتش پرستی سے پاک ہیں۔ لیکن ہندو پاکستان جہاں ہمیشہ ایرانیوں کا اثر رہا۔ وہاں اس میں برابر اضافہ ہوتا رہا ہے۔ حتیٰ کہ اب ہر خوشی کے موقعہ پر اس آتش پرستی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اور شب تبراء میں تو آگ کا وہ کھیل کھیلا جاتا ہے۔ جس کی بدولت ہزارہا خاندان اسی آگ کی نذر ہو چکے ہیں اور چند لمحات کے لئے بھی یہ سوچنے کے لئے تیار نہیں کہ اس آتش بازی کے پس پردہ کیا چیز کارفرما ہے۔

یہ کذابین جس رحمت کے نزول کے مدعی ہیں اسے خود اپنے ہاتھوں آگ لگاتے ہیں اب تو اس کھیل نے یہ صورت اختیار کر لی ہے کہ اس کے بغیر شب تبرا کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا

Marfat.com

اور حقیقت بھی یہ ہے کہ آتش بازی کے بغیر شعبان کی آمد کا علم بھی نہیں ہوتا۔ گویا ماہ شعبان اور آتش پرستی باہم لازم و ملزوم ہیں۔ افسوس تو اس پر ہے کہ شیعہ اور ایرانی ذہن نے سینوں کو کس کس طرح بے وقوف بنایا ہے۔ کہ اب اس کا مداوا بھی ممکن نہیں رہا۔

جہاں تک چراغاں کا تعلق ہے تو اس کی حیثیت صرف کھیل کی نہیں۔ بلکہ عوام الناس اسے رضائے الٰہی کا ایک ذریعہ تصور کرتے ہیں۔ جو خالص مجوسی عقیدہ ہے اور جو عین کفر ہے۔ اور اسے رضائے الٰہی تصور کرنے والا قطعاً کافر ہے۔

اسی رضائے الٰہی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ستائیس رمضان، ستائیس رجب، پندرہ شعبان اور یوم ولادت نبی پر مساجد میں چراغاں کیا جاتا ہے اور پھر ولادت نبی کے حال میں یہ بھی پڑھ کر سنایا جاتا ہے کہ آپ کی آمد سے ایران کے آتش کدے بجھ گئے۔ لیکن افسوس ان محبان رسول پر جو اللہ کے گھروں کو بھی آتش کدوں میں تبدیل کر دیتے ہیں اور سال میں کئی کئی بار اس کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ گویا ان عجمیوں کو آتش کدوں کا بجھنا اتنا ناگوار گزرا ہے۔ کہ اس کی یاد کو تازہ کرنا انہوں نے اپنی زندگی کا محور بنا لیا ہے۔ اگر اسی کا نام محبت رسول ہے تو اللہ تعالیٰ ہر مسلم کو ایسی محبت سے محفوظ رکھے۔

یہ آتش پرستی جہاں مجوسیت کی یادگار ہے۔ وہاں اسراف بیجا اور مال کا ضیاع بھی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ○ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ○

اور پیسے کو فضول نہ اڑا، کیونکہ فضول اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔

یہ دولت و سرمایہ کی بربادی کیا اس قوم کے لئے مناسب ہے جو اپنی زندگی کی ہر ہر ضرورت میں کافر ممالک کی محتاج ہو، بلکہ اگر گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو ہماری قوم آتش پرستی، نذر و نیاز، عرس، ماتم، تیجوں، برسیوں، سالگرہوں اور شادی کی رسومات پر جتنی دولت برباد کرتی ہے۔ اس رقم سے ہر سال ملک میں بیسیوں کارخانے تیار ہو سکتے ہیں۔ افسوس ع

کہ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

ہے کوئی ایسا مرد مجاہد جو پاکستان کو ان خرافات سے پاک کرے۔ اگر ہم نے اب بھی ان لغویات کو ترک نہ کیا تو ہم کبھی بھی معاشی اور اقتصادی طور پر اپنے قدموں پر کھڑے نہ ہو سکیں گے اور ہمیشہ کاسۂ گدائی لے کر یورپین ممالک سے قرضوں کی بھیک مانگتے نظر آئیں گے۔

جہاں ان تمام خرافات سے احتراز ضروری ہے، وہاں پیر پرستی اور مردہ پرستی کو نیز بانہا بھی ضروری ہے۔ اس لئے کہ زندوں کا تمام حق تو یہ مردوں کے نام پر دکانداری کرنے والے کھا جاتے ہیں۔ بلکہ یہ مردہ خانوں کے ٹھیکہ دار عوام کی خون پسینے کی کمائی چرس اور بھنگ میں اڑا دیتے ہیں۔ سب سے اول تو ان اکھاڑوں کا تدارک ضروری ہے جو حکومت کے علاوہ کوئی اور انجام نہیں دے سکتا۔

الغرض شب تبرا اور اس آتش پرستی کی رسم کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، اور نہ صحابہ و تابعین اور تبع تابعین میں اس کا کوئی وجود تھا اور نہ آج اُن مقامات پر ان خرافات کا کوئی وجود ہے جہاں سے اسلام چل کر ہم تک پہنچا ہے یعنی مکہ مکرمہ، اور مدینہ منورہ۔ اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیشین گوئی فرمائی تھی۔ وہ کامل طور پر سامنے آگئی۔

ان الاسلام لیاربز الی المدینة کما تاربز الحیة الی جحرھا۔ (مسلم)

یقیناً اسلام سمٹ کر مدینہ کی جانب اسی طرح واپس آجائے گا۔ جس طرح سانپ سمٹ کر اپنے سوراخ کی جانب واپس آتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہاں اسلام کے سمٹنے سے مراد اصل اسلام کا سمٹنا ہے۔ نہ کہ فرضی اسلام کا سمٹنا۔ اور اللہ کا شکر ہے کہ مکہ و مدینہ میں اسلام اپنی اصل ہیئت میں نظر آتا ہے۔ نہ وہاں شرک و بدعات ہیں اور نہ اسلام کے نام سے فرضی خرافات۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے باشندوں کو وہاں اسلام نظر نہیں آتا۔ کیونکہ یہ لوگ خرافات اور فرضی کہانیوں کی جکڑ

بندیوں میں جکڑے ہوئے ہیں اور اپنی خرافات کا نام انہوں نے اسلام رکھ چھوڑا ہے۔ اور حرمین شریفین ان خرافات سے پاک ہیں تو ان عقل کے اندھوں کو وہاں اسلام کیسے نظر آسکتا ہے۔ وہاں اسلام صرف اسی شخص کو نظر آسکتا ہے جو کتاب و سنت کی عینک لگا کر دیکھے۔ جو پاکستان میں بمشکل حاصل ہو سکتی ہے۔ اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ

حلوا خوری

حلوا خور ملاؤں نے اپنی حلوہ خوری کے لئے شب تبرا میں حلوا پکانے کی رسم بھی اختیار کر رکھی ہے۔ قارئین یہ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ برامکہ نے مساجد میں آتش پرستی کی بدعت جاری کرنے سے قبل لوگوں کو کھانے کھلانے شروع کئے تھے اور بیت المقدس میں جب ابن ابی الحمراء نے ان فرضی نمازوں کا سلسلہ جاری کیا۔ تو اس نے حلوا خوری کا انتظام کیا۔ تاکہ مفت خورے حلوا کھانے کی غرض سے ہماری بدعت میں شریک ہو کر رونق محفل بڑھائیں۔ جیسا کہ آج کل میلادوں اور ختم قرآن پر شیرینی تقسیم کی جاتی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ میلاد کی مجلسیں اسی شیرینی کی بدولت، روز افزوں ہیں۔

ان ملاؤں نے اس حلوا خوری کو مذہبی رنگ دینے کے لئے لوگوں میں مختلف قسم کی کہانیاں پھیلا رکھی ہیں۔ جن میں سے اہم ترین یہ کہانی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے اور حضور کے لئے حلوا تیار کیا گیا تھا۔ اس لئے ہم حلوا پکا کر حضور کے نام کی نیاز دیتے ہیں۔

لیکن کوئی ان عقل کے کوروں سے یہ سوال نہیں کرتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک ۴ شوال کو شہید ہوئے اور انہیں پورے ساڑھے دس ماہ بعد اس کا خیال

پیدا ہوا۔ جو دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو تم اول درجہ کے فریب کار ہو جو قوم کو دھوکہ دے رہے ہو، یا اول درجہ کے جاہل مطلق ہو کہ تمہیں اتنی بھی خبر نہیں کہ حضور کے دندان مبارک کب شہید ہوئے۔

یہ بھی کوئی ان سے سوال کرے کہ حضور کے سامنے کے دو دانت شہید ہوئے تھے اور کھانا سامنے کے دانتوں سے نہیں کھایا جاتا، بلکہ داڑھوں سے کھایا جاتا ہے۔ آج تک پوری زندگی میں تمہیں اس کا بھی تجربہ نہیں ہوا۔

یہ بھی ہماری عقل سے باہر ہے کہ حلوا تو حضور کے لئے تیار ہو اور کھائیں دوست احباب یا ملا، اور پھر پکاتے وقت یہ بھی احساس نہیں کیا جاتا کہ جس مال سے تم حضور کے لئے یہ حلوا تیار کر رہے ہو، وہ مال حلال ہے یا حرام۔ کیونکہ ہم یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ راشی، سود خور، غاصب، چور اور بے ایمان سب ہی حلوا پکاتے ہیں، اگر حقیقتاً اس حلوے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کریمہ مقصود ہے تو آپ کے ساتھ اس سے زیادہ بدترین مذاق کیا ہوگا۔ کہ جس مال سے اللہ اور اس کے رسول نے منع کیا ہے۔ وہی مال حضور کو پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ حب رسول ہے یا عداوت رسول اس کا فیصلہ خود قارئین کرام کر لیں۔

پھر یہ بھی غور طلب مسئلہ ہے کہ جب یہ حلوا کھاتے پیتے احباب نے ہضم کر لیا تو حضور کو یہ حلوا کس طرح پہنچا۔ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ ہم تو صدقہ کی نیت سے پکاتے ہیں اور حضور کو اس کا ثواب پہنچاتے ہیں، تو اول تو مال حرام سے صدقہ جائز نہیں۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ان اللہ لا یقبل صدقۃ من غلول۔ — یقیناً اللہ مال حرام کا صدقہ قبول نہیں فرماتا

نسائی ج ۱ ص ۲۵۱

تو اول تو صدقہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مال حلال سے حاصل کیا گیا ہو، ثانیاً یہ بھی ضروری ہے کہ وہ صدقہ مساکین اور مستحقین میں تقسیم کیا جائے، جو افراد صدقہ کے مستحق نہیں ہیں

Marfat.com

ان کے لئے صدقہ کھانا حرام ہے۔ اس طرح احکام شریعت کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ جو کہ نفاق کی دلیل ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں سوجی کا تو کیا وجود ہوتا۔ گندم کے آٹے اور چھلنی تک کا وجود نہ تھا۔ بلکہ پتھر پر جو رگڑ کر اس کا بھوسہ پھونکوں سے اڑا لیا جاتا اور پھر اس کی روٹی تیار کر لی جاتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری اپنی حیات طیبہ میں چھنے آٹے کی روٹی نہیں دیکھی۔ ایسی صورت میں یہ ہندوستانی حلوے کا وجود مدینہ میں کیسے ممکن ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہم امیر حمزہ کی نیاز دیتے ہیں اول تو حضرت حمزہ بھی جنگ احد میں شہید ہوئے جو ۷ شوال ۳ھ میں واقع ہوئی، نہ کہ شعبان میں، اس نیاز میں بھی وہی عیوب موجود ہیں جو حضور کے نام کی نیاز میں پائے جاتے تھے۔

پھر اس سلسلہ میں حضرت حمزہ کی کیا تخصیص ہے۔ اس لئے کہ جنگ اُحد میں ستر صحابہ شہید ہوئے۔ اگر اس نیاز کی اصل وجہ شہادت ہے تو امت مسلمہ میں اتنے شہید ہوئے ہیں کہ اگر ان سب کے نام کی نیاز دی جائے تو سر اٹھانے کی بھی فرصت نہ ملے، اور یہ کاروبار عالم ٹھپ ہو کر رہ جائے اور اگر اس نیاز کی وجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری ہے تو پھر حضرت عباس، حضرت صفیہ، ازواج مطہرات، حضور کی صاحبزادیوں اور دیگر اقربا نے کون سا قصور کیا۔ جو وہ اس نیاز سے محروم کئے گئے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ حلوا اویس قرنی کی نیاز کے لئے پکایا جاتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے جب یہ سنا کہ حضور کے دندان مبارک شہید ہو گئے تو انہیں اس بات کا علم نہ تھا کہ آپ کے کون سے دندان مبارک شہید ہوئے ہیں، اس لئے انہوں نے اپنے تمام دانت توڑ ڈالے۔ لیکن آج تک کسی محب رسول اور عاشق اویس نے اس پر عمل کر کے نہیں دکھایا۔ کیا یہ کہانی صرف سنانے کے لئے ہے۔ عمل کرنے کے لئے نہیں؟ ہوتا تو یہ چاہیئے تھا کہ محبان رسول سب ہی اپنے دانت توڑ لیتے۔ جس سے ایک اہم فائدہ یہ ہوتا کہ محب رسول اور

Marfat.com

غیر محب رسول کی شناخت میں دشوار نہ ہوتی۔ صرف صورت دیکھ کر فتوی جاری کیا جا سکتا تھا۔ لیکن مثل مشہور ہے کہ دیگراں را نصیحت خود را فضیحت۔

اویس قرنی کے بارے میں اکثر روایات من گھڑت اور فرضی ہیں۔ بلکہ بعض پہلے ائمہ اس میں بھی مشکوک ہیں کہ ان کا دنیا میں کوئی وجود بھی تھا، یا نہیں۔ امام مالک المتوفی ۱۷۹ھ، امام شعبہ المتوفی ۱۶۰ھ اور امام عمرو بن مرہ تابعی المتوفی ۱۱۸ھ سرے سے ان کے وجود ہی کے منکر ہیں اور اتفاق سے عمرو بن مرہ قبیلہ مراد سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور قرن قبیلہ مراد کی ایک شاخ ہے۔ جس سے اویس کا تعلق بیان کیا جاتا ہے۔ ان عمرو بن مرہ کا بیان ہے کہ ہمارے قبیلہ میں اویس نامی کوئی فرد نہیں گذرا۔ اور اسی باعث امام شعبہ اور امام مالک اویس کے وجود کے منکر ہیں۔

تاریخی طور پر یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ یمن کا علاقہ ۱۰ھ میں فتح ہوا۔ اس وقت تک اہل یمن کافر تھے۔ اگر اویس کا کوئی وجود تھا تو یقیناً وہ ۱۰ھ کے بعد اسلام لائے ہوں گے۔ جب کہ حضور کے دندان مبارک ۴ھ میں شہید ہوئے۔ پھر یمن کا علاقہ حضرت خالد بن الولید اور حضرت علی کے ہاتھوں فتح ہوا اور فتح کے بعد یمن کے پہلے امیر حضرت علی متعین ہوئے اور ذی الحجہ ۱۰ھ میں حضرت علی کی جگہ حضرت معاذ بن جبل اور ابو موسیٰ اشعری کو متعین کیا گیا۔ اب اگر اویس ان حضرات میں سے کسی کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے۔ تو یقیناً ان حضرات سے یہ بھی معلوم ہو سکتا تھا کہ حضور کے کون سے دندان مبارک شہید ہوئے۔ اس سے تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اویس نے ان صحابۂ کرام سے نہ تو ملاقات کی اور نہ ان حضرات سے حصول علم کی کوشش کی۔ بلکہ اپنی جہالت کو علم تصور کرتے ہوئے حماقت کا ثبوت پیش کیا۔

یہ بھی غور طلب ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی محبت میں اپنے دانت توڑ ڈالے تو یہ واقعہ ایک تاریخی کارنامے کی حیثیت اختیار کر لے گا اور یہ خبر پر لگا کر چند ہی روز میں پورے

Marfat.com

ملک میں پھیل جائے گی۔ لیکن اس کے باوجود کوئی محدث، اور کوئی مورخ اس واقعہ کا تذکرہ نہیں کرتا۔ جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ بے پر کی گپ ہے۔

اگر اس قسم کا کوئی واقعہ پیش آیا ہے، تب بھی اویس کا یہ عمل شرعاً کوئی نیک کام نہیں۔ بلکہ یہ ایک گناہ عظیم ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ و بن العاص جو مشہور زاہد و عابد صحابی ہیں۔ ہمیشہ روزے رکھتے اور تمام رات نماز پڑھتے تھے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا۔ تو آپ نے ہمیشہ روزے رکھنے اور تمام رات نماز پڑھنے کی ممانعت فرمائی اور ارشاد فرمایا۔

لم عذبت نفسك۔ ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۶ — تو نے اپنی جان کو کیوں عذاب دیا۔

ایک اور حدیث میں اس طرح ارشاد فرمایا۔

ان لنفسك عليك حقا ولعينيك حقا۔ بخاری ج ۱ ص ۲۶۵ مسلم ج ۱ ص ۳۶۷ نسائی ج ۱ ص ۲۳۸ — یقیناً تجھ پر تیرے نفس کا بھی حق ہے۔ اور تیری آنکھوں کا بھی حق ہے۔

گویا پوری رات عبادت کرنا یا ہمیشہ روزے رکھنا۔ یہ نفس کو عذاب دینا ہے۔ حالانکہ شریعت نے نفس کو عذاب دینے کی اجازت نہیں دی، بلکہ ارشاد فرمایا "تجھ پر تیرے نفس کا بھی حق ہے اور تیری آنکھوں کا بھی حق ہے" کہ انہیں آرام دے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اپنی جان کو عمداً تکلیف پہنچانا جائز نہیں۔ خواہ یہ تکلیف عبادت کی زیادتی کے ذریعہ کیوں نہ دی جائے۔ اب اگر اویس نے یہ حرکت لاعلمی کے باعث کی تو ان کی یہ جہالت ہمارے لئے حجت نہیں ہو سکتی اور اگر علم کے باوجود ایسی حرکت کی تو انہوں نے کبیرہ گناہ کیا اور فرمان رسول کی مخالفت کی۔ اس صورت میں یہ محبت، رسول نہ ہوگی، بلکہ عداوت رسول ہوگی۔

حضور کے اس فرمان سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ صوفیاء جو نفس کشی کی تعلیم دیتے ہیں۔ وہ سراسر اسلام کے خلاف ہے۔ اسے رہبانیت یا جوگ سے تو تعبیر کیا جا سکتا ہے لیکن اسلام کا اس سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ ارشاد الٰہی ہے۔

Marfat.com

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا — اللہ تعالیٰ کسی نفس پر اس کی طاقت سے زیادہ بار نہیں ڈالتا۔

یہ بھی شریعت کا ایک مسلمہ قانون ہے کہ خودکشی حرام ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنی جان کا خود مالک نہیں۔ بلکہ یہ دراصل اللہ کی ملکیت ہے اور انسان کو بطور امانت دی گئی ہے۔ جس کی حفاظت اس کے ذمہ ہے اور جب کوئی انسان اپنے ارادے سے اللہ کی ملکیت اور اس کی امانت میں دخل اندازی کرتا ہے۔ تو جہاں وہ خیانت کا مرتکب ہوتا ہے، وہاں وہ اللہ کی ملکیت کو ضائع بھی کرتا ہے۔ اسی لئے خودکشی کو حرام قرار دیا گیا ہے اور امانت میں خیانت کلی طور پر ہو یا جزوی طور پر دونوں حرام ہیں۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓو بن العاص سے فرمایا۔ تجھ پر تیری جان کا بھی حق ہے۔ اور تیری آنکھوں کا بھی حق ہے اور جس طرح جان اور آنکھوں کا حق سلب کرنا حرام ہے۔ اسی طرح دانتوں کا حق مارنا بھی جائز نہیں جو ان کی صفائی اور دیکھ بھال ہے۔ اسی لئے مسواک کی تاکید کی گئی ہے اور جب دانتوں کا حق مارنا جائز نہیں تو ان کا ضائع کرنا بدرجۂ اولیٰ حرام ہے۔ ایسا شخص جو عمداً دانتوں کو ضائع کرتا ہے۔ وہ اللہ کی امانت کو ضائع کر رہا ہے۔ وہ تو شرعاً قابل تعزیر ہے نہ کہ قابل تحسین۔

اگر حب رسول میں جان یا اس کے کسی حصہ کا بلاوجہ ضائع کرنا جائز ہوتا اور یہ فعل حب رسول کی دلیل ہوتی تو صحابہ کرام میں سے کوئی فرد بھی اس سے احتراز نہ کرتا۔ لیکن کسی صحابی نے بھی اسے اختیار نہیں کیا۔ جو اس امر کا ثبوت ہے کہ یہ کوئی مستحسن فعل نہیں بلکہ ایک بدترین اور قبیح فعل ہے۔ اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ یہ فعل مستحسن ہے اور حب رسول کی دلیل ہے تو اس سے دو امور لازم آئیں گے اول اگر کوئی حب رسول میں خودکشی کرے تو وہ جائز ہوگی۔ حالانکہ حب رسول کے ڈھنڈورچی بھی اس کے قائل نہیں۔ دوم۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات سے لے کر آج تک اویس قرنی کے علاوہ کوئی محب رسول نہیں گزرا۔ اس طرح یہ حب رسول کے مدعی خود اپنے دعوے میں جھوٹے ثابت ہوں گے اور یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ صحابہ کرام تابعین

Marfat.com

اور تبع تابعین سب اپنے اس دعوائے حب رسول میں جھوٹے تھے۔عیاذاً باللہ

ان تمام دلائل سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ یہ کہانی جاہل ملاؤں کی خود ساختہ ہے۔جس کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں۔یہ صرف گرمئ محفل کے لئے تیار کی گئی ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم اپنی کتاب اصلاح الرسوم میں فرماتے ہیں:

"منجملہ ان رسوم کے شب برات کا حلوا، اور عید کی سویاں، اور عاشورہ محرم کا کھچڑا اور شربت وغیرہ ہے۔شب برات میں حدیث سے اس قدر ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحکم حق تعالیٰ جنت البقیع میں تشریف لے گئے اور اموات کے لئے استغفار فرمایا۔اس سے آگے سب ایجاد ہے۔جس میں مفاسد کثیرہ پیدا ہو گئے ہیں"

ہم شروع کتاب میں تفصیل سے اس پر بحث کر چکے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بقیع وفات سے چند روز پیشتر تشریف لے گئے تھے اور شب برأت میں جانے کا ذکر قطعاً غلط ہے۔حتیٰ کہ مولانا محمد صدیق کاندھلوی مرحوم نے اس کی تردید میں مولانا اشرف علی تھانوی کو خط بھی تحریر فرمایا تھا جو امداد الفتاویٰ جلد سوم میں موجود ہے اور مولینا اشرف علی ان کے اعتراضات کے جوابات دینے سے قاصر رہے اور آخر میں صرف یہ جواب دیا کہ اس واقعہ کے سلسلہ میں اگرچہ مجھے بھی شک و شبہ ہے لیکن مفتی عزیز الرحمان دیوبندی کے فتویٰ سے میں گریز نہیں کر سکتا۔[1] مولانا آگے چل کر لکھتے ہیں:-

---

[1] ہم نے یہ خط و کتابت نقل کرنے سے اس لئے گریز کیا کہ اول تو یہ نہایت تفصیلی ہے جو پندرہ سولہ اوراق پر پھیلی ہوئی ہے۔ثانیاً پھوپھا مرحوم یعنی مولانا محمد صدیق کاندھلوی نے جو دلیل رد میں پیش کی ہے۔ہمیں اس دلیل سے کچھ اختلاف ہے۔جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا کہ اس پر مزید تفصیلی بحث شروع ہو جاتی۔انہوں نے نسائی کی روایت کو پیش کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضور ہر شب بقیع تشریف لے جاتے اور شب برأت سے اس کا کوئی

۱۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک جب شہید ہوئے تھے آپ نے حلوا نوش فرمایا تھا۔ یہ بالکل موضوع اور غلط قصہ ہے۔ اس کا اعتقاد کرنا ہرگز جائز نہیں۔ بلکہ عقلاً بھی ممکن نہیں۔ اس لئے کہ یہ واقعہ شوال میں ہوا نہ کہ شعبان میں۔

۲۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ان دنوں میں ہوئی یہ ان کی فاتحہ ہے۔ یہ بھی محض بے اصل ہے اور اول تو تعین تاریخ کی ضرورت نہیں۔ دوسرے خود یہ واقعہ بھی غلط ہے۔ آپ کی شہادت بھی شوال میں ہوئی تھی۔ شعبان میں نہیں ہوئی۔

۳۔ بعض لوگ اعتقاد رکھتے ہیں کہ شب برات وغیرہ (یعنی جمعرات) میں مردوں کی روحیں گھروں میں آتی ہیں اور دیکھتی ہیں کہ کسی نے ہمارے لئے کچھ پکایا ہے یا نہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسا امر خفی بجز دلیل نقل کے اور کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور وہ یہاں ندارد ہے۔

۴۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ شب برات سے پہلے کوئی مرجاوے، جب تک اس کے لئے فاتحہ شب برات نہ کیا جاوے وہ مردوں میں شامل نہیں، ہوتا (یعنی اس کی روح بھٹکتی پھرتی رہتی ہے جو خالص ہندوانہ عقیدہ ہے) یہ بھی محض تصنیف یاراں اور بالکل لغو ہے۔ بلکہ رواج ہے کہ اگر تہوار سے پہلے کوئی مرجاوے تو کنبہ میں پہلا تہوار (یعنی عید و بقرعید وغیرہ) نہیں ہوتا۔ حدیثوں میں صاف مذکور ہے کہ جب مردہ مرتا ہے، مرتے ہی اپنے جیسے لوگوں میں جا پہونچتا ہے۔ یہ نہیں کہ شب برات تک اٹکا رہتا ہے۔

۵۔ حلوے کی ایسی پابندی ہے کہ بدوں اس کے سمجھتے ہیں شب برات ہی نہیں ہوتی اس پابندی میں اکثر فساد عقیدہ بھی ہو جاتا ہے، کہ اس کو مؤکد ضروری سمجھنے لگتے ہیں۔ فساد عمل بھی ہو جاتا ہے۔ فرائض و واجبات سے زیادہ اس کا اہتمام کرنے لگتے ہیں اور

تعلق نہیں۔ پھوپھا مرحوم شب برات کے وجود کے قطعاً منکر ہیں اور وہ بھی مولوی اشرف علی کی طرح مولینا رشید احمد گنگوہی کے خلفاء میں سے تھے۔

ان دونوں کا معصیت ہونا فصل اول میں بالتشریح گزر چکا ہے۔ ان خرابیوں کے علاوہ تجربہ سے ایک اور خرابی بھی ثابت ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ نیت بھی فاسد ہو جاتی ہے ثواب وغیرہ کچھ مقصود نہیں رہتا ہے۔ خیال ہو جاتا ہے کہ اگر اب کے نہ کیا تو لوگ کہیں گے اب خستہ یا ناداری نے گھیر لیا ہے۔ اس الزام کے رفع کرنے کے لئے جس طرح بن پڑتا ہے۔ مرمار کر کرتا ہے۔ ایسی نیت سے صرف کرنا محض اسراف وتفاخر ہے، جس کا گناہ ہونا بارہا مذکور ہو چکا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کے لئے قرض لینا پڑتا ہے یہ جدا گناہ ہے۔

۶۔ جو لوگ مستحق اعانت ہیں ان کو کوئی بھی نہیں دیتا۔ یا ادنی درجہ کا پکا کر ان کو دیا جاتا ہے۔ اکثر اہل ثروت اور برادری کے لوگوں کو بطور معاوضہ کے دیتے لیتے ہیں، اور نیت اس میں یہ ہوتی ہے کہ فلاں شخص نے ہمارے یہاں بھیجا ہے، اگر ہم بھی نہ بھیجیں گے تو وہ کیا کہے گا۔ غرض اس میں بھی وہی ریاء و تفاخر ہو جاتا ہے۔

۷۔ بعض لوگ اس تاریخ میں مسور کی دال ضرور پکاتے ہیں۔ اس ایجاد کی وجہ آج تک معلوم نہیں ہوئی۔ لیکن اس قدر ظاہر ہے کہ غیر مؤکد کو مؤکد سمجھنا بلاشک معصیت ہے۔ یہ تو کھانے پکانے میں مفاسد ایجاد کر لیئے ہیں۔

۸۔ بعض لوگوں نے اس میں برتنوں کا بدلنا، اور گھر لینپنا (جیسے ہندو تہواروں پر کرتے ہیں) اور خود اس شب میں چراغوں کا زیادہ روشن کرنا عادت ڈال لی ہے۔ یہ بالکل رسم کفار کی نقل ہے۔ اور حدیث تشبہ سے حرام ہے۔ اصلاح الرسوم ص۱۴۸

جس شئے میں اتنے مفاسد موجود ہوں، قارئین خود سمجھ سکتے ہیں کہ اس کے جواز کا کیا مسئلہ ہے۔ حیرت تو اس پر ہے کہ اب تو دیوبندی حضرات بھی اس مرض میں مبتلا ہیں، جبکہ تمام علماء دیوبند نے اسے ناجائز کہا ہے۔ لیکن بقول حضرت تھانوی وہی دیکھا دیکھی اور ریاکاری کا مرض ہر شخص کو گھیرے ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو عقل سلیم عطا فرمائے اور انہیں اس خود ساختہ مصیبت عظمیٰ سے نجات دے۔ آمین یارب العلمین۔

مأخذ علمی التفاسیر

القرآن الکریم	
تفسیر ابن کثیر	حافظ ابو الفداء عماد الدین اسمعیل بن عمر سنہ ۷۷۴
تفسیر الکبیر	امام ابو عبداللہ فخر الدین محمد بن عمر بن الحسین سنہ ۶۰۶
مدارک التنزیل	نسفی
تفسیر مواہب	
تفسیر حقانی	ابو محمد عبدالحق حقانی دہلوی
تفسیر ماجدی	عبدالماجد دریا آبادی
موضح القرآن	شاہ عبدالقادر دہلوی
فتح القدیر	شوکانی
تفسیر جلالین	جلال الدین محلی و جلال الدین سیوطی
تفسیر خازن	
کمالین شرح جلالین	
احکام القرآن	حافظ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی العافری سنہ ۵۴۳
الجامع احکام القرآن المعروف بالتفسیر القرطبی۔	امام ابو عبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی
تفسیر عثمانی	علامہ شبیر احمد عثمانی سنہ ۱۳۶۹
لباب النقول فی اسباب النزول	جلال الدین سیوطی
تفسیر ابن جریر	ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری سنہ ۳۱۰
تفسیر بیضاوی	ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر البیضاوی سنہ ۶۹۲
خزائن العرفان فی تفسیر القرآن	مفتی نعیم الدین
معالم التنزیل	ابو محمد الحسین بن مسعود بن محمد البغوی سنہ ۵۱۶

Marfat.com

قرآن مجید اور اس کا شان نزول	محمود الحسین خسرو
روح المعانی	آلوسی

الاحادیث ومتعلقات الاحادیث

الصحیح	امام محمد بن اسمعیل البخاری ۲۵۶ھ
الصحیح	امام ابوالحسین علم بن الحجاج القشیری ۲۶۱ھ
المؤطا	امام ابو عبداللہ مالک بن انس الاصبحی المدنی ۱۷۹ھ
الجامع	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسی الترمذی ۲۷۹ھ
الشمائل	〃
العلل	〃
السنن	امام ابو عبدالرحمان احمد بن شعیب النسائی ۳۰۳ھ
السنن	امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی ۲۷۵ھ
السنن	ابو عبداللہ محمد بن یزید بن ماجۃ القزوینی ۲۷۳ھ
السنن	امام ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمان الدارمی ۲۵۵ھ
المسند	حافظ سلیمان بن داؤد بن جارود الطیاسی ۲۰۴ھ
المسند	امام ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل ۲۴۱ھ
المسند	عبداللہ بن الزبیر الحمیدی ۲۱۹ھ
المسند	امام محمد بن ادریس الشافعی ۲۰۴ھ
المشکوۃ	ولی الدین الخطیب ۷۳۷ھ
الاکمال فی اسماء الرجال	ول الدین الخطیب ۷۳۷ھ
الترغیب والترہیب	حافظ ذکی الدین ابو محمد عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری ۶۵۶ھ
معانی الآثار	امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی ۳۲۱ھ

Marfat.com

مجمع الزوائد ومنبع الفوائد	حافظ ابوالحسن نورالدین ہیثمی ۸۰۷ھ
المصنف	عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی ۲۱۱ھ
المصنف	امام ابوبکر بن ابی شیبہ ۲۳۵ھ
عمدۃ القاری شرح البخاری	امام بدرالدین عینی حنفی
فتح الباری شرح البخاری	حافظ ابن حجر العسقلانی ۸۵۲ھ
شرح مسلم	امام ابوزکریا محی الدین یحی بن شرف النووی ۶۷۶ھ
فتح الملہم شرح مسلم	علامہ شبیر احمد عثمانی
شرح مسلم	قاضی عیاض مصری
تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی	
المرقات شرح مشکوۃ	نورالدین ملا علی قاری ۱۰۱۴ھ
اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ	عبدالحق محدث دہلوی ۱۰۵۲ھ
حصن حصین	ابوالخیر شمس الدین محمد بن الجزری ۸۳۳ھ
کتاب الاذکار	ابوزکریا یحی بن شرف النووی ۶۷۶ھ
قوت المغتذی شرح ترمذی	جلال الدین سیوطی ۹۱۱ھ
تدریب الراوی	〃
میزان الاعتدال	حافظ ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی ۷۴۸ھ
لسان المیزان	حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی ۸۵۲ھ
تقریب التہذیب	〃
الضعفاء الصغیر	امام بخاری
الضعفاء الصغیر	امام نسائی
الفہرست	شیخ ابومحمد بخیبی
السیر الاعلام النبلاء	حافظ ذہبی ۷۴۸ھ
تذکرۃ الحفاظ	〃

Marfat.com

الموضوعات	حافظ ابوالفرج عبدالرحمان بن علی بن محمد المعروف بابن الجوزی ۵۹۷ھ
العلل المتناہیہ فی احادیث الواہیہ	〃
التذکرۃ الموضوعات	حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر المقدسی ۵۰۷ھ
تذکرۃ الموضوعات	محمد بن طاہر پٹنی ۹۸۶ھ
موضوعات کبیر	ملا علی قاری ۱۰۱۴ھ
التنزیہ الشریعہ فی احادیث الموضوعہ	ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی ۹۶۳ھ
اللآلی المصنوعہ فی احادیث الموضوعہ	جلال الدین سیوطی ۹۱۱ھ
المقاصد الحسنہ	حافظ شمس الدین محمد بن عبدالرحمان اسخاوی ۹۰۲ھ
تمییز الخبیث فی مایدور علی السنتہ الناس من الحدیث	شیخ عبدالرحمان بن علی بن محمد الشیبانی الشافعی الاثری
المقدمہ	شیخ تقی الدین ابوعمرو بن صلاح الدین الشافعی ۶۴۳ھ
معرفۃ علوم الحدیث	امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم نیشاپوری ۴۰۵ھ
المستدرک علی الصحیحین	〃
السنن الکبری	امام ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن عبداللہ البیہقی ۴۵۸ھ
الآثار المرفوعہ فی احادیث الموضوعہ	ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی ۱۳۰۴ھ
جامع الاصول	علامہ مجدالدین مبارک بن محمد الجزری المعروف بابن الاثیر ۶۰۶ھ
الطبقات	ابوعبداللہ محمد بن سعد بن کاتب الواقدی ۲۳۰ھ
التاریخ البخاری	امام محمد بن اسمعیل البخاری
الجرح والتعدیل	حافظ ابومحمد عبدالرحمان بن ابی حاتم الرازی ۳۲۷ھ
الکامل	حافظ ابواحمد عبداللہ بن عدی الجرجانی ۳۶۵ھ

Marfat.com

الشروط الائمۃ الستہ	حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی ۵۰۷ھ
التصحیح الانظار فی علوم الآثار	محمد بن ابراہیم المعروف بابن وزیر الیمانی ۸۴۰ھ
البانع الجنی فی اسانید الشیخ عبدالغنی	محمد بن یحی المعروف بہ محسن الیتیمی
توضیح الافکار	محمد بن اسمٰعیل امیر الیمانی ۱۱۸۲ھ
حصر الشارد فی اسانید الشیخ محمد عابد	محمد عابد سندھی ۱۲۵۷ھ
شرح ابن ماجہ	
الحطۃ بذکر الصحاح الستۃ	نواب صدیق حسن قنوجی ۱۳۰۷ھ
ابن ماجہ اور علم حدیث	عبدالرشید نعمانی
عجالہ نافعہ	شاہ عبدالعزیز دہلوی ۱۲۳۹ھ
فوائد جامعہ بر عجالہ نافعہ	عبدالحلیم چشتی
فتح المغیث فی شرح الفیۃ الحدیث	حافظ شمس الدین محمد بن عبدالرحمان السخاوی ۹۰۲ھ
توجیہ النظر الی اصول علوم الاثر	شیخ طاہر بن صالح جزائری ۱۳۳۸ھ
مجمع البحار فی غرائب التنزیل ولطائف الاخبار	شیخ محمد طاہر پٹنی ۹۸۶ھ
جامع بیان العلم وفضلہ	حافظ عمر بن یوسف المعروف بابن عبدالبر المالکی الاندلسی ۴۶۳ھ
رزین الصحاح	محدث رزین بن معاویہ عبدری سرقسطی ۵۲۵ھ
ابن عساکر	حافظ ابوالقاسم علی بن ابی محمد ۵۷۱ھ
منتہی المقال فی اسماء الرجال	
السلسلۃ الاحادیث الضعیفہ	ناصرالدین البانی
امالی	حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر ۵۷۱ھ
ماتمس بہ الحاجہ	عبدالرشید نعمانی
کتاب الضعفاء	عقیلی
زہر الربی علی المجتبی	جلال الدین سیوطی

کشف المغطا شرح المؤطا	مفتی اشفاق الرحمٰن الکاندھلوی
المحلی شرح المؤطا	شیخ سلام اللہ
کتاب الضعفاء والمتروکین	حافظ ابو حاتم محمد بن حبان البستی ۳۵۴ھ
نفع قوت المقتدی علی جامع الترمذی	علی بن سلیمان المغربی المالکی الشاذلی
شعب الایمان	امام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی ۴۵۸ھ
الکفایہ فی علم الروایہ	حافظ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی ۴۶۳ھ
تہذیب الکمال	حافظ ابو الحجاج جمال الدین المزی ۷۴۲ھ

التاریخ

ارمغان عجم	عزیز احمد صدیقی
تاریخ اسلام	معین الدین ندوی
تاریخ طبری	محمد بن جریر بن یزید الطبری
البدایہ والنہایہ	حافظ عماد الدین ابن کثیر الدمشقی ۷۴۴ھ
المنتظم	حافظ ابن جوزی ۵۹۷ھ
آیات بینات	محسن الملک
سیرت ابن تیمیہ	یوسف کوکن عمری
اصح السیر	عبدالرؤف دانا پوری
امیر معاویہ اور ان کی سیاسی زندگی	سید علی احمد عباسی
الشفاء	قاضی عیاض المصری
انساب الاشراف	محمد بن یحی بن جابر البلاذری
سیرت الرسول	ابن ہشام
سیرت النبی	شبلی

Marfat.com

طبقات حنابلہ — قاضی ابوالحسین محمد بن ابی یعلیٰ ۵۲۶ھ

الذیل علی طبقات الحنابلہ — عبدالرحمان بغدادی ۷۹۵ھ

الفقہ ومتفرقات

مضامین اخبارات	
حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ دہلوی
لجنہ	سید جمال الدین محدث
نظم البیان	
بحرالرائق	
فتاوی رضویہ	رضا احمد بریلوی
مکتوبات	شیخ احمد سرہندی
الالمام	
احکام الاحکام	
فتاوی عالمگیری	
بحرالرائق	ابن نجیم ابوحنیفہ ثانی
ردالمختار علی الدرالمختار	ابن عابدین ۱۲۵۲ھ
احیاءالعلوم	ابوحامد محمد بن محمد بن احمد الطوسی الغزالی ۵۰۵ھ
غنیۃ الطالبین	عبدالقادر الجیلانی ۵۶۰ھ
کبیری شرح منیۃ المصلی	
تحفۃ العوام	
الصواعق المحرقہ	ابوالعباس احمد بن محمد بن حجر المکی ۹۷۴ھ

غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی	شیخ ابراہیم حلبی حنفی
کتاب الرد علی بکری	حافظ ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ ۷۲۸ھ
رسالہ فضیلت شعبان	قاری شریف احمد
راہ سنت	مولوی سرفراز احمد
شرح فقہ اکبر	ملا علی قاری
تفہیم المسائل	حسام الدین علی المتقی ۹۷۹ھ
نوادر النوادر	حکیم ترمذی
مجالس الابرار	
فتاوی شامی	
فتاوی بزازیہ	محمد بن محمد الخوارزمی ۸۲۷ھ
حموی	
فتاوی قاضی خاں	
الاعتصام	
تنقل الانوار	بکری
وسیلۃ المتعبدین	شیخ عمر موصلی
فتوحات مکیہ	ابوطالب مکی
بہار شریعت	رضا احمد بریلوی
امداد الفتاوی	مولوی اشرف علی
اصلاح الرسوم	〃

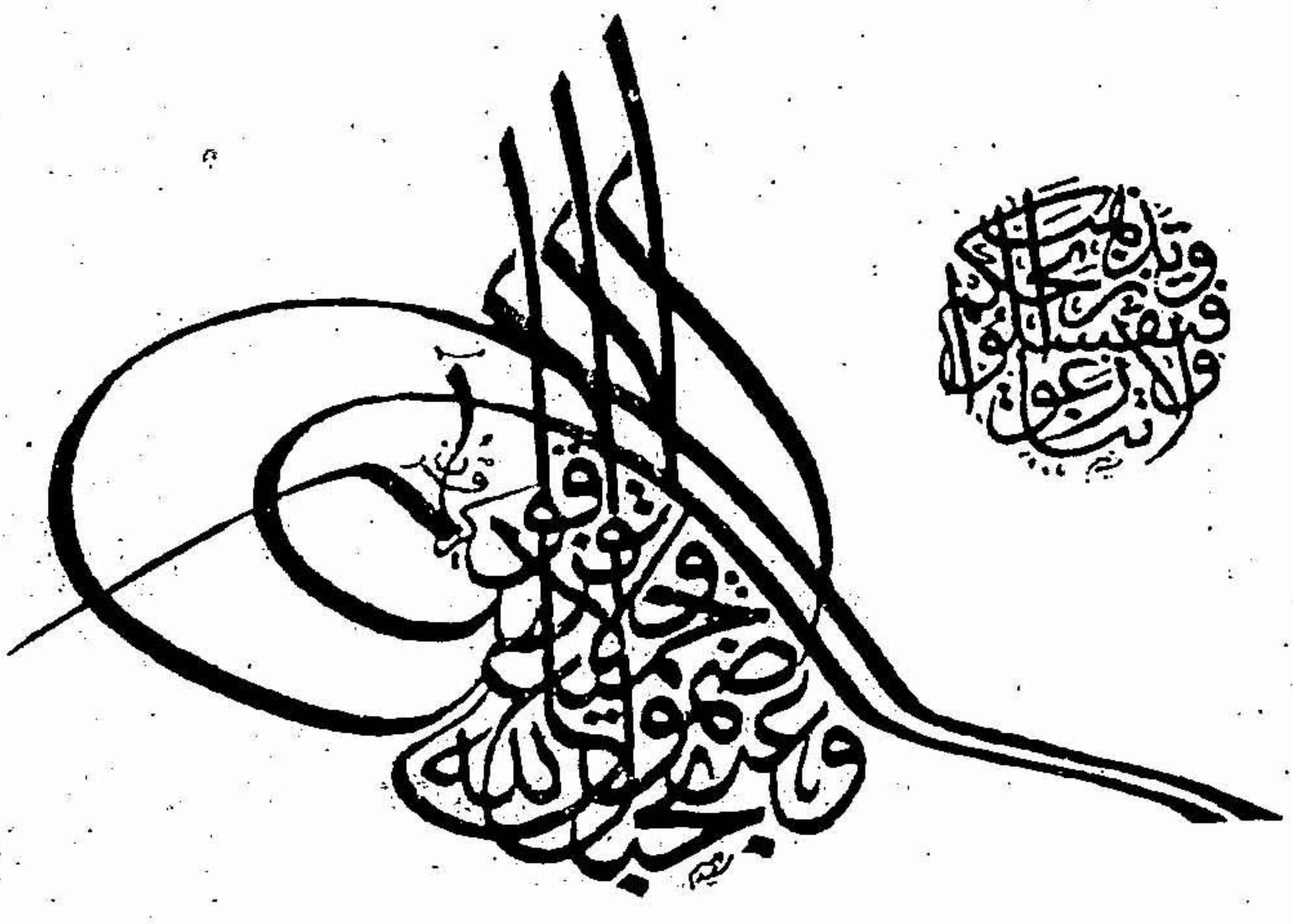

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

Marfat.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا (الحجرات ٦)

اے ایمان والو ! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔

شب برأت

ایک تحقیقی جائزہ

محقق و نقّاد

علاّمہ حافظ قاری حبیب الرحمان صدیقی کاندھلوی

ماہر تاریخ، شیخ القرآن و امام الحدیث

شائع کردہ

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

۳۔۷۔ اے۔ بلاک نمبر ا۔ ناظم آباد۔ کراچی ۷۴۶۰۰

فون : ۶۲۱۴۴۹

Marfat.com